ماہنامہ

ایڈونچر

* معبد
* پیاسی آتما

www.Paksociety.com

رابطہ

قارئین کرام! السلام علیکم!

امید ہے کہ آپ سب لوگ بخیریت ہونگے، اپریل کے مہینے میں پے در پے ہونے والے سانحات نے پورے ملک کی فضا کو سوگوار کردیا۔ گیاری سیکٹر میں برفانی تودے تلے فوجی جوانوں کی زندگی کی امید کم سے کم ہوتی جارہی ہے اور ان کے اہل خانہ شائد اب کسی معجزے کے منتظر ہیں۔ ابھی اس سانحے کے دلخراش اثرات ختم نہ ہوئے تھے کہ بھوجا ایئرلائن کے حادثے نے 127 گھرانوں کے چراغ گل کردیے۔ ذمہ داران حکومت کی غفلت و نااہلی کے باعث ہونے والے اس حادثے کی خبر سنتے ہی ملک کے طول و عرض میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی، سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس طرح کے حادثات دنیا کے دوسرے ممالک میں کیوں نہیں ہوتے؟ لیکن شائد ہم سوچتے ہی نہیں۔ بہرحال آمدم برسرِ مطلب، بات کرتے ہیں رسالے کے مندرجات کی۔ آپ کے بھیجے گئے خطوط اور ان میں دیے گئے مشوروں کی روشنی میں ہم رسالے کے معیار کو مزید بہتر بنانے کے لیے کوشاں ہیں۔ اس شمارے میں خاص طور پر چند کہانیاں منتخب کی گئی ہیں، امید ہے کہ یہ آپ کے ذوق مطالعہ پر پوری اتریں گی، انھیں پڑھیے اور ہاں ہمیں اپنی رائے سے ضرور آگاہ کیجیے گا۔ آپ کی رائے کے منتظر

افضل منگی حیدرآباد سے لکھتے ہیں۔
محترم ایڈیٹر صاحب! اسلام وعلیکم۔ امید کرتا ہوں کہ آپ اور ادارے کے دیگر ارکان خیریت سے ہوں گے۔ ابتر سیاسی حالات اور پے در پے ہونے والے سانحات نے تو جیسے جینے کی امنگ ہی چھین لی ایسے میں اپنے پسندیدہ رسالے کا ملنا ہوا کے تازہ جھونکے کی مانند تھا، اپریل کے شمارے میں ساری کہانیاں ہی بہترین تھیں، خاص طور پر شکاری بے حد حساس موضوع پر لکھی گئی کہانی تھی، جس نے قارئین کو یقیناً سوچنے پر مجبور کیا ہوگا، مستقل سلسلے کی کہانیاں معبلہ اور پیاسی آتما بھی پہلے سے بہتر ہوگئی ہیں، مختصر کہانیوں میں آئینہ اور نساء پسند آئیں۔ مجھے آپ سے یہ پوچھنا ہے کہ اگر میں آپ کو کوئی کہانی بھیجنا چاہوں تو اس کے لیے کیا طریقہ کار ہوگا، جواب ضرور دیجیے گا، اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو۔

شہزاد خان کوہاٹ سے لکھتے ہیں۔
محترم و قابل احترام ایڈیٹر صاحب! اسلام وعلیکم! اپریل کا شمارہ ملا، سب سے پہلے سلسلہ وار کہانیوں کی طرف لپکے، پیاسی آتما اور معبلہ دونوں ہی اپنی دلچسپی برقرار رکھے ہوئے ہیں جبکہ اس ماہ پناہ گاہ اپنی دلچسپی قائم نہ رکھ سکی، سرورق کی حسینہ ایک انوکھے روپ میں جلوہ گر تھی، شکر ہے کہ آپ نے سرورق پر بھی توجہ دی اور اب سرورق کا معیار خاصا بہتر ہوتا جارہا ہے۔ باقی اور کیا لکھوں، مختصر کہانیوں میں پروف ریڈر، آئینہ کچھ بہتر تھیں، جبکہ شہباز شورو کی لکھی ہوئی کہانی میں زندگی کی تلخ حقیقتوں سے آشنائی ہوئی۔ باقی کہانیاں بھی بہتر تھیں، آپ کی کہانی نساء نے تو ہماری آنکھیں کھول دیں، واقعی دنیا ابھی اچھے لوگوں سے خالی نہیں ہوئی۔ اگلے شمارے کا بے چینی سے منتظر ہوں۔ اجازت چاہوں گا، اللہ حافظ۔

ذیشان علی کراچی سے رقم طراز ہوئے ہیں۔
عزیز ایڈیٹر صاحب اُمید ہے مزاج بخیر ہوں گے، آپ اور آپ کا ادارہ ایک معیاری ماہنامے کو ہم تک پہنچانے کے لیے جتنی سعی و کوشش کر رہا ہے یقیناً اس کے لیے آپ سب مبارکباد کے مستحق ہیں، ایڈونچر کا اپریل کا شمارہ کچھ دیر سے ملا، لیکن سرورق پر بنی حسینہ کی مسکراتی تصویر نے جیسے انتظار کی کوفت کا ازالہ کردیا۔ امید کرتا ہوں کہ آپ کہانیوں کے ساتھ ساتھ سرورق کے معیار کو بھی بہتر کرتے رہیں گے، سب سے پہلے اپنی پسندیدہ کہانی پناہ گاہ پڑھی، کہانی بہت خوبصورتی سے آگے بڑھ رہی ہے۔ اس ماہ معبد اور پیاسی آتما کی قسط بھی کافی بہتر تھی۔ دیگر کہانیوں میں گریملنز، عظیم دوست بھی اچھی تھیں۔ لیکن شہباز شورو اور عبدالمعبود صدیقی کی کہانیوں نے تو جیسے ہمیں جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ بلاشبہ ایسی کہانیوں کے ذریعے آپ نے معاشرے کی چھپی ہوئی سچائیوں کو بے نقاب کیا ہے، آئینہ زیادہ پسند نہیں آئی، پروف ریڈر بھی ایک اوسط درجے کی کہانی تھی، امید ہے کہ آپ کو میری تنقید ناگوار نہیں گزرے گی کیونکہ یہ تنقید بھی اپنے رسالے کو بہتر بنانے کے لیے ہی کی جاتی ہے، امید کرتا ہوں کہ ماہنامہ ایڈونچر اسی طرح ہماری زندگیوں میں ایڈونچر لاتا رہے گا، آپ کا بہت وقت لے لیا اب اجازت چاہتا ہوں، اگلے شمارے کا انتظار رہے گا۔ خدا حافظ

عرفان علی اسلام آباد سے لکھتے ہیں۔
عزیز ایڈیٹر: اسلام علیکم۔ ماہنامہ ایڈونچر کا پرانا قاری ہوں اور ہر مہینے خط کے ذریعے آپ سے آدھی ملاقات بھی ہوجاتی ہے۔ اپریل کا شمارہ کچھ تاخیر سے ملا لیکن سرورق دیکھ کر سارا غصہ جاتا رہا۔ سلسلے وار کہانیاں اب کچھ بور ہوتی جارہی ہیں البتہ اپریل کے مہینے میں شکاری بے حد پسند آئی، مختصر کہانیوں میں عظیم دوست، آئینہ، نساء نے بھی خوب رنگ جمایا جبکہ پروف ریڈر کا موضوع گو کہ پرانا تھا لیکن کہانی دلچسپ پیرائے میں لکھی گئی تھی، پیاسی آتما اور معبلہ میں کوئی نیا پن محسوس نہیں ہوا، یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ کہانیاں اب یکسانیت کا شکار ہوتی جارہی ہیں۔ میرا ایک مشورہ ہے کہ آپ ہر ماہ کوئی نصیحت آموز کہانی بھی شائع کیا کریں۔ اس سے قارئین کی دلچسپی میں مزید اضافہ ہوگا، میرا خیال ہے کہ میں نے تفصیلی تبصرہ کردیا ہے، امید ہے کہ آپ میرے مشوروں پر غور کریں گے، اگلے مہینے کے شمارے میں اپنے جواب کا منتظر رہوں گا۔

شہروز خان ایبٹ آباد سے لکھتے ہیں۔
قابل احترام ایڈیٹر صاحب! اسلام علیکم۔ امید ہے کہ مزاج بخیر ہوں گے۔ گو کہ اپنی مصروفیات کی وجہ سے خطوط کی محفل میں کبھی کبھار ہی شرکت کر پاتا ہوں، لیکن ایڈونچر باقاعدگی سے پڑھتا ہوں، اپنی مصروفیت کے باعث ابھی تک اپریل کے شمارے کو مکمل طور پر نہیں پڑھ پایا۔ لیکن مختصر کہانیوں میں آئینہ، نساء اور واقعہ بے حد پسند آئیں تینوں ہی کہانیاں ہمارے آج کے معاشرے کی حقیقی تصویر کشی کر رہی تھیں، ہم میں سے ہر ایک کی زندگی میں واقعہ جیسا کوئی نہ کوئی واقعہ ضرور پیش آیا ہے اور یہی شائد ہمارے معاشرے کا سب سے بڑا المیہ ہے، خیر ہم بات کر رہے تھے ایڈونچر کی، سرورق کا معیار تو اب خاصا بہتر ہوگیا ہے لیکن کہانیوں کے معیار کی طرف توجہ دیجیے

کی ضرورت ہے، مستقل سلسلے معبلہ اور پیاسی آتما یکسانیت کا شکار ہو رہے ہیں، لیکن اس سب کے باوجود ایڈونچر سے ہمارا ناطہ برقرار ہے، دعا گو ہوں کہ ہمارا پسندیدہ رسالہ کامیابی اور کامرانی کی نئی منزلیں سر کرے، اگلے شمارے کا بے چینی سے منتظر ہوں۔

✍ **زاہد بٹ** جہلم سے لکھتے ہیں۔

محترم جناب ایڈیٹر صاحب! اسلام علیکم۔ اپریل کا شمارہ کافی تاخیر سے موصول ہوا، لیکن سرورق پر نظر پڑتے ہی انتظار کی ساری کوفت کا خاتمہ ہوگیا، سب سے پہلے سلسلہ دار کہانیاں پناہ گاہ اور معبلہ پڑھیں، دونوں کہانیاں بہت خوبصورتی سے آگے بڑھ رہی ہیں۔ محمد یعقوب بھٹی کی کہانی شکاری میں اس مرتبہ جس جرم کی نشاندہی کی گئی ہے واقعی وہ ایک بھیانک جرم ہے اور اس کے لیے جو بھی سزا دی جائے وہ کم ہے، مختصر کہانیوں میں آئینہ، نساء، عظیم دوست اور جیت بے حد پسند آئیں۔ صالح کریم کے نئے کارنامے کا بے چینی سے انتظار ہے، امید ہے کہ آپ میری درخواست پر غور کریں گے، باقی کہانیاں ابھی زیر مطالعہ ہیں اس لیے ان پر تبصرہ کرنے سے قاصر ہوں، مجموعی طور پر رسالے کا معیار پہلے سے بہتر ہوتا جا رہا ہے، امید کرتا ہوں کہ آپ آئندہ شماروں میں بھی اس معیار کو برقرار رکھیں گے۔ آپ کا خیر اندیش۔

✍ **عدیل لغاری** کراچی سے لکھتے ہیں۔

محترم جناب ایڈیٹر صاحب! اسلام علیکم۔ ایڈونچر کا پرانا ساتھی ہوں لیکن آج سے پہلے کبھی خط لکھنے کا اتفاق نہیں ہوا، کراچی شہر کے حالات تو جوں کے توں ہیں، شہر کی فضا میں خوف و ہراس چھایا رہا، ایسے میں اپنے پسندیدہ ماہنامے کو پا کر بے اندازہ خوشی ہوئی، سرورق پر دلکش اور طرہ دار حسینہ کی حکمرانی تھی، سرورق سے آگے بڑھے تو سب سے پہلے مستقل کہانیوں کی طرف چھلانگ لگائی۔ پیاسی آتما ہوں یا معبلہ اور پناہ گاہ تینوں ہی اپنی دلچسپی برقرار رکھے ہوئے ہیں خصوصاً معبلہ کی اگلی قسط کا شدت سے انتظار ہے، صالح کریم کا کوئی کارنامہ آپ نے کافی عرصے سے شائع نہیں کیا، ان کی غیر حاضری کچھ لمبی ہو گئی ہے۔ مختصر کہانیوں میں ابھی تک صرف گریملنز، عظیم دوست اور پروف ریڈر نظر سے گزری ہیں اس لیے باقی کہانیوں پر تبصرہ کر[illegible] قاصر ہوں، ایڈونچر کا معیار اب پہلے سے کافی بہتر ہوگیا ہے، امید کرتا ہوں کہ رسالے کا یہ معیار قائم رہے گا۔ اگلے شمارے کا بے چینی سے انتظار ہے۔ اللہ حافظ

یہ تھے قارئین کے خطوط اب اگلے ماہ تک کے لیے اجازت

فہمیدہ

خلش

شہاب شیخ

ایک ایسے شخص کی کہانی جو انسانی مخلوق ہوتے ہوئے کسی اور ستارے کی مخلوق تھا

خلش
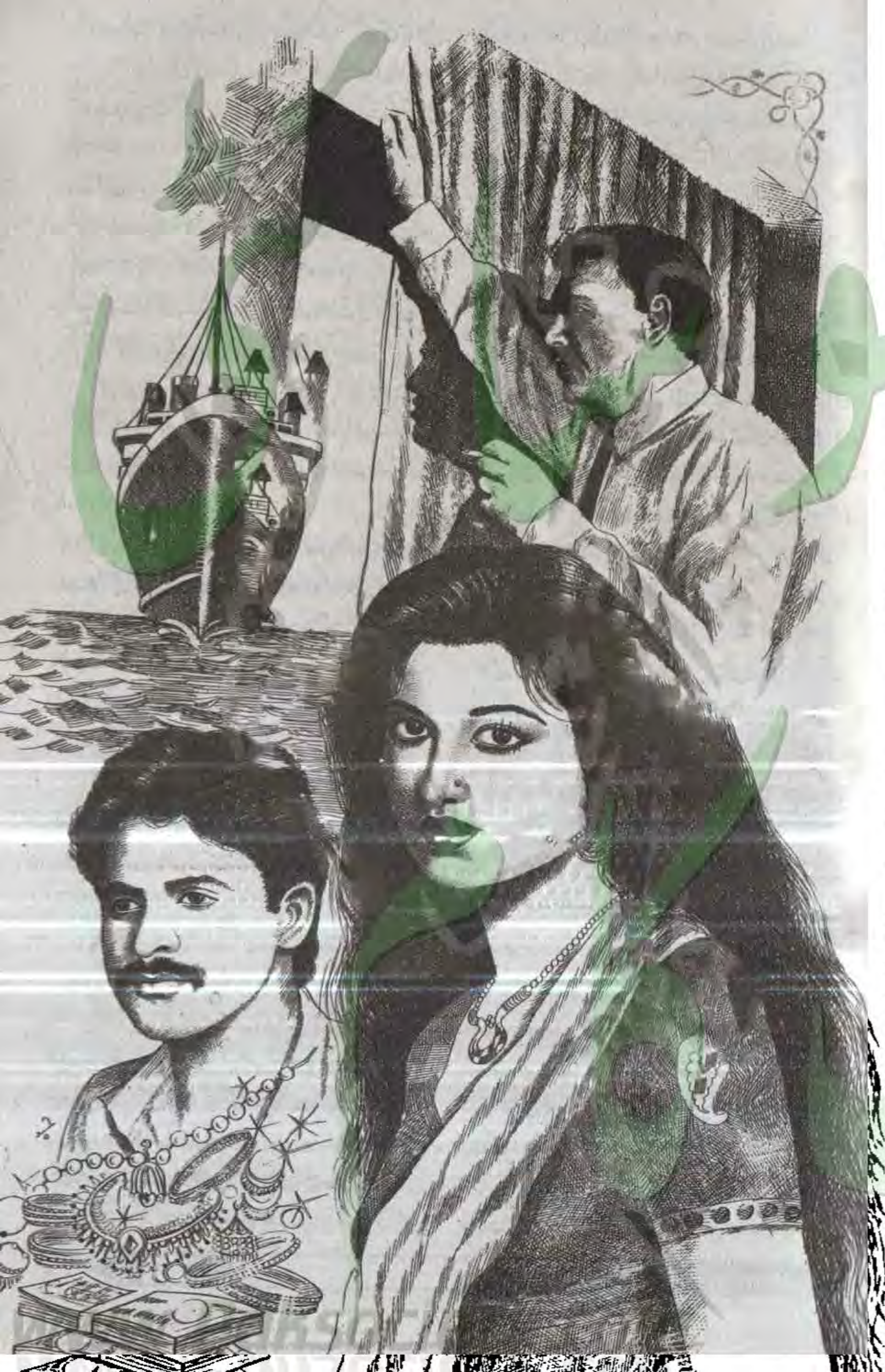
اس مصور کی کہانی جو ایک مصورہ سے جیلس تھا۔
اس مصورہ کی کہانی جو کسی اور ستارہ کی مخلوق تھی۔
وہ مصورہ اسے بھی اپنے ستارہ کی مخلوق بنانے پر نہ صرف بضد تھی بلکہ وہ اسے
اپنے ستارے سے لینے کے لیے زمین پر اتری تھی۔
سائنس فکشن پڑھنے والوں کے لیے تحفہ خاص۔

شہاب شیخ

ایک ایسے شخص کی کہانی جو انسانی مخلوق ہوتے ہوئے کسی اور ستارے کی مخلوق تھا

دروازے پر دستک ہوئی تو میں نے اپنے سامنے موجود زیرِ تکمیل تصویر پر سے نظریں ہٹائے بغیر "یس" کہا۔

ذرا ہی دیر بعد میرا سیکریٹری لکشمن کھنکھارتا ہوا اندر آ گیا۔ میں نے اب بھی اس پر نظریں نہیں ڈالیں اور تصویر پر برش چلاتا رہا۔ وہ میرے قریب آن کھڑا ہوا۔

"کیا بات ہے؟" میں نے بدستور اپنے کام پر نظریں رکھتے ہوئے اس سے کہا۔

"سر! یہ نیویارک کا ایک اور میگزین میرے ہاتھ آیا ہے۔ اس میں بھی جولیٹ کی تصاویر اور اس کے بارے میں بہت کچھ شائع ہوا ہے۔" اُس نے جواب دیا۔ میں نے جولیٹ کے نام پر ہاتھ روک کر اُس کی جانب دیکھا اور اُس نے ہاتھ میں موجود میگزین پر ناگواری سے نظریں ڈالیں۔ ناگواری کی وجہ یہ تھی کہ میں جولیٹ نامی اس مصورہ کو پسند نہیں کرتا تھا اور میری ناپسندیدگی کی وجہ پروفیشنل جیلسی تھی۔

میں نے ایزل اور برش قریب ہی موجود اسٹول پر رکھ دیئے اور لکشمن کے ہاتھ سے میگزین لے کر اُس کے ٹائٹل پر نظر ڈالی۔ دیگر موضوعات کے علاوہ جولیٹ کی تصویر بھی لگائی گئی تھی اور اُس کے بارے میں لکھا تھا۔

"کچھ ہی عرصے میں دنیا بھر کے مصوروں کو پیچھے چھوڑ دینے والی مصورہ۔"

"ہوں۔" میں نے نفرت سے سر جھٹکا۔ "میڈیا اس کو خواہ مخواہ چڑھا رہا ہے۔"

"جی ہاں سر!" لکشمن نے میری ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔ "مجھے تو لگتا ہے کہ ایک پوری لابی اسے اسٹیبلش کرنے کے لیے سرگرم ہے۔"

"ہاں بالکل۔" میں نے ورق پلٹتے ہوئے کہا۔ یہ امریکہ اور یورپ کی پالیسی ہے کہ وہ اپنی ہر چیز کو دنیا بھر کے سامنے بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں۔"

"یہ تو بالکل درست بات ہے سر!...... واقعی یہ ان کی پالیسی ہے۔ اب یہ جولیٹ کا معاملہ ہی دیکھ لیں، حالاں کہ یہ کوئی ایسی خاص تصویریں نہیں بنا رہی ہے، بس عام سی ہیں لیکن اسے اتنا بڑھا چڑھا کر پیش کیا جا رہا ہے اور اس میگزین نے تو انتہا ہی کر دی ہے، یعنی یہ کہہ دیا کہ اس نے کچھ ہی عرصے میں دنیا بھر کے مصوروں کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔" لکشمن بولا۔

"جاؤ...... ایک بوتل نکال لاؤ فریج میں سے۔" میں نے اُس سے کہا۔

"یس سر!" کیا کہہ کر وہ۔ کمرے سے باہر چلا گیا۔

میں میگزین میں جولیٹ کا مضمون پڑھنے لگا۔ ویسے تو میں بظاہر پروفیشنل جیلسی کی وجہ سے اُس کے خلاف ریمارکس دیتا رہتا تھا لیکن درحقیقت میں اُس سے بہت

مرعوب تھا۔ اس کی تصاویر میں واقعی ایسی کشش تھی جو اپنی جانب متوجہ کرلیتی تھی۔ میں نے اس کی تصویروں کا بہت غور سے جائزہ بھی لیا تھا کہ آخر ان میں ایسی کون سی خاصیت ہے جو لوگوں کو اپنی جانب متوجہ کرلیتی ہے۔ میں نے اُس کے رنگوں کے انتخاب اُس کے اینگلز اس کے موضوعات کے انتخاب اور نہ جانے کس کس پہلو سے غور کیا تھا لیکن میں سمجھ نہیں پایا تھا کہ آخر وہ کیا وجہ ہے۔ حتیٰ کہ میں نے اُسی کے انداز میں تصاویر بنانے کی کوشش بھی کی تھی لیکن ان میں وہ کشش پیدا نہیں ہوسکتی تھی۔

کچھ دیر بعد لکشمن میرے لیے وہسکی کی بوتل لے کر آ گیا۔ اسٹول پر میرا گلاس رکھا ہوا تھا' اُس نے اُس میں تھوڑی سی وہسکی انڈیل دی اور بوتل کا منہ بند کر کے اُسے بھی اسٹول پر رکھ دیا۔

میں نے میگزین نیچے قالین پر رکھ دیا اور اسٹول پر سے وہسکی کا گلاس اٹھانے کے بعد دو گھونٹ حلق سے نیچے اُتارنے کے بعد میں نے سر اٹھا کر لکشمن کی طرف دیکھا جو اب تک کھڑا تھا۔ میں نے اس کے ساتھ ہی پڑے اسٹول کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس سے کہا۔ ''بیٹھ جاؤ۔''

وہ بیٹھ گیا۔ میں نے وہسکی کا ایک اور گھونٹ لینے کے بعد اس کی طرف دیکھا اور بولا۔

''آج میں تمہارے سامنے ایک حقیقت کا اعتراف کرنا چاہتا ہوں۔''

''کیسی حقیقت سر؟'' لکشمن کچھ پریشان ہوکر جلدی سے بولا۔

''دیکھو!...... میں نے محسوس کیا ہے کہ میں اندر سے ایک سچا فنکار ہوں اور جو اس طرح کا سچا فنکار ہوتا ہے وہ شاید دوسرے کسی فنکار کی یعنی اپنے سے زیادہ اچھے فنکار کی زیادہ دیر مخالفت نہیں کرسکتا' اگر وہ ایسا کرتا ہے تو اس کا ضمیر اسے چین نہیں لینے دیتا' میرا بھی یہی حال ہے۔ میں نے اب تک جولیٹ کی بہت مخالفت کی اور اب بھی میں چاہتا تھا کہ اُس کی مخالفت کرتا رہوں لیکن اب میں نے سوچا ہے کہ نہیں...... مجھے اُس کی صلاحیتوں کو تسلیم کرلینا چاہیے اور میں یہی اعتراف تمہارے سامنے کر رہا ہوں کہ میں اُسے ایک بڑی مصورہ تسلیم کرتا ہوں۔''

میری باتیں سن کر لکشمن کے چہرے پر اُلجھن اور بے یقینی کے تاثرات پھیل گئے تھے۔ وہ مردہ سی آواز میں بولا۔ ''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں سر؟''

''میں ٹھیک کہہ رہا ہوں لکشمن؟'' میں نے جولیٹ کے بارے میں سوچتے ہوئے کہا۔ ''جولیٹ میں واقعی کوئی ایسی بات ضرور ہے جس کی وجہ سے لوگ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ تم نے دیکھا کہ میں نے اُسی کی طرح کی تصویریں بنائیں لیکن ان میں وہ بات نہ آ سکی جو جولیٹ کی تصویروں میں ہوتی ہیں۔ واقعی...... واقعی اس کی تصویروں میں ایسی کشش ہے کہ جو لوگوں کو متاثر کردیتی ہے۔ اچھا تم خود ہی سچے دل کے ساتھ بتاؤ کہ کیا تم اس سے متاثر نہیں ہو؟'' میں نے اُس کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔ وہ کچھ پریشان ہوگیا اور جھینپتے ہوئے بولا۔

''یہ...... یہ بات تو درست ہے سر! یہ... اس کی تصویروں میں کوئی کشش ہے جو لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔''

''ہاں دیکھا ناں...... تم بھی اپنے دل میں اُس سے متاثر ہو...... ہم دونوں ہی اب تک خواہ مخواہ اس کی مخالفت کرتے رہے ہیں لیکن چلو خیر...... یہ اچھا ہی ہے کہ آج ہم نے اس کی مخالفت ترک کردی ہے' اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ اب ہم اس کے مثبت پہلوؤں پر بات کیا کریں گے اور اس طرح کی گفتگو سے کسی نہ کسی طور اچھے نتائج ہی حاصل ہوتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''جی ہاں سر!...... یہ بات تو ہے۔'' اس نے حسب عادت میری تائید کی۔

میں نے گلاس میں موجود ساری وہسکی حلق میں انڈیلنے کے بعد گلاس اسٹول پر رکھ دیا' پھر ایزل اور برش اٹھا کر میں ایک بار پھر اپنے کام کی طرف متوجہ ہوگیا۔

جولیٹ کا نام گزشتہ چھ ماہ قبل منظر عام پر آیا تھا۔ اُس وقت امریکہ کے ایک اخبار نے اس کا تعریفی مضمون شائع کیا تھا۔ میں نے یہی سوچا تھا کہ اخبار نے کسی وجہ سے بڑھا چڑھا کر اُس کی تعریفیں کی ہیں لیکن بعد میں تو آئے دن دنیا بھر کے اخبارات و جرائد میں اس کی تعریفیں چھپنے لگیں اور یوں مجھے اس سے جیلسی ہونے لگی۔ لکشمن گزشتہ سات سال سے میرے سیکریٹری کے فرائض انجام دے رہا ہے اس لیے وہ بھی مجھے خوش رکھنے کے لیے جولیٹ کے خلاف بولتا رہتا تھا جب کہ آج اس نے بھی یہ قبول کرلیا تھا کہ وہ بھی جولیٹ کے کام سے متاثر ہے۔

☆

ایک ماہ گزر گیا۔ یہ مہینہ لکشمن اور میں نے جولیٹ کو سراہتے ہوئے گزارا تھا۔ ادھر جولیٹ کامیابیوں کے جھنڈے گاڑ رہی تھی۔

اس وقت میں اسٹینڈ پر کینوس سیٹ کر رہا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے ''یس'' کہا تو لکشمن دروازہ کھول کر آ گیا۔ میں نے حسب عادت اس کی طرف نہیں دیکھا۔ وہ میرے قریب آ کر بولا۔

''سر!......ایک اہم اطلاع ہے۔''

''وہ کیا؟'' میں نے اُس کی طرف دیکھ کر کہا۔

''یہ دیکھئے!......اس اخبار میں لکھا ہے کہ جولیٹ اگلے ہفتے انڈیا کا دورہ کر رہی ہے۔'' اُس نے اخبار میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ میرے لیے اُس کی بات بہت اہم تھی اس لیے میں نے فوراً اس سے اخبار لے لیا اور اسے اپنی نظروں کے سامنے کرلیا۔ لکشمن نے اس پر ایک جگہ انگلی رکھتے ہوئے کہا۔ ''یہ دیکھیں...... یہ رہی وہ خبر۔''

میں نے خبر پر نظر ڈالی۔ پھر اخبار اُسے واپس کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ تو بہت اہم خبر ہے' میں اُس سے ضرور ملاقات کروں گا۔''

''مجھے بھی اس سے ملنے کا بہت اشتیاق ہوگیا ہے سر!'' وہ بولا۔

''ہاں ہاں' میں تمہاری ملاقات بھی کرواؤں گا۔'' میں نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔ ''بس تم اب اخبارات پر پوری طرح نظر رکھنا۔ وہ کب پہنچ رہی ہے۔ کہاں کہاں قیام کرے گی اور کہاں کہاں اس کی ایگزی بیشنز لگیں گی۔''

''آپ فکر نہ کریں سر!'' وہ بولا۔ ''میں پوری طرح نظر رکھوں گا۔''

☆

ایک ہفتہ گزر گیا۔ اس دوران ہمیں اخبارات کے ذریعے پتہ چلتا رہا تھا کہ جولیٹ کہاں کہاں قیام کرے گی۔ یہ تو مجھے یقین تھا کہ وہ ہمارے شہر دہلی بھی ضرور آئے گی کیوں کہ انڈیا کے اس اہم اور بڑے شہر میں اگر وہ نہ آئی تو اُس کے دورے کو نامکمل ہی کہا جاتا' بس مجھے یہ فکر تھی کہ وہ یہاں کس تاریخ کو قیام کرے گی اور یہ پتہ چل گیا تھا کہ وہ دس دسمبر کو یہاں آئے گی اور یہاں اس کا قیام دو دن کے لیے ہوگا۔ اس دوران شہر کی معروف آرٹ گیلریز میں اُس کی تصاویر کی نمائش بھی ہوگی۔

آج دسمبر کی دس تاریخ تھی۔ صبح کے دس بج رہے تھے۔ میں گھر میں ناشتہ کر رہا تھا۔ میں جب سے اٹھا تھا۔ بہت بے چین تھا۔ آج جولیٹ نے دہلی پہنچنا تھا۔ میرا دل تو یہ چاہ رہا تھا کہ میں اُسے ریسیو کرنے ایئرپورٹ جاؤں لیکن میں اس میں اپنی ہتک محسوس کر رہا تھا کیوں کہ میں بھی اپنے ملک کا ایک بڑا مصور تھا اور میرا ایک اہم مقام تھا اُسے ریسیو کرنے کے لیے جانے کا مطلب یہ تھا کہ میں نے اُسے خود سے بڑا تسلیم کرلیا۔ میڈیا والوں سے میں بہت خوف زدہ رہتا تھا کیوں کہ وہ لوگ خبر کی تلاش میں رہتے تھے۔ اکثر اخبار والے مجھے پہچانتے تھے۔ وہ اگر مجھ سے ایئرپورٹ آنے کا مقصد پوچھتے اور

میں کوئی بھی جواب دیتا لیکن مجھے خدشہ تھا کہ کوئی بھی اخبار والا میرے متعلق کوئی بھی خبر شائع کر سکتا ہے۔

"کرلیا آپ نے ناشتہ؟" میری پتنی رادھا نے میرے پاس آ کر اپنے روایتی سخت لہجے میں مجھ سے کہا۔

"کیوں! تمھیں کیا تکلیف ہے؟" میں نے بھی اپنا خاص جارحانہ انداز اختیار کیا۔

"کچھ سامان لانا ہے بازار سے۔" وہ بولی۔

"تو کیا میں لاؤں گا؟" میں نے بھنک کر کہا۔

"ہاں!...... آج شلپا چھٹی پر ہے' تم ہی جاؤ گے۔" وہ بولی۔ شلپا ہماری ملازمہ کا نام تھا۔

"تم خود جاؤ' میرے پاس وقت نہیں ہے۔" میں نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"ایسا کون سا ضروری کام ہے؟" وہ آنکھیں نکال کر بولی۔

"یہ بتانا ضروری نہیں ہے اور تم بک بک نہ کرو۔ سیدھی طرح یہاں سے چلی جاؤ۔" میں نے اپنے غصے کو دباتے ہوئے کہا۔

"کاہلی چھوڑ دو' کچھ چلتے چلنے کا کام بھی کرلیا کرو۔" اُس نے تیز لہجے میں کہا۔ "دن رات تصویریں ہی بناتے رہتے ہو اس کے علاوہ بھی کوئی کام آتا ہے تمہیں؟"

"میں نے کہا ناں تم سے کہ یہاں سے چلی جاؤ۔ میں کہتا ہوں کہ فوراً یہاں سے نکلو ورنہ یہ چائے کا کپ تمہارے سر پر دے ماروں گا۔" میں نے کپ ذرا اوپر کرتے ہوئے کہا۔

"پتہ نہیں کون سی بُری گھڑی تھی جب میں تمہارے پلے باندھ دی گئی تھی۔" اُس نے کہا اور پیر پٹختی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔

میری شادی کو پانچ سال ہو چکے تھے لیکن ابھی تک ہمارے یہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ رادھا اور میں نے میڈیکل چیک اپ کروایا تھا اور ہم دونوں ہی فٹ تھے لیکن شاید بھگوان ہی کی مرضی تھی کہ اس نے اب تک ہمیں اولاد سے محروم رکھا تھا۔

میں ناشتہ کرنے کے بعد اٹھا اور کپڑے تبدیل کرنے کے بعد قد آدم آئینے کے سامنے کھڑے ہوکر بال سنوارنے لگا۔ ساتھ ہی میں سوچ رہا تھا کہ اگر اس وقت رادھا آ کر مجھے دیکھ لے تو میرے اس انہماک سے بال سنوارنے پر ایک لمبی چوڑی تقریر کر ڈالے گی۔

میں نے کمرے سے باہر آ کر دیکھا' رادھا لان میں بیٹھی اخبار پڑھ رہی تھی۔ میں مین گیٹ کی طرف بڑھا اور پھر رادھا کے قریب سے گزرتے ہوئے رک کر اُس سے بولا۔ "میں جا رہا ہوں' دروازہ بند کرلو۔"

"جاؤ کرلوں گی۔" وہ زہر خند لہجے میں بولی۔

"میں چل پڑا اور پھر میں گھر سے باہر آ کر اپنی کار میں بیٹھ کر روانہ ہو گیا۔

میں اپنے اسٹوڈیو پہنچ گیا۔ حسب معمول لکشمن پہلے سے وہاں موجود تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ اُٹھ کھڑا ہوا اور مسکرا کر بولا۔ "سر!...... تو آج وہ دن آ ہی گیا جس کا ہمیں بڑی بے چینی سے انتظار تھا۔"

"ہاں...... آج وہ آ رہی ہے۔" میں نے بھی مسکرا کر کہا۔

لکشمن اور میں چلتے ہوئے روم میں آ گئے۔

"سر!...... کیا پینا پسند کریں گے؟" لکشمن نے مجھ سے کہا۔ وہ روز ہی میرے آنے پر مجھ سے یہ سوال کرتا تھا اور میں اپنے موڈ کے حساب سے اُسے جواب دیتا تھا۔ میں نے اُس سے کہا۔

"میں آج ویسے ہی بہت خوش اور پر جوش ہوں اس لیے وہسکی کی ضرورت نہیں ہے اور ویسے بھی میں آج نہیں پینا چاہتا کیوں کہ جب میں پیتا ہوں تو میرا دل چاہتا ہے کہ میں صرف پیتا ہی رہوں' ایسے میں' میں زیادہ سے زیادہ تصویریں [illegible] بنا سکتا ہوں' اس لیے شراب تو نہیں پیوں گا' ہاں تم کافی لے آؤ۔"

"اوکے سر!...... ابھی لے کر آتا ہوں۔" وہ روم سے

باہر چلا گیا اور میں صوفے پر بیٹھ گیا۔ میں نے جیب سے سگار اور لائٹر نکال کر سگار سلگا لیا اور لائٹر کو آہستہ آہستہ اچھالنے لگا۔

کچھ دیر بعد لکشمن کافی لے کر آ گیا اور صوفے پر بیٹھ کر اُس نے ٹرے سینٹر ٹیبل پر رکھ دی اور ٹرے میں سے ایک مگ اٹھا کر مجھے تھما دیا۔

"آج ہم شام پانچ بجے یہاں سے نکل جائیں گے۔ جولیٹ کی ایگزی بیشن سات بجے ہوتا ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ ہم جلد ہی وہاں پہنچ جائیں تو اچھا ہے۔" میں نے لکشمن سے کہا۔

"ٹھیک ہے سر! جیسی آپ کی مرضی۔" وہ بولا۔

☆

شام کے ساڑھے پانچ بج رہے تھے۔ میں اور لکشمن اپنی کار سے اترنے کے بعد آرٹ گیلری کے اندر پہنچ گئے۔ یہاں کافی گہما گہمی تھی۔

"ارے پرکاش!...... کیسے ہو بھئی!" میرے ایک مصور دوست شری کانت نے تیزی سے میری طرف آتے ہوئے کہا اور پھر مجھ سے اور لکشمن سے ہاتھ ملانے کے بعد بولا۔ "مجھے تو جولیٹ سے ملنے کی بڑی خواہش تھی اسی لیے وقت سے بہت پہلے یہاں آ گیا ہوں۔"

میں نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور بولا۔ "اس کا مطلب ہے کہ تم بھی اسی بیماری کا شکار ہو جس کا میں ہوں' یعنی جولیٹ سے ملنے کے اشتیاق کی بیماری۔"

شری کانت نے بھی قہقہہ لگایا اور ایک جانب اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "آؤ...... وہاں کیفے ٹیریا میں بیٹھتے ہیں' ابھی تقریب شروع ہونے میں کافی دیر ہے۔"

ہم لوگ کیفے ٹیریا میں آ کر بیٹھ گئے۔ شری کانت نے کولڈ ڈرنک اور سموسے منگوا لیے۔

"یار شری کانت!...... میں نے تو جولیٹ کی تصویروں میں عجیب سی کشش محسوس کی ہے اور میں یہ کہنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتا کہ میں اُس کا فین ہوں۔" میں نے کہا۔

"بالکل یہی جذبات میرے بھی ہیں۔" شری کانت بلا توقف بولا اور راسٹرا ہونٹوں میں دبالی۔

"ایک بات پوچھوں تم سے؟" میں نے اُس کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

"ہاں ہاں پوچھو؟" وہ بھویں سکیڑ کر بولا۔

"یہ بتاؤ کہ...... جولیٹ کی تصویروں میں وہ کون سی خوبی ہے' کون سی خاصیت ہے جو لوگوں کو متاثر کر دیتی ہے؟" میں نے پوچھا۔

وہ ذرا سوچنے کے بعد بولا۔ "سچ بتاؤں تمہیں؟"

"ہاں...... بتاؤ؟"

"میں اب تک وہ راز نہیں پا سکا ہوں۔"

میں نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا اور بولا۔ "یہی میرا حال ہے۔ میں نے پہلے تو اس کی تصویروں کو غور سے دیکھا اور ان میں اس خاصیت کو تلاش کرنے کی کوشش کی اور جب کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکا تو میں نے اس کی کاپی کی' بالکل وہی کلر استعمال کیے۔ وہی اینگلز رکھے لیکن وہ کشش نہ پیدا ہو سکی جو جولیٹ کی تصویروں میں ہوتی ہے اور اب تم بھی بتا رہے ہو کہ تم بھی اس راز کو نہیں پا سکے ہو۔"

"ہاں بالکل۔" شری کانت بولا۔ "جو کچھ تم نے کیا' میں نے بھی وہی کچھ کیا لیکن میری تصویروں میں بھی جولیٹ کی تصویروں والی کشش نہ آ سکی۔ اُس کی تصویروں میں تو جیسے کوئی جادو ہے' یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اُس کے پینٹ کیے ہوئے لوگ ابھی بول پڑیں گے اور اس کا بنایا ہوا منظر زندہ ہو جائے گا۔"

"اور میں اس سے یہ راز پوچھ کر رہوں گا۔" میں نے کہا۔

"وہ کہاں بتائے گی؟...... بھلا کوئی آرٹسٹ اپنا راز دیتا ہے؟" شری کانت بولا۔

"کچھ بھی ہو جائے' میں اس سے یہ راز معلوم کر کے

رہوں گا۔'' میں نے اٹل لہجے میں کہا۔

''کیا زبردستی کرو گے؟'' شری کانت طنزیہ انداز میں ہنس کر بولا۔

''میں اپنی سی پوری کوشش کروں گا۔''

''ایسی ہر کوشش ناکام ہوگی۔''

''دیکھا جائے گا۔''

''اچھا چھوڑو ان باتوں کو۔'' شری کانت نے بوتل ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔ ''یہ بتاؤ کہ اس مرتبہ تم دبئی کی ایگزی بیشن میں حصہ لو گے؟''

''سچ بتاؤں...... جب سے میں نے جولیٹ کا اثر قبول کیا ہے' تب سے میرا تو دل ہی نہیں کرتا تصویریں بنانے کو...... یہ میرا ایک نفسیاتی مسئلہ ہے' یعنی میں نے کسی کو اپنے سے بڑا آرٹسٹ تسلیم کرلیا ہے گویا اپنی شکست تسلیم کرلی ہے اور جو شخص شکست تسلیم کرلے' تم خود سوچو کہ اس کا کھیلنے کو کیا دل کرے گا؟'' میں نے کہا۔

وہ خفیف مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ ''تم کچھ مایوس مایوس سے دکھائی دے رہے ہو؟''

''ہاں...... کچھ نہیں بلکہ میں تو بالکل ہی مایوس ہوگیا ہوں۔ جولیٹ کے ایسے سحر انگیز فن پارے دیکھنے کے بعد تو مجھے محسوس ہوتا ہے جیسے میں نے زندگی بھر جھک ماری ہے۔'' میں نے کہا۔

''ارے نہیں یار!'' وہ کوٹ کی سائیڈ میں ہاتھ ڈالتے ہوئے بولا۔ ''ایسی بات نہیں ہے۔ اگر کوئی اچھی تصویریں بنالے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی دوسرا اچھی تصویریں نہیں بنا سکتا۔ تم بھی بہت اچھی تصویریں بناتے ہو' تمہارے بھی بہت چاہنے والے ہیں۔''

''ہیں نہیں تھے...... وہ سب جولیٹ کے فین بن چکے ہوں گے۔'' میں نے کہا۔

''اوہو'' اُس نے وہ سگریٹ منہ سے نکال لیا جو اس نے ابھی ابھی ہونٹوں میں دبایا تھا۔ ''تم تو جولیٹ سے کچھ زیادہ ہی متاثر ہوئے ہو بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ تمہیں جولیٹ فوبیا ہوگیا ہے۔''

میں دھیرے سے ہنس دیا اور اُس نے سگریٹ ہونٹوں میں دبا کر سلگا لیا۔ پھر وہ ناک اور منہ سے دھواں اگلتے ہوئے بولا۔ ''میرے یار!...... مان لیا کہ جولیٹ بہت اچھی تصویریں بناتی ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم اُسے اپنے حواس پر سوار کرلیں۔ میں بھی اس سے متاثر ہوں لیکن میں نے اُسے اپنے حواس پر طاری نہیں کیا' ہاں یہ ارادہ ضرور کیا ہے کہ آج نہیں تو کل اس سے اچھی تصویریں بناؤں گا۔''

''نہیں بنا سکتے۔'' میں نے بلا توقف کہا۔

''کیوں؟'' اس نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

''اس لیے کہ تم اُس جیسی کشش نہیں لا سکو گے۔ میں نے اندازہ لگا لیا ہے کہ اُس جیسی کشش دنیا کا کوئی آرٹسٹ لا ہی نہیں سکتا۔'' میں نے جواب دیا۔

وہ ہنس کر بولا۔ ''بھئی میرے تو بس کی بات نہیں کہ تمہارے ذہن پر سے جولیٹ کا بھوت اُتار سکوں۔''

''ایک وقت آئے گا جب تم بھی میری طرح اُسے مکمل طور پر تسلیم کرلو گے۔'' میں نے کہا۔

''اچھا!!...... مان لیا کہ ایسا ہی ہوگا۔'' وہ ہنس کر بولا۔ ''لیکن...... ابھی تو نہیں مانا ہے ناں...... اچھا سنو!...... میں دبئی کی ایگزی بیشن کے لیے تیاری کر چکا ہوں لیکن اگر تم بھی وہاں جاؤ گے تو میں جاؤں گا ورنہ نہیں جاؤں گا۔''

''یار!...... میرا ابھی کوئی خاص ارادہ نہیں ہے' ہوسکتا ہے کہ میں چلا جاؤں اور ہوسکتا ہے کہ نہ جاؤں۔'' میں نے کہا۔

''ابھی تو اس ایگزی بیشن میں تین ماہ باقی ہیں۔ تم کچھ دنوں میں سوچ کر مجھے اپنا فائنل فیصلہ بتا دینا۔ اگر جاؤ گے تو میں بھی تیار رہوں گا ورنہ دوسرے کام کروں گا۔'' وہ بولا۔

''ٹھیک ہے' میں بتا دوں گا۔'' میں نے کہا اور جیب سے سگار نکال کر سلگا لیا۔

سات بجے تک ہم لوگ وہیں بیٹھے باتیں کرتے رہے میں نے جان بوجھ کر جولیٹ کا تذکرہ کم کیا تھا کیوں کہ میں نے محسوس کرلیا تھا کہ شری کانت اُس کی باتوں میں دلچسپی نہیں لے رہا تھا۔ پھر ہم اُٹھ کر ہال میں آگئے۔ یہاں اب لوگوں کی بڑی تعداد جمع ہو چکی تھی۔ بہت سے لوگ کرسیوں پر بیٹھے تھے اور پھر ڈائس پر ایک آدمی آگیا۔ اُس نے مائیک میں کہنا شروع کیا۔

''لیڈیز اینڈ جنٹل مین! ہم آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ اب سے کچھ دیر بعد دنیا کی عظیم مصورہ مس جولیٹ یہاں پہنچنے والی ہیں۔ ان کے آنے کے فوراً بعد ان کے اعزاز میں دی جانے والی اس تقریب کا آغاز کردیا جائے گا۔ آپ لوگوں سے گزارش ہے کہ نشستوں پر تشریف رکھیں۔ شکریہ!''

اس اعلان کے بعد بہت سے لوگ کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

تقریباً پانچ منٹ بعد پھر وہی آدمی مائیک پر آگیا اور بولا۔ ''لیڈیز اینڈ جنٹل مین! آپ کی پسندیدہ مصورہ مس جولیٹ بس چند منٹ بعد ہی یہاں پہنچنے والی ہیں۔ جو معزز مہمان اِدھر اُدھر کھڑے ہیں ان سے درخواست ہے' کہ نشستوں پر تشریف رکھیں تاکہ معزز مہمان کے آنے کے بعد تقریب کا آغاز کردیا جائے۔ شکریہ!''

اس اعلان کے بعد مزید کئی لوگ کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

''کیا خیال ہے ہم لوگ بھی بیٹھ جائیں؟'' شری کانت مجھ سے بولا۔

''ایسا کرو تم بیٹھو' ہم لوگ ابھی آتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''ٹھیک ہے بھئی...... جیسی تمہاری مرضی۔'' شری کانت نے کندھے اُچکا کر کہا اور کرسیوں کی جانب چل پڑا۔

میں بلا ارادہ بار بار اپنی رسٹ واچ کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ چوں کہ جولیٹ کے بارے میں یہ اعلان کیا گیا تھا کہ وہ چند منٹ بعد پہنچ رہی ہے اور میں گھڑی میں دیکھ رہا تھا کہ کتنے منٹ گزر گئے ہیں۔

اور پھر گیلری کے مین گیٹ سے ایک بلیک کلر کی گاڑی اندر داخل ہوئی جو ہم سے ذرا دور آکر رُک گئی۔ پریس فوٹو گرافرز اور دیگر کچھ لوگ اسی کی جانب لپکے تو مجھے خیال آیا کہ یہی جولیٹ کی گاڑی ہوسکتی ہے۔ میں نے لکشمن کی طرف ایک نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ ''آؤ دیکھیں' شاید جولیٹ اسی میں آئی ہے۔''

چند لمحوں بعد ہی ہم دونوں اس گاڑی کے قریب پہنچ گئے۔ اب وہاں خاصہ ہجوم لگ چکا تھا اور گاڑی کا بالکل قریب جانا مجھے ممکن نظر نہیں آرہا تھا۔

''راستہ دے دیں' راستہ دے دیں۔ میڈم کو جانے کے لیے جگہ دیں۔'' ایک بھاری بھرکم آدمی نے لوگوں کو اِدھر اُدھر ہٹاتے ہوئے کہا۔ لوگوں نے جگہ چھوڑی تو مجھے گاڑی کا دروازہ نظر آنے لگا۔ ایک آدمی نے اُسے کھولا اور اس میں سے جولیٹ اُتری۔ میں اُسے دیکھ کر سحر زدہ رہ گیا۔ وہ تصویروں میں جتنی خوب صورت دکھائی دیتی تھی' حقیقت میں اس سے کہیں زیادہ خوب صورت اور پُر کشش تھی۔ لوگ اس سے ہاتھ ملانے اور آٹو گراف لینے لگے جب کہ ٹی وی کے لوگ اس کی عکس بندی کر رہے تھے اور پریس فوٹو گرافرز تصویریں بنا رہے تھے۔ اس طرح جولیٹ بالآخر اسٹیج تک پہنچ گئی۔

''لیڈیز اینڈ جنٹل مین!...... میں بصد مسرت یہ اعلان کر رہا ہوں کہ ہماری پسندیدہ مصورہ مس جولیٹ اس وقت تشریف لا چکی ہیں۔'' اس آدمی نے مائیک پر اناؤنسمنٹ کی اور پھر اس نے لوگوں سے درخواست کی کہ وہ اب کرسیوں پر بیٹھ جائیں تاکہ تقریب کا باقاعدہ آغاز کیا جا سکے اس کے علاوہ اس نے دیگر کچھ مہمانوں کو بھی اسٹیج پر بلا لیا۔ مقررین نے جولیٹ کے فن اور شخصیت کے حوالے سے تقریریں کرنی شروع کردیں۔

"اور اب میں اپنی معزز مہمان مس جولیٹ سے درخواست کروں گا کہ وہ تشریف لائیں اور اپنے خیالات کا اظہار کریں۔" اناؤنسمنٹ کرنے والے آدمی نے انگریزی میں کہا۔

جولیٹ اٹھ کھڑی ہوئی۔ نہ جانے کیوں میرے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو گئیں۔ وہ ڈائس پر پہنچ گئی اور اس نے مائیک کو اپنے لبوں کے قریب کرنے کے بعد انگریزی میں کہا۔ "لیڈیز اینڈ جنٹل مین!" اس کی آواز بے حد مترنم تھی۔ "آج میں اپنے آپ کو آپ لوگوں کے درمیان پا کر بے حد خوشی محسوس کر رہی ہوں۔ یہ میرے لیے بہت اعزاز کی بات ہے کہ آپ لوگ میرے فن کے چاہنے والے ہیں۔ مجھے جب یہ پتہ چلا تھا کہ انڈیا میں میرے بہت سے فین ہیں تو میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ میں ان سے ضرور ملاقات کروں گی اور آپ کی یہی محبت مجھے یہاں کھینچ لائی ہے۔ میں آپ لوگوں کی محبتوں کی بہت بہت شکرگزار ہوں۔ میں آپ لوگوں کا زیادہ وقت نہیں لوں گی۔ شکریہ؟" اس مختصر سے خطاب کے بعد جولیٹ ڈائس سے ہٹ گئی اور اناؤنسر مائیک پر آ کر بولا۔

"لیڈیز اینڈ جنٹل مین!...... آپ نے مس جولیٹ کی محبت بھری باتیں سنیں...... اب آیئے ہم گیلری نمبر دو کی طرف چلتے ہیں اور مس جولیٹ کے فن پارے دیکھتے ہیں۔"

کچھ ہی دیر بعد سب لوگ گیلری نمبر دو میں پہنچ گئے جہاں دیواروں پر جولیٹ کی تصاویر آویزاں تھیں۔ جولیٹ کو عام لوگوں اور میڈیا والوں نے گھیر لیا تھا۔

"لکشمن!" میں نے لکشمن کو مخاطب کیا جو اسٹیج کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اُس نے فوراً میری طرف دیکھ کر کہا۔

"یس سر؟"

"بھئی کسی طرح جگہ بناؤ...... جولیٹ تک پہنچنا ہے۔" میں نے کہا

"اوکے سر!...... آپ میرے ساتھ آئیں۔" اُس نے میرا بازو پکڑتے ہوئے کہا اور پھر ہم دونوں چل پڑے۔ اُس نے جولیٹ کے پاس لگے ہجوم میں جگہ بنانا شروع کر دی۔ بالآخر کچھ دیر کی تگ و دو کے بعد ہم جولیٹ تک پہنچ گئے۔

"میں جیب سے پہلے ہی چھوٹا سا لیٹر پیڈ اور قلم نکال چکا تھا۔ میں نے وہ دونوں چیزیں جولیٹ کی طرف بڑھاتے ہوئے انگریزی میں کہا۔ "میڈم!...... مجھے آٹوگراف چاہیے میں خود بھی ایک آرٹسٹ ہوں۔"

"اوکے اوکے!" اُس نے مسکرا کر مجھ سے کہا' لیٹر پیڈ اور قلم میرے ہاتھ سے لینے کے بعد اُس نے کچھ لکھا اور دونوں چیزیں مجھے واپس کر دیں۔ اسی وقت ایک اور آدمی مجھے ایک طرف دھکیلنے کے بعد جولیٹ تک پہنچ گیا۔

"میں اور لکشمن ہجوم میں سے نکل آئے۔ تب میں نے اپنے لیٹر پیڈ پر نظر ڈالی جولیٹ نے انگریزی میں لکھا تھا۔

"عام تصویریں عام لوگ بناتے ہیں اور خاص تصویریں خاص لوگ" میں اُس کے مفہوم پر غور کرنے لگا لیکن مجھے کچھ سمجھ نہ آیا۔

"یہ کیا لکھ دیا ہے سر اس نے۔" لکشمن نے جولیٹ کی تحریر پڑھنے کے بعد میری طرف دیکھ کر کہا۔ "اس کا کیا مطلب ہے؟" اس نے میری طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

"میں خود اس کا مطلب نہیں سمجھا ہوں۔" میں نے کہا۔

"اس میں تو غرور کی بو آ رہی ہے۔" وہ بولا۔

"لیکن وہ مغرور تو نہیں ہے۔" میں نے اس کی نفی کی۔

"جملہ غرور سے بھرا ہوا ہے۔"

"نہیں نہیں۔" میں نے کہا۔ "تم غلط سوچ رہے ہو۔ جو انسان مغرور ہوتا ہے اس کا ہر عمل غرور میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے جب کہ جولیٹ تو بہت بااخلاق عورت لگتی ہے۔ میں تمہاری اس بات سے اتفاق نہیں کر سکتا کہ وہ مغرور ہے اور خود کو عام انسانوں سے ہٹ کر خاص انسان سمجھتی ہے۔"

"تو پھر اس جملے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے سر؟" اس نے الجھی ہوئی نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

میں نے ذرا سوچ کر کہا۔ "دیکھو!...... وہ ایک بڑی مصورہ ہے۔ اس کے تخیل کی پرواز بہت اونچی ہے' اس نے یہ جو جملہ لکھا ہے' یقیناً اس میں کوئی نہ کوئی اہم مطلب پوشیدہ ہے جو میں اور تم ابھی تک سمجھ نہیں پا رہے ہیں۔"

وہ اپنا ماتھا کھجاتے ہوئے بولا۔ "آپ ٹھیک کہتے ہیں' اس پر کافی غور کرنا پڑے گا۔"

ذرا دیر بعد شری کانت ہمارے پاس آ گیا اور مجھ سے بولا۔ "میں نے دیکھا تھا تمہیں جولیٹ کے پاس جاتے ہوئے۔"

"ہاں...... یہ دیکھو' یہ اس نے آٹوگراف دیا ہے۔" میں نے لیٹر پیڈ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

اُس نے پیڈ پر نظر ڈالی اور پھر میری طرف دیکھ کر بولا۔ "یہ تو عجیب و غریب جملہ ہے۔"

"تم اس کا کیا مطلب لیتے ہو؟" میں نے پوچھا۔

وہ سوچتے ہوئے بولا۔ "اس نے اپنے آپ کو خاص کہا ہے۔ یعنی وہ خود کو ایک خاص مصورہ سمجھتی ہے۔ یہ اُس کے پراؤڈ ہونے کا ثبوت ہے۔"

"اوہ۔" میں نے کہا۔ "لکشمن نے بھی اس کا یہی مطلب نکالا تھا لیکن تم خود سوچو' کیا وہ پراؤڈ ہے؟"

"یقیناً۔" وہ بولا۔

"تم نے اس کا ایسا کون عمل دیکھا ہے کہ جس سے تم اپنی بات ثابت کر سکتے ہو؟" میں نے بھویں سکیڑ کر کہا۔

"وہ چالاک عورت ہے۔ مصورہ سے زیادہ تو وہ مجھے سیاست دان لگتی ہے' اپنے عمل سے بالکل ظاہر نہیں ہونے دے رہی ہے کہ اس کی حقیقت کیا ہے۔ ویسے بھی اگر وہ غرور کا مظاہرہ شروع کر دے گی تو اس کے مداح اس سے دور ہونے لگیں گے اور یہ جو اس نے تمہیں آٹوگراف دیا ہے' یہ بھی بڑا معنی خیز ہے۔ اگر جولیٹ سے اس کی وضاحت طلب کی جائے تو یقیناً وہ یہی کہے گی کہ اُس نے ایک عام سی بات کی ہے لیکن اس کی گہرائی میں بہر حال یہی مطلب پوشیدہ ہے کہ وہ خود کو خاص انسان تصور کر رہی ہے۔"

"تم اس سے خاصے جیلس نظر آتے ہو۔" میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

اُس کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔ وہ بولا۔ "میں ہر غیر ملکی آرٹسٹ سے جیلس رہتا ہوں۔ مجھے صرف اپنے ملک کے آرٹسٹ پسند ہیں۔ مجھے تو تم سب سے زیادہ اچھے لگتے ہو اور...... میں یہ بھی کہنا چاہوں گا کہ ہر انسان کے اندر جو ایک بچہ چھپا ہوا ہوتا ہے' وہ بچہ تمہاری اس جوانی پر حاوی ہے۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" میں نے شکایتی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"وہ ہنس کر بولا۔ "میں ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہوں۔ تم بچوں جیسی حرکتیں ہی تو کر رہے ہو۔ تم انڈیا کے ایک بہت بڑے آرٹسٹ ہو' دنیا بھر میں تمہارا نام ہے اور تم ایک غیر ملکی آرٹسٹ کے پیچھے اس طرح لگے ہوئے ہو جیسے تم کوئی عام شہری ہو جس کی خواہش ہو کہ وہ دنیا کی مشہور مصورہ کی ایک جھلک دیکھ لے اُس سے آٹوگراف لے لے۔ یہ سب کیا ہے پر کاش تم خود سوچو ناں؟"

اُس کی باتیں درست تھیں۔ میں کچھ شرمندہ ہو گیا تھا۔ اُس نے مزید کہا۔ "دیکھو!...... اگر تمہیں جولیٹ سے ملنے کی اتنی ہی خواہش تھی تو تم اپنے ذرائع استعمال کر کے اُس سے اُس ہوٹل میں بھی مل سکتے تھے جہاں وہ ٹھہری ہوئی ہے لیکن تم یہاں بے صبری اور بچپنے کا مظاہرہ کر رہے ہو۔ مجھے غلط مت سمجھو۔ میں تمہارا دوست ہوں اور مجھے تمہاری عزت کا خیال ہے۔ تم خود سوچو اگر میڈیا والوں کو تمہاری ان باتوں کا پتہ چل جائے تو وہ کیسی کیسی چٹخارے دار خبریں چلائیں گے اور اس طرح تمہاری ساکھ متاثر ہو سکتی ہے' اس لیے میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ تم کچھ احتیاط کرو۔"

"میں تمہاری بات مانتا ہوں۔" میں نے اقرار کیا۔

"واقعی تم درست کہہ رہے ہو لیکن میں کیا کروں' اکثر ایسے معاملات میں' میں خود پر قابو نہیں رکھ سکتا' عقل کام کرنا چھوڑ دیتی ہے اور میرے جی میں جو بھی آتا ہے' وہ میں کرتا ہوں۔"

وہ مسکرا کر بولا۔ "یعنی میری بات درست ہے ناں کہ تمہارے اندر جو بچہ موجود ہے وہ ایسے مواقع پر تمہاری اس جوانی پر حاوی آ جاتا ہے؟"

"ہوں۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ "شاید تم درست کہہ رہے ہو۔"

"اس لیے میرے دوست اپنی ساکھ کا خیال رکھو۔" اس نے میرا شانہ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

"تمہارے مخلصانہ مشوروں کا شکریہ!" میں نے کہا۔

"اوکے!...... تم ذرا تصویریں دیکھو' میں اپنے ایک دوست سے مل کر آ رہا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔

وہ ایک جانب چلا گیا۔ میں نے لکشمن کی طرف دیکھ کر کہا۔ "میں چاہتا ہوں کہ جولیٹ سے اس کے ہوٹل میں ملاقات کی جائے۔"

"بہتر ہے سر!...... حکم کیجیے کہ میں کیا کروں؟" اُس نے دبے انداز میں کہا۔

میں سوچنے لگا اور اس وقت میں نے جولیٹ کو کچھ لوگوں کا ساتھ اپنی طرف آتے دیکھا۔ میرے ہاتھ پیر جیسے پھولنے لگے۔ میں نے نروس ہو کر لکشمن کی طرف دیکھا اور آہستہ سے بولا۔

"دیکھو جولیٹ اس طرف آ رہی ہے۔"

لکشمن نے پلٹ کر دیکھا۔

"ایکسکیوز می!...... مسٹر پرکاش! تم نے مجھ سے اپنا پورا تعارف نہیں کروایا تھا۔" جولیٹ نے میرے قریب آ کر میری طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔

میں نے سحر زدہ انداز میں اُس سے ہاتھ ملایا۔

"کیا تم مجھے کچھ وقت دے سکتے ہو؟"

"میں؟" اُس نے مجھے حیرت زدہ کر دیا تھا۔

"جی ہاں آپ۔" وہ بولی۔

"میں حاضر ہوں لیکن میں ناچیز تمہاری کیا خدمت کر سکتا ہوں؟" میں نے سنبھلتے ہوئے کہا۔

"میں چاہتی ہوں کہ تم سے ایک نشست رکھوں' تم مجھے کوئی وقت دو؟" وہ بولی۔

"وقت؟" میں تو جیسے ہواؤں میں اڑنے لگا۔

"ہاں...... ویسے اگر تمہارے پاس فرصت ہو تو کل صبح میرے ہوٹل آ جاؤ' میں ہوٹل پلازا میں ٹھہری ہوں۔" اُس نے کہا۔

"میرے پاس تو وقت ہی وقت ہے۔ میں کل صبح آ جاؤں گا۔ گیارہ بجے تک آ جاؤں؟"

"ہاں ٹھیک ہے' یہ مناسب وقت رہے گا۔"

"میں پہنچ جاؤں گا۔"

"اوکے!...... میں ویٹ کروں گی۔" اُس نے ایک بار پھر میری طرف ہاتھ بڑھایا۔ میں نے اُس سے ہاتھ ملایا۔ وہ بولی۔ "مجھے ذرا کچھ اور دوستوں سے ملنا ہے' تو پھر کل ملاقات ہو رہی ہے ناں؟"

"ہاں بالکل ہو رہی ہے۔"

"اوکے!" اس نے گرم جوشی سے میرے ہاتھ کو جھٹکا دیا' مسکراہٹ اس کے چہرے پر تھی۔ پھر وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک جانب چلی گئی۔

میں مبہوت کھڑا تھا۔ مجھے اب تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ جولیٹ واقعی مجھ سے مل کر گئی ہے۔ میں اسے ایک حسین خواب سمجھ رہا تھا۔

"سر!...... یہ تو ان ہونی ہو گئی۔" لکشمن نے کہا تو میں جیسے ہوش میں آ گیا۔ میں نے گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا اور بولا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ مجھے تو یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے

میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔"

"بات تو خواب جیسی ہی ہے سر!" وہ مسکرا کر بولا۔ "کہاں تو آپ اس سے ملنے کے لیے بے چین ہو رہے تھے اور کہاں یہ کہ وہ خود ہی آپ کے پاس آ گئی۔"

"بس آج تو بھگوان بڑا مہربان لگتا ہے۔" میں نے کہا۔

"جی بالکل سر...... ایسا ہی ہے۔" وہ بولا۔

تقریب کے اختتام کے بعد چائے پارٹی کا اہتمام کیا گیا۔ اس دوران جولیٹ لوگوں میں گھری رہی اور میں نے بھی اس کے پاس جانے کی کوشش نہیں کی' مجھے یہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ کہیں وہ کسی وجہ سے مجھ سے ملاقات کا پروگرام ہی کینسل ہی نہ کر دے۔

تقریب ختم ہوئی تو وہ اپنی گاڑی میں چلی گئی۔ میں اور لکشمن بھی اپنی گاڑی میں روانہ ہو گئے۔

"لکشمن!" میں نے کہا۔

"یس سر؟" وہ فوراً بولا۔

"یار آج میں بہت خوش ہوں۔"

"جولیٹ کی وجہ سے؟"

"ہاں یار!"

"بات تو بے حد خوشی کی ہے سر!"

"ہاں...... اور مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اس خوشی میں مجھے آج رات نیند نہیں آئے گی۔"

"یقیناً ایسا ہو سکتا ہے سر!"

"چلو...... اب چل کر میں اس خوشی میں پوری ایک بوتل پیوں گا۔"

"ٹھیک ہے سر!...... جیسی آپ کی مرضی۔" وہ دھیرے سے ہنس کر بولا۔

"ہم اسٹوڈیو پہنچ گئے۔ میں نے لکشمن کو وسکی لانے کا کہہ دیا۔

☆

صبح میں دس بجے اسٹوڈیو پہنچ گیا۔ لکشمن حسبِ معمول پہلے سے پہنچا ہوا تھا۔ میں نے مسکرا کر اُس سے کہا۔

"دیکھو لکشمن' کیسا لگ رہا ہوں میں۔ کیسی ہے ڈریسنگ؟"

"زبردست...... اے ون سر!" وہ میرا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔

"دیکھو بھئی!...... اگر کوئی کمی' کوئی خامی محسوس ہو رہی ہے تو بتا دو' خواہ مخواہ مسکہ لگانے کی ضرورت نہیں ہے' میں نہیں چاہتا کہ جولیٹ پر میرا کسی بھی قسم کا غلط اثر پڑے۔" میں نے کہا۔

"نہیں سر!...... سب کچھ ایک دم اے ون ہے۔" وہ بولا۔

"اوکے!...... اب تم ایک کپ کافی لے آؤ۔ میں کافی پی کر روانہ ہو جاؤں گا' میں اس کے پاس بالکل وقت پر پہنچنا چاہتا ہوں۔"

"یس سر!...... آپ تشریف رکھیں' میں ابھی لے کر حاضر ہو رہا ہوں۔"

وہ میرے روم سے باہر چلا گیا اور میں صوفے پر بیٹھ کر جولیٹ کے بارے میں سوچنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد لکشمن کافی لے کر آ گیا۔ کافی پینے کے بعد میں نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ "اچھا لکشمن! اب میں جا رہا ہوں۔"

"ٹھیک ہے سر!" وہ بولا۔

"یار!...... میں ایک وجہ سے پریشان ہوں کیا تم اس سلسلے میں میری کچھ مدد کر سکتے ہو؟" میں نے کہا تو اُس نے بھویں سکیڑ کر مجھ سے کہا۔

"فرمائیں سر کیا مسئلہ ہے؟"

"یار!" میں نے گال کھجایا۔ "میں کل سے اب تک سوچ رہا ہوں کہ جولیٹ مجھ سے کس موضوع پر بات کرنا چاہتی ہے۔"

"ظاہر ہے سر وہ مصوری کے حوالے سے ہی آپ سے بات کرنا چاہے گی۔" وہ بولا۔

"نہیں......" میں نے بلا توقف کہا۔ "مجھے ایسا نہیں لگتا ں کہ میں اس سے بڑا آرٹسٹ نہیں ہوں' اس لیے وہ ے متاثر بھی نہیں ہو گی' پھر بھلا وہ مجھ سے اس موضوع کیا بات کرے گی؟ ہاں اگر میں اس سے بڑا آرٹسٹ ہوتا یہ بات سمجھ میں آ سکتی تھی کہ وہ مجھ سے مصوری کے الے سے بات کرنا چاہتی ہے۔" میں نے لکشمن کی ف رائے طلب نگاہوں سے دیکھا۔

وہ سوچتے ہوئے بولا۔ "یہ بات تو آپ ٹھیک کہہ رہا سر...... لیکن پھر آخر ایسا کون سا موضوع ہو سکتا ہے کہ س پر وہ آپ سے بات کرے؟"

"بس اسی اُلجھن کا تو شکار ہوں میں۔" میں نے کہا۔ بہرحال...... میں جاتا ہوں' دیکھتا ہوں کہ وہ کیا بات ت کرنا چاہتی ہے۔"

"ٹھیک ہے سر!" وہ بولا۔

ذرا دیر بعد میں اپنی کار میں روانہ ہو گیا پھر مطلوبہ ہوٹل ں پہنچ کر میں نے اپنی کار پارکنگ لاٹ میں کھڑی کر دی ر اس سے اترنے کے بعد اسے لاک کر کے داخلی دازے پر پہنچ گیا۔ یہاں موجود سیکورٹی گارڈز نے یکٹر سے مجھے چیک کیا اور پھر میں اسکینر کے سامنے ے گزرنے کے بعد ہوٹل میں داخل ہو گیا۔ میں استقبالیہ پہنچ گیا۔ یہاں کچھ لوگ موجود تھے۔ میں نے ان میں ے ایک نوجوان لڑکے سے کہا۔

"ایکسکیوز می!...... میں مس جولیٹ سے ملنا چاہتا وں۔"

"مس جولیٹ سے؟" اُس نے میرا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "کیا اپائنمنٹ ہے آپ کا؟"

"جی ہاں' آپ انہیں انفارم کر دیں' میرا نام پرکاش ہے۔"

"میں انفارم کرتا ہوں۔" کہتے ہوئے اس نے انٹرکام ا ریسیور اٹھاتے ہوئے نمبر پش کرنا شروع کر دیئے اور پھر ریسیور کان سے لگانے کے بعد ذرا توقف کر کے انگریزی میں بولا۔ "میڈم جولیٹ!...... کوئی صاحب آپ سے ملنے آئے ہیں' اپنا نام پرکاش بتا رہے ہیں۔ اوکے میڈم!" کہہ کر اُس نے ریسیور واپس کریڈل پر رکھ دیا اور میری طرف دیکھ کر بولا۔ "آپ روم نمبر ایک سو تین میں چلے جائیں۔"

"بہت بہت شکریہ۔" کہہ کر میں لفٹ کی جانب چل پڑا۔ میں اس ہوٹل میں پہلے کئی مرتبہ آ چکا تھا اس کے محل وقوع سے واقف تھا۔

میں لفٹ کے سامنے پہنچ کر رُک گیا۔ اُس کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور اُس میں سے لوگ اُتر رہے تھے۔ جب سب لوگ اُتر گئے تو باہر انتظار میں کھڑے لوگ اس میں سوار ہو گئے۔ میں بھی ان میں شامل تھا۔

میرے مطلوبہ فلور پر لفٹ رک گئی۔ دروازہ کھلنے پر میں اُچک کر فلور پر آ گیا اور سامنے ہی موجود کمرہ نمبر پر نظر ڈالی۔ وہ میرا مطلوبہ نمبر نہیں تھا۔

ذرا دیر بعد میں کمرہ نمبر ایک سو تین کے سامنے پہنچ گیا۔ میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ میں نے تھوک نگلتے ہوئے اپنے بے قابو ہوتے حواس کو قابو میں کرنے کی کوشش کی۔ اپنے لباس پر نظر ڈالی۔ کوٹ کو درست کیا اور بالوں پر ہاتھ پھیر کر تسلی کر لی کہ وہ اب بھی اس ترتیب سے جمے ہوئے ہیں جس ترتیب سے میں نے انہیں جمایا تھا۔

میں نے آہستہ سے کمرے کے دروازے پر دستک دی۔ پھر ذرا پیچھے ہو کر کھڑا ہو گیا۔

ذرا دیر بعد کچھ آہٹیں ابھریں اور جولیٹ نے دروازہ کھول دیا۔ وہ کل پینٹ شرٹ میں تھی لیکن اس وقت اُس نے منی اسکرٹ اور بنیان پہن رکھی تھی۔ جس کا رنگ سلیٹی تھا۔ مجھے دیکھ کر اُس کے چہرہ پر مسکراہٹ آ گئی۔ وہ خوش دلی کے ساتھ بولی۔ "خوش آمدید' خوش آمدید مسٹر پرکاش!"

"گڈ مارننگ!" میں نے مسکرا کر کہا۔

''مارننگ...... آؤ...... اندر آ جاؤ۔'' اُس نے مجھے اندر داخل ہونے کا راستہ دیتے ہوئے کہا اور جب میں کمرے میں داخل ہو گیا تو اس نے دروازہ بند کر دیا۔ یہ ایک فائیو اسٹار ہوٹل کا کمرہ تھا۔

''آؤ مسٹر پرکاش!...... بیٹھو۔'' اس نے صوفے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے مجھ سے کہا۔

ہم دونوں آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ اُس نے دلاویز مسکراہٹ کے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔'' تم خیریت سے ہو ناں؟''

''ہاں میں بالکل ٹھیک ہوں' تم کیسی ہو؟'' میں نے کہا۔

''میں بھی بالکل ٹھیک ہوں۔'' وہ بولی۔

''مجھے تم سے ملاقات کر کے بہت خوشی ہو رہی ہے۔'' میں نے اُسے اپنی کیفیت بتائی۔

''تمہارا شکریہ!'' وہ مسکرا کر بولی۔

''میں کل سے اس اُلجھن میں ہوں کہ آخر تم جیسی عظیم مصورہ نے مجھ سے ملنے کی خواہش کیوں کی ہے۔'' میں نے کہا۔

''اس لیے کہ میں تم سے کچھ کام لینا چاہتی ہوں۔'' اُس نے بڑے معنی خیز انداز میں کہا۔

''مجھ سے؟'' میں نے اپنے سینے کی طرف انگلی کی۔

''ہاں...... ایک بہت اہم کام ہے۔'' اب اُس کا لہجہ معنی خیز ہونے کے ساتھ ساتھ کچھ پراسرار بھی ہو گیا تھا۔

''میں...... کیا میں اس قابل ہوں کہ تمہارا کوئی اہم کام کر سکوں؟'' میں نے جھجکتے ہوئے کہا۔

''ہاں.... تم ہی ہو جو میرا وہ اہم کام کر سکتے ہو۔'' اس نے سابقہ انداز میں کہا۔

''اچھا بتاؤ کہ کیا کام ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''وہ بھی میں تمہیں بتا دوں گی' فی الحال میں تمہاری تواضع کے لیے کچھ منگوانا چاہتی ہوں۔''

''میں اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔''

''نہیں...... یہ تو بڑی بداخلاقی کی بات ہو گی۔ اچھا بتاؤ کہ تمہارے لیے کیا منگواؤں؟''

''کافی مناسب رہے گی۔''

''اوکے!...... میں ابھی آرڈر کرتی ہوں۔'' وہ ا[ٹھتے] ہوئے بولی۔ پھر اس نے انٹرکام پر آرڈر نوٹ کروایا واپس آ کر اپنی جگہ پر بیٹھ گئی۔

''ویسے یہ میرے لیے بڑی خوش قسمتی کی بات ہے کہ [...] نے مجھے کسی کام کے لیے منتخب کیا ہے۔'' میں نے ا[...] سے کہا۔

''میں نے بہت سوچ سمجھ کر تمہیں منتخب کیا ہے اور میں امریکہ سے آئی ہی تمہارے لیے ہوں۔''

''کیا؟'' میں اُچھل پڑا۔ ''یہ...... یہ تم کیا کہہ ر[ہی] ہو؟''

''میں بالکل ٹھیک کہہ رہی ہوں۔'' وہ گہری نظروں ا[ور] جذبات سے عاری لہجے میں بولی۔ مجھے اس کا یہ اند[از] بہت عجیب اور پراسرار محسوس ہوا۔

''اب تو میں بہت زیادہ تجسس میں مبتلا ہو گیا ہوں کہ آخر وہ کام ہے کیا؟'' میں نے کہا۔ ''اور یہ بھی میرے لیے نہایت حیرت ناک بات ہے کہ تم امریکہ سے صرف میرے لیے آئی ہو۔''

''ہاں...... میں امریکہ سے تمہارے لیے ہی آ[ئی] ہوں۔ اس لیے کہ تم بھی خاص انسان ہو۔''

''خاص انسان؟'' میں نے بھویں سکیڑ کر کہا۔

''ہاں۔ تم نے میرا آٹوگراف پڑھا تھا ناں؟'' [...] بولی۔

''ہاں' بالکل پڑھا تھا۔''

''اس پر میں نے یہی لکھا تھا ناں کہ عام انسان عام کا[م] کرتے ہیں اور خاص انسان خاص؟''

''اور اب جب کہ میں تمہارے بارے میں یہ کہہ رہ[ی] ہوں کہ تم خاص انسان ہو تو یہ بات از خود ثابت ہو جا[تی] ہے کہ تم خاص کام بھی کر سکتے ہو۔''

''لیکن...... مجھے اس خاص کام کے بارے میں معلوم بھی تو ہونا چاہیے؟''

''سب معلوم ہو جائے گا۔'' وہ پراسرار مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ پھر اس نے سینٹر ٹیبل پر سے سگریٹ کا پیکٹ اٹھا کر اس میں سے سگریٹ نکال کر اُسے ہونٹوں میں دبا لیا۔ پھر ٹیبل پر سے ہی لائٹر اٹھا کر اُس سگریٹ کو سلگا لیا۔ وہ ناک اور منہ سے دھواں اگلنے لگی۔ میں اُس کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ درحقیقت وہ کون ہے۔ مجھے تو اس پر کسی سیکرٹ ایجنسی کی کارکن ہونے کا شبہ ہونے لگا تھا کیوں کہ اُس نے میرے بارے میں جو کچھ کہا تھا اُس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ میرے متعلق بہت کچھ جانتی ہے اور اُس نے میرے بارے میں جاننے کے سبب ہی اپنے اہم کام کے لیے میرا انتخاب کیا تھا۔

اچانک کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی۔ میں چونک کر اپنے خیالوں سے باہر آ گیا۔

''ویٹر آرڈر لے کر آ گیا ہے۔'' جولیٹ مسکراتے ہوئے بولی اور اُٹھ کر دروازے کی طرف جانے لگی۔ ایک آرٹسٹ ہونے کی وجہ سے مجھے یہ عادت سی پڑ گئی ہے کہ میں لوگوں کے نقوش اور فگر پر خاص نظر رکھتا ہوں' اس وقت بھی میری نظریں جولیٹ پر تھیں۔ اُس کا فگر بے حد متناسب اور دلکش تھا۔ پتلی کمر بڑی پُرکشش تھی جو جولیٹ کے چلنے کی وجہ سے گویا محوِ رقص معلوم ہوتی تھی۔ اُن پر کچھ نیچے تک اسکرٹ تھا اور اس کے نیچے اُس کی برہنہ ٹانگیں تھیں۔ اب سے پہلے میں نے اسے اس طرح تفصیل سے نہیں دیکھا تھا۔

اُس نے دروازہ کھولا۔ سامنے ویٹر ہاتھ میں ٹرے لیے کھڑا تھا۔ جولیٹ نے اُس سے ٹرے لے لی اور دروازہ بند کرنے کے بعد واپس میرے پاس آ گئی۔ اس نے ٹرے سینٹر ٹیبل پر رکھ دی اور میرے قریب صوفے پر بیٹھنے کے بعد کافی بنانے لگی۔ پھر اُس نے طشتری میں کافی کا کپ رکھ کر مجھے دے دیا۔ دوسرا کپ اُس نے خود اٹھا لیا۔ اُس نے کچھ چسکیاں لینے کے بعد میری طرف گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہم کافی پی لیں' اس کے بعد میں تمہیں سب سے پہلے تو ایک اہم بات بتاؤں گی' اس کے بعد وہ اہم کام بھی تمہارے سامنے آ جائے گا جو تم نے کرنا ہے۔''

''اہم بات؟'' میں نے تجسس کے ساتھ کہا۔

''ہاں۔'' اُس نے پراسرار مسکراہٹ کے ساتھ اثبات میں سر ہلایا۔

''کیا ضروری ہے کہ تم کافی پینے کے بعد ہی مجھے وہ سب بتاؤ؟'' میں نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''ہاں...... میں چاہتی ہوں کہ......'' وہ ذرا اُلجھن کا شکار ہوئی اور پھر بولی۔ ''بس تم آرام سے کافی پی لو' پھر ہم اہم معاملات پر بات کرتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے' جیسی تمہاری مرضی۔'' میں نے کندھے اچکا کر کہا۔

ذرا دیر بعد میں نے کافی ختم کرنے کے بعد کپ اور طشتری ٹرے میں رکھنے کے بعد جولیٹ کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''ہاں' اب بتاؤ کیا معاملہ ہے؟''

اُس نے بھی اپنا کپ ٹرے پر رکھ دیا اور ذرا سا کھنکھارنے کے بعد میری طرف دیکھ کر بولی۔

''میں تمہیں ایک پینٹنگ دکھاتی ہوں' تم اسے دیکھو پھر مزید بات چیت کرتے ہیں۔'' وہ اٹھ کر بیڈ کی طرف گئی۔ اس پر کچھ پینٹنگز رکھی تھیں۔ ان میں سے اس نے سب سے اوپر والی پینٹنگ اٹھائی اور میری طرف آنے لگی۔ پینٹنگ ہل رہی تھی اس لیے مجھے واضح طور پر نظر نہیں آ رہی تھی۔

جولیٹ آ کر میرے ساتھ بیٹھ گئی اور اُس نے پینٹنگ اپنی ٹانگوں پر رکھ لی۔ اب پینٹنگ مجھے واضح طور پر نظر آئی۔ ایک منظر تھا جس میں کچھ مکانات تھے' ہری اور پیلی لمبی لمبی گھاس نظر آ رہی تھی۔ کچھ درخت ادھر ادھر موجود تھے' یہ سب کچھ تو عام سا تھا لیکن بس ایک بات عجیب سی

تھی وہ یہ کہ اُس میں آسمان پر دو چاند نظر آ رہے تھے۔
میں نے جولیٹ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور بولا۔
"میں نے تصویر دیکھ لی' اس میں عجیب بات صرف یہ ہے کہ اس میں دو چاند بنائے گئے ہیں۔"
"ہاں..... اور اس سارے منظر کا تم سے بہت گہرا تعلق بھی ہے۔" وہ معنی خیز انداز میں بولی۔
"مجھ سے؟" میں نے حیرت سے کہا۔
"ہاں۔"
"کیا تعلق ہے؟"
"یہ ابھی تمہیں یاد آ جائے گا' بس ذرا تم میری آنکھوں میں دیکھو۔" وہ بولی۔
میں اُس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا اور پھر چند سیکنڈ بعد مجھے یوں محسوس ہوا جیسے دماغ میں بہت جلن سی ہونے لگی ہے اور پھر میرا سر بے جان سا ہو کر سامنے کی جانب ڈھلک گیا۔
"اے پرکاش!..... سر اٹھاؤ۔" جولیٹ نے میرے بال بڑی بے دردی سے پکڑ کر میرا سر اٹھا دیا اور میں بالکل ٹھیک ہو گیا وہ بولی۔ "اب تم ٹھیک ہو ناں؟"
"ہاں..... میں بالکل ٹھیک ہوں۔" میں نے جواب دیا۔
"اچھا اب ذرا تم پینٹنگ کی طرف دیکھو اور بتاؤ کہ تم کیا محسوس کر رہے ہو۔" اس نے کہا۔
میں نے پینٹنگ کی طرف دیکھا۔
"ذرا غور سے دیکھنا۔" وہ بولی۔
"میں غور سے اس سارے منظر کو دیکھنے لگا اور پھر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں نے پہلے کہیں حقیقت میں یہ منظر دیکھا ہوا ہے۔ یہی یاد کرنے کی کوشش کرنے لگا کہ آخر میں نے یہ منظر کہاں دیکھا ہے۔
"کیا محسوس کر رہے ہو؟" جولیٹ بولی۔
میں نے نظریں پینٹنگ پر ہی رکھتے ہوئے جواب دیا۔
"مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میں نے یہ منظر پہلے کہیں حقیقت میں دیکھا ہے۔"
"گڈ!..... یہ بہت اچھی بات ہے کہ تمہیں اتنا کچھ آ گیا ہے۔ اب میں تمہیں دوسری پینٹنگ دکھاتی ہوں" وہ اٹھ کر پھر بیڈ کی طرف چلی گئی۔ اُس نے اپنے ہاتھ میں پکڑی پینٹنگ بیڈ پر رکھ دی اور وہاں سے دوسری پینٹنگ اٹھا کر میرے پاس آ گئی اور سابقہ جگہ پر بیٹھنے کے بعد نے پینٹنگ پہلے کی طرح ٹانگوں پر رکھ لی بولی۔ "لو..... اب اس منظر کو دیکھو۔"
میں اُس پینٹنگ کے منظر کو دیکھنے لگا۔ وہاں د... چیزیں تھیں جو میں پہلی پینٹنگ میں دیکھ چکا تھا بس ا... میں تین عجیب و غریب جانور کھڑے تھے۔ وہ انسان ... مشابہت رکھتے تھے لیکن ان کے چہرے بہت خوفنا... تھے۔ ان کی بڑی بڑی گول انگاروں جیسی سرخ آنکھیں تھیں۔ کان ہاتھی کے کانوں کی طرح تھے۔ ناک کی جگہ سوراخ تھے' باقی نقشہ انسانوں جیسا تھا جب کہ ان ... ہاتھ بن مانسوں کی طرح لمبے لمبے تھے اور باقی جسام... عام انسانوں جیسی تھی۔
مجھے یاد آنے لگا کہ میں نے ان جانوروں کو بھی کہیں دیکھا ہے۔ میں نے جولیٹ کی طرف دیکھ کر کہا۔ "مجھے محسوس ہو رہا ہے جیسے میں نے ان جانوروں کو بھی کہیں حقیقت میں دیکھا ہے۔"
"ہاں..... تم نے انہیں دیکھا ہے۔" وہ گہری نظرو... سے مجھے دیکھتے ہوئے پراسرار انداز میں بولی۔
"کہاں دیکھا ہے؟" میں نے پوچھا۔
"یہ بھی تمہیں یاد آ جائے گا لیکن اس سے قبل تم آخ... پینٹنگ بھی دیکھ لو۔" وہ اٹھی اور بیڈ کی طرف چلی گئی۔ اُ... نے اپنے ہاتھ میں پکڑی پینٹنگ وہاں رکھ دی اور و... رکھی پینٹنگ اٹھا کر میرے پاس آ کر اپنی جگہ پر بیٹھ گئی ا... پینٹنگ میرے سامنے کرتے ہوئے بولی۔ "لو اب ... اس منظر کو بھی دیکھو۔"
میں نے پینٹنگ پر نظر ڈالی۔ اس میں بھی وہی م...

دکھایا گیا تھا لیکن پہلے تین جانور تھے جب کہ اب ان تین جانوروں کے عقب میں ان جیسے بے شمار جانور کھڑے تھے۔
"کیا اب بھی تمہیں ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ یہ منظر تم نے دیکھا ہے؟" جولیٹ بولی۔
میں نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ "ہاں' مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے۔"
"ویری گڈ!" کہتے ہوئے اس نے پینٹنگ میرے سامنے سے ہٹا کر اپنے دائیں جانب صوفے پر رکھ دی۔ پھر میری طرف دیکھ کر بولی۔ "اب میں تمہیں بتاتی ہوں کہ تمہارا ان تصویروں سے کیا تعلق ہے۔ تم نے تین جانور دیکھے ناں جو ایک ساتھ کھڑے ہیں؟"
"ہاں بالکل دیکھے ہیں۔" میں نے بلا توقف جواب دیا۔
"ان میں سے درمیان والے تم ہو۔" اس نے جواب دیا تو میں اچھل پڑا اور بولا۔
"یہ..... یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟..... تم ہوش میں تو ہو ناں؟"
"میں بالکل ہوش میں ہوں۔" اس نے جذبات سے عاری لہجے میں جواب دیا۔
"اگر تم ہوش میں ہو تو سوچو کہ تم کیا کہہ رہی ہو؟" میں نے کہا۔
اُس نے مجھ پر نظریں مرکوز کر کے مستحکم لہجے میں کہا۔
"میں جو کچھ کہہ رہی ہوں وہ بالکل درست ہے۔"
"اوہ..... یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ ایک جانور ہے جس سے تم مجھے ملا رہی ہو؟" میں نے بیزاری سے کہا۔
"وہ جانور نہیں ہے۔ وہ تم ہی ہو۔" وہ اب بھی اپنے موقف پر قائم تھی۔
مجھے اندازہ ہوا کہ وہ ذہنی مریضہ ہے اس لیے میں نے اس کے ساتھ نرم رویہ رکھ کر اور اُسے بہلا پھسلا کر یہاں سے چلے جانے کا ارادہ کیا۔ میں نے اُس سے کہا۔
"ٹھیک ہے۔ چلو میں مان لیتا ہوں کہ وہ میں ہی ہوں لیکن اب کیا کیا جا سکتا ہے؟"
"اب تمہیں واپس چلنا ہے۔" وہ بولی۔
"واپس..... کہاں؟" میں نے بھویں سکیڑ کر اس کی طرف دیکھا۔
اُس نے پینٹنگ اٹھا کر اپنی ٹانگوں پر رکھ لی اور صوفے کی پشت گاہ سے ٹیک لگانے کے بعد میری طرف دیکھ کر بولی۔ "اب تمہیں واپس اپنی دنیا میں چلنا ہوگا۔"
"لیکن میری دنیا ہے کہاں؟" میں نے پوچھا۔
"وہ ایک ستارہ ہے' تم اصل میں وہیں کے باشندے ہو۔" اس نے جواب دیا۔
میں نے اُس کی ہاں میں ہاں ملانا ضروری سمجھا اور بولا۔ "لیکن اب تو میں انسانی شکل میں ہوں' بھلا میں اب واپس کیسے جا سکتا ہوں؟"
"تم بے فکر رہو..... جس طرح آئے تھے' اسی طرح واپس بھی چلے جاؤ گے۔" وہ اٹھتے ہوئے بولی۔
"میں کس طرح آیا تھا؟" میں نے ایک سوال کیا۔
"ایک اڑن طشتری کے ذریعے اور اب اس کے ذریعے واپس بھی جاؤ گے۔" اس نے میری طرف دیکھ کر جواب دیا۔ وہ کھڑی تھی۔ اُس نے اپنی بات کہنے کے بعد بیڈ کی طرف قدم بڑھا دیئے۔ میری نظریں اس پر تھیں اور میں سوچ رہا تھا کہ اب اس سے کس طرح جان چھڑاؤں۔

اُس نے بیڈ پر رکھی باقی دو پینٹنگز بھی اٹھا لیں اور تمام پینٹنگز کو ایک کونے میں الماری کے اوپر رکھ دیا۔ پھر وہ میرے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ اس نے میز پر سے سگریٹ کا پیکٹ اور لائٹر اٹھا کر ایک سگریٹ سلگایا اور کچھ کش لینے کے بعد میری طرف دیکھ کر بولی۔ "اب ساری باتیں تفصیل سے سن لو تا کہ تمہارے دل میں کوئی تجسس' کوئی تشنگی نہ رہ جائے۔ یہ آج سے تقریباً پینتیس برس پہلے کی بات ہے' اس وقت تم ہمارے ستارے پر رہتے تھے۔ اس

کا نام ”مارشر“ ہے۔ ہماری زبان میں مارشر طاقت ور کو کہتے ہیں۔ تم وہاں کے حکمرانوں میں سے ایک ہو تم نے جو تین جانور تصویر میں دیکھے ہیں ان میں درمیان والے تو تم ہو جب کہ تمہارے دائیں اور بائیں تمہاری بھائی کھڑے ہیں تم نے ان سے ایک مرتبہ خواہش ظاہر کی تھی کہ تمہیں یہ زمین بہت پسند آئی ہے اور تم کچھ عرصہ یہاں گزارنا چاہتے ہو۔ مارشر پر رہنے والی ہماری قوم زمین پر رہنے والے انسانوں سے بہت زیادہ ترقی یافتہ ہے۔ ہم میں سے کئی مارشری یعنی اس ستارے پر رہنے والے جانور یا جو بھی تم کہہ لو وہ اس زمین پر اپنی اڑن طشتریوں میں اکثر آتے جاتے رہتے ہیں تم بھی اس طرح آئے تھے اور یہ زمین تمہیں بہت اچھی لگی تھی تم نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا کہ تم کچھ عرصہ اس زمین پر رہنے کے خواہش مند ہو۔ انہوں نے تمہیں اجازت دے دی تھی لیکن اب ان کی خواہش ہے کہ تم واپس وہاں پہنچ جاؤ اور تمہیں واپس لے جانے کی ذمہ داری مجھے سونپی گئی ہے۔ یہ بھی بتادوں کہ اس زمین پر تم اکیلے نہیں آئے تھے بلکہ تمہارے ساتھ کچھ اور مارشریوں نے بھی ایسی ہی خواہش کا اظہار کیا تھا اور انہیں بھی یہاں رہنے کی اجازت مل گئی تھی۔ اب وہ لوگ بھی اس دنیا کے مختلف ممالک میں موجود ہیں اور سب ہی مصوری کے شعبے سے وابستہ ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تم سب یہاں آئے تھے تو یہی طے ہوا تھا کہ جب تم لوگوں کو واپس بلانا ہوگا تو میں تمہیں لینے آؤں گی اور دنیا کی ایک عظیم مصورہ کے طور پر سامنے آؤں گی۔ تم لوگ میری طرف متوجہ ہو جاؤ گے اور مجھ سے رابطہ کرلو گے پھر ہم یہاں سے جانے کا ایک پروگرام طے کرلیں گے اور اس کے مطابق مارشر پر واپس چلے جائیں گے۔ میرا خیال تھا کہ مجھے زیادہ دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا لیکن مجھے تو بڑی مشکلات درپیش آرہی ہیں۔ تم میں سے کئی ایک اپنا ماضی بھول چکے ہیں اور مجھے سب کو اس طرح باتیں یاد کرانا پڑ رہی ہیں جس طرح میں نے تمہیں کرائی ہیں۔“

”مجھے تو سب یاد آگیا ہے۔ بس اب تم طے کرلو کہ ہمیں کب اور کس طرح واپس جانا ہے۔“ میں نے اُسے بہلاتے ہوئے کہا۔ مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ ایک ایسی ذہنی مریضہ ہے جس کا مرض بہت پرانا ہو چکا ہے۔ ساتھ ہی مجھے یہ شک بھی ہو رہا تھا کہ شاید اس نے کوئی ذہنی مشقتیں کی ہیں جن کی وجہ سے اُس کی آنکھوں میں کوئی اثر آگیا اور اسی اثر کے تحت میری ذہنی کیفیت بدلی تھی۔ بس مجھے یہ بات پریشان کر رہی تھی کہ آخر مجھے دکھائی جانے والی پینٹنگز دیکھ کر مجھے یہ کیوں محسوس ہو رہا تھا کہ میں نے وہ مناظر حقیقت میں بھی دیکھے ہیں۔ میں نے سوچا کہ ایسا یقیناً میری بدلی ہوئی ذہنی کیفیت کی وجہ سے ہوا ہوگا یا اس کی ایسی ہی کوئی وجہ ہوگی۔ میں کسی طور پر تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھا کہ جولیٹ نے جو کچھ کہا ہے اُس میں ایک فیصد بھی درست ہے۔

اُس نے میری طرف دیکھ کر کہا۔ ”میرے حساب سے اس زمین پر موجود اپنے تمام ساتھیوں کو سمیٹنے اور انہیں واپس جانے پر آمادہ کرنے میں مجھے ایک دو مہینے لگ جائیں گے۔ تب تک میں یہاں سے جانے کا کوئی حتمی پروگرام بنالوں گی جو کہ تمہیں بھی بتادیا جائے گا۔“

”ٹھیک ہے تم مجھے بتا دینا۔“ میں نے کہا۔ ”ویسے اگر اجازت ہو تو میں جاؤں مجھے دراصل کچھ ضروری کام کرنے ہیں ایک دوست کو اسٹوڈیو پہنچنے کا وقت دیا تھا وہ بھی کچھ دیر بعد آنے والا ہوگا؟“

”ٹھیک ہے۔ اگر تم جانا چاہتے ہو تو جاؤ۔ مجھے جب تم سے رابطہ کرنا ہوگا کرلوں گی۔“ وہ بولی۔

”ٹھیک ہے تم کر لینا رابطہ۔“ میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ میں دل ہی دل میں خوش تھا کہ اُس نے مجھے جانے کی اجازت دے دی تھی ورنہ میں تو سوچ رہا تھا کہ اُس سے جان چھڑانا کافی مشکل ہو جائے گا۔

وہ میرے ساتھ کمرے کے دروازے تک آگئی اور میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ ”ویسے مناسب ہوگا کہ تم میری اور اپنی باتیں کسی اور سے نہ کہو۔“

”میں نہیں کہوں گا۔“ میں نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔

وہ معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ ”اگر تم کہہ گے تو لوگ تمہیں پاگل سمجھیں گے۔“

”ہاں تم ٹھیک کہتی ہو۔ تم بے فکر رہو مجھے خود کو بے وقوف کہلانے کا کوئی شوق نہیں ہے۔“ میں نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”ٹھیک ہے۔ ویسے اگر تم کھانا بھی کھا کر جاتے تو بہتر تھا؟“ اُس نے پیش کش کی۔

”نہیں شکریہ! کھانا ہم پھر کسی وقت کھالیں گے۔“ میں نے فوراً کہا۔ اب میں کسی بھی وجہ سے وہاں رُکنا نہیں چاہتا تھا۔

”ٹھیک ہے۔ جیسی تمہاری مرضی!“ وہ بولی اُس نے دروازہ کھول دیا۔

”گڈ بائے!“ کہنے کے بعد میں کمرے سے باہر آگیا اور اُس پر الوداعی نظر ڈالتے ہوئے لفٹ کی جانب چل پڑا۔ مجھے دروازہ بند ہونے کی آواز سنائی دی۔

میں لفٹ کے پاس پہنچا تو پتہ چلا کہ وہ آٹھویں منزل پر رُکی ہوئی ہے۔ یہاں کچھ لوگ لفٹ کے انتظار میں کھڑے تھے اس کے باوجود مجھے اس جگہ سے اب بڑی وحشت سی ہو رہی تھی۔ میرے اندر جولیٹ کا خوف بیٹھ گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اب تک کئی بار میں مڑ کر اس کے کمرے کی جانب دیکھ چکا تھا۔

اپنی وحشت کی وجہ سے میں نے وہاں رُکنا گوارا نہ کیا اور تیزی سے سیڑھیوں کی جانب لپکا اور پھر میں یوں تیزی کے ساتھ سیڑھیاں پھلانگنے لگا جیسے کوئی بدروح میرا تعاقب کر رہی ہو۔

ذرا ہی دیر بعد میں گراؤنڈ فلور پر آگیا اور تیز تیز قدموں سے بیرونی دروازے کی جانب بڑھنے لگا۔

میں عمارت سے باہر آ کر بنا کوئی لمحہ ضائع کیے اپنی کار میں آن بیٹھا اور پھر میں نے فوراً اسے اسٹارٹ کر کے چل دیا۔

میں نے ہوٹل کی عمارت سے باہر آ کر کچھ دور جانے کے بعد عقب نما آئینے میں ہوٹل کی دور ہوتی عمارت کو دیکھا مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی ایسا قبرستان ہو جہاں کے مردے قبر سے نکل کر میرے تعاقب میں بھاگے ہوں اور میں ان سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔

کافی دور آ جانے کے بعد مجھے کچھ سکون محسوس ہوا۔ میں سوچنے لگا کہ جب میں جولیٹ سے ملنے جا رہا تھا تو کتنا خوش اور پرجوش تھا۔ میں اُس سے ہر حال میں مل لینا چاہتا تھا لیکن اب میری خواہش تھی کہ میں زندگی میں کبھی بھی اس کی شکل نہ دیکھوں۔ وہ ایک ذہنی مریضہ تھی اور ایسے مریضوں کے بارے میں میری معلومات یہ تھیں کہ یہ کچھ بھی کر سکتے ہیں حتیٰ کہ ان کے لیے کسی کو قتل کرنا بھی قطعاً مشکل نہیں ہوتا۔

میں اپنے اسٹوڈیو پہنچا تو مجھے دیکھ کر لکشمن کے چہرے پر استعجابیہ تاثرات آگئے۔ اُس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ مجھ سے کہا۔

”ارے سر!...... آپ اتنی جلدی واپس آگئے۔ میں تو سمجھ رہا تھا کہ آپ جولیٹ کے ساتھ لنچ کر کے آئیں گے؟“

میں اس پر اپنی کیفیت واضح نہیں ہونے دینا چاہتا تھا اس لیے میں نے اپنے چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ بکھیری اور بولا۔ ”وہ تو مجھے لنچ کے لیے روک رہی تھی لیکن اُس کے کچھ دوست آگئے وہ کچھ اُلجھن سی محسوس کر رہی تھی اس لیے میں نے اُس سے بہانہ کیا کہ مجھے ضروری کام ہیں اور یوں اس سے اجازت لے کر میں آگیا۔“

”سر!...... ویسے ایک بات ہے کہ آپ کی خواہش بڑی آسانی سے پوری ہو گئی۔ میرا مطلب ہے کہ جولیٹ سے ملنے کے لیے آپ کو کوئی تگ و دو نہیں کرنی پڑی اور یہ کام خود بخود آسانی کے ساتھ ہوتا چلا گیا۔“ اُس نے مسکرا کر

اظہارِ خیال کیا۔
"ہاں۔" میں نے پھر مصنوعی مسکراہٹ کا سہارا لیتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ "اس طرح زندگی میں کبھی کبھار ہی ہوتا ہے کہ جب انسان کی خواہش ازخود پوری ہو جاتی ہے۔"
"ایسے لوگوں کو خوش قسمت ہی کہا جا سکتا ہے۔" اس نے مسکا لگانے والے انداز میں کہا۔
"ہاں بالکل۔" میں مسکرا دیا اور پھر اپنے روم کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ "میرے لیے وہسکی لے آؤ۔"
"بہتر ہے سر!...... ابھی لے کر آیا۔" وہ بولا۔
میں اپنے روم میں آنے کے بعد صوفے میں دھنس گیا۔ میرے ذہن سے اب تک جولیٹ چپکی ہوئی تھی۔ میں نے ایک سگریٹ سلگا لیا اور جولیٹ کے ساتھ ہونے والی باتوں پر غور کرنے لگا۔ مجھے اس کی سنائی ہوئی کہانی پر حیرت ہو رہی تھی۔ اُس نے مجھے نہ صرف کسی ستارے کی مخلوق قرار دے دیا تھا بلکہ اپنی بات کے ثبوت کے طور پر اس نے مجھے پینٹنگز بھی دکھائی تھیں، اور ان میں مجھے بھی کھڑا ہوا بتایا تھا۔
اب میرے اعصاب پُرسکون ہو چکے تھے اس لیے میں اُس کی باتوں پر مسکرا دیا۔ اُسی وقت لکشمن وہسکی کی بوتل لے کر آ گیا۔ اُس نے ایک پیگ بنا کر مجھے تھما دیا۔
کچھ شراب پی لینے کے بعد میں مزید پُرسکون ہو گیا اور اپنی ایک نامکمل تصویر مکمل کرنے لگا۔

☆

تین دن گزر چکے تھے۔ جولیٹ کو کافی حد تک اپنے ذہن سے نکالنے میں کامیاب ہو گیا تھا اور اس وقت اپنے اسٹوڈیو میں ایک تصویر پر کام کر رہا تھا کہ اچانک میرے موبائل فون کی بیل بج اٹھی جس کی وجہ سے میرا ہاتھ کام کرتے کرتے رُک گیا۔ میں نے ایزل اور برش قریب ہی موجود اسٹول پر رکھ دیا اور وہیں بڑے موبائل کو اٹھایا، اس کے اسکرین پر نظر ڈالی، انجانا نمبر تھا۔ میں نے سوچا کہ شاید کسی دوست نے نیا نمبر لیا ہوگا۔ بٹن پُش کرنے کے بعد میں نے فون کان سے لگا کر "ہیلو" کہا۔
"کیسے ہو پرکاش؟...... جولیٹ بول رہی ہوں۔" جولیٹ کی آواز نے جیسے مجھے ساکت کر کے رکھ دیا۔ میری طرف سے کوئی جواب نہ پا کر وہ بولی۔ "کیا بات ہے پرکاش!...... تم بات نہیں کر رہے ہو؟"
"ہاں ہاں...... وہ...... میں...... ہاں بولو کیسی ہو؟" میں نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔
"میں تو بالکل ٹھیک ہوں۔ تم سے ملاقات کرنا چاہ رہی تھی۔" اس نے جواب دیا۔
"ملاقات؟" مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں نے کوئی کڑوی گولی منہ میں رکھ لی ہو۔ "دراصل...... میری کچھ مصروفیت چل رہی ہے، اس لیے میں تم سے معذرت چاہوں گی۔"
"دیکھو بھئی! ملنا ضروری ہے اور ویسے بھی اب تمہیں اپنی یہ تمام مصروفیات تو ختم کرنی ہی پڑیں گی کیوں کہ میں نے واپسی کا پروگرام ترتیب دے لیا ہے۔ اب یہ بتاؤ کہ کب تک آ رہے ہو میرے پاس؟" وہ بولی۔
"تم تو دو دن کے لیے یہاں آئی تھیں۔" میں نے اس کی بات کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔
"ہاں...... وہ تو میرا ظاہری پروگرام تھا لیکن میں دراصل تمہارے لیے یہاں آئی تھی اور پھر واپسی پروگرام بھی فائنل کرنا تھا۔ اس لیے میرا یہاں رُکنا ضروری تھا۔" اُس نے کہا۔ "اچھا یہ بتاؤ کہ کیا تمہیں اپنے ماضی کی باقی باتیں بھی یاد آ گئی ہیں یا نہیں؟"
میں سوچنے لگا کہ اُسے کیا جواب دوں۔ پھر میں نے اُس سے جان چھڑانے کا فیصلہ کرتے ہوئے قدرے روکھے انداز میں کہا۔ "دیکھو مس جولیٹ!...... میں تو یہ سمجھ کر تم سے ملنے کا خواہش مند تھا کہ تم ایک بڑی مصورہ ہو لیکن تم سے ملاقات کے بعد مجھے احساس ہوا کہ شاید تمہارے ذہن میں کوئی خلل ہے۔ بہرحال...... مجھے تمہاری خواہشات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، بس میں یہ چاہتا ہوں کہ اب آئندہ تم سے ملاقات نہ کروں اس لیے مناسب یہی ہوگا کہ آئندہ تم مجھ سے رابطہ نہ کرو۔"
میرا خیال تھا کہ میری بات پر وہ چراغ پا ہو جائے گی اور مجھ سے سخت لہجے میں کچھ کہے گی لیکن میری توقع کے برعکس مجھے اس کی ہنسی سنائی دی۔ وہ بولی۔
"مسٹر پرکاش!...... میں تمہاری پرابلم جانتی ہوں۔ یہاں رہنے والے ہمارے ایک ساتھی ٹریانگ کے ساتھ بھی یہ معاملہ ہو گیا تھا۔ اُس کے ذہن سے بھی اپنا ماضی نکل چکا تھا، میں نے اُسے بڑی مشکلوں سے یاد دلایا کہ درحقیقت وہ کون ہے۔ اب اُسے سب کچھ یاد آ چکا ہے اور وہ واپس جانے کے لیے تیار ہے۔ اسی طرح تم بھی تیار ہو جاؤ گے۔"
"تم میرا خیال تو ذہن سے بالکل نکال دو، میں کہیں نہیں جانے والا۔" میں نے قدرے تلخ لہجے میں کہا۔
وہ دھیرے سے ہنس کر بولی۔ "ایسی ہی باتیں ٹریانگ بھی کر رہا تھا۔"
"مجھے کسی ٹریانگ سے کچھ نہیں لینا دینا۔" اب میرا لہجہ مزید تلخ ہو گیا تھا۔
"اچھا دیکھو!" وہ ملائم لہجے میں بولی۔ "میں چاہتی ہوں کہ تم ابھی میرے پاس ہوٹل چلے آؤ، لنچ ہم ساتھ ہی کر لیں گے، مزید بات چیت بھی ہو جائے گی۔"
"تمہاری عقل میں میری بات نہیں آئی؟" میں نے نہایت سختی کے ساتھ کہا۔ "میں نے کہا ناں کہ میں تم سے نہیں ملنا چاہتا۔"
"اوکے...... جیسی تمہاری مرضی۔" اس نے رابطہ منقطع کر دیا۔
میں نے فون کان سے ہٹا دیا۔ میں اس وقت کافی طیش میں تھا۔ میں نے خود کو نارمل کرنے کی کوشش کی، فون اسٹول پر رکھ دیا اور گلاس میں موجود وہسکی کے کچھ گھونٹ حلق سے اُتار لیے۔ پھر میں نے ایک سگریٹ سلگا لیا اور اپنے سامنے موجود کینوس پر ادھوری تصویر کی طرف پوری طرح متوجہ ہونے کی کوشش کرنے لگا تا کہ جولیٹ کی طرف سے میرا ذہن ہٹ جائے۔
تقریباً آدھے گھنٹے بعد میرے کمرے کا دروازہ کھلا۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا تھا کہ لکشمن بغیر دستک دیئے اندر آ جائے لیکن اب دروازہ کھل گیا تھا، میں اپنے کام کی طرف متوجہ تھا لیکن اس طرح کی حرکت کے بعد میں نے گردن موڑ کر دروازے کی طرف دیکھا اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرا ذہن اُچھل کر حلق میں آ گیا ہے کیوں کہ میرے سامنے جولیٹ کھڑی تھی۔
"تت...... تم؟" میں نے بہ مشکل کہا۔
"ہاں میں۔" وہ معنی خیز اور پُراسرار مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "میں نے سوچا کہ تم آنے میں پس و پیش کر رہے ہو تو میں خود تمہارے پاس پہنچ جاتی ہوں۔ تم تو مجھے اندر آ کر بیٹھنے کے لیے شاید نہیں کہو گے اس لیے میں خود ہی آ جاتی ہوں۔" اس نے کہا اور دروازہ بند کرنے کے بعد میرے قریب آ کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ اُس نے میری طرف دیکھ کر کہا۔ "تم شاید یہ سوچ رہے ہو گے کہ تمہارے سیکریٹری نے مجھے نہیں روکا، ایسی بات نہیں ہے۔ اس نے مجھے باہر روکنے کی کوشش کی تھی لیکن میں نے اُسے بے ہوش کر دیا۔"
"بے ہوش کر دیا؟" میں نے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔
"ہاں۔" وہ مسکرا کر بولی۔ "میں نے سوچا کہ میں اور تم آرام سے بیٹھ کر بات چیت کریں گے۔"
"اوہ......" میں نے برش اور ایزل اسٹول پر رکھتے اور اٹھتے ہوئے کہا۔ "پتہ نہیں وہ کس حال میں ہوگا۔"
میں اٹھ کھڑا ہوا اور ابھی میں نے دروازے کی طرف ایک قدم ہی بڑھایا تھا کہ جولیٹ نے لپک کر میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ میں نے اُس کی طرف غصیلی نگاہوں سے دیکھا اور بولا۔ "تم تو خواہ مخواہ میرے لیے دردِ سر بنتی جا رہی ہو۔ تم

نے پتہ نہیں اس کے ساتھ کیا کیا ہے کہ وہ بے ہوش ہو گیا ہے۔ تم نے اسے چوٹ تو نہیں ماری ہے؟''

''نہیں، نہیں۔'' وہ ملائم لہجے میں بولی۔ ''میں نے اُسے اپنی آنکھوں کی طاقت سے بے ہوش کیا ہے۔''

''آنکھوں کی طاقت سے؟...... وہ کس طرح سے۔''

میں نے بھویں سکیڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

''تمہیں ابھی پوری طرح اپنا ماضی یاد نہیں آیا ہے۔ اگر آ جاتا تو تم یہ سوال نہ کرتے، بہر حال میں تمہاری اطلاع کے لیے بتا دیتی ہوں کہ مارشریوں کی ایک بڑی خوبی یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ اپنی آنکھوں کی طاقت سے بہت کام لے سکتے ہیں۔ میں نے اپنی آنکھوں کی طاقت سے ہی لکشمن کو بے ہوش کیا ہے۔ تم بے فکر رہو اُسے کوئی چوٹ نہیں آئی ہے اور نہ ہی کوئی تکلیف ہوئی ہے۔ بس یوں سمجھو کہ وہ گہری نیند میں چلا گیا ہے اور اب کم سے کم دو گھنٹے تک اُسے ہوش نہیں آئے گا۔''

''لیکن میں اُسے دیکھنا ضرور چاہوں گا۔'' میں نے ذرا سخت لہجے میں کہا۔

''ٹھیک ہے...... آؤ میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

ہم دونوں روم سے باہر آ گئے۔ استقبالیہ کمرے میں پہنچ کر میں نے لکشمن کو صوفے پر لیٹے دیکھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ میں نے اُس کا سانس چیک کیا جو بحال تھا، پھر اس کی نبض ٹٹولی وہ بھی درست طور پر حرکت کر رہی تھیں۔ میں نے ایک گہرا سانس لے کر جولیٹ کی طرف دیکھا۔ اُس کے چہرے پر معنی خیز مسکراہٹ تھی۔ اس سے قبل کہ میں اُس سے کچھ کہتا، وہ بولی۔

''تسلی ہو گئی تمہاری؟'' پھر مجھے کچھ کہنے کا موقع دیئے بغیر اس نے میرا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ ''آؤ اب واپس چلتے ہیں۔ تم اب بالکل بے فکر رہو۔ میں نے فلیٹ کا بیرونی دروازہ اندر سے بند کر دیا ہے، کوئی اندر نہیں آ سکتا۔''

میں نے اپنے آفس کے طور پر یہ فلیٹ ہی کرائے پر لے رکھا تھا۔

وہ مجھے واپس میرے روم میں لے آئی۔ ہم دونوں صوفے پر بیٹھ گئے تو اُس نے نہایت سخت لہجے میں مجھ سے کہا۔

''دیکھو مسٹر پرکاش!...... اب میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ میں نے واپس جانے کا حتمی پروگرام ترتیب دے لیا ہے۔ میں اپنے کچھ کاموں میں الجھی ہوئی تھی اس لیے میں نے تم پر اب تک پوری توجہ نہیں دی تھی لیکن اب چوں کہ میں نے جانے کا فائنل پروگرام بنا لیا ہے اس لیے تم سے یہ ملاقات ضروری تھی۔ میں تمہیں مطلع ہی کرنے آئی ہوں کہ واپس جانے کے لیے اپنے آپ کو پوری طرح تیار کر لو۔''

میرا جی تو چاہا کہ میں اپنے سامنے سینٹر ٹیبل پر پڑی سنگِ مرمر کی ایش ٹرے اٹھا کر اُس کے منہ پر مار دوں لیکن اُس کی کارروائیوں کی وجہ سے میں اُس سے کافی خوف زدہ ہو چکا تھا۔ اس لیے میں نے اپنی سوچ کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش نہیں کی اور خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ میں نے اُس سے کہا۔ ''تم آخر میرے پیچھے کیوں پڑی گئی ہو؟''

''اس لیے کہ میں تمہیں واپس لے جانا چاہتی ہوں۔'' اس نے ترش لہجے میں جواب دیا۔

''کہاں؟'' میں اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکا اور چیخ اٹھا۔ ''کہاں واپس لے جانا چاہتی ہو؟ جب سے تم مجھے ملی ہو تم نے یہ بکواس لگا رکھی ہے کہ ہمیں واپس جانا ہے۔ میں اس زمین کا باشندہ ہوں، یہیں پیدا ہوا ہوں اور یہیں مروں گا۔''

''پیدا ہوئے نہیں ہو بلکہ پیدا کیے گئے ہو۔'' اس نے گویا میری تصحیح کی۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' میں نے استفہامیہ نظروں سے اُس کی طرف دیکھا۔

"مطلب یہ کہ بظاہر تمہاری پیدائش ایک عام انسان کی طرح ہوئی ہے لیکن تم درحقیقت مارشری ہو۔"

"اوہ۔" میں نے اپنا سر پکڑ لیا۔ "میں تنگ آ چکا ہوں تمہارے اس راگ سے۔"

"یہ راگ نہیں حقیقت ہے۔ جب تم لوگوں نے اس زمین پر رہنے کا فیصلہ کیا تھا تو اس وقت یہی طے ہوا تھا کہ تم لوگ اس دنیا میں کسی عورت کے پیٹ سے عام بچوں کی طرح پیدا ہو گے اور پھر تیس پینتیس سال یہاں گزار کر واپس اپنی دنیا میں چلو گے۔ اس وقت ہمارے جن دانش وروں نے یہ فیصلہ کیا تھا' اس وقت کے لحاظ سے تو وہ بالکل درست تھا لیکن اب ذرا گڑبڑ ہو گئی ہے اور اس کی وجہ وہ ادویات ہیں جو انسانوں نے گزشتہ کچھ عرصے میں بنائی ہیں۔ یہ وہی ادویات ہیں جو کہ آج کل کے ایلوپیتھک ڈاکٹر دیتے ہیں' اس کے علاوہ گندم' چاول وغیرہ کی فصلوں میں جو کھادیں استعمال ہو رہی ہیں اور فصلوں پر جو اسپرے کیا جا رہا ہے' وہ بھی تم لوگوں کے دماغوں پر اثر انداز ہوا ہے یہی وجہ ہے کہ تم لوگوں کے دماغوں کا وہ حصہ جس میں تمہاری یادیں محفوظ رہتی تھیں بُری طرح متاثر ہوا ہے اور مجھے بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ بہرحال میں نے مارشر کے دانش وروں کو اس صورت حال سے آگاہ کر دیا تھا۔ انہوں نے مجھے ایک دوا بھیج دی ہے۔" اُس نے اپنے پرس میں سے ایک چھوٹی سی شیشی نکال کر مجھے دکھاتے ہوئے کہا۔ "یہ ہے وہ دوا..... تم اس کے چند قطرے پیو گے تو تمہیں اپنا ماضی پوری طرح یاد آ جائے گا۔"

اب مجھے جولیٹ سے کچھ زیادہ ہی خوف ہونے لگا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ وہ ذہنی مریضہ ہے اور اب مجھے ایسا لگا کہ کہیں وہ اس شیشی میں زہر ہی نہ لے آئی ہو۔ میں نے اس سے پیار سے نمٹنے کا فیصلہ کیا اور بولا۔ "دیکھو جولیٹ!..... میں اگر یہ مان لوں کہ تم بالکل درست کہہ رہی ہو تو ایسی صورت میں' میں تم سے ایک بات ضرور کہنا چاہوں گا۔"

"وہ کیا؟" اُس نے گہری نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"میرا ماضی چاہے کچھ بھی ہو لیکن اب میرا دل اس دنیا سے' اس زمین سے لگ چکا ہے' میں واپس نہیں جانا چاہتا۔" میں نے جواب دیا۔

اُس کی بھویں سکڑ گئیں۔ وہ کچھ سوچ رہی تھی۔ پھر اُس نے کہا۔ "یہ ناممکن ہے۔ تمہیں واپس جانا ہی ہو گا۔"

"دیکھو!..... تمہیں میرے جذبات کا کوئی احساس نہیں ہے؟" میں نے بلا اشتعال کہا۔

"جذبات کا احساس ہے' بالکل ہے۔" وہ بولی۔ "تم ہمارے ستارے کے باشندے ہو' وہاں کے حکمرانوں میں سے ہو۔ میں تمہارے جذبات کا پورا پورا احساس کر رہی ہوں اور تم سے بہت رعایت بھی کر رہی ہوں' تب ہی اب تک تم صحیح سلامت ہو اور میں نے تم سے کوئی زور زبردستی نہیں کی ہے۔ فی الحال تو میری یہ خواہش ہے کہ میں سیدھے طریقے سے اس کام کو نمٹا لوں۔ میں چاہتی ہوں کہ تمہاری یادداشت درست طور پر کام کرنے لگے اور اگر ایسا ہو گیا تو میری ساری مشکلیں ختم ہو جائیں گی۔ تم خود کہو گے کہ تم واپس جانا چاہتے ہو اور یادداشت کے لیے میں چاہوں گی کہ تم اس دوا کے چند قطرے پی لو۔" اس نے شیشی والا ہاتھ ذرا اوپر کرتے ہوئے کہا۔

میرا کوئی ارادہ نہیں تھا کہ میں وہ دوا پیوں لیکن میں نے جولیٹ کو دھوکا دینے کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔ "ٹھیک ہے میں یہ دوا پی لیتا ہوں لیکن اگر اسے پینے کے بعد بھی میری یادداشت درست نہ ہوئیں تو؟" میں نے اس کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

"یہ دوا ہمارے دانش وروں نے خصوصی طور پر تیار کر کے بھیجی ہے' اس کے بے اثر ہونے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے۔" وہ بولی۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ تم بتاؤ کہ اسے کیسے پینا ہے؟" میرا مطلب ہے کہ ویسے ہی چند قطرے پی لوں یا پانی وغیرہ میں ڈال کر پینے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"ویسے ہی پی لو۔" وہ بولی۔

"دیکھو!..... میں ایک شرط پر پیوں گا۔" میں نے کہا تو اس نے فوراً میری طرف دیکھا اور بولی۔

"کیا شرط ہے؟"

"اگر اس دوا کے بعد مجھ پر کوئی اثر نہ ہوا تو تم یہاں سے چلی جاؤ گی اور مجھ سے کبھی رابطہ نہیں کرو گی؟" میں نے جوابی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"مجھے منظور ہے۔" وہ بولی۔ "لو..... میں تمہیں چند قطرے دے رہی ہوں' تم پی لو۔" وہ شیشی کھولتے ہوئے بولی۔ پھر اس نے شیشی کے ڈھکنے میں تھوڑی سی دوا ڈال دی اور میری طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔ "یہ لو..... پی لو۔"

میں اُس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے تھوڑا سا جھک گیا اور پھر میں نے اپنے قدم زمین پر جماتے ہوئے کسی چیتے کی طرح اس پر جست لگا دی۔ میں ہوا میں اڑتا ہوا اس پر گرا اور صوفہ پیچھے کی جانب لڑھک گیا۔

گرنے کی وجہ سے میرا سر زور سے قالین سے ٹکرایا تھا اور میرے سر کو کافی چوٹ لگی تھی لیکن اس وقت یہ چوٹ ہی میرے لیے اہم مسئلہ نہیں تھی اس لیے میں اُسے نظر انداز کرتے ہوئے تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا اور پھر میں نے دروازے کی طرف دوڑنا شروع کر دیا۔

ذرا ہی دیر بعد میں نے دروازے پر پہنچ کر اُسے تیزی سے کھولا اور باہر نکلتا چلا گیا۔

میں استقبالیہ سے ہوتا ہوا باہر لاؤنج میں آ گیا اور پھر چھوٹی سی گیلری میں پہنچ گیا۔ استقبالیہ میں' میں نے لکشمن کو سابقہ حالت میں دیکھ لیا تھا۔

گیلری کے اختتام پر فلیٹ کا داخلی دروازہ تھا میں آناً فاناً اس تک پہنچ گیا اور پھر اپنی تیزی برقرار رکھتے ہوئے میں اُسے کھول کر باہر کوریڈور میں نکل آیا۔ میں نے تیزی سے دوڑتے ہوئے کوریڈور بھی عبور کر لیا۔ میرا یہ فلیٹ سیکنڈ فلور پر تھا۔ اس عمارت کی لفٹ گزشتہ ایک ہفتے سے خراب تھی لہٰذا اس جانب جانے کا تو کوئی جواز نہیں تھا' میں برق رفتاری کے ساتھ سیڑھیاں اترتا چلا گیا اور غلط پیر پڑ جانے کی وجہ سے میں گر گیا۔ میں نے فوراً ریلنگ کو پکڑ لیا تھا اس لیے زیادہ نیچے نہیں گیا۔ اُسی وقت میری نظر اپنی عمر رسیدہ پڑوسن مسز الیاس پر پڑی جو سیڑھیاں چڑھ کر اُوپر آ رہی تھیں۔

"ارے پرکاش!..... کیا ہو گیا ہے تمہیں' خیر تو ہے؟" انہوں نے تیزی سے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے کہا۔

میں اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے کپڑے درست کرتا ہوا ان سے بولا۔ "بس میں ایک کام کے لیے جلد از جلد نیچے جانا چاہتا تھا۔"

"چوٹ تو نہیں آئی تمہیں؟" وہ بولیں۔

"نہیں میں ٹھیک ہوں۔" میں نے جواب دیا حالاں کہ مجھے دائیں گھٹنے میں شدید چوٹ لگی تھی۔

"اچھا اب ذرا احتیاط سے جاؤ۔" انہوں نے کہا۔

میں ریلنگ پکڑ کر سیڑھیاں اترنے لگا۔ میں سیڑھیوں کے اختتام پر پہنچا تو سامنے کمپاؤنڈ میں کچھ بچے کھیل رہے تھے' وہیں اِدھر اُدھر کئی گاڑیاں کھڑی تھیں اور لوگ بھی نظر آ رہے تھے۔ میں رُک گیا اور اوپر سیڑھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے سوچنے لگا کہ اب کیا کروں؟ جولیٹ میرے تعاقب میں نہیں آئی تھی۔

مجھے خیال آیا کہ اپنے دوستوں میں سے کسی کو حالات بتاؤں لیکن پھر میں نے سوچا کہ کوئی بھی میری باتوں پر یقین نہیں کرے گا بلکہ میری ذہنی حالت پر شک کیا جائے گا۔

ذرا دیر بعد میرے حواس بحال ہو گئے۔ مجھے لکشمن کی فکر بھی تھی۔ مجھے خدشہ تھا کہ جولیٹ کہیں اس کو نقصان نہ پہنچا دے۔ پھر مجھے احساس ہوا کہ میں اُس سے کافی خوف زدہ ہوں۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے اُسے قابو کرنے

کے بجائے راہ فرار اختیار کی تھی۔ بھاگنے سے پہلے میں نے صرف یہ سوچا تھا کہ مجھے جولیٹ کی دسترس سے دور ہونا ہے اور اب میں سوچ رہتا تھا کہ اُس کے سلسلہ میں مزید کیا کروں اور کس طرح اُس سے لکشمن کو محفوظ رکھوں پھر میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے اس قدر بزدلی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے۔

میں نے اپنا حوصلہ مضبوط کیا اور خود کو ہر طرح کے حالات سے نمٹنے کے لیے تیار کر کے میں سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ میری نگاہ مسلسل اُوپر کی جانب تھی۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی بھی لمحے جولیٹ میرے سامنے آ جائے گی۔

بالآخر میں اپنے فلور پر پہنچ گیا۔ کوریڈور میں کوئی نہیں تھا۔ میں اپنے فلیٹ کی طرف بڑھنے لگا۔ میرے دل کی دھڑکنیں حالات کی سنگینی اور آنے والے کسی بھی ممکنہ خطرے کی وجہ سے بے ترتیب تھیں۔

کچھ دیر بعد میں اپنے فلیٹ کے دروازے پر پہنچ گیا اور محتاط انداز میں اندر جھانکنے لگا۔

اُسی وقت مجھے دائیں جانب سے آہٹیں سنائی دیں۔ میں نے گردن موڑ کر اس طرف دیکھا۔ مسز الیاس اپنے فلیٹ سے باہر نکل رہی تھیں۔ ان کی نظر مجھ پر پڑی تو وہ بولیں۔ ''پتہ نہیں یہ لفٹ کب تک ٹھیک ہوگی۔ سیڑھیوں سے اترنے چڑھنے میں بڑی پریشانی ہو رہی ہے۔''

''جی ہاں...... آج میں پھر راندھیر سنگھ سے بات کروں گا کہ لفٹ جلد سے جلد درست کروائے۔'' میں نے کہا رندھیر سنگھ بلڈنگ کا آنر تھا۔

''میں بھی بات کروں گی۔'' وہ بولیں اور اپنے دروازے کو مقفل کرنے کے بعد سیڑھیوں کی جانب پلٹیں۔

جب سے مسز الیاس فلیٹ سے باہر آئی تھیں۔ مجھے کچھ حوصلہ محسوس ہوا تھا۔ لیکن اب اس کے جانے سے پھر سابقہ خوف زدہ حالت ہونے لگی تھی۔

میں نے فلیٹ کے اندر جھانکتے ہوئے کسی آہٹ یا آواز کو سننے کی کوشش کی لیکن وہاں مکمل سکون طاری رہا۔ میں نے اب تک اندر کی کوئی آواز نہیں سنی تھی۔ مجھے اس بات پر حیرت تھی کہ آخر جولیٹ کوئی حرکت کیوں نہیں کر رہی ہے۔ پھر میں نے سوچا کہ شاید وہ میری گھات میں بیٹھی ہو۔

میں نے اپنا حوصلہ مزید مضبوط کیا اور آہستہ آہستہ فلیٹ کے اندر داخل ہو گیا۔ گیلری میں میرا ایک پرانا اسٹینڈ دیوار کے ساتھ ٹکا ہوا تھا۔ میں نے اُس کا جائزہ لیا۔ میں اگر اُسے توڑتا تو ایک مضبوط لکڑی میرے ہاتھ آ سکتی تھی اور میں اُسے جولیٹ کے خلاف استعمال کر سکتا تھا۔

میں نے وہ اسٹینڈ تو توڑ ڈالا اور لکڑی حاصل کر لی۔ اب میرا حوصلہ از خود کچھ بلند ہو گیا۔ میں آہستہ آہستہ اندر کی جانب بڑھا۔ پھر میں استقبالیہ کے کمرے میں پہنچ گیا۔ لکشمن حسب سابق اپنی جگہ پر بے خبر لیٹا ہوا تھا۔

میں اُس کے پاس سے گزرتا ہوا مزید اندر کی جانب چلتا گیا۔ پھر میں اپنے روم کے دروازے پر آ گیا جو آدھا کھلا ہوا تھا۔ میں نے محتاط انداز میں روم کے اندر جھانکا لیکن وہاں کہیں بھی مجھے جولیٹ نظر نہیں آئی۔

میں نے سوچا کہ کہیں وہ کسی صوفے کے پیچھے نہ چھپی بیٹھی ہو۔ میں آہستہ آہستہ روم کے اندر داخل ہو گیا اور پھر میں نے سارے صوفوں کے پیچھے دیکھ لیا' جولیٹ کہیں نہیں تھی۔ کمرے میں اور کوئی ایسی بڑی چیز نہیں تھی جس کے پیچھے وہ چھپ سکتی۔

''اس کا مطلب ہے کہ وہ فلیٹ میں کسی اور جگہ چھپ گئی ہے۔'' میں نے سوچا اور پھر میں روم سے باہر نکل آیا۔

ذرا دیر میں' میں نے سارا فلیٹ چیک کر لیا لیکن جولیٹ کہیں نہیں ملی۔ یہ ثابت ہونے کے بعد کہ وہ فلیٹ سے جا چکی ہے' میں کافی مطمئن ہو گیا۔

میں نے گیلری میں آ کر داخلی دروازے سے باہر کوریڈور میں جھانکا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ میں نے دروازہ

بند کر کے اُسے مقفل کر دیا۔ ہاتھ میں پکڑی لکڑی میں نے ٹوٹے ہوئے اسٹینڈ کے پاس ہی رکھ دی اور لکشمن کے پاس پہنچ گیا۔ میں نے اُسے ہلایا جلایا لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ میں اٹھ کر کچن میں آیا۔ ایک گلاس میں کچھ پانی لے کر میں ایک بار پھر لکشمن کے پاس پہنچ گیا۔ میں نے اُسے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے لیکن اُسے پھر بھی ہوش نہ آیا۔

میں نے اُسے ہوش میں لانے کی ساری کوششیں کیں لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا اور پھر مجھے جولیٹ کی بات یاد آ گئی۔ اس نے کہا تھا کہ لکشمن کو کم سے کم دو گھنٹے بعد ہوش آئے گا اور ابھی تو لکشمن کو بے ہوش ہوئے آدھا گھنٹہ بھی نہیں گزرا تھا۔

میں نے دو گھنٹے انتظار کرنے کا فیصلہ کیا اور سوچا کہ اس کے بعد بھی اگر اُسے ہوش نہ آیا تو میں کسی ڈاکٹر سے رابطہ کروں گا۔ فی الحال میں کسی سے رابطہ نہیں کرنا چاہتا تھا کیوں کہ مجھے ڈر تھا کہ اس طرح سوال و جواب کا ایک سلسلہ چل پڑے گا اور میرے لیے تمام سوالوں کے جواب دینا ممکن نہیں تھا۔

میں وہیں لکشمن کی کرسی پر بیٹھ گیا۔ جولیٹ کے بارے میں میں یہ سوچ چکا تھا کہ وہ عمارت کی دوسری سیڑھیوں سے چلی گئی ہوگی یا اگر کہیں عمارت ہی میں چھپی ہوگی تو جلد ہی کسی کی نظر میں آ جائے گی۔

ذرا دیر بعد مجھے اپنے موبائل فون کی بیل سنائی دی۔ میں اٹھ کر چل پڑا اور اپنے روم میں آ گیا۔ میں نے سینٹر ٹیبل پر سے فون اٹھا لیا اور اُس کے اسکرین پر دیکھا۔ ایک انجانا نمبر تھا۔ میں نے بٹن دبا کر فون کان سے لگایا اور کہا۔ "ہیلو پرکاش اسپیکنگ؟"

"میں جولیٹ بول رہی ہوں۔" جولیٹ کی سرسراتی آواز میرے کان میں آئی اور میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔

"کہو...... کیا کہنا چاہتی ہوں؟" میں نے تلخی سے کہا۔

"تم نے وہ ساری دوا گرا کر ضائع کر دی لیکن مت سمجھنا کہ میں تمہیں چھوڑ دوں گی۔ یاد رکھو آج سے ٹھیک پندرہ دن بعد یعنی بائیس جنوری کو رات ایک بجے ہم اس زمین کو چھوڑ دیں گے۔" اُس نے تحکمانہ اور دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔

"میں کہیں نہیں جاؤں گا۔"

"بک بک کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یاد رکھنا بائیس جنوری رات ایک بجے۔" اُس نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "گڈ بائے!"

میں نے فوراً فون کی اسکرین پر دیکھا کہ اُس نے رابطہ منقطع کر دیا اور واقعی ایسا ہوا تھا۔

میں نے ایک گہرا سانس لیا اور فون جیب میں رکھنے کے بعد چل پڑا۔

میں ایک بار پھر لکشمن کے پاس پہنچ گیا۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ گزر گیا۔ میں لکشمن کے پاس ہی بے چینی سے ٹہل رہا تھا اور بار بار اُسے ہوش میں لانے کی کوشش کر رہا تھا اور اب وہ میری کوشش کے بغیر ہی ہوش میں آ گیا۔ اُس نے کھوئی کھوئی آنکھوں سے مجھے اور اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔ "وہ...... مس جولیٹ کہاں گئی سر!"

"چلی گئی ہے وہ۔" میں نے جواب دیا۔

"اس نے میرے ساتھ کیا کر دیا تھا؟" اُس نے اُلجھی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھا۔

"بے ہوش کر دیا تھا۔"

"اوہ...... لیکن کیوں؟"

"تاکہ مجھ سے آرام سے بات چیت کر سکے۔"

"لیکن...... آخر اس نے مجھے بے ہوش کیوں کیا؟ وہ مجھے بے ہوش کیے بغیر بھی آپ سے بات چیت کر سکتی تھی؟"

"اُس نے جو بہتر سمجھا وہ کیا...... اب تم یہ بتاؤ کہ کیا محسوس کر رہے ہو؟"

"میں اب بالکل ٹھیک ہوں۔"

"یہ اچھی بات ہے۔"

"لیکن سر...... آخر اس نے ایسی حرکت کیوں کی؟"

میں نے ذرا سوچا اور اُسے تمام معاملہ بتا دینے کا فیصلہ کیا کیوں کہ مجھے کسی ایسے فرد کی شدید ضرورت محسوس ہو رہی تھی جس سے میں جولیٹ والے معاملے پر ڈسکس کر سکوں۔ اس طرح بہتر مشورے ملنے کی توقع تھی۔ میں نے لکشمن کی طرف دیکھا اور بولا۔

"لکشمن!...... میں تمہیں تمام صورت حال بتا دینا چاہتا ہوں اور یہ بھی چاہوں گا کہ تم مجھے اس سلسلے میں کچھ مشورے دو کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔"

"کوئی خاص بات ہی ہے سر؟" وہ اُلجھی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔

"ہاں۔" میں نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ضرور بتائیں سر؟" وہ بولا۔

میں نے اُسے تمام حالات بتا دیے اور بولا۔ "ہاں اب بولو کہ مجھے کیا کرنا چاہیے؟"

"سر!...... آپ کی باتوں نے تو مجھے حیرت زدہ کر دیا ہے۔ یہ تو معاملہ ہی عجیب و غریب ہے، مجھے کچھ نہیں آ رہا ہے کہ میں آپ کو کیا مشورہ دوں۔ بہر حال...... میں کچھ سوچتا ہوں۔" وہ بولا۔

"ٹھیک ہے، آرام سے سوچو۔" میں نے کہا۔

ذرا سوچ کر وہ بولا۔ "سر...... کہیں تو یہ کیس نفسیاتی لگتا ہے اور کہیں پراسرار اور ماورائی۔"

"ہاں...... تم نے درست اندازہ لگایا۔" میں نے اس کی تائید کی۔ "مجھے بھی ایسا ہی محسوس ہوتا ہے۔"

"اس سلسلے میں ہمیں کسی ماہر نفسیات اور کسی عامل سے رابطہ کرنا پڑے گا۔"

"ماہر نفسیات تو میرا ایک دوست ہے، عامل ہے کوئی تمہاری نظر میں؟"

"جی ہاں سر!...... ایک عامل ہیں، ان کا نام جگ موہن ہے۔ سب لوگ انہیں بابا جگ موہن کہتے ہیں۔" اُس نے جواب دیا۔

"گڈ!...... تو پھر تم فوری طور پر ان کے پاس جاؤ اور میں اپنے ماہر نفسیات دوست ڈاکٹر جگدیش سے بات کرتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے سر میں ابھی جاتا ہوں۔" وہ بولا۔

لکشمن چلا گیا اور میں نے اپنی ڈائری میں ڈاکٹر جگدیش کا فون نمبر دیکھنے کے بعد اُسے فون ملایا۔

"ہیلو...... ڈاکٹر جگدیش اسپیکنگ؟" رابطہ ملنے پر مجھے اُس کی بھاری بھرکم آواز سنائی دی۔

"ڈاکٹر جگدیش...... میں پرکاش بات کر رہا ہوں۔" میں نے کہا۔

"اوہ...... پرکاش جی!...... بھئی کیسے ہیں آپ؟" وہ خوش گوار لہجے میں بولا۔ "فرمائیے کیسے یاد کیا؟"

"ڈاکٹر صاحب!...... میں ایک مسئلے سے دوچار ہوں، آپ سے فوری ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔"

"اوہو...... تو آپ اس وقت میرے کلینک چلے آیئے، میں یہیں بیٹھا ہوں۔" وہ بولا۔

"اوکے، بس میں دس منٹ میں پہنچ رہا ہوں۔" میں نے کہا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد میں ڈاکٹر جگدیش کے سامنے تھا۔ "جی فرمائیے کیا مسئلہ ہے؟" اُس نے مجھ سے پوچھا۔

"ڈاکٹر صاحب!...... معاملہ آپ کے سامنے پیش کرنے سے قبل ایک درخواست کروں گا کہ یہ معاملہ صرف آپ تک ہی رہنا چاہیے۔ کیوں کہ میں نہیں چاہتا کہ کسی اور تک میرا یہ معاملہ جائے اور لوگ میرے بارے میں باتیں بنائیں۔" میں نے کہا۔

"ارے پرکاش جی!...... یہ سب کہنے کی ضرورت ہی نہیں تھی کیوں کہ میں کسی کی بات کسی اور کو نہیں بتاتا۔" وہ بولا۔

"معاف کیجیے گا، میرا کوئی غلط مطلب نہیں تھا۔" میں نے خجالت سے کہا۔

"ڈونٹ وری!...... پلیز آپ مسئلہ بتائیے؟" وہ بولا۔

میں نے اُسے جولیٹ کا سارا معاملہ بتادیا۔ وہ سوچ میں پڑ گیا۔ پھر میری طرف دیکھ کر بولا۔ ”معاملہ خاصہ پیچیدہ تھا۔

”جی ہاں...... مجھے اس میں ماورائی اور پراسرار پہلو بھی دکھائی دیتا ہے۔“ میں نے کہا۔

”یہ آپ سوچ سکتے ہیں۔ ایک ماہر نفسیات کی حیثیت سے میں ایسی باتوں پر نہیں سوچ سکتا۔“ اُس نے اپنی پیشانی رگڑتے ہوئے کہا۔

”اوکے!...... آپ جس طرح بہتر سمجھیں سوچیں، بس مجھے یہ مشورہ دیں کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔“ میں نے کہا۔

”ہوں۔“ اُس نے ہنکارہ بھرتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا اور سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر میری طرف دیکھ کر بولا۔ ”آپ کے ساتھ زندگی میں پہلے کبھی ایسے واقعات پیش آئے ہیں؟“

”نہیں...... ایسا پہلی مرتبہ ہوا ہے۔“ میں نے جواب دیا۔

”پہلے کبھی آپ خوفناک خواب دیکھتے رہے ہیں یا اب بھی دیکھتے ہیں؟“

”جی نہیں...... میں نے شاید پوری زندگی میں ایک آدھ ہی ڈراؤنا خواب دیکھا ہوگا اور وہ بھی اپنے لڑکپن میں۔“

”کبھی دماغ پر کوئی چوٹ تو نہیں لگی آپ کے؟“

”جی نہیں...... ایسا بھی نہیں ہوا۔“

”زندگی میں کوئی ایسا سانحہ گزرا جس نے آپ کے دماغ پر اثر ڈالا ہو؟“

”ماتا پتا کے انتقال کے واقعات تھے لیکن اب ان کا دیہانت ہوئے بھی پندرہ سال ہو چکے ہیں۔“

”آپ ڈراؤنے ناول تو نہیں پڑھتے یا ڈراؤنی فلمیں تو نہیں دیکھتے؟“

”کبھی کبھار اگر ٹی وی پر کوئی ایسی فلم آ رہی ہو تو دیکھ لیتا ہوں، ویسے مجھے ایسے ناول پڑھنے یا ایسی فلمیں دیکھنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ ناول تو شاید میں نے کبھی ایسا کوئی پڑھا نہیں اور ٹی وی پر فلم دیکھے بھی کم سے کم دو ڈھائی سال ہو چکے ہوں گے۔“

اُس نے ماتھا کھجایا اور ذرا سوچ کر بولا۔ ”میں آپ کو کچھ دوائیں لکھ کر دے رہا ہوں، وہ استعمال کریں اور کچھ ٹیسٹ ہیں، وہ بھی کروالیں۔“

”اوہ ڈاکٹر صاحب!...... آپ نے تو مجھے مریض بنا دیا۔“ میں نے کہا۔ ”جب کہ آپ کی اصل مریضہ جولیٹ ہے۔“

”جس کا کوئی وجود ہی نہیں ہوگا۔“ اُس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”کیا مطلب؟“ میں نے چونک کر کہا۔

اُس نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا اور بولا۔ ”آپ کے کیس میں لوگوں کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے۔ وہ کسی ایسے انسان کے ساتھ زندگی گزار رہے ہوتے ہیں جس کا کوئی وجود ہی نہیں ہوتا، بہر حال ...... آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے، ایک ماہ کے اندر اندر آپ ٹھیک ہو جائیں گے اور یہ جولیٹ ازخود غائب ہو جائے گی بس شرط یہ ہوگی کہ آپ میری ہدایات پر عمل کریں۔“

”کیا ایسی کوئی صورت نہیں ہے کہ آپ حقیقت میں جولیٹ کو تسلیم کر لیں؟“ میں نے میز پر دونوں کہنیاں رکھ کر اُس کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔

وہ مسکرا کر بولا۔ ”پہلے آپ میری بات مان لیں۔ اگر ایک ماہ بعد بھی یہ جولیٹ غائب نہ ہوئی تو پھر میں آپ کی بات مان لوں گا۔“

”لیکن ڈاکٹر صاحب!...... آپ کو بھی یہ حقیقت مان لینی چاہیے کیوں کہ جولیٹ پلازا ہوٹل میں ٹھہری ہوئی ہے، آپ اس کی تصدیق کر سکتے ہیں۔“ میں نے کہا۔

وہ پھر مسکرا کر بولا۔ ”میں مانتا ہوں کہ وہ ٹھہری ہوگی لیکن آپ جس جولیٹ کی بات کر رہے ہیں اس کا اس جولیٹ سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔“

”مجھے نہیں معلوم کہ آپ اس حقیقت کو تسلیم کرنے سے کیوں انکار کر رہے ہیں۔“ میں نے کہا۔

”اس لیے کہ...... میں ایک ماہر نفسیات ہوں اور یہ اچھی طرح جانتا ہوں کہ میرے کس پیشنٹ کو کیا مرض ہے۔“ اُس کے چہرے پر اب بھی مسکراہٹ تھی۔

میں نے پیچھے ہوتے ہوئے ایک گہرا سانس لیا اور اپنی کمر کرسی کی پشت سے لگا دی۔

ڈاکٹر جگدیش نے اپنے رائٹنگ پیڈ پر کچھ دوائیں وغیرہ لکھیں اور پیڈ کا وہ کاغذ پھاڑ کر میری طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ ”یہ دوائیں ہیں جو آپ نے بازار سے لے کر استعمال کرنی ہیں۔“

اُس نے دوسرے کاغذ پر مزید کچھ لکھنے کے بعد وہ بھی مجھے دیتے ہوئے کہا۔ ”یہ ہیں وہ ٹیسٹ جو آپ کو کرانا ہیں اور ان کی رپورٹس مجھے دکھائیں گے۔“

میں نے وہ کاغذ بھی اس سے لے لیا اور پھر اُس کے بعد فیس ادا کر کے اس کے روم سے باہر آ گیا۔ میں سوچ رہا تھا کہ ڈاکٹر جگدیش کسی حد تک درست کہہ رہا ہے اور پھر میں نے اُس کی ہدایات پر بھی عمل کرنے کا فیصلہ کیا تھا کہ اگر واقعی مجھے کوئی بیماری ہے تو اس کا تدارک ہو جائے اور ساتھ ہی میں نے اپنے طور پر جولیٹ سے نمٹنے کا فیصلہ بھی کر لیا اور پھر ابھی مجھے یہ اُمید بھی باقی تھی کہ شاید لکشمن کوئی اچھی اطلاع لے کر آ جائے۔

میں نے راستے سے دوائیں خریدیں اور واپس اپنے فلیٹ پہنچ گیا۔ لکشمن اب تک نہیں آیا تھا۔ میں نے کافی تیار کی اور اپنے روم میں بیٹھ کر پینے لگا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد لکشمن آ گیا۔ اس نے مجھ سے کہا۔ ”سر!...... میں بادا جگ موہن سے مل کر آ گیا ہوں۔“

”کیا کہا انہوں نے؟“ میں نے فوراً پوچھا۔

”وہ آپ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔“ اُس نے بتایا۔

”کب...... ابھی چلنا ہے؟“

”شام سات بجے ملیں گے وہ۔“

”ٹھیک ہے...... کہاں جانا ہے؟“

”شہر سے باہر ان کا ٹھکانہ ہے۔“

”ٹھیک ہے، ہم چھ بجے ہی یہاں سے نکل جائیں گے۔ ایک گھنٹے میں تو پہنچ جائیں گے ناں وہاں؟“

”جی ہاں سر آرام سے پہنچ جائیں گے۔“

”اوکے ہم چھ بجے نکل چلیں گے۔“

”سر وہ ماہر نفسیات کا کیا ہوا...... ملاقات ہو گئی اس سے؟“ اس نے پوچھا۔

”ہاں......“ میں نے ایک گہرا سانس لیا۔ ”ہو گئی اس سے ملاقات۔“

”کیا بات ہے سر...... آپ کچھ اداس سے ہیں، کیا کہا ہے اُس نے؟“ وہ بولا۔

”مجھے شیزوفرینک سمجھتا ہے۔“

”شیزوفرینک؟“ وہ کچھ اُلجھن کا شکار ہو گیا۔

”ارے یار!...... نفسیات کی ایک بیماری ہے جسے شیزوفرینیا کہتے ہیں اور اس بیماری کے متاثرہ مریض کو شیزوفرینک کہا جاتا ہے۔“

”اوہ...... اچھا۔“ وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

”اس نے مجھے بھی مریض قرار دے دیا ہے۔ وہ سمجھ رہا ہے کہ شاید میں نفسیاتی مرض کا شکار ہو گیا ہوں۔ وہ میری کوئی بات ماننے کو تیار نہیں تھا اس لیے میں نے زیادہ بحث نہیں کی ورنہ میں اُسے تمہارا بھی حوالہ دیتا لیکن میرا خیال ہے کہ وہ تمہیں بھی مریض قرار دے دیتا یا کوئی اور ایسی ہی بات کرتا، وہ جولیٹ کے معاملے کو پراسرار اور ماورائی ماننے کے لیے تو بالکل بھی تیار نہیں تھا۔“

اُس نے ٹھوڑی کھجاتے ہوئے کہا۔ ”یہ نفسیات کے ڈاکٹر ایسے ہی ہوتے ہیں سر!...... معاملہ چاہے کچھ بھی ہو وہ اسے صرف نفسیات کا مسئلہ ثابت کرنے پر تلے رہتے ہیں۔“

”تم ٹھیک کہتے ہو۔“ میں نے اس کی تائید کی۔ ”مجھے ڈاکٹر جگدیش سے بات کر کے ایسا ہی محسوس ہوا تھا۔ بہر حال میں اُس کی ہدایات کو یکسر انداز میں نہیں کر رہا ہوں۔ اُس کی بتائی ہوئی دوائیں لے آیا ہوں، انہیں استعمال کروں گا اور اس کی دیگر ہدایات پر بھی عمل کروں گا، اس

طرح اگر میں تھوڑا بہت نفسیاتی مریض ہوا بھی تو معاملہ ٹھیک ہوجائے گا۔“

”یہ مناسب ہے۔“ وہ بولا۔

☆

شام چھ بجے میں اور لکشمن کار میں روانہ ہوگئے۔ ڈرائیونگ سیٹ لکشمن نے سنبھالی ہوئی تھی۔ میں نے ہی اس سے کہا تھا کہ وہ ڈرائیونگ کرے کیوں کہ میرا دل ڈرائیونگ کو نہیں چاہ رہا تھا۔

ہم شہر کی حدود سے باہر آئے تو شام رخصت ہو رہی تھی اور اندھیرا سارے ماحول پر قابض ہو جانے کے لیے اپنے پر پھیلا رہا تھا۔

مزید دس منٹ کے سفر کے بعد لکشمن نے سڑک کے کنارے گاڑی روک لی۔ وہیں درختوں کو درمیان کچھ دور ایک روشن لالٹین نظر آ رہی تھی جو ایک کچے سے مکان کے باہر نیچے برآمدے میں لٹک رہی تھی۔

”وہ جو لالٹین جل رہی ہے وہی بادا جگ موہن کا ٹھکانہ ہے۔“ لکشمن نے مجھے بتایا۔

ہم دونوں کار سے اُترنے کے بعد اس ٹھکانے پر پہنچ گئے۔ برآمدے میں ایک مفلوک الحال شخص بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کالا چوغا پہن رکھا تھا۔ اُس کے بال بکھرے اور اجڑے ہوئے تھے۔ شیو بڑھا ہوا تھا اس کی بھی کوئی ترتیب نہیں تھی۔ اُس نے سر اٹھا کر ہماری طرف دیکھا اس کی آنکھوں میں وحشت تھی۔ وہ ہنسنے لگا۔ میں نے سوچا کہ اگر یہ بادا جگ موہن ہے تو میرے معاملے کو کیا سمجھے گا کیوں کہ وہ تو خود اپنے حال سے بے گانہ دکھائی دیتا تھا۔

لکشمن نے وہاں نظر آنے والے لکڑی کے دروازے پر دستک دی۔

ذرا دیر بعد ایک بوڑھی عورت نے دروازہ کھولا۔ ”نمستے ماتا جی!“ لکشمن نے ہاتھ جوڑتے ہوئے۔ اس سے کہا۔

”نمستے..... جیتے رہو۔“ وہ مسکرا کر بولی۔ اسی دوران اس نے مجھ پر بھی نظر ڈالی تھی۔ ”آؤ..... اندر آ جاؤ۔“ اس نے ایک طرف ہوتے ہوئے لکشمن سے کہا۔

”آیئے سر!“ لکشمن نے پلٹ کر مجھ سے کہا اور ہم دونوں اُس مکان کے اندر داخل ہوگئے۔ سامنے ایک چھوٹا سا صحن تھا جس میں ایک جلتی ہوئی لالٹین لٹک رہی تھی۔ سامنے ہی ایک اور دروازہ نظر آ رہا تھا۔ ہم اس دروازے کے پاس پہنچ گئے۔ بوڑھی عورت نے اس دروازہ پر ہلکی سی دستک دینے کے بعد کہا۔

”یہ لکشمن اور اس کے ساتھی آئے ہیں۔“

”بھیج دو انہیں۔“ اندر سے ایک بھاری مردانہ آواز آئی۔

بوڑھی عورت نے اندر جانے کا اشارہ کرتے ہوئے لکشمن سے کہا۔ ”جاؤ اندر چلے جاؤ۔“

لکشمن نے دروازے پر دباؤ ڈال کر اُسے کھول دیا۔ پھر جوتے اُتارے اور اندر قدم رکھ دیا۔ اس کے بعد میں نے بھی ایسا ہی کیا۔ یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔ یہاں بھی ایک جلتی ہوئی لالٹین موجود تھی جو ایک جانب لکڑی کے چوکھٹے پر رکھی تھی جب کہ زمین پر دری بچھی ہوئی تھی۔ سامنے دیوار کے ساتھ ایک عمر رسیدہ آدمی بیٹھا تھا۔ اُس کے لمبے لمبے بال تھے جن میں سے بہت کم ہی کالے رہ گئے تھے۔ یہی اُس کی داڑھی موچھوں کا حال تھا۔ اُس نے پیلے رنگ کا چوغا پہن رکھا تھا۔ اُس کے گلے میں چھوٹے بڑے موتیوں کی مالائیں لٹکی ہوئی تھیں لیکن یہ شخص باہر موجود شخص کی طرح گندا اور میلا نہیں بلکہ بہت صاف ستھرا تھا۔

”نمستے بادا جی!“ لکشمن نے ہاتھ جوڑ کر اُس سے کہا۔

اُس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”جیتے رہو جیتے رہو۔“

میں نے بھی انہیں نمستے کہا اور انہوں نے لکشمن کی طرح مجھے بھی جواب دیا اور اپنے سامنے بیٹھنے کے لیے کہا۔

ہم دونوں بیٹھ گئے تو لکشمن نے ان سے کہا۔ ”بادا جی! یہ میرے مالک ہیں پرکاش جی!..... میں نے صبح آپ سے ان ہی کے بارے میں بات کی تھی۔“

بادا جی نے میری طرف گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر مجھ سے مخاطب ہوئے۔ ”تمہاری ماتا کا کیا نام ہے؟“

”ساوتری!“ میں نے جواب دیا۔

”اور پتا کا؟“

”منوہر لعل!“

”ہوں۔“ انہوں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے ہنکارہ بھرا اور کچھ سوچنے لگے۔ پھر انہوں نے اپنے گلے سے سرمئی موتیوں کی ایک مالا اُتار لی اور اس کا موتی گھماتے ہوئے بڑبڑانے لگے۔ ساتھ ہی انہوں نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

کچھ دیر بعد انہوں نے آنکھیں کھولیں اور ایک گہرا سانس لینے کے بعد میری طرف دیکھ کر بولے۔ ”تمہاری زندگی خطرے میں ہے۔ تمہیں کچھ ہمت کرنا ہوگی۔“

”جی..... وہ کیا؟“ میں نے ان کی بات پر پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

”پرسوں اماوس کی رات ہے تم اگر ایک خطرناک عمل کر ڈالو تو تمہاری زندگی محفوظ ہو سکتی ہے۔“

”وہ..... کیا عمل ہوگا؟“ میں نے سوال کیا۔

انہوں نے ایک گہرا سانس لیا اور ذرا سوچ کر بولے۔ ”میں تمہیں ایک خنجر دوں گا اور اس سے تمہیں ایک بھیڑیے سے لڑنا ہوگا۔ اگر تم نے اسے ختم کر ڈالا تو اس کے خون سے میں تمہیں ایک تعویذ تیار کر کے دوں گا تم اسے گلے میں ڈال لینا پھر ہمیشہ کے لیے تمہاری جان تمہارے دشمنوں وغیرہ سے چھوٹ جائے گی۔“

میں نے اُلجھی ہوئی نگاہوں سے لکشمن کی طرف دیکھا تو بادا جی بولے۔ ”دیکھو!..... یہ تمہاری زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ ورنہ وہ جولیٹ تمہیں پندرہ دن کے اندر اندر مار ڈالے گی۔“ میرا خیال ہے کہ اس کے ہاتھوں مرنے سے بہتر ہے کہ تم اپنی زندگی بچانے کی کوشش کر دیکھو۔“

”جولیٹ کی حقیقت کیا ہے؟“ میں نے بادا جی سے سوال کیا۔

”وہ ایک آتما ہے۔ بھٹکی ہوئی آتما۔“ انہوں نے جواب دیا۔

”سر!..... جیسا بادا جی کہہ رہے ہیں ویسا کر لیں یہ آپ کی زندگی کا مسئلہ ہے۔“ لکشمن نے کہا پھر اس نے بادا جی کی طرف دیکھا۔ ”بادا جی!..... کیا میں ان کی کوئی مدد کر سکتا ہوں؟“

”نہیں..... وہاں تو کسی عام ادی کو ہونا بھی نہیں چاہیے ورنہ وہ بھیڑیا اُسے مار ڈالے گا۔“ بادا جی نے جواب دیا۔ پھر انہوں نے میری طرف دیکھا۔ ”بالک!..... تم یہ کام کر ڈالو ہمت کر لو۔“

”یہ لڑائی کہاں ہوگی؟“ میں نے پوچھا۔

”یہاں پیچھے ویرانہ ہے وہیں ہو جائے گی۔“ انہوں نے ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

میں نے معاملے کی سنگینی کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔ ”ٹھیک ہے بادا جی میں یہ کر لوں گا۔“

”ہوں۔“ انہوں نے ہنکارہ بھرتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ ”بس تو پھر ٹھیک ہے تم لوگ پرسوں رات گیارہ بجے سے پہلے آ جانا۔ تمہارے سلسلے میں مجھے ایک گھنٹے تک عملیات کرنے ہوں گے اس کے بعد تم اس ویرانے کی طرف چلے جانا۔“

”جی بہتر ہے۔“ میں نے کہا۔

کچھ دیر بعد میں اور لکشمن وہاں سے روانہ ہوگئے۔

”سر!..... پریشان نہ ہوں۔ آپ ہمت کریں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اس بھیڑیئے کو مار ڈالیں گے اور ویسے بھی آپ کے ہاتھ میں خنجر تو ہوگا جس پر کچھ نہ کچھ بادا جی آپ کو پڑھ کر دیں گے۔ وہ کوئی عام خنجر نہیں ہوگا۔“ لکشمن نے میری ہمت بڑھاتے ہوئے کہا۔

”ہاں تم ٹھیک کہتے ہو۔ میں ہمت سے اُس بھیڑیئے کو ختم کر ڈالوں گا۔“ میں نے کہا۔

☆

میں اور لکشمن پھر باواجی کے پاس پہنچ گئے۔ ہم ایک دن چھوڑ کر آئے تھے اور آج رات ہی ہمیں باواجی نے بلایا تھا۔ باواجی نے میری طرف دیکھ کر کہا۔ "تم اپنی پوری قوت اور ہمت کے ساتھ لڑنا' مجھے یقین ہے کہ تم اس بھیڑیئے کو ختم کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔"

"میں ضرور اُسے ختم کرلوں گا۔" میں نے مستحکم لہجے میں کہا۔

"شاباش۔" وہ خوش ہو کر بولے۔ "بس اب میں اپنے عملیات کرلوں اس کے بعد تم اُس سے لڑنے کے لیے چلے جانا۔"

"بہتر ہے۔" میں نے کہا۔

انہوں نے لکشمن کی طرف دیکھا۔ "لکشمن!...... تم لوگ یہیں بیٹھو میں اپنے عملیات کر کے واپس آتا ہوں۔"

"بہتر ہے باواجی!" لکشمن ادب سے بولا۔

باواجی اٹھ کر کمرے سے باہر چلے گئے۔ لکشمن میری ہمت بڑھانے کی باتیں کرنے لگا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد باواجی واپس آ گئے۔ ان کے ہاتھ میں ایک چمک دار خنجر تھا جو انہوں نے بیٹھنے کے بعد اپنے سامنے رکھ لیا اور مجھ سے بولے۔ "بالک!...... اب تمہیں روانہ ہونے ہے۔ میں تمہیں کچھ باتیں بتا دوں۔ ایک تو یہ کہ تم یہاں سے تقریباً سو ڈیڑھ سو قدم آگے جاؤ گے تو تمہیں وہ بھیڑیا ملے گا۔ تمہیں بہت زیادہ محتاط رہنا ہوگا' وہ کسی بھی طرف سے آ کر تم پر حملہ آور ہو جائے گا۔ صرف تمہارے عقب سے نہیں آئے گا اور اس کی ایک آنکھ انگارے کی طرح سرخ ہوگی۔ اگر اس نے تمہیں مار دیا تو تمہاری کہانی وہیں ختم ہو جائے گی اور اگر تم نے اسے مار دیا تو پھر تمہارے لیے زندگی قائم رکھنے کے راستے کھل جائیں گے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ چاہے تمہیں کوئی بھی عقب سے آوازیں دے تم نے کسی صورت میں پیچھے مڑ کر نہیں دیکھنا ہے۔ ایک اور اہم بات ہے کہ تم نے کسی صورت بھاگنا نہیں ہے' یعنی واپس نہیں بھاگنا' یہ ذہن میں رکھو کہ تمہیں ڈرانے کے لیے بہت سی کوششیں ہو سکتی ہیں۔"

"بہتر ہے باواجی!" میں نے کہا۔

"چلو تو اب ہم لوگ باہر چلتے ہیں۔" وہ بولے۔

ہم لوگ اٹھ کر گھر سے باہر آ گئے۔ باواجی کے کہنے پر بوڑھی عورت جو کہ ان کی پتنی تھیں' لکشمن کو دو جلتی ہوئی لالٹینیں دے دی تھیں۔

گھر کے عقب میں آ کر باواجی نے سامنے اندھیرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ پرکاش!...... تمہیں اس طرف جانا ہے۔"

"بہتر ہے باواجی۔" میں نے کہا۔

"تم ڈر تو نہیں رہے؟" انہوں نے پوچھا۔

"نہیں......" میں نے جواب دیا۔

"کوئی بات پوچھنی ہے؟"

"جی نہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" انہوں نے کہا اور خنجر میری طرف بڑھایا۔

"لو...... اب تم جاؤ۔" انہوں نے لکشمن کی طرف دیکھا۔

"لکشمن!...... ایک لالٹین اسے دے دو۔"

لکشمن نے ایک لالٹین مجھے دے دی۔

"بس اب جاؤ...... بھگوان تمہاری رکھشا کرے گا۔" باواجی نے مجھ سے کہا۔

"بہتر ہے۔" کہہ کر میں نے قدم بڑھا دیئے۔

ابھی میں نے اٹھ کر دس قدم ہی بڑھائے تھے کہ مجھے اپنے عقب میں قدموں کی آواز سنائی دی۔ میں سمجھا کہ باواجی اور لکشمن میرے پیچھے آ رہے ہیں۔ میں نے مڑ کر پیچھے دیکھنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ مجھے باواجی کی بات یاد آ گئی۔ انہوں نے کہا تھا کہ مجھے کسی صورت مڑ کر پیچھے نہیں دیکھنا اس لیے میں پیچھے دیکھے بغیر چلتا رہا۔

"سنو پرکاش!...... رُک جاؤ...... عمل کچھ غلط ہو گیا ہے' مزید آگے نہ جاؤ۔" باواجی کی آواز میرے کانوں میں آئی۔ میں ٹھٹک گیا۔ مجھے شک ہوا تھا کہ کہیں واقعی باواجی تو نہیں آ گئے ہیں لیکن پھر میں چل پڑا اور مڑ کر نہیں دیکھا۔

"ارے پرکاش رک جاؤ!" ایک بار پھر باواجی کی آواز آئی لیکن میں نے توجہ نہیں دی۔ پھر ان کی کئی آوازیں آئیں لیکن میں نہیں رکا اور نہ ہی میں نے مڑ کر پیچھے دیکھا اور پھر مجھے سامنے ایک ببر شیر دکھائی دیا جو غراتا ہوا میری طرف آ رہا تھا۔ میں محتاط ہو گیا' مجھے شک ہوا تھا کہ کہیں وہ حقیقت میں شیر ہی نہ ہو لہٰذا اگر وہ مجھ پر حملہ کرے گا تو میں خنجر سے اپنا تحفظ کروں گا۔

شیر میرے انتہائی قریب آ گیا۔ اُس نے مجھ پر جست لگائی اور جیسے ہی وہ میرے قریب آیا۔ میں تیزی سے ایک جانب ہو گیا اور اُس پر خنجر سے وار بھی کیا لیکن اچانک وہ غائب ہو گیا۔ میں نے اطمینان کا سانس لیا اور پھر چل پڑا۔

ذرا دور آ کر مجھے سامنے سے کچھ آدمی دکھائی دیئے۔ وہ میرے قریب آ کر رک گئے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ "تم کون ہو؟"

"تم کون ہو؟" میں نے جواب دینے کے بجائے سوال کیا۔

"ہم ڈاکو ہیں' جو کچھ ہے نکال دو۔" وہ غرایا۔

میں نے اچانک اُسے چھونے کے لیے ہاتھ بڑھایا لیکن اس کے جسم کا کوئی وجود نہیں تھا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ بھی میرے راستے کی رکاوٹ ہیں۔ میں چل پڑا اور اس آدمی کے درمیان سے گزرتا چلا گیا۔ پھر مجھے خوفناک قہقہے سنائی دینے لگے۔

تمام ترسنگین حالت کے باوجود میں اپنے قدموں کا حساب رکھے ہوئے تھا اور اب تک میں نے ایک سو چالیس قدم اٹھا لیے تھے۔ یعنی اب صرف دس قدم ہی مجھے اٹھانے تھے۔ اچانک مجھے بائیں جانب سے بھیڑیئے کی غراہٹ سنائی دی۔ میں نے فوراً اس طرف دیکھا۔ ایک درخت کے عقب سے ایک بھیڑیا مجھے دیکھ رہا تھا۔ اُس کی ایک آنکھ انگارے کی طرح سرخ تھی۔ میرا دشمن میرے سامنے آ چکا تھا۔ میں نے لالٹین زمین پر رکھ دی۔

وہ ذرا دیر اپنی جگہ کھڑا غراتا رہا اور پھر درخت کی اوٹ سے نکل کر میرے سامنے آ گیا۔ وہ آہستہ آہستہ میری طرف بڑھا اور پھر اچانک اُس نے مجھ پر جست لگا دی۔ میں پوری طرح تیار تھا۔ اب میرا سارا خوف غائب ہو چکا تھا اور صرف یہی دھن سوار تھی کہ مجھے اُس بھیڑیئے کو ختم کرنا ہے۔ میں یکدم ایک جانب ہو گیا اور بھیڑیا غراتا ہوا میرے پاس سے گزر گیا۔ وہ زمین پر اترا اور پھر فوراً پلٹ کر مجھ پر حملہ آور ہوا۔ اس مرتبہ وہ بہت تیز تھا' میں نے خود کو بچانے کی کوشش کی لیکن وہ میرے بازو سے رگڑ کھاتا چلا گیا۔

وہ زمین پر اترنے کے بعد غراتا ہوا ایک بار پھر پلٹا اور اُس نے مجھ پر جست لگائی۔ جیسے ہی میرے قریب آیا' میں فوراً بیٹھ گیا۔ وہ میرے اوپر سے گزرنے لگا' میں نے برقی رفتار سے اُس پر خنجر سے حملہ کیا اور خنجر نے اس کا پیٹ کاٹ ڈالا۔ وہ زمین پر گرا اور پلٹ کر اتنی زیادہ تیزی سے مجھ پر حملہ آور ہوا کہ میں خود کو اس سے نہ بچا سکا اور وہ مجھے لیتا ہوا گر گیا۔ میں نے خوف کے عالم میں اُس سے خود کو چھڑانے کے بجائے اس پر خنجر سے پے در پے حملے کیے۔ وہ بلبلانے لگا اور پھر میں نے اُسے اپنے اوپر سے ہٹا کر ایک طرف پھینک دیا۔ وہ وہیں پڑا رہا اور اُس کے منہ سے ہلکی ہلکی غراہٹیں سنائی دینے لگیں۔

میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور اس کی طرف سے مزید کسی حملے کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو گیا لیکن وہ وہیں کراہتا اور غراتا رہا۔ بالآخر اس کی آوازیں اور حرکتیں ختم ہو گئیں۔

میں محتاط انداز میں اُس کی طرف بڑھا۔ اُس کے قریب جا کر میں نے خنجر والا ہاتھ اس پر حملے کے لیے پوری طرح تیار کر لیا اور دوسرے ہاتھ سے اُسے چھوا اور تھوڑا ہلایا' وہ ساکت و جامد تھا۔ میں نے اُسے ذرا زور سے ہلایا لیکن اُس نے نہ تو کوئی آواز نکالی اور نہ ہی کوئی حرکت کی۔ ثابت ہو گیا تھا کہ وہ ختم ہو گیا ہے میں الٹے قدموں اُس سے دور ہوتا چلا گیا۔ مجھے اب بھی یہ خدشہ تھا کہ وہ مجھ پر

حملہ کر دے گا۔

میں لالٹین تک پہنچ گیا۔ میں نے اُسے اٹھایا اور تیز تیز قدموں سے واپس چل پڑا۔ میں مڑ مڑ کر بھیڑیے کی طرف دیکھتا جا رہا تھا' وہ اپنی جگہ پر ہی پڑا ہوا تھا۔

بالآخر میں واپس لکشمن اور باوا جگ موہن تک پہنچ گیا۔ ''بہت خوشی کی بات ہے سر کہ آپ صحیح سلامت واپس آ گئے۔''

''بچنے کے امکانات تو نہیں تھے لیکن بس بچ ہی گیا۔'' میں نے کہا اور خنجر باواجی کی طرف بڑھایا۔ ''یہ لیجیے...... اس پر بھیڑیے کا خون لگا ہوا ہے۔''

انہوں نے خنجر لینے کے بعد اُس کا جائزہ لیا اور بولے۔ ''بس اب تمہاری زندگی محفوظ ہو جائے گی' آؤ واپس چلتے ہیں۔''

ہم لوگ باواجی کے گھر کی طرف چل پڑے۔

کچھ دیر بعد ہم ان کے کمرے میں آ گئے۔ انہوں نے میری اور لکشمن کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''تم دونوں بیٹھو' میں ابھی واپس آتا ہوں۔'' وہ کمرے سے باہر چلے گئے۔ میں اور لکشمن بیٹھ گئے۔

''سر!...... وہاں کیا ہوا؟'' لکشمن نے پرتجسس لہجے میں مجھ سے کہا۔

میں نے اُسے اپنے ساتھ بیتے واقعات بتا دیے۔ وہ بہت حیرت زدہ ہوا اور ساتھ ہی اُس نے میری ہمت کی بہت تعریف بھی کی۔

کچھ دیر بعد باواجی کی بیٹی ہمارے پاس آ گئیں اور لکشمن سے بولیں۔ ''تم یہیں رہو گے۔'' پھر انہوں نے میری طرف دیکھا۔ ''تم میرے ساتھ آ جاؤ' باواجی بلا رہے ہیں۔''

میں ان کے ساتھ دوسرے کمرے میں آ گیا۔ باواجی ایک جانب دری پر بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے مجھے اپنے سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں بیٹھ گیا تو انہوں نے ایک دھات کے بنے ہوئے تعویذ کے خول میں ایک کالی ڈوری ڈالنے لگے۔ میں سمجھ گیا کہ اس خول میں تعویذ ہوگا۔ ڈوری ڈالنے کے بعد انہوں نے اُسے میری طرف بڑھا دیا اور بولے۔ ''یہ لو...... یہ تعویذ اپنے گلے میں ڈال لو اور اسے ہمیشہ اپنے گلے میں رکھنا تم محفوظ رہو گے۔ اگر تم نے یہ تعویذ اتار دیا تو پھر وہ کچھ ہو جائے گا جو جولیٹ چاہتی تھی۔''

''کیا مطلب باواجی؟'' میں نے استعجابیہ لہجے میں کہا۔

''تم پہلے یہ تعویذ پہنو۔'' وہ بولے۔

''میں نے تعویذ گلے میں ڈال لیا۔ انہوں نے ذرا سوچا اور بولے۔ ''میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اُسے غور سے سنو!...... میں نے تم سے یہ غلط کہا تھا کہ جولیٹ کوئی آتما ہے۔ دراصل اس وقت میں تمہیں حقائق سے آگاہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اگر بتا دیتا تو تمہارے ذہن پر نہ جانے کیسے اثرات ہوتے۔ میں چاہتا تھا کہ تم بھیڑیے والا عمل کر آؤ تو تمہیں بتاؤں گا۔ اگر بھیڑیا تمہیں مار دیتا تو یہ کہانی وہیں دفن ہو جاتی۔ تم واقعی دوسرے ستارے کے رہنے والے ہو۔''

''کیا؟'' میں اُچھل پڑا۔ ''یہ...... یہ کیسے ہو سکتا ہے باواجی؟''

انہوں نے ایک گہرا سانس لیا اور بولے۔ ''ایسا ہی ہوا ہے۔ تم انسانی صورت میں پیدا ہوئے ہو اور اب تم خود کو انسان سمجھنے لگے ہو بلکہ آسان لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ تم اب انسان ہی ہو' تم نے ایک عورت کے پیٹ سے جنم لیا ہے اور جسمانی طور پر اب تم انسان ہی ہو۔ رہی تمہارے ماضی کی بات تو تم اُسے بھول جاؤ۔ جولیٹ کی یہ بات درست تھی کہ اس کے ستارے والے انسانوں سے سائنسی ترقی میں بہت آگے نکل گئے ہیں۔ ان کے پاس اڑن طشتریاں ہیں جن کے ذریعے وہ آناً فاناً ہماری دنیا میں آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔ انسان باوجود کوشش کے اب تک انہیں پکڑ نہیں سکے ہیں لیکن عملیات میں وہ ہم سے آگے نہیں ہیں۔ انہیں بھی عملیات آتے ہیں اور انہی کی وجہ سے جولیٹ دوسروں کے دماغوں پر اثر کر دیتی تھی لیکن بہرحال اُس کا ماورائی علم محدود ہے۔ میں نے تمہارے لیے جو تعویذ تیار کیا ہے اس کی وجہ سے اُس ستارے کا کوئی فرد تم تک نہیں پہنچ سکے گا بلکہ تم سے کوسوں دور رہے گا۔ بہرحال اب تم مطمئن ہو کر رہ سکتے ہو۔ تمہیں یہاں بلانے کا مقصد یہ ہے کہ لکشمن کو تمہارے بارے میں پتہ نہ چلے ورنہ وہ تم سے خوف زدہ رہنے لگے گا اور اس کے ذریعے بات اور تک بھی جا سکتی ہے اس لیے بس اب اس راز کو اپنے ہی سینے میں رہنے دینا۔''

''جی بہتر ہے۔'' میں نے مردہ سی آواز میں کہا۔

''تم کچھ مایوس اور پریشان ہو؟'' وہ بولے۔

''میرے لیے یہ بہت افسوس ناک خبر ہے کہ میں انسان نہیں ہوں۔'' میں نے شکستہ لہجے میں جواب دیا۔

''تم انسان ہی ہو۔ تمہاری ماں انسان تھی۔ تم ایک عمل کے ذریعے اُس کی کوکھ میں پہنچے تھے اور پھر تم ایک انسان ہی کی طرح پیدا ہوئے۔'' انہوں نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔

''لیکن...... بہرحال یہ خلش سی تو ہے کہ میں درحقیقت انسان نہیں ہوں۔''

''اوہو...... اپنے آپ کو یہ باور کرا لو کہ تم ایک انسان ہی ہو۔''

''لیکن ماضی میں تو نہیں تھا۔''

''ماضی میں تو کوئی بھی انسان نہیں تھا۔ ہر انسان ایک روح کی حیثیت رکھتا تھا اور پھر اس نے مرد عورت کے ملاپ کے نتیجے میں جسم حاصل کیا۔ اگر بات ماضی پر پریشان ہونے کی ہے تو پھر ہر انسان کو پریشان ہونا چاہیے کیوں کہ وہ ماضی میں' اس دنیا میں آنے سے قبل ایک روح تھا لہٰذا جس طرح دوسرے انسان اس بات کو اہمیت نہیں دیتے' تم بھی نہ دو۔''

ان کی بات میں وزن تھا۔ میں نے کہا۔ ''ٹھیک ہے باواجی' جیسا آپ کہہ رہے ہیں میں ویسا ہی سوچوں گا۔''

''اور مجھے یقین ہے کہ جلد ہی تمہاری خلش ختم ہو جائے گی۔'' وہ بولے۔ ''رہی جولیٹ کی بات تو اب اُسے بھول جاؤ' وہ یہاں سے جا چکی ہے۔ اُس نے ایک مصورہ کا روپ بھرا اور دنیا بھر میں اپنے افراد کو متوجہ کیا۔ جب تم لوگ اس دنیا میں آئے تھے تو اس سے قبل یہی منصوبہ طے ہوا تھا کہ جولیٹ خود کو مصورہ کے طور پر مشہور کرائے گی اور تم سب لوگ اس سے رابطہ کر لو گے' کچھ ساتھیوں کی یادداشت پر زیادہ اثر نہیں ہوا تھا اس لئے انہوں نے اس سے رابطہ کر لیا لیکن تم اور دو ایک اور لوگوں نے ذہنی اثرات کی وجہ سے اُس سے رابطہ نہیں کیا' حالاں کہ تم پر بہرحال اُس کا کچھ اثر ہو گیا تھا۔ تم اس کی تصاویر سے متاثر ہو گئے تھے اور پھر تم اس سے ملنے کے لیے بے چین ہوئے تھے۔''

''لیکن اس نے مصوری ہی کا طریقہ کیوں اپنا لیا۔ وہ براہِ راست بھی تو سب سے بات کر سکتی تھی؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں...... یہ ہو تو سکتا تھا لیکن یہ بھی ان کے لیے آسان طریقہ ہی ہے۔ یہ کوئی مشکل کام نہیں تھا ان کے لیے۔'' انہوں نے جواب دیا۔ ''بہرحال...... اب تم بے فکر ہو کر زندگی گزار سکتے ہو' بشرطیکہ تم خود ایک بے فکر زندگی گزارنا چاہو۔ اگر تم اپنے ماضی کو ذہن سے کھرچ کر پھینک دو تو ایک اچھی زندگی گزار سکتے ہو۔''

''ٹھیک ہے۔ میں ایسا ہی کروں گا۔'' میں نے کہا۔

''آؤ چلو وہاں چلتے ہیں۔''

ہم دونوں لکشمن کے پاس آئے۔ ''لکشمن!...... تمہارے دوست کا مسئلہ حل ہو گیا ہے۔ اب تم لوگ بے فکر ہو کر جا سکتے ہو۔'' باواجی نے کہا تو لکشمن بہت خوش ہوا۔

کچھ دیر بعد میں اور لکشمن واپس روانہ ہو گئے۔ یہ خلش اب بھی میرے دل میں تھی کہ میں ایک مکمل انسان نہیں ہوں لیکن بہرحال اب شاید مجھے اس خلش کے ساتھ ہی زندگی گزارنی تھی۔

......☆☆☆......

قیمت

مفلسی بھوک اور بیماری انسان کی تمام حسوں کو مٹادیتی ہے اور انسان بس مجبور محض بن کر رہ جاتا ہے ایک ایسا مٹی کا پتلا جس کے سامنے صرف ضرورتیں ہی ضرورتیں ہوتی ہیں اور وہ انہیں پورا کرنے کے لیے اپنے مقام سے گرتا چلاجاتا ہے۔

نیلم خاتون

ایک بے کس عورت کا احوال، اس کے پاس فروخت کرنے کے لیے کچھ بھی نہ بچا تھا

عابد کی نگاہیں چھت پر مرکوز تھیں۔ اسے ابھی ذرا ہی دیر پہلے بڑی زور سے کھانسی کا دورہ پڑا تھا جس کی وجہ سے وہ بے حال ہو چکا تھا۔ اب اسے کچھ سکون آیا تھا۔ وہ گزشتہ چھ ماہ سے بیمار تھا۔ اسے سانس کا عارضہ لاحق تھا۔ وہ گلی کے نکڑ پر پکوڑوں اور سموسوں کا ٹھیلا لگاتا تھا۔ وہ عرصہ دراز سے اپنے سانس کے مرض کو جھیل رہا تھا اور سرکاری اسپتال سے اکثر دوا بھی لاتا رہتا تھا لیکن پھر اس پر بیماری کا شدید حملہ ہوا جس نے اسے چارپائی سے لگ جانے پر مجبور کر دیا اور اب تو وہ خاصا کمزور لاغر ہو چکا تھا۔

اس کی بیوی آسیہ گھروں میں برتن اور کپڑے دھو کر کسی نہ کسی طرح گھر کا خرچ چلا رہی تھی لیکن ایک ماہ پہلے ایک گھر میں کپڑے دھوتے وقت گرم پانی کا برتن الٹ پڑا تھا جس کی وجہ سے اس کا الٹا ہاتھ جل گیا تھا اور وہ کام کاج کے قابل نہیں رہی تھی۔ اب وہ مانگ تانگ کر گزارہ کر رہی تھی۔ اس وقت بھی وہ محلے سے کچھ کھانے کے لیے مانگنے گئی تھی۔

عابد کو ہلکی سی کھانسی پھر آئی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ قریب ہی اس کا آٹھ سالہ بیٹا کھیل رہا تھا جس کا نام تو واجد علی تھا لیکن اسے پیار سے ننھا بابو کہتے تھے۔ وہ باپ کی کھانسی سن کر منجمد ہو گیا تھا۔ اسے توقع تھی کہ اب میرا باپ پہلے کی طرح کھانسنے لگے گا۔

ذرا دیر بعد آسیہ واپس آ گئی۔ اس کے ایک ہاتھ میں پلاسٹک کی ایک تھیلی تھی جس میں سالن نظر آ رہا تھا جبکہ اس کے دوسرے ہاتھ میں روٹیاں تھیں جو کہ ایک اخبار میں لپٹی ہوئی تھیں اس نے عابد کو بیٹھے دیکھ کر کہا۔ ”کیا پھر کھانسی آئی تھی؟“

”ہاں۔“ عابد نے اثبات میں سر ہلا کر جواب دیا۔

”پانی پیا تھا؟“ وہ یوں بولی جیسے پانی ہی عابد علی کا علاج ہے۔

”ہاں پیا تھا۔ اسی سے رکی تھی۔“ عابد بولا۔

”آج کے لیے تو بے فکری ہو گئی ہے۔ بیگم سلمٰی کے گھر سے کھانا مل گیا ہے۔“ وہ بولی۔ ”ابھی لے کر آ رہی ہوں۔“ پھر وہ باورچی خانہ میں آ گئی۔

کچھ دیر بعد وہ ٹرے لے کر عابد کے پاس پہنچ گئی اور ٹرے اس کے سامنے رکھ کر بولی۔ ”لو...... کھانا کھا لو......“ پھر اس نے ننھے بابو کی طرف دیکھا۔ ”چل آ جا...... تو بھی کھا لے۔“

ننھا بابو اٹھا اور تیزی سے اس کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے ننھے بابو کو چارپائی پر بیٹھا دیا اور خود بھی بیٹھ گئی۔ پھر وہ تینوں کھانا کھانے لگے۔

”کیا بات ہے آسیہ...... کچھ پریشان دکھائی دے رہی ہے؟“ عابد نے پوچھا۔

"کوئی بات نہیں ہے۔" آسیہ نے اس سے نظریں چراتے ہوئے جواب دیا۔

"نہیں..... کوئی بات تو ہے..... بتا کیا بات ہے؟" عابد نے اصرار کیا۔

"کہا ناں کوئی بات نہیں ہے۔" آسیہ بولی۔

"نہیں بتائے گی.....؟ لے میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔" عابد نے نوالہ ٹرے میں رکھ دیا۔

آسیہ ذرا تذبذب کا شکار رہ کر بولی۔ "اچھا کھالو..... میں بتاتی ہوں۔"

"تجھے میری قسم جھوٹ مت بولنا' جو بات ہے وہی بتانا۔" عابد نے کہا۔

وہ ایک بار پھر الجھ گئی کیونکہ اس نے یہی سوچا تھا کہ وہ جھوٹ بول کر عابد کو مطمئن کر دے گی۔ اس نے ایک گہرا سانس لیا اور بولی۔ "تم کھانا کھاؤ..... میں سچ ہی بتاؤں گی۔"

"بتا کیا بات ہے؟" عابد اسے جواب طلب نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

"اب میں سلمٰی کے گھر نہیں جاؤں گی۔" وہ بولی۔

"کیوں؟" عابد نے اسے گہری نظروں سے دیکھا۔

"ان کے شوہر کی نیت ٹھیک نہیں ہے۔"

"کیا کہا انہوں نے۔" عابد فوراً بولا۔

"کہہ رہے تھے کہ میں مستقل طور پر ان کے ہاں کام کرلوں۔ تم جانتے ہو کہ ان کی بیگم بھی کہیں نوکری کرتی ہیں۔ سارا دن تو وہ گھر پر نہیں ہوتیں۔ مجھے لالچ دے رہے تھے کہ الگ سے بھی پیسے دے دیا کروں گا۔" اس نے بتایا۔

عابد نے خون کے گھونٹ پیتے ہوئے کہا۔ "بس اب تم ان کے گھر نہ جانا۔" اس نے نوالہ پورا کر دیا۔

"اب کیا ہوا؟" آسیہ نے اس کی طرف دیکھا۔

"کچھ نہیں..... بس بھوک نہیں ہے۔" وہ بولا۔

"تمہیں میری قسم کھالو۔"

عابد مجبور ہو گیا۔ اس نے پھر نوالہ اٹھا لیا۔

کچھ دیر خاموشی چھائی رہی۔ پھر ننھا بابو آسیہ کی طرف دیکھ کر بولا۔ "امی.....! کل عید ہے..... میں بھی نئے کپڑے پہنوں گا ناں.....؟ سجاد کہہ رہا تھا کہ اس کے ابو اس کے لیے نئے کپڑے لائے ہیں۔" سجاد اس کا ہم عمر تھا اور سامنے والے گھر میں رہتا تھا۔ سجاد کے والد فوجی صاحب ایک اچھے ادارے میں کام کرتے تھے۔ ان کی معقول تنخواہ تھی۔

"ہاں ہاں..... تمہیں نئے کپڑے پہناؤں گی۔" آسیہ نے ننھے بابو کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پیار سے کہا۔

"ابو.....! میرے کپڑے کب لاؤ گے؟" ننھے بابو نے عابد کی طرف دیکھا۔

"لے آئیں گے بیٹا.....!" عابد نے اپنے سسکتے جذبات پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"کب.....؟" ننھے بابو کا سوال اب بھی برقرار تھا۔

"لے آئیں گے ناں۔" آسیہ نے ننھے بابو کا کندھا آہستہ سے ہلاتے ہوئے کہا۔ "کیوں ابو کو تنگ کر رہے ہو' تمہارے ابو بیمار ہیں' انہیں تنگ نہ کیا کرو۔"

"میں تنگ کب کر رہا ہوں' میں تو کپڑوں کا پوچھ رہا ہوں کہ کب لائیں گے۔" ننھا بابو معصومیت سے بولا۔

"لے آئیں گے رات میں جا کر۔" آسیہ نے اسے بہلایا۔

"میں بھی جاؤں گا ابو کے ساتھ۔" وہ جلدی سے بولا۔ وہ خوش ہو گیا تھا۔

"ہاں ٹھیک ہے' تم بھی جانا۔" آسیہ بولی۔

ننھا بابو مطمئن ہو گیا۔

"پتا نہیں مجھے کب تک یونہی بستر پر پڑا رہنا پڑے گا۔" عابد نے آسیہ سے کہا۔ "لگتا ہے کہ ان سرکاری دواؤں میں کچھ اثر نہیں ہے۔ آج چھ مہینے ہونے کو آ رہے ہیں۔ حالت بہتر ہونے کے بجائے خراب ہوتی جا رہی ہے۔"

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔" آسیہ نے اسے دلاسہ دیا۔

"تمہاری بیماری بھی تو بہت بڑھ گئی تھی۔ اب ختم ہونے میں بھی وقت لے گی۔"

عابد نے سر جھکا لیا۔

"لو..... یہ کھانا تو کھاؤ۔" آسیہ نے نوالہ اس کے منہ کی طرف کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں..... بس اب دل نہیں کر رہا ہے۔" عابد نے منہ کے سامنے لاتے ہوئے کہا۔

"نہیں نہیں..... کھاؤ یہ..... تم نے کھایا ہی کتنا ہے۔" آسیہ نے اس کی نہ سنی اور نوالہ اس کے منہ میں دے دیا پھر عابد نے خود ہی کھانا شروع کر دیا۔

"امی.....! میں موٹر کار بھی لاؤں گا سجاد جیسی۔ وہ سیل سے چلتی ہے۔" ننھے بابو نے اپنی ایک اور خواہش کا اظہار کر دیا۔

"ہاں ہاں..... وہ بھی لے آنا۔" آسیہ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"لال رنگ کی لاؤں گا امی!" وہ بولا۔

"ٹھیک ہے' لال رنگ کی ہی لے آنا۔" اس نے پھر ننھے بابو کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"میں سوچتا ہوں کہ میرے جسم میں تھوڑی بہت ہی جان آ جائے تو میں کام شروع کر دوں۔" عابد نے آسیہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"تم بالکل فکر نہ کرو' تم جلدی ٹھیک ہو جاؤ گے۔" یہ کچھ وقت دن ہیں جو گزر جائیں گے' پھر ساری عمر پڑی ہے کام کرنے کے لیے اور پھر اب کچھ ہی دنوں میں میرا ہاتھ بھی ٹھیک ہو جائے گا' میں پھر سے کام کرنے لگوں گی۔" وہ بولی۔

"میں نہیں چاہتا ہوں کہ تم کام کرو۔" عابد ہذیانی انداز میں بولا۔ آسیہ نے اس کی حالت پر پریشان ہو کر اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور بولی۔

"میں جانتی ہوں عابد کہ تم ایسا نہیں چاہتے ہو لیکن....."

"میں نہیں چاہتا کہ میری بیوی گھر گھر جا کر کپڑے دھوئے' برتن دھوئے اور پھر معاوضے کے طور پر چند سکے اسے دیئے جائیں یا پھر گھر میں بچا کھچا کھانا۔ میں..... میں یہ سب برداشت نہیں کرسکتا' نہیں کرسکتا۔" بولتے بولتے اس کے لہجے کا جلال غائب ہو گیا تھا اور اب وہ رونے لگا تھا۔

"تم..... تم فکر نہ کرو....." آسیہ نے اپنے جذبات کو قابو کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا لیکن اس کے ضبط کے سارے بند ٹوٹ گئے اور آنسوؤں کا سیلاب اس کی آنکھوں سے بھی بہہ نکلا۔

عابد نے اپنے آنسو صاف کیے اور سنبھلتے ہوئے آسیہ سے بولا۔ "اچھا مت رو..... بس میں ذرا جذباتی ہو گیا تھا..... لیٹے لیٹے تنگ آ گیا ہوں ناں..... کام کرنا چاہتا ہوں۔ اس گھر میں خوشیاں لانا چاہتا ہوں لیکن....." اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

عابد کو سنبھلتے دیکھ کر آسیہ نے بھی خود کو سنبھالا اور اپنی بوسیدہ چادر سے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے عابد سے بولی۔ "تم فکر نہ کرو..... سب ٹھیک ہو جائے گا..... تم جلد ہی ٹھیک ہو جاؤ گے۔"

"ہاں....." عابد نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اچھا دیکھو.....! میں تمہارے لیے چائے بنا کر لاتی ہوں۔" آسیہ نے ماحول میں پھیلی اداسی کو دور کرنے کے لئے عابد سے کہا۔

"چینی بچی ہے؟" عابد نے پوچھا۔

"ہاں..... ابھی کچھ باقی ہے۔" آسیہ نے جواب دیا۔

"کل کے لیے رہنے دو۔" عابد نے کہا۔

"خالہ شبراتن نے کہا تھا کہ وہ رات میں چینی اور پتی دے دیں گی۔"

"وہ خود غریب عورت ہیں۔ تم انہیں زیادہ تنگ نہ کیا کرو' ان کے گھر کا گزارا نہ جانے کس طرح ہوتا ہے۔" عابد نے کہا۔

"میں نے تو انہیں منع کیا تھا لیکن وہ بضد تھیں۔"

عابد خاموش رہا اور آسیہ ٹرے لے کر باورچی خانے کی طرف چلی گئی۔ عابد سوچنے لگا کہ اب نہ جانے وہ ٹھیک ہوسکے گا یا نہیں۔ اس نے ڈاکٹروں سے پوچھا تھا کہ اگر مسئلہ ٹی بی کا ہو تو وہ سینی ٹوریم میں داخل ہوسکتا ہے لیکن ڈاکٹروں نے کہا تھا کہ اسے ٹی بی کا مرض تو ہے لیکن اتنا خطرناک نہیں ہوا ہے کہ سینی ٹوریم میں داخل ہو‘ انہوں نے دواؤں کے ساتھ ساتھ اچھی خوراک پر زور دیا تھا لیکن عابد کے گھر میں تو معمولی کھانا بھی نہیں تھا‘ اچھی چیزوں کی توقع کیسے کی جاسکتی تھی۔ اس نے سوچا کہ اگر اس کا یہی حال رہا تو جلد یا بدیر موت کے منہ میں چلا جائے گا۔

”کیا سوچ رہے ہو۔“ آسیہ نے اس کے پاس آ کر کہا تو وہ چونک گیا اور چہرے پر مسکراہٹ لاتے ہوئے بولا۔

”بس یہی سوچ رہا تھا کہ جلد از جلد ٹھیک ہو جاؤں تو پھر اپنے کام پر جاؤں‘ اس مرتبہ میں سموسوں‘ پکوڑوں کے ساتھ جلیبی بھی لگانا چاہتا ہوں۔“

”یہ تو اچھا رہے گا۔“ آسیہ بولی۔ وہ ایسی باتوں میں اس کا حوصلہ بڑھاتی تھی۔ اس نے چارپائی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

”بس چائے بن رہی ہے۔“

☆

رات ہوگئی۔ ننھا بابو اس آس میں تھا کہ اس کے ابو اسے نئے کپڑے اور لال موٹر کار دلانے لے جائیں گے۔

”چلو ننھے بابو......! اب لیٹ جاؤ۔“ آسیہ نے اس سے کہا تو وہ بول اٹھا۔

”امی......! ابو مجھے کپڑے اور موٹر کار دلانے نہیں جائیں گے؟“

”ہاں ہاں جائیں گے لیکن ابو اکیلے جائیں گے۔ بازار میں بہت رش ہوگا ناں اس لیے۔“ آسیہ نے کہا۔

ننھے بابو کو تسلی ہوگئی۔ وہ لیٹ گیا اور سوچنے لگا کہ جب وہ صبح اٹھے گا تو اس کی چیزیں موجود ہوں گی۔

اور پھر صبح ہوگئی۔ ننھا بابو جاگا‘ آسیہ سے اس کا پہلا سوال تھا۔ ”امی! میرے کپڑے اور موٹر کہاں ہے؟“

”وہ......“ آسیہ سوچنے لگی کہ اب اس سے کیا کہے۔ ”اصل میں تمہارے ابو رات میں چیزیں لینے گئے تھے‘ لیکن ان کی جیب سے پیسے گر گئے اس لیے چیزیں نہیں لائے۔“

ننھا بابو اداس ہوگیا۔ وہ بولا۔ ”تو امی پھر میں کون سے کپڑے پہنوں گا؟“

”میں نے تمہارے کپڑے دھوئے تھے ناں‘ انہیں استری کر دوں گی‘ وہ پہن لینا‘ وہ نیلے والے کپڑے اچھے ہیں۔“ اس نے جواب دیا۔

”اور میری موٹر کار......؟“ ننھا بابو بولا۔

”وہ بھی آجائے گی...... ابھی تم اپنے پرانے کھلونوں سے کھیل لینا۔“ آسیہ نے کہا۔

”پرانے کھلونے......!“ ننھا بابو اداسی سے بولا۔ وہ ان کھلونوں سے کھیل کھیل کر تنگ آچکا تھا اور کھلونے تھے ہی کتنے‘ ایک چھوٹی سی پلاسٹک کی فٹ بال تھی جو بار بار اندر کو دھنس جاتی تھی۔ ایک گڑیا تھی جس کا ایک بازو غائب ہوچکا تھا۔ ایک رنگین پلاسٹک کا چشمہ تھا۔ جو اتنا گھس چکا تھا کہ اس میں سے کچھ نظر نہیں آتا تھا اور ایک پلاسٹک کی موٹر کار تھی‘ اس کے اگلے دونوں پہیے غائب ہوچکے تھے۔ اس کا رنگ پیلا تھا۔

آسیہ ننھے بابو کی اداسی کو محسوس کر رہی تھی۔ اس کا کلیجہ کٹا جا رہا تھا‘ بیٹے کی اداسی اور مایوسی اس سے برداشت نہیں ہو رہی تھی لیکن وہ اس کے لیے کچھ نہیں کرسکتی تھی۔ وہ تو یہ سوچ رہی تھی کہ اب چائے کس طرح بنائے گی کیونکہ خالہ شبراتن نے رات میں چائے کی پتی اور چینی لا کر نہیں دی تھی۔

”امی......! سجاد آج اپنی موٹر کار چلائے گا۔“ ننھے نے حسرت سے کہا۔

”ایسا کرنا کہ تم اپنی پرانی پیلی والی موٹر کار چلا لینا۔“ آسیہ بولی۔

”اس کے دو پہیے نہیں ہیں۔“ ننھے بابو نے کہا۔

”ہم اس کے پہیے لگا لیں گے۔“

”کیسے امی؟“

”اس کے پہیے گھر میں ہی غائب ہوئے ہیں ناں۔ ہم ڈھونڈ لیں گے۔“

”لیکن امی...... سجاد کی موٹر تو سیلوں سے چلتی ہے۔ اس کی بتیاں بھی جلتی ہیں۔“ ننھے بابو نے کہا۔

”تو بیٹا......! ہم تمہاری کار میں سیل بھی لگا دیں گے اور بتیاں بھی۔“

”کیسے امی؟“ ننھا بابو جلدی سے بولا۔ وہ پرامید ہوگیا تھا۔

”کوشش کریں گے تو تمہاری کار بھی ویسی ہی ہو جائے گی جیسی سجاد کی ہے۔“

”ٹھیک ہے امی......! آپ اسے ویسا ہی بنا دینا۔“ ننھے بابو نے اس کی بات پر یقین کرلیا۔

”تم بے فکر رہو‘ میں بنا دوں گی۔“ وہ بولی۔

اس وقت گھر کے دروازے پر دستک ہوئی۔ آسیہ نے جا کر دروازہ کھولا۔ سامنے خالہ شبراتن کھڑی تھی۔ وہ آسیہ کی طرف پلاسٹک کی ایک تھیلی بڑھاتے ہوئے بولی۔ ”لو بٹی......! میں رات میں نہیں آسکی لیکن اب یہ لے آئی ہوں پتی اور چینی۔“

”تمہارا بہت بہت شکریہ خالہ......!“ آسیہ نے اس سے تھیلی لینے کے بعد کہا۔

”اچھا...... دوپہر کے کھانے کی فکر نہ کرنا‘ دوپہر میں کھانا بھی دے جاؤں گی۔“ خالہ شبراتن نے کہا۔

”خالہ......! تم بہت خیال رکھتی ہو ہمارا...... مجھے سمجھ نہیں آرہا ہے کہ کس طرح تمہارا شکریہ ادا کروں۔“ وہ تشکرانہ انداز میں بولی۔

”ارے نہیں بٹی......! شکریہ کی کیا بات ہے۔ تو بٹی ہے میری۔“ انہوں نے آسیہ کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ”اچھا‘ چلو میں چلتی ہوں۔ ایک بجے تک کھانا بھی لے آؤں گی۔“

آسیہ اندر آگئی۔ باورچی خانہ کی طرف جاتے ہوئے اس نے ننھے بابو کی طرف دیکھا۔ وہ اپنے کھلونوں کا تھیلا اٹھا رہا تھا۔

چائے بنانے کے بعد آسیہ نے عابد کو جگا دیا اور وہ لوگ رات کی باسی روٹی اور چائے سے ناشتہ کرنے لگے۔

عابد بار بار ننھے بابو کو دیکھ رہا تھا۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ کپڑوں اور کھلونوں کے حوالے سے آسیہ نے اسے کیا کہہ کر بہلایا ہے۔ بہرحال ننھے بابو کی خاموشی اور اطمینان بتا رہا تھا کہ آسیہ نے اسے کچھ نہ کچھ کہا ہے۔

”شبراتن خالہ کہہ کر گئی ہیں کہ آج کھانا دے جائیں گی۔“ آسیہ نے عابد سے کہا۔

”وہ بے چاری بھی ہمارے لیے بہت کچھ کرتی رہتی ہیں۔“ عابد بولا۔

”ہاں...... میں نے بھی ان سے یہ بات کہی تھی اور ان کا شکریہ ادا کیا تھا لیکن انہوں نے کہا کہ شکریے کی کیا بات ہے۔ میں تو ان کی بیٹی ہوں۔“ آسیہ نے کہا۔

”بہت ساتھ دیتی ہیں وہ...... میں بھی ان کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گا۔“ وہ بولا۔

”ابو......! آپ کے پیسے گر گئے تھے؟“ اچانک ننھے بابو نے سر اٹھا کر عابد سے کہا تو اسے سمجھ نہیں آیا کہ کیا معاملہ ہے اور وہ بولا۔

”پیسے......؟ ہاں...... وہ......“

”میں نے ننھے بابو کو بتا دیا تھا کہ رات میں تم اس کے کپڑے اور کھلونے لینے گئے تھے اور تمہاری جیب سے پیسے گر گئے تھے۔“ آسیہ جلدی سے بولی۔

”ارے ہاں۔“ عابد ننھے بابو کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔ ”بیٹا......! میں رات میں تمہارے کپڑے اور کھلونے لینے گیا تھا۔ پتا نہیں میری جیب سے کس طرح پیسے گر گئے اس لئے میں کچھ خرید ہی نہیں سکا۔“

”ابو......! امی میری پرانی موٹر کار کو بدل دیں گی۔ وہ اس میں پہیے بھی لگا دیں گی اور اس میں سیل بھی لگا دیں گی‘

وہ سجاد کی کار جیسی ہو جائے گی۔" ننھے بابو نے عابد کو بتایا۔

"ہاں ہاں بھئی......!" عابد بولا۔ "تمہاری امی تو یہ کام آرام سے کر دیں گی۔"

"اچھا......اب تم اٹھ کر منہ ہاتھ دھو لینا' میں کپڑے استری کر دوں گی' وہ پہن لینا' شاید کوئی گھر پر آ جائے۔" آسیہ نے عابد سے کہا۔

"یہاں کون آئے گا۔" عابد تلخی سے مسکرایا۔ "ایسے حالات کے مارے گھرانوں میں کون آتا ہے؟"

"تمہارے بھائی ہی آ سکتے ہیں۔" آسیہ بولی۔ عابد کا ایک بڑا بھائی تھا۔ اس کا نام ساجد تھا۔ وہ اپنی مٹھائی کی دکان چلاتا تھا۔ اس کے حالات بہت اچھے تھے لیکن وہ ان لوگوں سے ملنا پسند نہیں کرتا تھا۔ وہ چھوٹے دل کا آدمی تھا اور ڈرتا تھا کہ اگر ان لوگوں سے ملے گا تو ان کی مالی مدد کرنی پڑ جائے گی۔ عابد اور آسیہ کے سارے ہی رشتہ داران کے خراب حالات کی وجہ سے ان سے دور رہتے تھے۔

آسیہ کی بات پر عابد نے کہا۔ "ارے وہ کہاں آئیں گے۔ وہ بڑے آدمی ہیں۔"

"پھر بھی تم کپڑے بدل لینا' شاید کوئی آ جائے' عید کا دن ہے ناں۔" آسیہ بولی۔

ناشتے کے بعد اس نے عابد کو دوا کھلائی اور پھر کپڑوں پر استری کرنے لگی۔ پھر اس نے عابد اور ننھے بابو کو کپڑے پہنائے اور خود بھی ایک پرانا جوڑا نکال کر پہن لیا۔

ننھا بابو اپنی کار لے کر بیٹھ گیا۔ اس نے عابد سے کہا۔ "امی! آؤ اب اسے ٹھیک کر دو۔"

آسیہ اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔ ننھے بابو نے کار اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ "امی یہ لو......اب ٹھیک کر دو اسے۔"

آسیہ کا امتحان شروع ہو چکا تھا۔ اس نے کار کو الٹنا پلٹنا شروع کر دیا۔ ساتھ ہی وہ سوچ رہی تھی کہ اب ننھے بابو کو کس طرح بہلائے۔ پھر اس نے کہا۔ "ننھے بابو......! پہلے تو ہمیں اس کے پہیے تلاش کرنے ہیں ناں۔ چلو آؤ پہلے وہ ڈھونڈتے ہیں۔" پھر وہ پہیے ڈھونڈنے کی اداکاری کرنے لگی اور ننھا بابو سچ مچ پہیے تلاش کرنے لگا۔

کافی دیر کی تلاش کے بعد آسیہ نے ننھے بابو سے کہا۔ "اب ہم لوگ تھک گئے ہیں۔ کچھ آرام کر لیتے ہیں' اس کے بعد پھر ڈھونڈیں گے۔"

ننھا بابو نہیں تھکا تھا۔ اس کے اندر تو جوش تھا۔ وہ اپنی کار سجاد کی کار جیسی بنانا چاہتا تھا۔ اس نے آسیہ سے کہا۔ "امی! تم آرام کر لو میں نہیں تھکا ہوں۔ میں تو تلاش کر رہا ہوں پہیے۔"

"ٹھیک ہے' تم تلاش کرو۔" آسیہ نے کہا۔

کچھ دیر بعد سجاد آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں اس کی موٹر کار تھی۔ وہ ننھے بابو کے پاس آ گیا۔

"اسے چلاؤ نا سجاد۔" ننھے بابو نے کہا۔

"ہاں ابھی چلاتا ہوں۔" سجاد نے کار فرش پر رکھ دی۔ پھر اس کا ریموٹ استعمال کرنے لگا۔ کار آگے پیچھے چلنے لگی۔ پھر اس نے ننھے بابو سے کہا۔

"تمہارے ابو کوئی کھلونا لائے ہیں؟"

"میرے ابو ایسی کار لینے گئے تھے لیکن ان کی جیب سے پیسے گر گئے اس لیے وہ کار لا نہیں سکے۔" ننھا بابو اس سے بولا۔ "لیکن میری امی اب میری پرانی کار کو ایسا ہی بنا دیں گی۔"

"ایسا بنا دیں گی؟" سجاد نے حیرت سے کہا۔ وہ ننھے بابو کی کار دیکھ چکا تھا۔

"ہاں۔" ننھے بابو نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "بالکل ایسی ہی ہو جائے گی اور سیل سے بھی چلے گی۔"

"ٹھیک ہے' پھر ہم دونوں ریس لگائیں گے۔" سجاد نے کہا۔

"ہاں...... بڑا مزا آئے گا۔" ننھا بابو خوش ہوتے ہوئے بولا۔

سجاد کچھ دیر کھیلنے کے بعد چلا گیا اور ننھا بابو ایک بار پھر کار کے پہیوں کی تلاش میں لگ گیا۔

ایک بجے کے قریب شبراتن خالہ آ گئی۔ وہ کھانا لے کر آئی تھی۔

"ارے خالہ......! تم تو ہمارا بڑا خیال رکھتی ہو۔ میں آج آسیہ سے یہی کہہ رہا تھا کہ میں خود تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔" عابد نے اس سے کہا۔

"ارے بیٹا......! میں بھلا کیا خیال رکھتی ہوں تم لوگوں کا۔" شبراتن خالہ بولی۔ "میرا تو دل کرتا ہے کہ تم لوگوں کو بہت کچھ دوں' بہت ڈھیر ساری رقم دوں' میں تمہارے اچھے حالات دیکھنا چاہتی ہوں لیکن بیٹا......! تم جانتے ہو کہ تمہاری اس خالہ کے کیا حالات ہیں۔ تمہارے خالو کی جو تھوڑی بہت آمدنی ہے' اس میں سارا خرچ چلانے کی کوشش کرتی ہوں۔"

"فکر نہ کرو خالہ......!" آسیہ بولی۔ "خالو کی آمدنی بھی بہت اچھی ہو جائے گی۔"

"بس دعا کرو بیٹی!" وہ بولی۔

"میں تو بہت دعا کرتی ہوں خالہ۔" آسیہ نے کہا۔

شبراتن خالہ کے جانے کے بعد وہ لوگ کھانا کھانے لگے۔ عابد نے آسیہ سے کہا۔ "ہمارے برے وقت میں ہمارے سارے اپنے ساتھ چھوڑ گئے ہیں لیکن شبراتن خالہ......اس سے ہمارا کوئی رشتہ نہیں ہے' بس وہ ہماری محلے دار ہی ہے لیکن اس نے اپنوں سے بڑھ کر ہمارا ساتھ دیا ہے۔"

"ہاں بالکل۔" آسیہ نے اس کی تائید کی۔

"امی......! امی......! یہ کار کے پہیے مل گئے ہیں۔" ننھے بابو نے کہا۔ وہ بھاگتا ہوا آسیہ کے پاس آ رہا تھا۔ اس نے اسٹور سے پہیے تلاش کر لئے تھے۔ پھر وہ آسیہ کے پاس پہنچ کر پہیے اسے دکھاتے ہوئے بولا۔ "یہ دیکھیں...... میں نے ڈھونڈ لیے ہیں پہیے۔"

آسیہ نے وہ پہیے اس سے لے لیے۔ ان میں سے ایک پہیہ ٹوٹا ہوا تھا۔ ننھے بابو نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "امی......! یہ پہیہ تو ٹوٹا ہوا ہے۔ اسے کیسے جوڑیں گی؟"

"تم فکر نہ کرو' میں جوڑ لوں گی اسے......تم اسے لے کر جا کر گاڑی کے پاس رکھو' میں تمہارے ابو کو دوا دے کر آ رہی ہوں۔" آسیہ نے کہا۔

ننھا بابو چلا گیا۔

آسیہ نے عابد کو دوا پلائی اور ننھے بابو کے پاس پہنچ گئی۔ اس نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔ "میں ابھی ٹوٹے ہوئے پہیے کو جوڑ دیتی ہوں۔" اس نے پہیے اٹھا لئے اور ان کا بغور جائزہ لیتے ہوئے سوچنے لگی کہ اسے جلا کر جوڑنے کی کوشش کرے یا اسے دھاگے سے باندھے۔ پھر اس نے سوچا کہ اگر اس نے کسی بھی طرح پہیہ جوڑ لیا اور ان پہیوں کو کار میں لگا بھی دیا تو وہ اپنی کہی ہوئی بات کیسے پوری کرے گی کہ وہ کار سجاد کی کار جیسی ہو جائے گی۔

اس نے گاڑی بھی اٹھا کر اس کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ اس طرح وہ سوچنے کے لئے زیادہ وقت لینا چاہتی تھی۔ اس وقت عابد زور سے کھانسنے لگا۔

"یہ یہیں رکھو' میں تمہارے ابو کو دیکھ کر آتی ہوں۔" آسیہ نے کار اور پہیے فرش پر رکھتے ہوئے ننھے بابو سے کہا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ پھر جلد ہی وہ عابد کے پاس پہنچ گئی۔ عابد کو کھانسی کا دورہ پڑ چکا تھا۔ وہ اسے سنبھالنے لگی۔ ذرا دیر بعد عابد کی حالت بہتر ہو گئی۔ آسیہ نے اسے لٹا دیا۔

"آسیہ......! مجھے لگتا ہے کہ میں کبھی صحت مند نہیں ہوں گا۔" عابد نے نحیف آواز میں کہا۔

"کیسی باتیں کرتے ہو تم......دوائیں چل رہی ہیں' تم جلد ہی ٹھیک ہو جاؤ گے۔" آسیہ نے اُسے تسلی دی۔

"لیکن کب؟" عابد بے زاری سے بولا۔ "اتنا عرصہ تو ہو گیا ہے مجھے بستر سے لگے ہوئے......اور پھر......صرف ان دواؤں سے ہی تو کچھ نہیں ہوگا۔ ڈاکٹروں نے کہا تھا کہ میں اچھی خوراک بھی استعمال کروں اور تم اچھی طرح جانتی ہو کہ ہمیں کتنی اچھی خوراک مل رہی ہے۔ میں تو خیر بیمار آدمی ہوں' تم اپنی مشکل دیکھو۔ نامناسب خوراک کی

وجہ سے تمہارا کیا حشر ہوگیا ہے۔"

"تمہاری بات درست ہے......لیکن......"

"ہاں میں جانتا ہوں۔" عابد نے اس کی بات کاٹ دی۔ "ہمارے حالات ہی ایسے ہیں کہ ہم اچھی خوراک حاصل نہیں کر سکتے' اسی لیے تو میں کہتا ہوں کہ میں کبھی ٹھیک نہیں ہوں گا۔ کاش!...... کاش مجھے جلد موت آجائے تاکہ تم بیوہ ہو جاؤ۔ بیوہ ہو کر شاید لوگ تمہاری زیادہ مدد کرنے لگیں۔" وہ جذباتی ہو چکا تھا۔

"یہ...... یہ کیسی باتیں کر رہے ہو تم؟" آسیہ نے تڑپ کر کہا۔ "میری زندگی بھی تمہیں مل جائے۔" وہ رونے لگی۔

عابد نے خود کو سنبھالا اور آسیہ کو سینے سے لگالیا۔ وہ اُس کی کمر پر تھپکی دیتے ہوئے بولا۔ "مجھے معاف کردو۔ میں جذبات میں کچھ زیادہ ہی بول جاتا ہوں۔ اچھا میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ ایسی باتیں نہیں کروں گا۔"

"تمہارا قصور نہیں ہے۔" آسیہ سسکتے ہوئے بولی۔ "حالات اور بیماری نے تمہیں چڑچڑا کر دیا ہے لیکن غلط باتیں منہ سے نہ نکالا کرو۔"

"میں نے کہا ناں' اب نہیں کروں گا ایسی باتیں وہ بولا۔ "چلو......اب معاف کردو۔"

آسیہ نے سر اٹھا کر اُس کی طرف دیکھا۔ اب وہ خاصی مطمئن ہوگئی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ عابد اکثر اس طرح جذباتی ہو جاتا ہے۔ وہ اس کا ہمیشہ حوصلہ بڑھاتی تھی۔ آج عابد نے مرنے کی بات کر کے اُسے بہت زیادہ دکھی کر دیا تھا۔

ننھا بابو ان لوگوں کے پاس آگیا۔ اُس کے ہاتھ میں اپنی کار اور اس کے پہیے تھے۔ اُس نے وہ چیزیں ان کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔ "امی!...... یہ ٹھیک کردیں ناں۔"

"ہاں بیٹا...... ابھی کرتی ہوں۔" آسیہ بولی۔ پھر وہ اٹھ کر ننھے بابو کے ساتھ چل پڑی۔ وہ لوگ پھر وہیں آکر بیٹھ گئے جہاں پہلے بیٹھے تھے۔ آسیہ سوچ رہی تھی کہ اب وہ ننھے بابو سے کیا بہانہ کرے۔ پھر اُس نے پہیے کو جوڑنے کی کوشش شروع کر دی اور ذرا دیر بعد ننھے بابو سے بولی

"یہ مجھ سے ٹھیک نہیں ہوگی۔"

"تو پھر امی؟" ننھے بابو نے مایوس اور پریشان ہو ہوئے اس سے کہا۔

"یہ باباجی ٹھیک کر دینگے۔" وہ بولی۔

"باباجی؟...... یہ کون ہیں امی۔" ننھے بابو نے اس پوچھا۔

"یہ ساری خراب چیزیں صحیح کر دیتے ہیں اور آ رات کے وقت آتے ہیں۔" اُس نے جواب دیا۔

"اوہ......تو پھر مجھے آدھی رات تک جاگنا پڑے گا وہ بولی۔

"نہیں......تم نہیں جاگو گے' میں جاگوں گی اور ج وہ آئیں گے تو میں ٹھیک کرالوں گی اسے۔" اُس ننھے بابو کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے امی...... میں کل کھیل لوں گا اس سے ننھا بابو کچھ مطمئن ہو کر بولا۔

☆

"امی!......میری کار ٹھیک ہوگئی؟" صبح جب ننھا جاگا تو آسیہ سے اس کا سب سے پہلا سوال یہ تھا۔

"کل باباجی آئے تھے لیکن ان کی طبیعت ٹھیک نہیں اس لیے انہوں نے کوئی کام نہیں کیا وہ کہہ کر گئے ہیں آج رات جب وہ آئیں گے تو تمہاری کار ضرور ٹھیک دیں گے۔" آسیہ نے جواب دیا۔ یہ جواب اس نے ہی سوچ رکھا تھا۔

ننھا بابو اداس ہوگیا۔ آسیہ نے اس کی اداسی کو محسوس لیا اور بولی۔ "بیٹا!......تم مایوس نہ ہو' وہ آج ضرور تمہا کار ٹھیک کردیں گے۔"

ننھا بابو کچھ نہ بولا لیکن آسیہ جانتی تھی کہ اُس کے دل کیا گزر رہی ہے۔

دن میں ایک بار پھر سجاد اپنی کار اور دیگر کھلونے لے آگیا۔ ننھے بابو نے دیگر کھلونوں کو بھی پسند کیا لیکن اُ توجہ کا مرکز اب بھی کار ہی تھی۔

"کیا تمہاری کار ٹھیک ہوگئی ننھے بابو؟" سجاد نے پوچھا۔

"نہیں۔" ننھے بابو نے نفی میں سر ہلایا۔

"کیوں؟" سجاد نے اس کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

"رات میں باباجی کی طبیعت خراب تھی۔"

"باباجی......یہ کون ہیں؟"

"وہ رات میں آتے ہیں اور خراب چیزیں ٹھیک کر دیتے ہیں۔ کل رات ان کی طبیعت خراب تھی اس لیے انہوں نے کوئی کام نہیں کیا۔"

"کیا تم نے ان کو دیکھا ہے؟" سجاد نے دلچسپی سے پوچھا۔

"نہیں وہ آدھی رات میں آتے ہیں ناں...... اس وقت میں سو رہا ہوتا ہوں۔" ننھا بولا۔

"ہوں......" سجاد سوچنے لگا۔

☆

رات میں سونے سے پہلے ننھے بابو نے آسیہ سے کہا۔ "امی!......آج رات باباجی میری کار ٹھیک کردیں گے ناں؟"

"ہاں بیٹا......ضرور کردیں گے۔" اُس نے ننھے بابو کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا اور سوچنے لگی کہ وہ صبح اُس سے کیا بہانہ کرے گی۔

ذرا دیر بعد ننھا بابو سو گیا۔ آسیہ اُسے غور سے دیکھنے لگی۔ اسے ننھے بابو کو دیکھ کر رونا آرہا تھا۔ اس کا بچہ محرومیوں میں زندگی گزار رہا تھا۔ ایک معمولی سا کھلونا اس کی زندگی کا محور بنا ہوا تھا اور ننھا بابو اُسے حاصل نہیں کر پا رہا تھا۔

اُسی وقت عابد کو کھانسی آنا شروع ہوگئی۔ آسیہ نے ننھے بابو کو لحاف اوڑھایا اور اپنی چارپائی سے اتر کر عابد کے پاس پہنچ گئی۔ اس وقت تک عابد کی کھانسی دورے کی شکل اختیار کر چکی تھی۔ آسیہ اُسے سنبھالنے لگی اور پھر ذرا دیر بعد عابد کی حالت کچھ بہتر ہوگئی۔ کھانسنے کے دوران وہ اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ اب آسیہ نے اُسے لٹا دیا۔

"جاؤ تم آرام سے لیٹ جاؤ۔ ابھی میں ٹھیک ہوں۔" اس نے آسیہ سے کہا۔ "ننھا بابو سو گیا کیا؟"

"ہاں...... سو گیا ہے۔" آسیہ نے جواب دیا۔ پھر قدرے توقف کے بعد بولی۔ "مجھے شبراتن خالہ کے گھر جانا ہے ذرا دیر کے لیے۔"

"کیوں خیریت تو ہے؟" عابد نے پوچھا۔

"میں اُن سے کچھ پیسے لینا چاہتی ہوں۔" اُس نے جواب دیا۔

"لیکن کیوں؟" عابد بولا۔

"میں ننھے بابو کی موٹر کار لانا چاہتی ہوں۔ وہ کئی دن سے اس کے لیے تڑپ رہا ہے۔ اب مجھ سے اُس کی تڑپ دیکھی نہیں جاتی۔" آسیہ نے آہستہ لہجے میں کہا۔

"لیکن...... شبراتن خالہ کو تنگ کرنا مناسب نہیں ہے۔" عابد بولا۔

"کچھ بھی ہو...... تم ایک ماں کے جذبات کو نہیں سمجھ سکتے۔ آج مجھ سے ننھے بابو کی مایوسی نہیں دیکھی گئی۔ اس لیے میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ میں شبراتن خالہ کو صاف صاف بتا دوں گی کہ کیا مسئلہ ہے۔ اُن سے کچھ پیسے ادھار لوں گی اور کونے والے کھلونے کی دکان سے موٹر کار لا کر ننھے بابو کے لیے رکھ دوں گی تاکہ جب وہ صبح اٹھے تو اس کا کھلونا اسے مل جائے۔" آسیہ نے کہا۔

ننھے بابو کے بارے میں ذرا غور کرنے کے بعد عابد نے آسیہ سے کہا۔ "دیکھو!...... تم شبراتن خالہ پر زیادہ زور مت ڈالنا' اگر ان کے پاس پیسے نہ ہوں تو یہ نہ کہنا کہ وہ کسی اور سے لے کر دے دیں۔ بس چپ چاپ گھر چلی آنا۔"

"ٹھیک ہے' میں ایسا ہی کروں گی۔" آسیہ بولی۔

ذرا دیر بعد وہ شبراتن خالہ کے گھر پہنچ گئی۔ ان کے شوہر گھر پر نہیں تھے۔ وہ گھر میں اکیلی ہی تھیں۔ آسیہ نے اُن سے کہا۔ "شبراتن خالہ...... میں تم سے کچھ اہم بات کرنا چاہتی ہوں۔"

"ہاں...... ہاں بولو بیٹی؟" شبراتن خالہ نے کہا۔

"آج میرا بچہ مایوس سو گیا ہے۔ اُسے ایک کھلونے کی ضرورت ہے۔ اس عید پر اُس کے لیے صرف ایک ہی خوشی تھی 'وہ کھلونا' جو اسے اب تک نہیں مل سکا۔ کل عید کا آخری دن ہے' میں نہیں چاہتی کہ اُس کی یہ عید اس چھوٹی سی خوشی کے بغیر گزر جائے اس لیے مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے لیکن پیسوں کی مدد نہیں ہوگی۔" آسیہ نے کہا۔

"تو پھر کاہے کی مدد چاہیے بٹیا؟" شبراتن خالہ نے اُلجھن کے ساتھ کہا۔

آسیہ نے ذرا سوچا ایک گہرا سانس لیا اور بولی۔ "میں جو کچھ کرنے جا رہی ہوں' اس میں تم میری مدد کرو گی۔ میرا شوہر آہستہ آہستہ موت کی طرف بڑھ رہا ہے' اُسے اچھی خوراک کی ضرورت ہے جو اُسے نہیں مل رہی ہے اور اگر اُسے کچھ عرصہ اور اچھی خوراک نہ ملی تو وہ شاید...... وہ مر جائے گا۔ میرا بچہ محرومیوں کا شکار ہے۔ میرے پاس لوگوں کی حوصلہ افزا باتوں کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ ایک تم ہی ہو جو عملی طور پر میری مدد کرتی ہو۔ میں اس لیے تمہارے پاس آئی ہوں تاکہ تم سے اپنے دل کی بات کہہ سکوں اور تم سے مدد لے سکوں۔" اور پھر اس نے شبراتن خالہ کو اپنے دل کی بات بتا دی۔ پہلے تو خالہ حیران ہوئیں لیکن پھر آسیہ کے اصرار پر انہوں نے اس کی مدد کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

☆

آسیہ واپس گھر آ گئی۔ عابد جاگ رہا تھا۔ آسیہ نے باورچی خانے میں سامان رکھا اور اُس کے پاس گئی۔ عابد کی سوالیہ نگاہیں اس پر تھیں۔ وہ بولی۔ "میں نے شبراتن خالہ سے ایک ہزار روپے ادھار لے لیے ہیں۔"

"اوہ...... اس کا مطلب ہے کہ تم نے انہیں تنگ کیا ہوگا؟" عابد بولا۔

"نہیں۔" آسیہ نے نفی میں سر ہلایا۔ "ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں نے ننھے میاں والی بات بتائی تھی اور...... یہ بھی بتایا تھا کہ ڈاکٹروں نے تمہیں اچھی خوراک کھانے کے لیے کہا ہے۔ میں نے ان سے کہا تھا کہ اگر وہ میری کچھ مدد کر سکتی ہیں تو کر دیں۔ ان کے پاس تین ہزار روپے پڑے تھے۔ انہوں نے اس میں سے مجھے ایک ہزار روپے دے دیے۔"

عابد ایک گہرا سانس لے کر بولا۔ "جو حالات چل رہے ہیں' ان میں تو یہ لوٹانا مشکل ہو جائیں گے۔ تمہیں اتنی بڑی رقم نہیں لینا چاہیے تھی۔"

"انہوں نے خوشی سے دیے ہیں بلکہ وہ تو یہ کہہ رہی تھیں کہ وہ اور بھی ہماری مدد کریں گی۔"

"نہیں نہیں...... ہمیں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ وہ غریب عورت ہیں۔ میرا تو خیال ہے کہ تم یہ رقم انہیں واپس کر دو۔"

"نہیں...... یہ بڑی بات ہوگی۔ وہ پتہ نہیں کیا سوچیں گی اور پھر۔" اس نے اپنی چادر کے اندر سے ایک ڈبہ نکال کر عابد کے سامنے رکھ دیا۔ "میں یہ ننھے بابو کی موٹر کار بھی لے آئی ہوں اور تمہارے کھانے کے لیے کچھ چیزیں بھی لائی ہوں۔"

"اوہو۔" عابد تاسف سے بولا۔ "اس کا مطلب ہے کہ تم نے کافی پیسے خرچ کر لیے ہیں۔"

"ہاں...... بہرحال' تم فکر نہ کرو۔ میرا ہاتھ بھی بس اب ٹھیک ہی ہونے والا ہے۔ میں جلد ہی کام کاج کرنے جاؤں گی اور خالہ کے پیسے لوٹا دوں گی۔" اُس نے تسلی دی۔

عابد نے بے بسی اُسے دیکھا اور سر جھکا لیا۔

صبح جب ننھا بابو جاگا تو اُس کے کچھ پوچھنے سے پہلے ہی آسیہ نے نئی موٹر کار اس کو دے دی۔ ننھا بابو اُسے پا کر بے حد خوش تھا اور اُسے دیکھ کر آسیہ کی بھی خوشی کی حد نہیں تھی لیکن اس خوشی کی اس نے بڑی بھاری قیمت ادا کی تھی۔ اب اُسے بیگم سلمٰی کے شوہر کے اشاروں پر ناچنا تھا اور ان سے جو رقم ملی تھی اور ملنی تھی اُس کے بارے میں عابد کو بھی بتانا تھا کہ وہ شبراتن خالہ نے دی ہے۔ شبراتن خالہ بھی بوقت ضرورت اس بات کی تصدیق کے لیے تیار تھیں۔

☆☆☆

غرور کا سر نیچا

شاعر علی شاعر

اسے ہر رات ایک ہی خواب نظر آ رہا تھا۔ وہ خوف کے مارے سکون کی نیند سو بھی نہیں پا رہا تھا۔ زندگی میں اس قدر تو بے چین کبھی نہ ہوا تھا۔ اس خواب نے اسے نفسیاتی مریض بنا دیا تھا۔ وہ سوتے سوتے اچانک چونک پڑتا تھا۔ آج بھی وہ بمشکل سو پایا تھا کہ وہی خواب نظر آنا شروع ہو گیا۔

"بارہ سالہ بچہ اس کی طرف خنجر لیے بڑھ رہا تھا۔ اور کہہ رہا تھا ریحان خان تجھے کیا ملا۔ ایک بے زبان اور معصوم بچے کو کچل کر۔ میں تو گونگا بہرا بچہ تھا۔ تیری گاڑی کا ہارن کیونکر سن سکتا تھا لیکن تیرے غرور نے تجھے اس طرف سوچنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ تو تو بس ہارن بجاتا تھا۔ کوئی سنے نہ سنے' کوئی آگے سے ہٹے نہ ہٹے بس تجھے تو تیز رفتار گاڑی چلانے سے مطلب ہے۔ غفلت میں گزر جانے سے مطلب ہے۔ تیری گاڑی کے نیچے اگر کسی کی جان جائے یا گاڑی کی ٹکر سے کوئی محتاج ہو تجھے کچھ پروا نہیں ہے۔ یہ باتیں ان کے لیے قابل جواز ہوتی ہیں۔ جو قابل سماعت ہوں۔ تو کہہ سکتا ہے کہ میں نے تو ہارن بجایا تھا مگر تم راستے سے نہیں ہٹے اس لیے کار کی زد میں آ گئے۔ ریحان خان میں تو سماعت سے محروم بچہ تھا تو نے مجھے بھی اپنے غرور کا شکار کیا۔

وہ تیز دھار خنجر لیے آگے بڑھتا رہا اور کہتا رہا۔ ریحان خان اب تم بے بس ہو۔ کچھ نہیں کر سکتے۔ حرکت بھی نہیں کر سکتے۔ خون کا بدلہ خون ہے۔ لہٰذا میں اپنے قتل کا بدلہ تم

سے اس حالت میں باآسانی لے سکتا ہوں۔ یہ کہتے ہوئے اس نے تیز دھار خنجر والا ہاتھ ہوا میں لہرایا اور ٹھیک دل کی جگہ پر سینے میں اتار دیا۔

ایک دل دوز چیخ مار کر ریحان خان اٹھ بیٹھا۔ وہ لاجواب تھا کیا کر سکتا تھا۔ اس غلطی کا خمیازہ وہ بھگتنا بھی چاہتا تو کیسے۔ کفارہ ادا کرنے بھی چاہتا تو کیسے۔ اس کے اختیار کے باہر تھا۔ وہ بے بس تھا۔ شاید یہ بے بسی ہی اس کے غرور کا سر نیچا کرنے کے لیے کافی تھی۔

ریحان خان نے اپنی پریشانی کا ذکر اپنے گہرے دوست ادریس خان سے کیا۔ ادریس خان نے اسے مشورہ دیا کہ وہ خود کو کسی نفسیاتی ڈاکٹر کو چیک کرائے۔ لہذا وہ اپنی بدخوابی کے علاج کیلئے ایک ماہر نفسیات سے ملا۔

''ڈاکٹر صاحب مجھے کئی دن سے ایک ہی خواب نظر آتا ہے۔ کوئی بچہ ہے جو مجھے قتل کرنے کے لئے میرے سینے میں دل کے مقام پر تیز دھار خنجر اتار دیتا ہے میں ایک چیخ مار کر چونک اٹھتا ہوں۔ ہر روز یہی خواب نظر آتا ہے۔ بچہ بھی وہی ہوتا ہے اور اس کے ہاتھ میں خنجر بھی وہی۔ بتایئے میں اس خوف ناک خواب سے کس طرح چھٹکارا پاسکتا ہوں۔''

''دیکھئے ضروری ہے کہ مکمل اور سچ پر مبنی معلومات حاصل ہوں تب کہیں جا کر ہم مرض کی تشخیص کرتے ہیں اور جب مرض کی تشخیص ہوجاتی ہے تب مریض کا علاج ممکن ہوتا ہے۔'' جی ڈاکٹر صاحب آپ پوچھیے کیا کیا پوچھنا چاہتے ہیں میں جوابات مکمل اور سچ پر مبنی ہی دوں گا۔''

''تمہارا پیشہ کیا ہے؟''

''ڈرائیونگ۔''

''کتنے عرصے سے ڈرائیونگ کر رہے ہو۔''

''تقریباً بیس سال سے۔''

''کیا اس دوران کوئی حادثہ پیش آیا ہے؟''

''جی ہاں کئی حادثے ہوئے ہیں۔ ایک بار میری کار الٹ گئی تھی۔ ایک مرتبہ ایک شخص میری کار سے زخمی ہوگیا تھا۔ کئی بار ایکسی ڈنٹ ہوا تھا۔ جس میں مجھے بھی شدید چوٹیں آئی تھیں۔ دو ایک بار مجھے ڈاکوؤں نے لوٹا بھی تھا۔ کئی بار تو میرا مالک کار میں کئی چیزیں بھول گیا تھا جس میں ایک پرس بھی شامل تھا وہ میں نے اسے واپس نہیں کیں۔ کیا ڈاکٹر صاحب ان سب باتوں کا تعلق اس ڈراؤنے خواب سے ہوسکتا ہے؟''

''کیوں نہیں۔ تم نے جواب مکمل تو دیا اب ذرا یہ بتاؤ کی اکسی کسی حادثے میں کوئی موت بھی واقع ہوئی ہے۔''

اس سوال پر وہ چونکا تھا۔ اگر سچ کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑے گا تو قتل کا اعتراف کرے گا۔ اور اقبال جرم پر تو پھانسی کی سزا ہوجاتی ہے۔ ڈرائیونگ لائن میں یہی پھانسی کی سزا عمر قید میں بدل سکتی ہے۔ اور پھر ڈاکٹر کو قتل کے بارے میں بتانا' قتل کا گواہ پیدا کرنا تھا۔ لہذا یہاں ریحان کو جھوٹ سے کام لینا پڑا۔'' نہیں ڈاکٹر صاحب ایسا تو کبھی نہیں ہوا کہ کوئی شخص میری کار کی زد میں آکر ہلاک ہوا ہو۔''

''دیکھئے ریحان صاحب آپ کے خواب کی نفسیاتی تعبیر یہ ہے کہ آپ سے کسی بچے کا قتل ہوگیا ہے۔ جس کی عمر بارہ یا تیرہ سال کے قریب ہے۔ وہ قتل کار کی زد میں آکر ہوا ہے یا تمہارے ہاتھوں۔ بہرحال قتل پھر قتل ہے۔ اس قتل میں تمہارا قصور سراسر ہوگا۔ اس وقت وہ بچہ بے بس و جمہور ہوگا کہ تم سے بچ نہ سکا ہوگا یا ان جانے میں مارا گیا ہوگا۔ اب چونکہ جب تم سوتے ہو تو بے بس ہوجاتے ہو۔ اس لیے اس بچے کی لاشعوری طاقت تمہیں قتل کرنے آجاتی ہے۔ یہ تمام کارروائی تمہیں خواب کی صورت میں نظر آتی ہے اور تم گھبرا کر چونک جاتے ہو یا ڈر کر بیدار ہوجاتے ہو۔ لیکن تم نے بتایا کہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ تم سے دانستہ یا نادانستہ کوئی قتل ہوا ہو تو اس صورت میں تمہیں اپنے ذہن کو مکمل طور پر پرسکون یا کسی ایسی مصروفیت میں رکھنے کا مشورہ دوں گا جو اس صورت حال سے مختلف ہو تا کہ تم ذہنی طور پر اس میں مصروف رہو اور تمہیں اس طرف کا خیال تک نہ آئے۔ جب اس قسم کا خیال

ہیں آئے گا تو یہ خواب میں دیکھنا بند ہوجائے گا۔ اگر ایسا کو تو ایک Visit اور کر لینا تا کہ میں تمہارے دماغ کا ٹ پر چھائیوں اور تصویروں سے لے سکوں۔''

یحان واپس تو آگیا تھا مگر اسے اپنے ذہن کو معروف مشکل کام لگا۔ اب تو اس کا ضمیر بھی ملامت کرنے لگا یونکہ اس نے ڈاکٹر سے جھوٹ بولا تھا کہ اس سے کوئی نہیں ہوا حالانکہ واردات اس کے برعکس تھی۔ لہذا نے ایک بار پھر نفسیاتی ڈاکٹر سے ملنا مناسب سمجھا۔ وہ تصویروں اور پر چھائیوں والے ٹیسٹ کو بھی رانا چاہتا تھا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ کیا کوئی طریقہ علاج بھی ہے جو اس کے دل کے راز کو افشا کر سکے۔ آج ڈاکٹر صاحب سے اس کی دوسری ملاقات تھی۔

''دیکھئے ریحان صاحب! میں آپ کو ایک مووی ار ہا ہوں۔ جہاں میں سوال کروں وہاں فوراً جواب۔ جو جواب بھی تم سے بن سکے۔ سوچ کر جواب دینا۔ اس طرح تمہارے دماغ کو ٹیسٹ کرنا شان ہے گا۔

ڈاکٹر صاحب نے وی سی آر میں کیسٹ لگائی۔ ٹی وی کنکشن لگا کر کیسٹ پلے کردی۔ اور کمرے میں اندھیرا کر دیا۔ ریحان نے دیکھا کہ مووی فلم میں ایک اسمگلر پولیس سے بچنے کے لیے بہت تیز رفتاری سے کار چلا رہا ہے کیونکہ اسے اپنے پکڑے جانے کا خطرہ ہے۔ پکڑا جائے گا تو نہ صرف مال ضبط کر لیا جائے گا بلکہ اسے سخت سزا بھی ملے گی۔ اس خوف سے وہ کار کو تیز چلا رہا ہے۔ لہذا اس موقع پر اسے فقط اپنی جان بچانا ہے۔ اس لیے اسے اپنی جان کے سامنے سب کی جانیں ہیچ نظر آ رہی ہیں۔ جب کہ پولیس مسلسل اس کے تعاقب میں ہے۔

''ریحان صاحب کیا یہ اسمگلر کار کو ٹھیک چلا رہا ہے؟''

''جی ہاں ڈاکٹر صاحب۔ اسمگلر کار کو ٹھیک چلا رہا ہے۔''

''کیا تیز رفتاری منع نہیں ہے؟''

پتلون سے رانوں میں درد

کولہے سے نیچے پہنی جانے والی پینٹ بہ ظاہر فیشن میں داخل سمجھی جاتی ہے لیکن اس سے کولہے کی ہڈی کے سامنے والے حصے میں واقع حساس عصبی حصوں پر منفی اور مضر اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ نیچی پتلونوں کا استعمال عورت اور مرد دونوں ہی کے لئے تکلیف کا سبب ہوتا ہے۔ ان کی وجہ سے رانوں میں جلن کی شکایت عام ہوتی ہے۔ اونٹاریو (کینیڈا) کے ڈاکٹر مالوندر پرمار کی تحقیق کے مطابق ان کے زیر علاج موٹی خواتین کی رانوں میں تکلیف کا اصل سبب نیچی پتلونیں تھیں۔ ان کا استعمال ترک کرنے کے بعد خواتین مہینوں سے جلا اس تکلیف سے نجات پا گئیں۔

منع تو ہے لیکن اس وقت اس کی جان کو خطرہ ہے۔

''کیا اس کی تیز رفتاری سے دیگر لوگوں کی جان کو خطرہ نہیں ہے؟''

ڈاکٹر صاحب سڑک گاڑیوں کے چلانے کے لیے بنائی گئی ہے نا کہ انسانوں کے چلنے کے لیے۔ جیسا کہ ریل گاڑی کے لیے ریل کی پٹری بنائی جاتی ہے۔ اب اگر کوئی شخص ریل کی پٹری پر آ کر اپنی جان دے دے تو اس میں ریل چلانے والے کا کوئی قصور نہ ہوگا۔

''یہ بات تو ٹھیک ہے لیکن اگر کوئی جانور اچانک سامنے آجائے تو پھر کیا ہو؟'' کیونکہ جانور کو تو اتنی سمجھ نہیں ہے کہ وہ سمجھ سکے کہ سڑک کس لیے ہے؟''

''ڈاکٹر صاحب انسان کی جان' جانور سے زیادہ قیمتی ہے لہٰذا اس کی جان کی پرواہ کیے بغیر بھی گزرا جا سکتا ہے۔''

''اگر اچانک کوئی بچہ سامنے آجائے تو؟''

''گاڑی میں ہارن اسی لیے ہوتا ہے کہ سامنے آنے والے انسان کو مطلع کردیا جائے کہ گاڑی آرہی ہے ہشیار رہے۔''

''اگر وہ اتنی جلدی نہ سنبھل سکے تو؟''

یہ اس کی قسمت ہے کہ زندہ بچے یا مر جائے۔

یہ سنتے ہی ڈاکٹر نے ویڈیو فلم روک دی۔ کمرے میں اجالا کر دیا۔ ریحان کو ایسا لگا جیسے وہ خواب سے بیدار ہوا ہے اندھیرے سے اجالے میں آیا ہے۔ "کیا ہوا ڈاکٹر صاحب؟" ریحان نے اپنی الجھن کو سلجھاتے ہوئے کرسی میں دھنستے ہوئے کہا۔ "ڈاکٹر صاحب مجھے بھی بتاؤ نا مرض کیا ہے اور اس کا علاج کیا ہے؟

ریحان صاحب اس کا علاج آپ ہی کے پاس ہے آپ چاہیں تو اس ڈراؤنے خواب سے چھٹکارا پا سکتے ہیں اور وہ علاج ہے خود احتسابی' کا۔ اپنے ضمیر کی عدالت میں خود کو پیش کریں فیصلہ خود بخود آپ کے حق میں ہوگا۔"

ڈاکٹر کی تشخیص سن کر ریحان چپ چاپ اٹھ کھڑا ہوا اور سوچ کی گہرائیوں میں مستغرق گھر لوٹ آیا وہ رات بھر سوچتا رہا۔ صبح پر عزم ارادے لے کر گھر سے نکل گیا۔

ریحان خان انسپکٹر جشیم اختر کے سامنے خود کو پیش کرتے ہوئے بیان دے رہا تھا۔

"انسپکٹر صاحب! میں ایک ڈرائیور ہوں۔ پیشے سے منسلک ہوئے مجھے بیس سال ہو گئے ہیں۔ میں ایک متکبر اور گھمنڈی شخص ہوں۔ تیز رفتاری میری عادت میں شامل ہے۔ میں کار چلاتا ہوا خود کو ہوا میں اڑتا محسوس کرتا ہوں جیسے ہوائی جہاز کا پائلٹ اپنے راستے میں کسی رکاوٹ کو برداشت نہیں کرتا اسی طرح میرا دل چاہتا ہے کہ کوئی انسان یا جانور میرے راستے کی رکاوٹ نہ بنے۔ مجھے راستے میں آئے ہوئے انسان جانور لگتے ہیں اور جانور کیڑے کوڑے دکھائی دیتے ہیں۔

میں نے نہ جانے کتنے انسانوں کو اپنے غرور کی بھینٹ چڑھا کر اپاہج کیا ہے۔ کتنے ہی جانوروں کو ایذائیں پہنچائی ہیں۔ اب تک میرے ظلم کی کارروائیاں مخفی رہی تھیں مگر حال ہی میں مجھ سے ایک حادثہ ہو گیا۔ میری کار کے سامنے ایک بارہ یا تیرہ سال کا لڑکا آ گیا۔ میں بار بار ہارن بجا کر اسے مطلع کرتا رہا لیکن وہ جیسے بہرہ ہو نوٹس لیے چلتا رہا۔ میرا غصہ عروج پر پہنچا تو میں اسے طرح ٹکر مارتا ہوا گزر گیا۔ ٹکر سے اس کی ٹانگیں ٹو ہوں گی۔ جب کہ دور جا کر گرنے سے اس کا سر فٹ میں لگا تھا۔ جس سے اس کے زندہ بچنے کے امکانا ہو گئے ہوں گے۔

اس حادثے کے بعد میں سویا تو وہی بچہ مم خواب میں آ گیا۔ ہاتھ میں تیز دھار خنجر لیے ہ ہے۔ وہ با آواز بلند کہتا ہے۔ ظالم انسان تو نے اپنے بچے کو قتل کیا ہے جو بہرہ تھا۔ وہ تیرا ہارن کیس سکتا تھا۔ وہ بے بس تھا۔ آج تو بے بس ہیمون آغوش میں لیٹا ہے۔ مدہوش ہو رہا ہے لہذا تو حر نہیں کر سکتا۔ خود کو چاہتے ہوئے بھی بچا نہیں سکتا۔ اپنے خون کا بدلہ لے کر رہوں گا۔ انسپکٹر صاحب میرے خواب میں یہ کہتے ہوئے تیز دھار خنجر دل مقام پر سینے میں اتار دیتا ہے۔ وہ تکلیف سے دل چیخ مار کر بیدار ہو جاتا ہے۔

انسپکٹر صاحب اس جان لیوا خواب نے میری نیند حرام کر دی ہیں۔ میرا سکون تباہ کر دیا ہے۔ اس نے میرے غرور کا سر نیچا کر دیا ہے۔ مجھے ماہر نفسیات نے خود احتسابی کا علاج بتایا تھا لہذا میں تنے احتساب کے لئے اپنے ضمیر کی عدالت میں پیش ہے۔ لہذا مجھے آپ اس بچے کے دانستہ قتل کے میں گرفتار کر کے سزا دلوا دیں تا کہ میں اپنے کئے خمیازہ دنیا میں ہی بھگت لوں اور باقی زندگی انسان کر رہوں اور ظالم کارروائیوں سے باز رہوں۔

اس سزا سے عوام الناس اور خاص طور پر ان لوگوں درس عبرت ملے گا جو مجھ سے سوچ رکھتے ہیں۔ یہ روداد پڑھ کر وہ بھی خود کو احتساب کیلئے پیش کر سکیں غرور کرنا چھوڑ دیں کیونکہ غرور کا سر ہمیشہ نیچا ہوتا ہے۔

☆☆☆

بلاعنوان

اویس احمد پرویز

"دیکھو بیٹا! ہم مسلمان ہیں، اللہ کے حکم
سے مددگار ہمارے مسلمان بھائی ہیں،
جو کہ دنیا میں ہر جگہ موجود ہیں۔ مجھے
یقین ہے کہ جب ان کو ہمارے دکھ کا معلوم
ہو گا تو وہ ہماری مدد کو دوڑ پڑیں گے۔"

ایک نئے لکھاری کے قلم سے ایک خوب صورت کہانی

"میں نہیں جانتا کہ میں اس کہانی کو کوئی عنوان یا نام کیوں نہیں دے سکا مگر آپ لوگ کہانی پڑھیے اور آپ کو کہانی پڑھ کر جو محسوس ہوا اسی حساب سے آپ اس کا کوئی عنوان یا نام رکھ سکتے ہیں۔"

"بابا..... بابا! پانی آ رہا ہے جلدی آؤ بابا!"

ننھے باقر نے جس کی عمر پانچ چھ سال سے زیادہ نہیں تھی اپنے دادا کو جھونپڑی کے باہر کھڑے آواز دی۔ باقر کا دادا جعفر (جو کہ جھونپڑی کے اندر اپنی ٹوٹی ہوئی چارپائی کو ٹھیک کرنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا) نے اپنی بہو کو آواز دی۔

"شازیہ بیٹی! یہ باقر کیا کہہ رہا ہے ذرا باہر دیکھنا۔"

"اچھا بابا! دیکھتی ہوں۔"

شازیہ جھونپڑی سے باہر جاتے ہوئے بولی۔ شازیہ جس نے ابھی اپنے گھر سے ایک قدم ہی باہر رکھا تھا۔ سامنے کا منظر دیکھ کر چیخ پڑی اور ہکلاتے ہوئے بولی۔

"بب...... بب...... بابا! پانی آ رہا ہے۔ وہ...... دیکھو!"

"ارے بھائی کیا ہوا ہے کون سا پانی۔"

بابا جعفر جو کہ باہر آ چکا تھا اپنا فقرہ مکمل نہ کر سکا کیونکہ واقعی پانی کی بڑی بڑی لہریں اڑتی ہوئی سی آ رہی تھی۔

"یہ تو شاید سمندر کی لہریں ہیں مم...... مگر ان کو کیا ہوا؟"

بابا جعفر سوچ رہا تھا۔ ان کی جھونپڑی بلکہ ان کی نہیں ان جیسے سیکڑوں مچھیروں کی جھونپڑیاں سمندر کے بالکل ساتھ تھیں جن کا رزق خدا نے اس سمندر میں لکھا تھا۔ یہ

سمندر ان کے ہر دکھ درد کا ساتھی تھا۔ یہ سمندر ہی تھا جو ان کو دو وقت کا کھانا دیتا۔ ان کی خوشیوں کو دوبالا کرتا بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ یہ سمندر ہی ان کا ہم درد ساتھی تھا مگر آج یہ ہم درد ساتھی ہی ان سب کا دشمن بن گیا تھا۔ وہ سمندر جو ان کو بہت کچھ دیتا تھا۔ آج ان کا سب کچھ چھین رہا تھا جن میں ان کے گھر، بہن، بھائی، ماں باپ اور جانے کیا کیا۔ سمندر کی بپھری ہوئی لہریں ان حقیر انسانوں کو اٹھا کر دور دور پھینک رہی تھیں، ہر طرف افراتفری کا عالم تھا اور عجیب بے حسی کا عالم تھا کہ اس وقت ہر کوئی ایک دوسرے کو بھول چکا تھا۔ ہر ایک کو اپنی اپنی جان کی فکر تھی۔ ہر طرف چیخیں تھیں، صدائیں اور فریادیں تھیں۔ اف...... کیسا عالم تھا خدا کی پناہ...... چند گھنٹوں کے بعد جب لہروں کا زور ٹوٹا اور سمندر کچھ پرسکون ہوا تو چند لمحوں پہلے جو لوگ اپنی اپنی جانیں بچا رہے تھے ان کو اب اپنے گھروں اور عزیزوں کی فکر لاحق ہوئی۔ سینکڑوں میں سے تو بڑی تعداد ہلاک ہو چکی تھی کچھ کو سمندر نگل گیا اور کچھ زخموں کی وجہ سے بلک رہے تھے۔ آہ و بکا کر رہے تھے۔ ہر کوئی ادھر ادھر بھاگ رہا تھا۔ ہر ایک کو اپنے اپنے عزیز کی تلاش تھی۔ بابا جعفر جس کا ذہن اب بھی اس حادثے کو ماننے کو تیار نہ تھا، کھلے اور کیچڑ زدہ میدان میں بھاگتا پھر رہا تھا۔ وہ میدان میں پڑی لاشوں کو الٹ الٹ کر دیکھتا۔ کچھ ہی دیر میں اسے ایک پرانے بوڑھے درخت کی جڑ کے قریب اپنا پوتا روتا ہوا ملا۔ بابا جعفر کی خوشی کی انتہا نہ رہی کہ اس کا پوتا زندہ ہے۔ اب انہوں نے اپنی بہو کو تلاش کرنا شروع کر دیا۔ کچھ ہی دیر میں ایک درخت کے اوپر بابا کی بہو کی لٹکی ہوئی لاش مل گئی۔ بابا جعفر کا خاندان پہلے ہی چھوٹا سا تھا۔ ایک بیٹا، بہو، پوتا اور وہ خود۔ چند ماہ پہلے بیٹا ایک حادثے میں چل بسا اور اب بہو بھی چل بسی۔ بابا جعفر اپنے پوتے کے سوالوں کے جواب نہ دے پا رہا تھا، جو ایک ہی بات کہے جا رہا تھا۔

"بابا! اماں کہاں گئی؟...... وہ کیوں گئی؟...... بابا چلو اماں کے پاس۔"

کچھ ہی دیر میں بچے کھچے لوگ ایک جگہ جمع ہو گئے اور اکٹھے بیٹھ کر غم غلط کرنے کی ناکام کوشش کرنے لگے۔ اس دوران باقر نے اپنے دادا سے پوچھا۔

"بابا! اب ہمارے گھر کیسے بنیں گے۔ ہم سب کو جو چوٹیں آئی ہیں ان کی دوائی ہمیں کون دے گا۔ سب کچھ تو پانی لے گیا۔"

بابا جعفر کو باقر کے ننھے ذہن سے ایسے سوال کی توقع نہیں تھی، مگر بابا نے جواب دیا۔

"دیکھو بیٹا! ہم مسلمان ہیں، اللہ کے حکم سے مددگار ہمارے مسلمان بھائی ہیں، جو کہ دنیا میں ہر جگہ موجود ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ جب ان کو ہمارے دکھ کا معلوم ہوگا تو وہ ہماری مدد کو دوڑ پڑیں گے۔"

☆

ٹی وی پر تین چار روز سے لگاتار خبروں میں بتایا جا رہا تھا کہ دنیا کے مختلف خطوں میں جن میں انڈونیشیا، سری لنکا، تھائی لینڈ، انڈیا اور بہت سے افریقی ممالک شامل ہیں۔ ان میں ایک بہت بڑا سمندری طوفان آیا اور لاکھوں افراد لقمۂ اجل بن گئے۔ اس کے ساتھ ہی ٹی وی پر بچ جانے والے افراد کی مدد کی اپیل کی جا رہی تھیں۔ کم سن علی بھی کئی روز سے اپنے باپ کے ساتھ یہ سب کچھ ٹی وی پر دیکھ رہا تھا۔

"ابو! یہ کیا ہوا ہے؟" علی نے اپنے باپ سے پوچھا۔

"بیٹا! کچھ ممالک پر بہت بڑی مصیبت نازل ہوئی ہے اور ان کی مدد کے لیے کہا جا رہا ہے۔" علی کے ابو نے جواب دیا۔

"تو کیا ان میں مسلمان بھی ہیں ابو!"

"ہاں بیٹا! ان میں مسلمان بھی ہیں اور دوسرے بھی بہت سے لوگ شامل ہیں۔"

"تو ابو! ہمیں بھی ان کی مدد کرنی چاہیے۔"

"یقیناً! ہمیں ان کی مدد کرنی چاہیے۔"

"تو ابو وہ اقبال انکل کے اسٹور پر ان لوگوں کی مدد کے لیے پیسے جمع ہو رہے ہیں۔ ہم بھی پیسے دیں گے۔" علی تجسس سے اچھلتا ہوا بولا۔

"ہاں بیٹا! یہ لو پیسے اور تم بھی دے آؤ۔ اس سے ان لوگوں کی مدد ہو جائے گی۔ شرفو کو ساتھ لے جانا۔ لو جاؤ!" علی کے باپ نے جیب سے ایک سو کا نوٹ نکالتے ہوئے کہا۔ علی سو کا نوٹ لے کر باہر کو چل تو دیا مگر وہ سوچ رہا تھا کہ کل شام کو جب ابو گھر آئے تھے تو وہ بہت خوش تھے اور انہوں نے ماما کو بتایا تھا کہ ان کو کاروبار میں صرف ایک دن میں پانچ لاکھ کا پروفٹ ہوا ہے۔ علی سوچ رہا تھا کہ پاپا نے مجھے صرف ایک نوٹ دیا ہے جب کہ ماما کو تو انہوں نے بہت سے نوٹ دیے تھے۔ ہو سکتا ہے یہ نوٹ ان سب سے بڑا ہو۔ ہاں اس لیے انہوں نے مجھے یہ پیسے دیے ہیں۔ علی نے اپنے کم سن ذہن سے سوچتے ہوئے کہا۔

☆

ڈاکٹر عرفان اپنے دوست ڈاکٹر جاوید کے ساتھ بیٹھا سونامی کے طوفان پر بات چیت کر رہا تھا۔

"یار عرفان! اس مشکل وقت میں ہمیں بھی ان لوگوں کی مدد کے لیے جانا چاہیے۔ جاوید ٹی وی کی طرف نظریں جمائے بولا۔

"جانا چاہیے! کیا مطلب؟" عرفان حیرانی سے بولا۔

"دیکھو یار! ان لوگوں میں جن پر مصیبت نازل ہوئی ہے۔ ان میں ہمارے مسلمان بھائی بھی شامل ہیں اور خدا نے ہمیں اتنا کچھ عطا کیا ہے ہمیں وہاں جا کر ان کی مدد کرنی چاہیے۔" جاوید بولا۔

"چھوڑو یار! کچھ پیسے دے دیتے ہیں۔ ہم کیوں وہاں جا کر وقت اور پیسہ ضائع کریں۔" عرفان منہ بناتے ہوئے بولا۔

"میں تو جاؤں گا تم نہ جاؤ!" ڈاکٹر جاوید بولا۔

"اچھا جاؤ مجھے کیا۔"

اس دوران فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ جاوید نے فون اٹھایا اور کچھ دیر بعد بات کر کے فون رکھ دیا۔

"وہ عرفان! میری جو پوسٹنگ کا مسئلہ تھا میری شہر میں پوسٹنگ رکی ہوئی تھی وہ مسئلہ حل ہو گیا، یعنی میری پوسٹنگ شہر میں ہو گئی۔ ہاں یار! تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ وہاں جا کر بھی ہم وقت ضائع کریں گے یہیں پر کچھ پیسے دے کر مدد کر دیتے ہیں۔" ڈاکٹر جاوید اکتائے ہوئے لہجے میں بولا۔

☆

طوفان سے بچے ہوئے لوگوں کے لیے مختلف تنظیموں نے کیمپ لگا دیے تھے اور وہاں مہاجرین کی دیکھ بھال کی جا رہی تھی۔ انہی میں ایک خیمے میں باقر اپنے دادا جعفر کے ساتھ بیٹھا تھا۔

"بابا! یہ لوگ جو ہماری مدد کر رہے ہیں کیا یہ ہمارے مسلمان بھائی ہیں؟" باقر نے اپنے دادا سے پوچھا۔

"نہیں بیٹا! یہ ہمارے مسلمان بھائی نہیں ہیں۔"

"تو بابا! وہ لوگ کیوں نہیں آئے؟"

"آئیں گے بیٹا! وہ لوگ ضرور ہماری مدد کو آئیں گے۔" بابا جعفر نے خلا میں گھورتے ہوئے کہا۔

"لیکن بابا! کب آئیں گے وہ آخر کب......؟"

بابا جعفر جو کئی روز سے اس سوال کا جواب دے رہا تھا مگر اب اس کے پاس بھی اس سوال کا جواب نہیں تھا۔

"بابا! بتاؤ ناں ہمارے مسلمان بھائی ہماری مدد کو کب آئیں گے۔ بابا تم بتاتے کیوں نہیں!" بابا جعفر نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ تو اپنے ہم درد سمندر کو گھور رہا تھا جو شاید پھر ایک دفعہ اپنی ہم دردی جتانے آنے والا تھا۔

☆

اب آپ لوگ خود سوچیے کیا یہ ایک کہانی ہے یا حقیقت......؟ مگر میرے خیال میں یہ ایک حقیقت ہے۔ ایک تلخ حقیقت اور حقیقت کو کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔ آپ کے خیال میں یہ کیا تھا...... مجھے ضرور بتائیے گا۔

☆☆☆

بے بدن

ایم اے راحت

نیاز احمد نے فرمایا کہ یہ فلیٹ ان کے جاننے والے کا ہے اور اس جاننے والے نے اس فلیٹ کو ایک اور شخص کو کرائے پر دیا ہوا ہے اور وہ شخص' جس نے فلیٹ کرائے پر لیا ہوا ہے وہ اس بات پر آمادہ ہے کہ اس کا ایک کمرا مزید کرائے پر دے دیا جائے۔

زندگی کے ناآسودہ خوابوں کی تعمیر۔ ایک انوکھی آپ بیتی

میرا نام ناصر جمال ہے۔ شکر ہے جمال عبدالناصر نہیں ہے ورنہ بڑی شرمندگی ہوتی کہ ایک تو مصر کا سربراہ تھا اور دوسرا بینک کا معمولی کلرک۔ ویسے یہ بھی شکر ہے کہ ناموں پر کسی کی اجارہ داری نہیں۔ کم از کم انسان کو ایک آزادی تو حاصل ہے کہ جیب میں پھوٹی کوڑی نہ ہو لیکن نام مرزا قارون بیگ رکھا جا سکتا ہے۔ چھپکلی سے جان نکلتی ہو نام سکندر اعظم' یا شکل سے نورا چماری لگتی ہو نام حسن آراء وغیرہ۔

خیر زندگی کی اس کہانی میں نام بنیادی حیثیت نہیں رکھتا۔ یہ تو بس تذکرہ نکل آیا۔ کہا جاتا ہے کہ گھورے کے بھی دن پھرتے ہیں' گھورا جانتے ہیں آپ....؟ پرانی اصطلاح ہے' اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں کوڑے کے مستقل ڈھیر ہوتے ہیں' تو کہانی گھورے کی بھی نہیں ہے میں تو آپ کو اپنی زندگی کی کہانی اپنی آپ بیتی سنا رہا تھا۔

اس کائنات میں تنہا تھا "تھا" کو ذہن میں رکھئے کیونکہ اب خدا کے فضل سے تنہا نہیں ہوں۔ ہاں ویسے بہت سے رشتوں سے محروم ہوں۔ ماں باپ' بہن بھائی' کوئی نہیں ہے' ماں باپ یاد ہیں مگر ایک مٹی مٹی سی تحریر کی طرح جو کسی بوسیدہ کتاب کے اوراق کی مانند ہو۔

ویسے کسی تنہا شخص کی زندگی بھی کیا ہوتی ہے۔ محبتوں کو ترسا ہوا' رفاقتوں کا خواہاں' ہر شخص سے پیار کا طلب گار.... ممکن ہے میری سوچ بہت سے لوگوں سے جدا ہو' بے شمار لوگ تنہائی پسند ہوتے ہیں۔ انہیں ہنگاموں سے دحشت ہوتی ہے۔ میں نے ایسے لوگوں کو بھی دیکھا ہے جو اپنے گھر سے صرف اس لیے بیزار ہوتے ہیں کہ وہاں بچے شور مچاتے ہیں۔ ہنگامے ہوتے۔ ایسے بھی لوگ ہیں جو تنہا ہیں' خوش ہیں' لیکن میری نگاہ میں وہ زندگی بیزار لوگ ہوتے ہیں۔ بچے تو حسن کائنات ہیں' زندگی کی خبر دیتے ہیں وہ۔ مجھے بچوں کا شور بہت پسند ہے۔ پھول جیسے۔ نازک نازک' قلقاریاں مارتے ہوئے۔

میں ایک بینک میں ملازمت کرتا ہوں' زندگی کا بڑا حصہ لاہور میں گزرا۔ کراچی کا تصور ایک سحر کی مانند تھا اور میں نے اس کے بہت سے خواب دیکھے تھے۔ جب بھی فرصت ملتی مری' کاغان' ناران وغیرہ نکل جاتا کراچی

جانے کے لیے وقت درکار تھا- اور اتنی فرصت کبھی نہیں ملی' لیکن اس کے بعد کراچی نے مجھے آواز دی' بینک نے میرا تبادلہ کراچی کر دیا اور میں خوشی خوشی یہاں آ گیا- اس کے بعد کراچی سے میرا بھرپور تعارف ہوا- کراچی میں رہائش کا مسئلہ انہیں کے علم میں ہوگا جو میری طرح نہیں اور کہیں باہر سے آئے ہوں- ناواقف حضرات جو کراچی سے باہر رہتے ہیں اور یہاں آنے کا ارادہ رکھتے ہیں' میرے شکر گزار ہوں کہ میں انہیں کراچی میں پیش آنے والی سب سے بڑی مشکل سے آگاہ کر رہا ہوں- اگر وہ کراچی میں آباد ہونا چاہتے ہیں تو انہیں سب سے پہلے مکان کی مشکل پیش آئے گی اور اس مشکل کا حل آسان نہیں ہوتا-

لیکن یہ شہر جہاں بے شمار مسائل رکھتا ہے' وہیں اس کا حُسن بھی بے مثال ہے- زندگی یہاں اس طرح مصروف ہو جاتی ہے کہ مسائل خود بخود سو جاتے ہیں-

بڑی امنگیں لے کر کراچی آ گیا- جس برانچ میں میرا تبادلہ ہوا وہ صدر کے علاقے میں تھی اور صدر انسانوں کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کا نام ہے- خیر' سب کچھ اچھا تھا' لیکن جب رہائش کا مسئلہ سامنے آیا تو بہت کچھ برا ہو گیا- اپنی جیب کے مطابق ایک ہوٹل میں قیام کیا جو بس ''ہوٹل'' تھا- انتہائی گندہ کمرا' مشترکہ باتھ روم جہاں وقت پر ضروریات سے فارغ ہونے کے لیے لائن لگانی پڑتی تھی اور اس سلسلے میں ہر وقت کسی غلیظ حادثے کا خطرہ رہتا تھا-

بینک کے ساتھی اظہار ہمدردی اور مکان کی تلاش کے وعدوں کے سوا کچھ نہیں کر سکتے تھے کیونکہ مکان تلاش کر لینا ان کے بس کی بات بھی نہیں تھی- کہیں ہوتا تو تلاش کرتے- یہاں تو ایک ایک مکان میں بہت سارے لوگ نظر آتے تھے- چنانچہ بس مشکلات کا ایک سمندر تھا اور کنارے کا نام و نشان نہیں تھا-

خدا عمر دراز عطا فرمائے نیاز احمد کو' ہمارے بینک کی سب سے عمر رسیدہ شخصیت تھے- نہایت ہمدرد اور شفیق مجھے دلاسا دیتے ہوئے بولے'' نہیں عزیزم- فکر نہ کرو' انشاء اللہ کوئی نہ کوئی بندوبست ہو جائے گا- ہم سب کوشش کر رہے ہیں- دوسروں نے تو خیر کوشش کی یا نہیں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن نیاز احمد صاحب نے ایک دن خوش خبری سنا دی-

''مبارک ہو بھئی ناصر میاں' تمہاری رہائش کا بندوبست ہو گیا ہے-''

''جی....'' میں حیرت سے اچھل پڑا-

''ہاں- اللہ سب کی مشکل حل کرتا ہے-

بات ہی ایسی تھی کہ سب لوگ نیاز احمد صاحب کے گرد جمع ہو کر اس انوکھے واقعے کے بارے میں سوالات کرنے لگے- پتا چلا کہ میرا راج محل رنچھوڑ لائن کی ایک پرانی بلڈنگ کا ایک چھوٹا سا فلیٹ ہے- پورا فلیٹ نہیں بلکہ چار کمروں کے فلیٹ کا ایک کمرا' جس میں اتفاق سے باتھ روم اٹیچ ہے- یعنی صرف میرا باتھ روم' بلا شرکت غیرے اٹیچ باتھ روم- اٹیچ جانیے اس باتھ روم کے بارے میں سن کر میرے منہ میں پانی بھر آیا- کمرا چاہے کیسا بھی ہو اگر باتھ روم اٹیچ ہے اور صرف میری ملکیت ہے تو باقی سب کچھ قربان ہے-''

نیاز احمد نے فرمایا کہ یہ فلیٹ ان کے جاننے والے کا ہے اور اس جاننے والے نے اس فلیٹ کو ایک اور شخص کو کرائے پر دیا ہوا ہے اور وہ شخص' جس نے فلیٹ کرائے پر لیا ہوا ہے وہ اس بات پر آمادہ ہے کہ اس کا ایک کمرا مزید کرائے پر دے دیا جائے-

نیاز احمد نے کہا کہ ظاہر ہے میرے لیے ایک کمرہ کافی ہوگا-

''جی میاں نیاز احمد' اس کی بنیادی وجہ تو آپ جانتے ہی ہیں کیونکہ میں تنہا ہوں-'' میں نے جواب دیا-

''اس صورت میں مناسب یہی ہے برخوردار کہ تم اس کمرے کو فوراً کرائے پر حاصل کر لو' تم تنہا بھی ہو کمرے کا دروازہ باہر سے ہے تم اپنے کمرے کا باہر سے تالا بھی

لگا سکتے ہو اور تمہاری تھوڑی عقل مندی سے اس مکان میں رہنے والوں کو کوئی تکلیف بھی نہ ہوگی-

بہر صورت ہوٹل کی زندگی اس قدر بدنما تھی کہ میں فوراً تیار ہو گیا اور اسی شام بینک سے فارغ ہو کر میں نیاز صاحب کے ساتھ چل پڑا-

نیاز احمد مجھے لے کر گریڈن اسٹریٹ پہنچ گئے- انہوں نے مجھے وہ فلیٹ دکھایا اور دل تو میرا رو دیا تھا کیونکہ بہر صورت میرے پہلے مکان کا وہ عشر عشیر بھی نہیں تھا- حالانکہ وہ ایک چھوٹا سا مکان تھا اور معمولی سے علاقے میں تھا- لیکن اس سے کہیں زیادہ وسیع اور کشادہ تھا- تاہم میں نے اس کمرے کو قبول کر لیا-

میرے ساتھ رہنے والے جناب فرید الدین تھے مارکیٹ میں کاروبار کرتے تھے- ذہنی طور پر صرف بنیے تھے- لیکن ان کی بیگم تعلیم یافتہ تھیں- صورت شکل کے اچھے تھے ان کا بچہ بھی بے حد پیارا تھا- اس بچے کو وہ پیار سے شیری کہتے تھے نام شاید اس کا شہزاد تھا- بہر صورت میں نے اس کمرے کو دل سے قبول کر لیا اور مختصر سا سامان لے کر ہوٹل سے اس کمرے تک پہنچ گیا-

فرید الدین بے ضرر سے انسان تھے- یوں بھی کاروباری آدمی بے ضرر ہی ہوتے ہیں- چنانچہ اول تو مجھ سے علیک سلیک ہی نہیں رہتی تھی- بس چھٹی کے وقت مل جاتے تھے اور اچھا وقت گزر جاتا تھا-

میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ میں تنہائیوں سے خوف کھاتا ہوں آدم بے زار قطعی نہیں ہوں-

فرید صاحب کی بیوی کو میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا- پردے دار خاتون تھیں اور آپ یقین کریں کہ میں کسی پردے دار خاتون پر نظر ڈالنا مناسب نہیں سمجھتا تھا- بہر صورت وقت گزرتا رہا-

چھوٹے سے شیری کی ننھی منی باتیں کبھی کبھی میرے کان میں پڑ جاتی تھیں- میرا دل چاہتا تھا کہ اسے پیار کروں- لیکن بہر صورت میں بینک سے جس وقت فارغ ہو کر گھر پہنچتا تھا تو فرید صاحب نہیں ہوتے تھے کیونکہ وہ آٹھ بجے کے بعد اپنی دکان بند کر کے آتے تھے- اس لیے ان سے ملاقات کم ہوتی تھی-

شیری یا اس کی امی سے میرا رابطہ کرنا ناممکن تھا- البتہ چھٹی والے دن فرید صاحب اس معصوم سے بچے کو گود میں لے کر میرے کمرے میں آتے تھے اور میں اس ننھے سے معصوم بچے کو فوراً گود میں لے لیا کرتا تھا-

گول مٹول پیارا سا بچہ' بے پناہ خوب صورت' پتا نہیں دوسروں کو وہ اتنا پیارا دکھائی دیتا ہوگا یا نہیں- بہر حال مجھے بہت پسند تھا- یہاں تک کہ میری لگاوٹ اس سے اس قدر بڑھ گئی کہ چھٹی والے دن جب مجھے یقین ہوتا کہ فرید صاحب اسے لے کر میرے پاس ضرور آئیں گے تو میں ایک دن پہلے ہی اس کے لیے ٹافیاں اور کھانے پینے کی دوسری چیزیں لے آیا کرتا تھا-

فرید الدین صاحب ابتداء میں تو میرے اس خلوص سے بہت متاثر ہوئے انہوں نے کئی بار مجھے منع بھی کیا کہ میں ان کے بچے کے لیے یہ سب کچھ نہ کیا کروں- لیکن میں نے ان سے کہہ دیا کہ بچے مجھے بہت پیارے لگتے ہیں-

''مجھے حیرت ہے ناصر جمال صاحب کہ اگر بچے آپ کو اتنے پسند ہیں تو آپ نے ابھی تک شادی کیوں نہیں کی-''

''شادی-'' میں ہنس کر کہتا-

''کیوں' اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے بھلا؟'' فرید الدین حیران ہو کر پوچھتے اور میں خاموش ہو کر سنجیدہ ہو جاتا-

''شادی...... کر ہی لیں گے فرید الدین صاحب' ابھی جلدی کیا ہے-''

''لیکن کب؟''

''جب بھی موقع ملا-''

''اوہ لیکن آپ کی عمر تو اچھی خاصی ہے میرا خیال ہے

کوئی تمیں کے لگ بھگ ہو گی۔" وہ کہتے۔
"جی ہاں! آپ کا خیال درست ہے۔"
"تو پھر شادی کب کرو گے بڑھاپے میں؟"
"بہرحال ایسی بھی بات نہیں ہے فرید صاحب بس کچھ ایسی وجوہات ہیں جن کی وجہ سے میں ابھی شادی نہیں کر سکتا۔
"پوچھنے کی بات تو نہیں ہے ناصر صاحب' ذاتی سا سوال ہے' لیکن میرا خیال ہے آپ برا نہیں مانیں گے۔"
"نہیں فرید صاحب آپ بلا جھجک پوچھ سکتے ہیں۔"
میں نے جواب دیا۔
"وہ کون سی وجوہات ہیں جن کی بنا پر آپ نے شادی نہیں کی۔"
"اوہ فرید صاحب بات اتنی گہری نہیں ہے' بات صرف یہ ہے کہ شاید کے کچھ لوازمات کی ضرورت ہوتی ہے اور پھر اس بڑے شہر میں جہاں انسان تنہا زندگی ہی گزارنے کے لیے بے پناہ مشکلات کا سامنا کرتا ہے اور ان حالات میں اگر کسی دوسرے کو اپنی زندگی میں منسلک کر لیا جائے تو میرا خیال ہے دوسرے کے ساتھ بھی زیادتی ہو گی۔ اچھے گھر کی خواہش ہر انسان کے دل میں ہوتی ہے۔ اور خاص طور سے وہ لڑکی جو بیوی بن کر کسی گھر میں آتی ہے' اسے پر آسائش دیکھنا پسند کرتی ہے۔
"وہ تو سب ٹھیک ہے میاں لیکن جب تمام عورتیں ہی اس زیادتی کی عادی ہیں تو پھر تم شادی سے محروم کیوں رہو۔" فرید صاحب ہنس کر کہتے اور میں بھی ہنس پڑتا۔
بہرحال اس مسئلے پر لوگوں نے کبھی سنجیدگی سے غور نہیں کیا۔ بے چارہ شیری مجھ سے اس قدر ہل گیا تھا کہ وہ اکثر میرے پاس آنے کی کوشش کرتا۔ بچے کو تو محبت کے چند الفاظ اور میٹھی میٹھی ٹافیاں چاہیے ہیں۔ اس کے علاوہ اس کا کوئی مقصد نہیں ہوتا۔ چنانچہ شیری اپنے گھر کی پتلی سی گلی پار کر کے میرے دروازے تک آ جاتا اور پھر کچھ ایسا ہوا کہ وہ اکثر میرے گھر کے دروازے پر میرا انتظار کرنے لگا۔
بچے کی یہ الفت پا کر میں اس سے اور بھی زیادہ [illegible] کرنے لگا۔ میں خوش بھی رہنے لگا کیونکہ مجھے خدا [illegible] تخلیق کیے ہوئے بالکل بے ضرر اور معصوم سے انسان [illegible] رفاقت مل گئی تھی' درحقیقت میں اس سے بے پناہ [illegible] کرنے لگا تھا۔
کئی بار میں اس کے لیے کھلونے بھی لایا جو میں اس کو دے دیے۔ حالانکہ ان کھلونوں کو قبول کرنے [illegible] رد و قدح ہوتی تھی۔ لیکن براہ راست مجھ تک کوئی [illegible] نہیں پہنچی تھی۔ ہاں ایک چھٹی والے دن فرید صا[illegible] میرے کمرے میں آئے اور بولے۔
"ناصر صاحب اب آپ کافی زیادتیاں کرتے ہیں۔"
"میں نہیں سمجھا فرید صاحب۔" میں نے حیرانی [illegible] کہا۔
"دیکھو نا اس بچے کو اتنا سر چڑھا رہے ہو کہ یہ سر چڑ[illegible] جا رہا ہے۔ بہت زچ کرنے لگ گیا ہے' ہمیں۔"
"میں اب بھی نہیں سمجھا فرید صاحب۔ اس پیار [illegible] سے بچے نے کیا قصور کیا ہے؟" میں نے شیری کے بال[illegible] سے کھیلتے ہوئے کہا۔
"بھئی ہر وقت تمہاری ہی طرف آنے کی رٹ لگا[illegible] رکھتا ہے۔ ہر وقت تمہیں یاد کرتا ہے۔" فرید صاحب [illegible] کہا۔
"تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ فرید صاحب شا[illegible] جب میں آتا ہوں تو اسے میرے پاس بھیج دیا کری[illegible] میرا بھی دل بہل جاتا ہے تنہائی دور ہو جاتی ہے۔ یقی[illegible] کریں یہ ننھا سا بچہ شہزاد میرے لیے بڑا غم گسار ہے۔"
فرید صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا البتہ کچھ [illegible] سے ہو گئے تھے۔ میں نے اس وقت ان کی اس خاموشی [illegible] غور بھی نہیں کیا لیکن اب......
پھر ہوا یوں کہ ایک شام شیری کی طبیعت خراب [illegible]

اسے اچانک ہی الٹیاں ہونے لگی تھیں۔ مجھے علم نہیں تھا کہ فرید صاحب گھر پر نہیں ہیں۔
شام کے تقریباً سات بجے ہوں گے کہ میرے کمرے کا دروازہ کھٹکایا گیا۔ عام طور سے میں اپنے کمرے کا دروازہ کھلا رکھتا تھا۔ جب گھر میں موجود ہوتا تھا۔ ہاں کہیں جانا ہوا تو مجبوری تھی بہرحال میں نے بیٹھے بیٹھے آواز لگائی۔
"کون ہے؟"
دروازہ کیونکہ کھلا رہتا تھا اس لیے آنے والے اندر ہی آ جاتے تھے۔ ان میں عام طور سے میرے دوست ہوتے تھے۔ وہ بھی شاذ و نادر ہی ہوا کرتے تھے۔ کیونکہ میں اس معاملے میں تھوڑا سا محتاط تھا۔ نہیں چاہتا تھا کہ میرے دوستوں کی آمد سے کسی کو تکلیف ہو۔ کیونکہ دوسرے کا گھر میرے گھر یا میرے کمرے سے ملحق تھا۔ میں عام طور سے خود ہی دوسرے لوگوں کو نہیں بلاتا تھا۔ کیونکہ دوسرے لوگوں کا معاملہ تھا اور میں مناسب نہیں سمجھتا تھا کہ اس کمرے میں میرے دوستوں کے بے تکلف قہقہے گونجیں اور دوسروں کو شکایت کا موقع ملے۔
بہرحال میری آواز کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ تب میں نے دوبارہ ہانک لگائی۔
"کون ہے بھائی' اندر آ جاؤ۔"
اور دوسری بار آواز لگانے کا اثر ہوا تھا کہ ایک نسوانی آواز سنائی دی۔
"ذرا باہر تشریف لائیے۔" آواز میری سماعت سے ٹکرائی اور میں چونک پڑا۔
حیرت زدہ سا میں باہر پہنچا تو ایک خاتون منہ پھیرے کھڑی ہوئی تھیں میں نے پوچھا۔ "فرمائیے کیا بات ہے؟"
"میں...... میں آپ کے برابر رہتی ہوں۔ میرا مقصد ہے شیری۔" خاتون بری طرح نروس ہو رہی تھیں۔
"اوہو آپ شیری کی امی ہیں۔" میں نے پوچھا۔
"جی ہاں۔"
"فرمائیے کیا بات ہے؟"
"میں نے رخ بدل لیا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ ان خاتون کو کسی قسم کی ذہنی کوفت کا سامنا کرنا پڑے تب خاتون دوبارہ بولیں۔
"وہ...... وہ دراصل شیری کی طبیعت اچانک شدید خراب ہو گئی ہے اسے شدید الٹیاں ہو رہی ہیں۔"
"ارے اچھا فرید صاحب تو دکان پر ہوں گے؟" میں نے تشویش ناک لہجے میں پوچھا۔
"جی نہیں۔"
"گھر پر؟" میں نے پھر پوچھا۔
"جی نہیں۔ وہ کام کے سلسلے میں کسی دوسرے شہر گئے ہوئے ہیں۔ فرید صاحب کی بیگم نے جواب دیا۔
"اوہو کب؟"
"آج ہی صبح۔"
"تو پھر کب واپس آئیں گے؟"
"شاید آج نہیں؟"
"کچھ بتایا نہیں؟" میں نے پوچھا۔
"کل تک آنے کی امید ہے۔" خاتون نے جواب دیا۔
"اوہ۔ آپ فکر نہ کریں۔ کیا چاہتی ہیں آپ میں اسے ڈاکٹر تک لے جاؤں یا ڈاکٹر کو یہیں بلاتا ہے؟"
"جی نہیں میں اسے ڈاکٹر کے پاس لے جانا چاہتی ہوں۔"
"تو پھر جیسا حکم کریں۔ کیا آپ میرے ساتھ چلنا پسند کریں گی یا پھر مجھے بتا دیں کہ آپ اسے کس ڈاکٹر کے پاس لے جانا چاہتی ہیں۔ میں اسے خود لے جاتا ہوں۔"
"میں بھی چلوں گی۔" ماں کی ممتا بھری آواز سنائی دی۔
"تو پھر چلیے۔" میں نے کہا۔
"ہاں میں برقع اوڑھ لوں۔"
"ٹھیک ہے آپ شیری کو لیں' میں ٹیکسی لے آتا

ہوں-"

"بہتر میں آپ کو تکلیف دینے پر شرمندہ ہوں-"

"ارے شرمندگی کیسی-کوئی بات نہیں ہے- مجھے تو علم ہی نہیں تھا کہ شیری بیمار ہے بلکہ میں تو سوچ رہا تھا کہ وہ ابھی تک میرے پاس آیا کیوں نہیں-

"میں ابھی آ رہی ہوں-" خاتون نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی-

"بہت بہتر آپ نیچے تشریف لایئے-میں نیچے ٹیکسی لیتا ہوں میں نے کہا اور پھر میں نے انتہائی تیزی سے لباس تبدیل کیا-

لباس تبدیل کرنے کے بعد میں نے دروازہ بند کیا اور نیچے اتر آیا- اور نیچے اترنے کے بعد ٹیکسی تلاش کرنے لگا-

خوش بختی سے ٹیکسی کسی تلاش کے بغیر ہی مل گئی- ڈرائیور بھی کوئی شریف آدمی تھا-فوراً تیار ہوگیا-اور چند ساعت کے بعد خاتون شیری کو سنبھالے ٹیکسی کی پچھلی نشست پر آ کر بیٹھ گئیں میں ڈرائیور کے سات والی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا-

خاتون کے بتانے پر میں انہیں ڈاکٹر کے پاس لے گیا- ڈاکٹر نے شیری کو اچھی طرح دیکھا' اسے انجکشن لگائے اور کچھ دوائیں دیں-

دواؤں کا پرچہ خاتون نے میرے ہاتھ میں دے دیا تھا- جنہیں میں فوری طور پر قریبی کیمسٹ سے خرید لایا اور پھر میں ان خاتون کو لے کر واپس گھر پہنچ گیا- میں نے ان سے کہا- "معاف کیجئے گا بھابی جان' اتفاق سے میں آپ سے باقاعدہ متعارف نہیں ہوں لیکن آپ تو مجھے جانتی ہی ہوں گی- آپ کسی قسم کی تکلیف نہ کریں- بلکہ جو کچھ چاہیے ہو مجھ سے فرما دیں- فرید صاحب آ جائیں تو پھر کوئی بات نہیں ہے لیکن اس وقت تک جب تک آپ تنہا ہیں براہ کرم کسی بھی قسم کی تکلیف نہ کریں' میں ہر طرح سے آپ کے کام آنے کے لیے تیار ہوں-" میں نے کہا-

"نہیں بھائی جان سب ٹھیک ہے آپ کا بہت بہت شکریہ- آپ نے بالکل اپنوں کی طرح میری یہ تکلیف دور کی ہے-"

"اوہ بھابی جان شکریے کی کوئی بات نہیں ہے شیری میرے لیے جو حیثیت رکھتا ہے- اسے میں اچھی طرح جانتا ہوں- شاید آپ اس حیثیت سے واقف نہیں ہیں- ورنہ کبھی اس مسئلے میں شکریہ ادا نہ کرتیں-"

"میں سمجھتی ہوں بھائی جان' آپ شیری سے بے پناہ محبت کرتے ہیں آپ دعا کریں کہ وہ صبح تک ٹھیک ہو جائے-"

"میں دعا کروں گا-" میں نے خلوص سے کہا اور اپنے کمرے میں آ بیٹھا- خاتون اندر چلی گئی تھیں- تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد میں نے خود ہی ان کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا اور اندر سے خاتون کی آواز سنائی دی-

"کون ہے؟"

"معاف کیجئے گا بھابی جان میں ناصر جمال ہوں- یہ بتا دیجیے کہ شیری کیسا ہے اور اس کی طبیعت کچھ بہتر ہوئی یا......"

شیری سو چکا ہے اور بہتر ہے- ایک اور تکلیف کریں بھائی جان!"

"جی فرمایئے-"

"یہ جو پیسے آپ کے خرچ ہوئے ہیں وہ لے لیں-"

"اوہ بھابی جان میں آپ کے لیے بلاشبہ اجنبی ہوں لیکن شیری کے لیے نہیں' براہ کرم یہ سب کچھ کہہ کر مجھے شرمندہ نہ کریں-"

"نہیں بھائی جان' یہ خلاف اصول بات ہے' آپ ویسے بھی شیری کے لیے بہت کچھ کرتے رہتے ہیں- لیکن براہ کرم یہ پیسے لے لیجیے اور اگر آپ نے پیسے نہ لیے تو فرید صاحب بھی اس بات کو پسند نہیں کریں گے-"

"جیسی آپ کی مرضی بھابی جان اگر یہ بات ہے تو آپ پیسے مجھے دے دیں ورنہ اس کی کوئی ضرورت نہ تھی- شیری میرے لیے اتنی اہمیت رکھتا ہے جتنی کے آپ کے لیے- بلاشبہ یہ بات آپ کو متاثر نہیں کر سکے گی اور نہ ہی آپ کو میری بات کا یقین آئے گا کہ میں واقعی شیری کے لیے اس قدر پر محبت ہوں لیکن بھابی جان یقین دلانے کا میرے پاس اور کوئی ذریعہ بھی نہیں ہے- آپ بہرحال ماں ہیں اور ماں اپنی محبت کو اپنے بچے کے لیے مکمل سمجھتی ہے-"

"میں آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں- آپ براہ کرم یہ پیسے لے لیں-" اور خاتون نے کچھ نوٹ پکڑ کر ہاتھ آگے بڑھا دیا-

میں پھر یہی کہوں گا کہ میرے ذہن میں کوئی ایسی بات پیدا نہیں ہوئی جسے ناپسندیدہ کہا جا سکتا- یا پھر کوئی ایسی گھناؤنی یا گندی سوچ میرے ذہن میں بیدار نہیں ہوئی تھی کہ اس خاتون کے بارے میں کوئی بری بات سوچتا خاتون کا ہاتھ آگے بڑھا ہوا تھا اور ان میں کچھ نوٹ دبے ہوئے تھے میں نے وہ نوٹ اٹھا لیے-

اور میں واپس چلا گیا شیری کے لیے میں بہت پریشان تھا- میرا دل چاہ رہا تھا کہ بار بار اس کی خیریت معلوم کروں لیکن بہرصورت یہ بات مناسب نہیں تھی-

فرید صاحب ہوتے تو اس میں کوئی ہرج بھی نہیں تھا- بہرصورت دوسری صبح مجھے اطلاع ملی کہ شیری خیریت سے ہے-

دفتر جانے سے پہلے میں نے شیری کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور تسلی بخش جواب پا کر مطمئن ہو گیا-

عجیب سی بات تھی شیری کی بیماری کی وجہ سے دفتر میں بھی دل نہیں لگا تھا- شام کو سیدھا گھر پہنچا اور سب سے پہلے دروازے پر دستک دے کر میں نے شیری کی خیریت معلوم کی اور جواب میں فرید صاحب نکل آئے-

"ٹھیک ہے شیری- آپ کا بہت بہت شکریہ ناصر صاحب آپ نے بڑی مدد کی میں تو اچانک ہی چلا گیا تھا- ورنہ آپ کو اطلاع دے کر جاتا-" فرید صاحب نے شکرگزاری سے کہا-

"ارے کوئی بات نہیں فرید صاحب یہ تو میرا فرض تھا اور پھر شیری...... شیری کے لیے آپ یقین کریں میں بہت پریشان رہا ہوں-"

"بہرصورت اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ اسے بہت چاہتے ہیں لیکن اب وہ ٹھیک ہے-"

غالباً اسی تعاون کا نتیجہ تھا کہ اب اکثر کبھی کبھی کوئی چیز جو گھر میں پکی ہوتی تھی میرے لیے آ جاتی تھی اور شاید اس کا علم فرید صاحب کو بھی نہیں ہوتا تھا- اس کے علاوہ ان خاتون کی جانب سے میری کوئی پذیرائی نہیں ہوئی تھی-

اتنے عرصے ساتھ رہنے کے باوجود میں نے ان کا چہرہ کبھی نہیں دیکھا تھا اکثر وہ فرید صاحب کے ساتھ جاتی تھیں لیکن برقع اوڑھ کر اور برقعے کا صحیح استعمال کرنے کے بعد' یعنی ان کا چہرہ ڈھکا ہوتا تھا-

چھٹی کا دن تھا- فرید صاحب حسب معمول میرے پاس آ گئے اور ہم دونوں چائے پی رہے تھے-

تب اچانک فرید صاحب نے کچھ برتن دیکھے اور بولے-

"ارے یہ تو ہمارے گھر کے برتن ہیں-"

"اوہ ہاں- بھابی کو دینا بھول گیا تھا- براہ کرم آپ لیتے جایئے گا-" میں نے کہا-

"اچھا...... اچھا کوئی چیز آئی تھی کیا؟"

"جی ہاں-" میرے ذہن میں بھی کوئی کسی قسم کی بات نہیں تھی- اس لیے صاف دلی سے میں ان کی باتوں کا جواب دیتا رہا-

"کیا آیا تھا؟" انہوں نے پھر پوچھا-

"غالباً بھابی نے کوئی سالن بھیجا تھا-"

"اچھا...... اچھا-" فرید صاحب نے جواب دیا- لیکن

اب ان کے جان دار ہونٹوں پر بے جان سی مسکراہٹ تھی- جسے میں نے بخوبی محسوس کیا تھا-

بہرصورت میں نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی تھی- لیکن دو تین دن تک کوئی چیز نہیں آئی اور یہ خلاف معمول سا تھا-

اور پھر چھٹی کا دن آیا تو فرید صاحب صبح سے غائب رہے- وہ میرے پاس نہیں آئے تھے- حالانکہ کئی بار میں نے ان کی آواز بھی سنی تھی-

پھر جب میں انتظار کرتے کرتے تھک گیا تو میں نے خود ہی انہیں آواز دے لی-

"فریدالدین صاحب!" اور وہ باہر نکل آئے' مصنوعی انداز میں مسکراتے ہوئے شیری ان کی گود میں نہیں تھا- اور وہ میرے کمرے میں آ گئے- اور میں نے متحیرانہ انداز میں انہیں دیکھتے ہوئے کہا-

"کیا بات ہے فرید صاحب' آج کچھ زیادہ معروفیت تھی کیا؟"

"ہاں کچھ ایسے ہی معاملات ہیں- بہرحال کوئی خاص بات نہیں ہے آپ کہیں گئے نہیں-"

"بس سوچ ہی رہا تھا- اجانے کے لیے آپ جب نہیں آئے تو مجھے تعجب ہوا آپ کی طبیعت وغیرہ ٹھیک ہے-"

"ہاں ٹھیک ہے-" فرید صاحب سنجیدہ لہجے میں بولے-

میں نے اس وقت بھی ان کے بدلے ہوئے انداز پر غور نہیں کیا تھا- لیکن ان کے جانے کے بعد مجھے ہلکا سا احساس ہوا کہ شاید فرید صاحب کسی بات پر پریشان ہیں-

بہرصورت پڑوسی تھے اور پڑوسیوں کے معاملات میں اتنا گھسنا بھی مناسب نہیں ہے چنانچہ میں نے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کی اور وقت گزر گیا-

دوسرے دن میں حسب معمول بینک چلا گیا- شام کو واپس آیا تو شیری بھی میرے دروازے تک نہیں آیا-

بہت دیر ہوگئی تو میں نے خود ہی دروازے پر دستک دی اور چند ساعت کے بعد اندر سے آواز سنائی دی-

"فرمایئے؟"

"بھابی میں ناصر جمال ہوں-"

"جی کیا بات ہے؟"

"شیری کہاں ہے؟"

"گھر میں ہے-" جواب ملا-

"میرے پاس نہیں آیا؟" میں نے پوچھا-

"ناصر جمال صاحب ایک شرم ناک بات عرض کرنا چاہتی ہوں-" اندر سے آواز آئی اور میں چونک پڑا-

"جی-" میں حیران سا تھا-

"ہاں ناصر صاحب! فرید صاحب کو شیری کا آپ کے پاس جانا پسند نہیں ہے اور وہ اس بات کو بہتر نہیں سمجھتے-"

"ارے لیکن کیوں بھابی؟" میں نے تعجب سے پوچھا-

"بس کیا بتاؤں ناصر جمال صاحب' بہرحال وہ دکان دار قسم کے آدمی ہیں- چھوٹا سا ذہن چھوٹی سی سوچ رکھتے ہیں- آپ براہ کرم محسوس نہ کریں- ہمیں ہر قسم کے لوگوں سے رابطہ رکھنا ہوتا ہے- فرید صاحب اسی ذہنیت کے انسان ہیں جو ہمارے درمیان پسندیدہ نہیں ہوتی-"

"اوہ-" میں نے سیٹی بجانے کے سے انداز میں ہونٹ سکوڑے- خاتون نے دوبارہ کہا-

"ناصر صاحب حالانکہ کوئی ایسی بات نہیں ہے بس میں نے کہا نا کہ زندگی کا انحصار سوچ پر ہے- ان کی سوچ کی حد یہی ہے کہ وہ مرد اور عورت کے رشتوں میں سے صرف ایک رشتے پر یقین رکھتے ہیں جو صرف آدم اور حوا کا رشتہ ہے اس روز انہوں نے آپ کے ہاں برتن دیکھ لیے تھے اس سے انہوں نے کچھ محسوس کیا- اسی دن سے وہ ناراض ناراض سے ہیں' چند سست اور سخت باتیں بھی کہہ چکے ہیں- اس لیے میں آپ سے ازحد شرمندہ ہوں اور یہی وجہ ہے کہ میں آپ کے خلوص کا کوئی جواب نہ دے سکی-"

"ارے تعجب ہے- فرید صاحب تو ایسے انسان نہیں تھے اور بھابی آپ بھی مجھے اچھی طرح جانتی ہیں-"

"جی ہاں- میں جانتی ہوں- لیکن افسوس! وہ تعلیم کے

ہوے نا آشنا ہیں وہ خلوص کی باتوں کو نہیں سمجھتے - ان کے نزدیک زبان کا عمل بے عمل ہے آپ مجھے معاف کریں میں اپنے شوہر کے بارے میں آپ کو سب کچھ بتا رہی ہوں- لیکن اس میں کوئی غلط بات نہیں ہے- میں اس تصور سے آپ کو بتا رہی ہوں کہ آپ ایک تعلیم یافتہ انسان ہونے کی حیثیت سے میری مجبوریوں کو سمجھتے ہوئے مجھے بداخلاق قرار نہ دیں گے-"

"جی-" میں نے آہستہ سے کہا اور واپس لوٹ آیا-

فریدالدین صاحب اس کے بعد چھٹی کے دن بھی نہیں آئے تھے اور اس کے بعد میں نے بھی انہیں کبھی نہیں بلایا- البتہ میں نے ایک بات اپنے اندر ضرور محسوس کی تھی-

میں نے سوچا تھا کہ اس خاتون کو میری وجہ سے بہت پریشانی ہو رہی ہے جب تک میں وہاں رہوں گا - فرید صاحب مجھ پر شبہ کرتے رہیں گے- چنانچہ بہتر یہی ہوگا کہ کوئی دوسرا مکان تلاش کر کے ان خاتون کو اس زحمت سے نجات دلائی جائے اس سلجھی ہوئی عورت کے لیے مصیبت بننا میرے بس کی بات نہیں تھی- چنانچہ بہتر یہی ہے کہ میں یہاں سے چلا جاؤں-

نیاز صاحب سے اس سلسلے میں کچھ نہ کہا اور اپنے طور پر کوئی مناسب مکان تلاش کرنے لگا- لیکن مکان کی تلاش بھی ایک شدید مسئلہ تھی-

البتہ اب میرے پاس کچھ پیسے جمع ہو گئے تھے- جن سے میں مکان کا ایڈوانس دے سکتا تھا- میں چاہتا تھا کہ کسی علاقے میں میں رہوں جہاں بھی جاؤں لیکن جلد از جلد اس علاقے کو چھوڑ دوں- چنانچہ کافی عرصے بعد ایک دلال نے جس سے میں نے رابطہ قائم کیا ہوا تھا پاپوش کے ایک علاقے میں قبرستان کے پیچھے مجھے ایک مکان دلایا اس نے کہا ایک مکان خالی ہے چھوٹا سا ہے- لیکن کرایہ زیادہ ہے-

میرے اپنے مسائل بہت زیادہ نہیں ہیں- بس گھر سے دفتر تک کا کرایہ' ہفتے میں ایک یا زیادہ سے زیادہ دو بار سینما' کچھ سگریٹیں' کچھ پان اور کچھ کھانے کا چکر اور بس-

تنخواہ مناسب تھی- جس میں باآسانی ایک تنہا شخص کی گزربسر ہو سکتی تھی- ہاں میں اپنی تنہائی کو دور کرنے کے لیے ان پیسوں میں کم از کم اس سہارے کے بارے میں نہیں سوچتا تھا جو دائمی ہوتا ہے بہرصورت اسٹیٹ ایجنٹ کے ساتھ مکان دیکھنے گیا-

دو کمروں اور ایک صحن کا صاف ستھرا مکان تھا مجھے پسند آیا اور میں نے فوراً اس کا ایڈوانس ادا کر دیا جو تقریباً چھ ماہ کا تھا-

میں نہایت خاموشی سے اس مکان میں منتقل ہو گیا- مکان میں منتقل ہونے کے بعد میں نے نیاز احمد کو اس بارے میں بتایا تھا اور نیاز صاحب بے چارے حیران رہ گئے-

"ارے اچھا- لیکن...... لیکن یہ کمرہ تم نے کیوں چھوڑا- میرا خیال تھا تمہیں وہاں زیادہ آسانیاں تھیں- دفتر بھی قریب تھا اور بینک بھی..... موجودہ علاقے میں آنے جانے کے لیے تمہیں خاصی دقتیں ہوا کریں گی-"

"نہیں' نیاز صاحب ایسی کوئی بات نہیں ہے بس کچھ صورت حال ایسی ہی تھی- میں آپ کو بتا نہیں سکتا-"

"اچھا بہرصورت اگر تم وہاں خوش ہو تو کوئی حرج نہیں ہے- بس ذرا صبح کو جلدی اٹھنا پڑا کرے گا تاکہ بینک وقت پر پہنچ سکوں-"

"جی ہاں میرے لیے کوئی مشکل کام نہیں ہوتا- میں پہنچ ہی جایا کروں گا-" میں نے جواب دیا-

جس علاقے میں یہ مکان واقع تھا- وہ زیادہ صاف ستھرا نہیں تھا- ہاں کچھ فاصلے پر اچھے مکانات موجود تھے- کچھ تعمیر ہو رہے تھے-

جس جگہ میں رہتا تھا وہ جگہ بہت گندی تھی- میرے مکان کا دروازہ ایک پتلی سی گلی میں کھلتا تھا- سامنے ہی

پٹھانوں کے کچھ ہوٹل تھے۔

گلی سے کافی دور پیدل چلنا پڑتا تھا۔ تب گھوم کر بس اسٹاپ تک پہنچتا ہوا کرتا تھا۔ البتہ اگر قبرستان میں سے تھوڑا سا فاصلہ طے کرلیا جاتا تو پھر میں ایک صاف ستھرے علاقے کے گیٹ پر نکل آتا تھا۔ لیکن بہرصورت بس کا مسئلہ پھر بھی ٹیڑھا ہی رہتا تھا۔ چنانچہ صبح کو تو میں وہ گلی اسی انداز میں طے کرتا تھا۔ البتہ شام کو رکشہ یا ٹیکسی سے آتا اور قبرستان کے اس حصے پر اترتا جس سے گزر کر میں باآسانی اپنے گھر پہنچ جاتا تھا۔

کافی عرصہ اسی طرح گزر گیا۔ پھر میری ملاقات تنویر صاحب سے ہوئی۔ تنویر صاحب بھی کسی دوسری برانچ سے اس برانچ میں ٹرانسفر ہوکر آئے تھے اور منیجر تھے۔

صاف ستھری طبیعت کے مالک تھے۔ صاف ستھرے انسان تھے۔ گلزار کالونی میں رہتے تھے۔ ان کا مکان بھی کرائے کا تھا۔ لیکن بہرصورت یہاں ان کے عزیز و اقارب بھی رہا کرتے تھے۔ جنہوں نے انہیں یہ مکان دلایا ہوا تھا۔ کافی پرانے کرائے دار تھے۔ اس لیے سکون سے وقت گزار رہے تھے۔

ان کا مکان اس قابل نہیں تھا کہ میں اس میں رہتا حالانکہ انہوں نے مجھے پیش کش کی تھی۔ بڑی ہی خوب صورت فیملی تھی ان کی۔

تنویر صاحب کی بیوی تین بچے اور ایک بہن۔ یہ افراد تھے تنویر صاحب کے گھر کے لیکن تھے سب کے سب انتہائی خوش اخلاق اپنوں کی طرح ملنے والے ان لوگوں کا مل جانا مجھے بے حد غنیمت محسوس ہوا۔

فرید الدین کی کمینہ فطرت سے میں اس قدر بد دل ہوگیا تھا کہ پھر میں پلٹ کر کبھی اس طرف نہیں گیا حالانکہ شیری مجھے بہت عرصے تک یاد آتا رہا تھا۔

لیکن اپنی محبت اور کسی معصوم بچے کی انسیت کی خاطر میں کسی گھریلو خاتون جو سلجھی ہوئی تھی کی زندگی برباد نہیں کرسکتا تھا۔ فرید الدین جیسے گندے لوگ گندگی کے لوتھڑے گندی ذہنیت رکھنے والے ہر بات کو گندگی کے انداز میں سوچتے ہیں ان کے نزدیک اچھائی کا عمل صرف خون کے رشتوں تک محدود ہوتا ہے۔ اس سے آگے کی دنیا وہ خود پر یا دوسروں پر بالکل ختم سمجھتے ہیں۔ وہ اس انداز میں سوچنے کے عادی نہیں تھے۔ جس میں۔ میں یا خاتون سوچ سکتی تھی۔

بہرصورت اب وہ میری زندگی سے نکل چکے تھے۔ لیکن تنویر صاحب کا قرب میرے لیے بہت بڑی حیثیت رکھتا تھا۔ تنویر صاحب کی بیگم مجھے اپنے بھائیوں کی طرح چاہتی تھیں اور اکثر میرے مسائل پر غور و فکر کرتی رہتی تھیں۔

ایک دو بار وہ لوگ میرے گھر پر بھی آئے۔ اور ان کی آمد سے مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ میں بیان نہیں کرسکتا۔ ان کے لیے بھاگ بھاگ کر میں نے کھانے پینے کا انتظام کیا تھا۔ سب کے سب بہت خوش تھے۔ اسی دن بیگم تنویر مجھ سے کہنے لگیں۔

"ناصر جمال! تم شادی کیوں نہیں کرلیتے؟"

"اوہ بھابی جان! آپ جانتی ہیں کہ انسان کے مسائل کتنے ہوا کرتے ہیں میں کہاں کسی کی زندگی کا بوجھ اپنے ان کمزور کاندھوں پر لاد سکتا ہوں۔"

"نہیں بھیا۔ یہ تمہاری بھول ہے عورت گھر کی زینت ہوتی ہے۔"

"بے شک لیکن بھابی گھر کی زینت کے لیے بھی بہت سارے لوازمات ہوا کرتے ہیں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن پھر بھی۔"

"بھابی آپ ہی بتائیں اتنی چھوٹی سی تنخواہ میں گنجائش کہاں ہے؟"

"دیکھو بھیا بہت سارے معاملات ایسے ہیں جیسے کھانا پینا اور اس قسم کے دوسرے مسائل جس میں تمہارے اچھے خاصے پیسے خرچ ہوجایا کرتے ہیں اور یہی پیسے اگر تم اپنے گھر میں خرچ کرو تو میں سمجھتی ہوں کہ تھوڑی سی تکلیف ضرور ہوگی۔ لیکن بہرحال گزارہ ضرور ہوجائے گا۔ فی الوقت تم رکشہ ٹیکسی میں سفر کرتے ہو اس کے بعد تمہیں بسوں میں سفر کرنا پڑے گا۔ لیکن یہ بھی تو سوچو کہ گھر میں آنے کے بعد تمہیں جو پرسکون زندگی اور جو رفیق ملے گا وہ کتنا قیمتی ہوگا؟ تم تنہائی کے اس جان لیوا ماحول سے نجات پالو گے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے بھابی لیکن......"

"لیکن ویکن کچھ نہیں تم مجھے اجازت دو کہ میں تمہارے لیے کوئی اچھی سی دلہن تلاش کروں۔"

"بھابی پلیز ابھی نہیں۔ ابھی تھوڑا سا اور سیٹ ہوجاؤں تو اس کے بعد آپ سے درخواست ضرور بالضرور کروں گا۔"

"کتنا وقت؟" بھابی نے احسان کرنے والے انداز میں کہا۔

"بس بھابی بہت تھوڑا آپ یقین کریں میں بہت جلد آپ کو بتادوں گا۔ ابھی تو میں نے اس بارے میں بالکل نہیں سوچا۔"

"ہاں ہاں ابھی تو تم بچے ہو بڑے ہوکر سوچنا کیا جلدی پڑی ہے۔" بھابی بولیں اور مجھے ہنسی آگئی۔

"ٹھیک ہے کچھ بھی کہہ لیں۔ یقین کریں آپ میرے لیے ماں، بہن نہ جانے کیا کیا ہیں۔"

"اچھا اچھا۔ اگر تم واقعی مجھے یہ سب کچھ سمجھتے ہو تو میں تمہیں حکم دیتی ہوں کہ بہت جلد مجھے اس بات سے آگاہ کردو کہ میں کب تمہاری شادی کردوں؟"

"جی بہتر۔" میں نے کہا۔

اور اس کے بعد میں اکثر شادی کے بارے میں سوچنے لگا تھا۔

تنویر صاحب بے چارے اس قدر عظیم انسان تھے کہ میں ان کی تعریفیں بیان نہیں کرسکتا تھا۔ میری شام کی تنہائیاں انہوں نے دور کردی تھیں اور بہ اصرار مجھے کہا گیا تھا کہ میں رات کا کھانا انہی کے ساتھ کھایا کروں۔

ابتداء میں میں نے کافی معذرت کی لیکن بعد میں تنویر صاحب نے کافی رقت آمیز انداز میں کہا کہ ان کا ایک چھوٹا بھائی تھا جو فورٹی سیون کے فسادات میں مارا گیا۔ اس کے بعد وہ تنہا ہیں اور بھائی سے محروم ہیں۔ میرے لیے وہ بھائی کے جذبات رکھتے تھے۔ چنانچہ ان کی درخواست کو ایک بھائی کے جذبات سمجھوں اور انکار نہ کروں چنانچہ میں آنکھیں بند کرکے ان کا حکم قبول کرلیا تھا۔

بے پناہ غیور اور خودار لوگ تھے کہ میری کوئی اعانت انہوں نے قبول نہیں کی تھی۔

بھابی کے لیے میں نے چند چیزیں خریدیں تو انہوں نے اس پر سخت اعتراض کیا۔ کہا کہ دیکھو یہ سب کچھ تم کررہے ہو یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ یا اس آنے والی کا حق ہے تم مجھے باقاعدگی سے کچھ دیا کردو تاکہ میں کچھ جمع کرکے تمہاری شادی کا بندوبست کردوں خواہ مخواہ میرے لیے ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہے۔ بس ہم جیسے ہیں بہتر ہیں۔

دو ایک بار میں نے برا بھی مانا تو میری چیزیں قبول کرلی گئیں لیکن اس کے جواب میں مجھے اتنا نوازا گیا کہ میں بوکھلا گیا۔

بہرصورت بڑے ہی نفیس لوگ تھے اور میرا معمول تھا کہ میں شام کو پانچ بجے دفتر سے فارغ ہوکر تھوڑی دیر ادھر ادھر گپ شپ لگاتا اور اس کے بعد ٹھیک ساڑھے چھ بجے تنویر صاحب کے گھر میں داخل ہوجاتا جہاں میرا انتظار کیا جارہا ہوتا ..... اور چائے میرے ساتھ پی جاتی۔ رات کا کھانا مجھے زبردستی ٹھنسایا جاتا اور اس کے بعد میری ضروریات کے بارے میں پوچھا جاتا۔ کافی دیر گفتگو کی جاتی اور گیارہ بجے مجھے حکم دیا جاتا کہ میں رفو چکر ہوجاؤں کیونکہ اس سے زیادہ رکنا نہ تو ان کے لیے مناسب تھا اور نہ ہی میرے لیے کیونکہ کنوینس کی کافی مشکلات تھیں۔

تنویر صاحب نے مجھے یہ بھی پیش کش کی تھی کہ اگر میں

چاہوں تو ان کے مکان کے چھوٹے کمرے میں رہائش اختیار کرلوں تو اس سلسلے میں وہ پرخلوص تھے اور کافی حد تک مانوس بھی اور جناب تنویر صاحب کی نیت پر شک کرنا میرے لیے کفر کے برابر تھا۔ پھر بھی کم از کم میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ میں اس خاندان پر اور زیادہ بوجھ بن جاؤں۔ کیونکہ یہ لوگ میرے یہاں رہنے کے بعد اور زیادہ بوجھ سے دب جائیں۔ جس کا بہر صورت مجھے اندازہ تھا۔ کیونکہ ناشتہ دوپہر کا کھانا' میرے کپڑے' رات کا کھانا اور اس قسم کی بے شمار دوسری چیزیں۔

ہر انسان اپنے مسائل رکھتا ہے ان سے نبٹتا بھی ہے۔ لیکن بعض لوگ صرف خلوص میں لٹتے ہیں۔ حالانکہ ضروریات ان کی بھی کافی ہوتی ہیں لیکن وہ اپنی ضروریات کو دوسروں کی خاطر پس پشت ڈالتے ہیں۔

اس طرح میں اگر ان کے گھر رہائش اختیار کرلیتا تو میری ضروریات کی تمام چیزیں ان کے سر پر آ پڑتیں۔ کیونکہ وہ لوگ تھے ہی اس قسم کے' اس لیے میں نے اس مسئلے میں تھوڑی سی بداخلاقی کا ثبوت دیا اور ان کی بات بے پناہ اصرار کے باوجود قبول نہیں کی تھی۔

شروع میں وہ لوگ میری اس بات پر ناراض بھی ہوئے تھے۔ لیکن بعد میں خاموش ہوگئے بہرصورت دنیا ساز تھے۔ اسی دنیا میں رہتے تھے اور دنیا کے بارے میں جانتے بھی تھے اور یہ بھی تھا کہ میں اجنبی ہوں۔

حالانکہ خود ان کے جذبات میرے لیے ایسے نہ تھے کہ وہ مجھے اجنبی سمجھتے ہوں لیکن بہرحال دنیا کا بھی خیال رکھنا پڑتا ہے۔ بہرصورت اس شکل میں اور میں زیادہ جب کہ بھابی کی جوان بہن بھی اس گھر میں موجود تھی۔

اکثر کبھی کبھی میرے ذہن میں یہ خیال بھی آیا تھا کہ بھابی کہیں اس لڑکی کی خاطر ہی تو مجھ پر اتنی عنایتیں نہیں کر رہیں...... لیکن بعد میں...... میں اپنے اس خیال پر خود ہی شرمندہ ہو جاتا تھا۔ یہ تجسس اس دن ختم ہوا۔ جس دن بھابی نے ایک نوجوان سے میرا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

"ناصر جمال۔"

"جی بھابی۔" میں نے ادب سے کہا۔

"ان سے ملو یہ عظیم صاحب ہیں۔"

"اوہو بھابی! کوئی عزیز ہیں اپنے۔" میں نے عظیم سے ہاتھ ملاتے ہوئے بھابی سے پوچھا۔

"ہاں بھئی عزیز ہیں۔ عزیز ہی ہیں اور' اور بھی زیادہ عزیز ہونے والے ہیں۔" بھابی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"نہیں سمجھا بھابی۔"

"اوہو بھئی سلطانہ کے منگیتر ہیں۔ ان کی منگنی چار سال پہلے ہوئی تھی۔ باہر گئے ہوئے تھے اب واپس آئے ہیں اور یہیں کاروبار کا ارادہ رکھتے ہیں۔"

"اوہو۔ اچھا...... بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر عظیم صاحب!" میں نے بہت ہی گرم جوشی سے عظیم سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

اور اس رات جب میں گھر واپس آیا تو میرے ذہن میں بہت ساری شرمندگی اور پشیمانی تھی۔ ہم لوگ کتنے برے ہوتے ہیں کتنے اچھے لوگوں کے بارے میں ہماری رائے کتنی بری ہوتی ہے حالانکہ دنیا میں بسنے والا کوئی بھی انسان برا نہیں ہوتا۔ صرف ہم برے ہوتے ہیں جو دوسروں کے بارے میں اپنے دل میں برے جذبات رکھتے ہیں۔ ان کے معصوم جذبات سے بے خبر۔ میں نے ان نفیس لوگوں کے بارے میں اس برے انداز سے سوچا ہی کیوں تھا کہ وہ سلطانہ کی شادی میرے ساتھ کرنا چاہتے ہیں اور حد تو یہ ہے کہ وہ خاموش سی جھکی جھکی نگاہوں والی لڑکی میرے دل میں ایک بہن کی سی محبت تھی۔ میں نے اس کے بارے میں ہمیشہ بھابی کی بہن سمجھ کر سوچا تھا۔ گویا بھابی کی بہن اپنی بہن کے مترادف۔ چنانچہ مجھے اس خیال سے کافی شرمندگی ہوئی۔

اور جب میں لیٹا تو بہت دیر تک اس بات سے شرم سار ہوتا رہا کہ میں نے اتنے نیک لوگوں کے بارے میں ایسا سوچا ہی کیوں۔

اور اب ایک نمایاں تغیر جو مجھ میں ہوا وہ یہ تھا کہ اب وہ لوگ میرے سامنے کچھ اور فرشتہ صفت بن کر آگئے تھے اور زمین پر فرشتوں کے وجود سے کوئی بھی شخص انکار نہیں کرسکتا۔

اور معمول کے مطابق تنویر صاحب کے خاندان سے میرے تعلقات جاری رہے۔ تمام مشاغل حسب معمول تھے۔ پھر سردیاں آگئیں۔

سردیوں میں رات کے گیارہ بجے یوں لگتا ہے۔ جیسے آدھی رات گزر چکی ہو اور ان دنوں سردی تو کچھ زیادہ ہی پڑ رہی تھی۔ میں ٹھیک گیارہ بجے اٹھ جاتا تھا حالانکہ تنویر صاحب کو سخت اعتراض تھا۔ اس بات پر کہ میں اس وقت گھر جاتا ہوں کہیں سردی وغیرہ نہ لگ جائے۔ باہر سواری کی دشواریاں بھی تھیں لیکن خود تنویر صاحب بھی بے چارے بینک کے منیجر ضرور تھے لیکن بہرحال ان کے مسائل مجھ سے کچھ زیادہ ہی تھے کیونکہ ان کے ساتھ کچھ دوسرے افراد بھی منسلک تھے ان کے پاس بھی اپنا کوئی کنوینس نہیں تھا جو مجھے وہ گھر تک چھوڑ جاتے۔

بہرصورت وہ لوگ بہت اچھے تھے۔ رات کے گیارہ بجے وہ لوگ مجھے دروازے پر خدا حافظ کہنے کے لیے آتے اور میں سڑک پر آ جاتا۔

ٹیکسی تلاش کرتا اور بیٹھ کر گھر کی طرف چل پڑتا۔ یہ میرا روز کا معمول بن چکا تھا۔

اس دن سردی شباب پر تھی۔ میں نے کوٹ کے کالر کھڑے کیے اونی ٹوپی سر پر پہنی اور دونوں ہاتھ جیب میں ڈالے ٹیکسی کی تلاش میں نگاہیں دوڑا رہا تھا۔ دور سے مجھے روشنیاں نظر آئیں اور میں آنکھیں پھاڑنے لگا کہ شاید ٹیکسی ہی ہو اور بہرحال مجھے میٹر بھی نظر آ ہی گیا اور میں نے اسے روکنے کے لیے ہاتھ اٹھا دیا۔

ٹیکسی میرے نزدیک آ کر رک گئی۔

میں نے ڈرائیور کو اپنی مطلوبہ جگہ کا نام بتایا اور اس نے گردن ہلا دی۔ میں پچھلا دروازہ کھول کر ٹیکسی میں دبک گیا اور ٹیکسی چل پڑی۔

راستے میں مکمل خاموشی رہی۔ ڈرائیور نے بھی کوئی بات نہ کی تھی۔ سردی اتنی تھی کہ منہ کھولنے کو بھی دل نہ چاہ رہا تھا۔

بہرصورت چند جگہوں پر میں نے ڈرائیور کو گائیڈ کیا اور پھر قبرستان کے ٹوٹے دروازے کے سامنے میں نے ٹیکسی رکوا دی۔

ڈرائیور نے مجھے چونک کر دیکھا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ کسی قدر ہوشیار ہوگیا ہے بہرصورت میٹر دیکھ کر میں نے بل ادا کیا اور قبرستان کے ٹوٹے دروازے کی جانب چل دیا جہاں سے گزر کر مجھے گھر تک پہنچنا ہوتا تھا۔

ٹیکسی تیز رفتاری سے آگے بڑھ گئی تھی۔ میں نے کوئی خاص بات محسوس نہیں کی۔ قبرستان کا جانا پہچانا راستہ حسب معمول تھا۔ میں اس راستے سے گزر کر اپنے گھر پہنچ گیا۔ آرام سے لباس وغیرہ تبدیل کیا اور سو گیا۔

دوسرے دن بھی کوئی خاص بات نہیں ہوئی تھی حسب معمول مصروفیات جاری رہیں شام کو تنویر صاحب کے گھر کا کھانا کھایا اور واپس چل دیا۔

قطعی اتفاق تھا کہ زیادہ دیر کھڑے نہیں گزری تھی کہ مجھے ٹیکسی آتی دکھائی دی اور میں نے اسے اشارہ کیا۔

ٹیکسی رکتے ہی میں اس میں بیٹھ گیا اور اپنے علاقے کا نام ڈرائیور کو بتایا تو ڈرائیور نے چونک کر مجھے دیکھا۔ میں نے اسے پہچان لیا' وہی ٹیکسی تھی جو پچھلے روز مجھے ملی تھی۔ بہرصورت یہ کوئی عجیب بات نہیں تھی کیونکہ ایسے اتفاقات عام طور سے ہوجایا کرتے ہیں۔ یوں میں اجنبیوں سے زیادہ بے تکلفی کا عادی نہیں ہوں چنانچہ میں نے اس موضوع پر ٹیکسی ڈرائیور سے کوئی گفتگو نہیں کی تھی۔ چنانچہ میں نے ٹیکسی کو حسب معمول قبرستان کے گیٹ پر رکوایا بل ادا کیا اور گھر کی طرف چل دیا۔

لیکن جناب بعض اوقات اتفاقات بھی خوب ہوتے

ہیں- تیسرا' چوتھا' پانچوں' چھٹا' ساتواں' آٹھواں' نواں...... یہاں تک کہ بارہ دن گزر گئے اور وہ ٹیکسی مجھے روزانہ ملتی رہی یہاں تک کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے کافی حد تک مانوس ہو چکے تھے لیکن نجانے کیوں ڈرائیور خاموش ہی رہتا تھا-

میں نے کافی دفعہ اس سے بات کرنے کی کوشش کی لیکن وہ عام طور سے خاموش ہی رہتا تھا-

اس دن سردی کچھ کم تھی- میں نے ٹیکسی میں بیٹھنے کے بعد ڈرائیور کو دیکھا اور مجھے ایڈریس بتانے کی ضرورت پیش نہیں آئی- ڈرائیور نے مجھے دیکھا اور ٹیکسی خاموشی سے راستے پر ڈال دی-

اس دن اس نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی- ڈرائیور میری منزل سے واقف تھا چنانچہ میں بھی حسب معمول خاموش رہا-

تھوڑی دیر کے بعد ٹیکسی قبرستان کے دروازے پر جا کر رک گئی اور ڈرائیور میری سمت دیکھنے لگا تب میں نیچے اترا اور جیب سے پیسے نکال کر ڈرائیور کو دینے لگا-

پرس دیکھ کر مجھے احساس ہوا کہ آج اتفاق سے پیسے کچھ کم ہیں چنانچہ میں نے عجیب سے انداز میں جس میں شرمندگی پائی جاتی تھی- ڈرائیور سے کہا-

"معاف کرنا بھائی' آج میرے پرس میں پیسے کچھ کم رہ گئے ہیں' کیا تم تھوڑی سی تکلیف کرو گے' اور ڈرائیور چونک کر مجھے دیکھنے لگا-

"آؤ میرے ساتھ ذرا تھوڑا سا فاصلہ طے کرو- میں تمہیں گھر چل کر پیسے دے دیتا ہوں- معاف کرنا بھائی-" میں نے آگے بڑھ کر اس کا دروازہ کھولا لیکن حیران کن سی بات تھی- ٹیکسی ڈرائیور نے تیزی سے دروازہ بند کیا اور پھر اتنی رفتار سے ٹیکسی آگے بڑھائی کہ میں حیران رہ گیا-

وہ بری طرح ٹیکسی اسٹارٹ کر کے بھاگا تھا- اتنی تیز رفتاری سے کہ اس نے مڑ کر بھی نہ دیکھا اور میں متحیر کھڑا رہ گیا تھا-

لیکن...... پھر تو مجھے جو ہنسی آئی...... تو بہ شدید ہنسی......

بلاشبہ ڈرائیور کا اس طرح سے بھاگنا جائز بھی تھا رات کے اس مخصوص وقت میں ایک شخص روزانہ اسے سڑک کے کنارے کھڑا ملتا- پھر وہ ٹیکسی روکتا- اور ایک ہی ایڈریس بتاتا اور قبرستان کے کنارے اتر جاتا- خاموش اور پراسرار سا شخص جس کے بارے میں ڈرائیور کو کچھ نہیں معلوم تھا...... اور وہ شخص اگر اسے قبرستان لے جانے کی کوشش کرے تو خود ڈرائیور کی کیا کیفیت ہو سکتی ہے- یہی جو بھی تھی اور کیا؟ یہ بات سامنے کی تھی یقیناً وہ مجھے کوئی بد روح سمجھتا ہوگا- میں نے سوچا اور مجھے عجیب سا احساس ہوا- میرے ذہن میں وہ واقعات آنے لگے جنہیں اخبار والے شہ سرخیوں سے شائع کرتے ہیں- "رات کے ڈھائی بجے وہ روز اتنے لوگوں کو ملتی ہے انہیں کسی ٹوٹے پھوٹے کھنڈر میں لے جاتی ہے اور اگلے دن وہ تمام لوگ جو اس کے ساتھ جاتے ہیں' ہسپتال میں پائے جاتے ہیں اور اس کے بعد وہ کوئی بیان دیے بغیر دم توڑ دیتے ہیں-

واہ صاحب واہ-

بے چارہ غریب ٹیکسی ڈرائیور- بہر صورت ممکن ہوا تو کل میں اس کی غلط فہمی دور کر دوں گا میں نے سوچا- شاید اس کا بھی اسی وقت گزرنے کا راستہ ہے جب وہ اچانک مجھے مل جاتا ہے اور یقیناً کل بھی وہ مجھے ضرور ملے گا یا شاید نہ بھی ملے- قبرستان میں داخل ہو کر میں اس کے بارے میں سوچتا ہوا آگے بڑھتا رہا اور مجھے اس کی کیفیت پر ہنسی آتی رہی-

"میں تو اس قبرستان سے گزرنے کا عادی ہو چکا تھا لیکن کسی اجنبی شخص کے لیے یہ ذرا عجیب سی ہی بات تھی- اب اس بے چارے کو کیا معلوم کہ قبرستان کی دوسری طرف کی دیوار سے کہیں اور جانے کا راستہ بھی نکلتا ہے-

چنانچہ اس کا خوف بجا تھا-

میں ہنستا ہوا آگے بڑھتا رہا مجھے بے اختیار ڈرائیور کی ذرا سی پر ہنسی آ رہی تھی لیکن ابھی میں زیادہ دور نہیں پہنچا تھا کہ اچانک قبرستان میں مجھے ایک ہلکی سی روشنی محسوس ہوئی اس سے قبل ایسا کبھی محسوس نہیں ہوا تھا لیکن یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں تھی قبرستان کے دوسری طرف بنے ہوئے مکانات کی کھڑکیاں اگر کبھی کھل جاتیں تو اس سے روشنی ہو سکتی تھی- بلکہ بعض اوقات اچھی خاصی روشنی پھیل جاتی تھی-

لیکن عموماً ان مکانوں میں رہنے والے قبرستان کی طرف کے دروازے نہیں کھولتے تھے شاید کسی وہم کی وجہ سے-

چنانچہ میں نے توجہ نہیں دی لیکن دوسری بار پھر مجھے روشنی کے کچھ جھماکے سے محسوس ہوئے اور اس بار میری نظر اپنے بائیں سمت کی جانب اٹھ گئی- یہ قبر ہی تھی اور ایک لمحے کے لیے میرا دل دھک سے ہو گیا-

میں سن ہو گیا تھا-

قبر سے چنگاریوں کی پھوار اٹھ رہی تھی- میں نے متحیر نگاہوں سے اس منظر کو دیکھا- میں نے محسوس کیا کہ جیسے کوئی پرندہ ان چنگاریوں کے درمیان میں سے پرواز کرتا ہوا اوپر چلا گیا ہو یہ حیرت انگیز واقعہ عین میری نگاہوں کے سامنے تھا اور اس سے قبل میں نے ایسا کوئی واقعہ نہیں دیکھا تھا میں ششدر رہ گیا تھا-

اگر میں پہلی بار اس قبرستان میں آیا ہوتا تو شاید خوف سے میری گھگھی بندھ گئی ہوتی لیکن میں چونکہ یہاں سے گزرنے کا عادی تھا یہ پگڈنڈی میرے پیروں تلے سیکڑوں بار آ چکی تھی اس لیے مجھے زیادہ خوف محسوس نہیں ہوا-

میں اس سمت دیکھنے لگا جہاں سے چنگاریاں بلند ہوئیں تھیں- چنگاریاں وقفے وقفے سے اوپر اٹھ رہی تھیں- دفعتہً میں ایک بار پھر سن سا رہ گیا-

چنگاریوں کے پس منظر میں مجھے ایک سایہ سا محسوس ہوا- ایک انسانی سایہ- اوہ' کیا آج میں کسی خاص واقعے سے روشناس ہونے والا ہوں- میں نے سوچا-

ان حالات کے بارے میں' میں نے کبھی غور نہیں کیا تھا- قبرستان سے گزرتے ہوئے بھی میں ان قبروں سے بے نیاز ہی رہتا تھا- حالانکہ انسان کی حیثیت سے مجھ پر بھی یہ ساری چیزیں اثر انداز ہونی چاہیے تھیں لیکن وہی بات جو کہ ایک گورکن کی فطرت ہوتی ہے وہ قبرستان میں نہایت سکون سے رہتا ہے- زندگی کے تمام مشاغل میں مصروف اور اس کے ذہن میں کبھی یہ بات نہیں آتی کہ وہ زندہ انسانوں سے دور مردہ انسانوں کے ساتھ زندگی بسر کر رہا ہے- اسی طرح میں بھی اس قبرستان سے گزرنے گزرتے مردوں کا اور مردوں کی قبروں کا اس طرح عادی ہو گیا تھا کہ کبھی میری توجہ اس طرف نہیں جاتی تھی لیکن آج......

آج ان دو پراسرار واقعات نے پوری طرح مجھے اس طرف متوجہ کر دیا تھا- میں نے اپنی اندرونی کیفیت کو ٹٹولا- کیا میں خوف زدہ ہوں-

میں نے سوچا- احساس ہوا کہ میں اتنا خوف زدہ نہیں ہوں- جتنا کہ ایک عام انسان کو ہونا چاہیے تھا- پھر یہ سایہ......

کوئی انہونی بات نہیں تھی- ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ میں خاموشی سے گزر کر اپنے گھر چلا جاتا اور آرام کی نیند سو جاتا لیکن نہ جانے کیوں میرے ذہن میں تجسس سا جاگ اٹھا- چند لمحات کے لیے میں نے یہی سوچا کہ زیادہ غذر بننے کی کوشش مت کروں لیکن طبیعت نہ مانی- ممکن ہے اگر میں خاموشی سے یہاں سے گزر جاؤں تو میرا تجسس مجھے سونے بھی نہ دے-

سایہ بہ دستور محسوس ہو رہا تھا خاموش خاموش سا کوئی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی- ممکن ہے کوئی ایسا شخص ہو جو کسی کی قبر پر فاتحہ وغیرہ پڑھنے کے لیے آیا ہو...... لیکن یہ چنگاریاں میرے لیے بہت تعجب خیز تھیں-

چند لمحات تک میں اپنے حواس مجتمع کرتا رہا- پھر میں

نے فیصلہ کیا کہ اس سائے کی طرف دیکھوں یہ ہے کیا- چنانچہ میں آہستہ آہستہ آگے بڑھ گیا- دل ہی دل میں ایک تھوڑا سا احساس بھی تھا کہ کہیں کوئی گڑبڑ معاملہ نہ ہو- کسی مصیبت میں نہ پھنس جاؤں لیکن بہرصورت اپنے تجسس کی تو تسکین کرنی ہی تھی- یوں بھی زندگی میں بے شمار ایسے واقعات آتے ہیں ایسی صورت میں کسی واقعے کے کسی فوری منظر سے ڈر جانا کیا معنی رکھتا ہے- حالانکہ یہ بامقصد بھی ہوتے ہیں لیکن بس! بعض اوقات ان سے خاص مقاصد بھی نکل آتے ہیں-

حالانکہ میرے ذہن میں کوئی ایسی بات نہیں تھی کہ قبر کے نزدیک موجود اس سائے کے بارے میں کوئی خاص تفتیش کروں لیکن بہرصورت ایک مسئلہ ایک تجسس اس کی طرف لے جا رہا تھا......

میں نے اس قبر سے تھوڑے فاصلے پر بیٹھتے ہوئے اس سائے کو دیکھا سائے کے بیٹھنے کا انداز کچھ عجیب سا تھا- تاروں کی چھاؤں بس اتنی تھی کہ تھوڑے فاصلے کے مناظر آ سکتے تھے- گو اس سمت کوئی خاص روشنی نہیں تھی- لیکن پھر بھی میں اس سائے کو باآسانی دیکھ سکتا تھا......اور ایک بار پھر مجھے مزید چونکنا پڑا میرے حواس ایک لمحے کے لیے پھرن ہو گئے تھے-

میں نے محسوس کیا کہ وہ کوئی نوجوان نوخیز سی لڑکی ہے کچھ قدم اور میں نے آگے بڑھائے تو وہ مجھے بالکل نمایاں نظر آنے لگی......

اس کے جسم پر ایک چست قمیص تھی اور شاید چست ہی پاجامہ پہنے ہوئے تھی بال بکھرے ہوئے تھے اور اس کی آنکھیں اس قبر کی جانب نگراں تھیں- جس سے چنگاریاں بلند ہوئی تھیں- میں حیران رہ گیا اور اپنی جگہ رک کر اس لڑکی کو دیکھنے لگا-

دفعتہً میرے کان کے نزدیک ایک چمگادڑ اڑی اور میں ٹھٹک گیا- لڑکی نے چہرہ میری طرف کر لیا اور اب میں اس کے خدوخال بھی دیکھ سکتا تھا-

نہایت پرکشش اور خوب صورت لڑکی تھی- بالکل حسین کلیوں کی مانند لیکن اس کے چہرے پر ایسی و[illegible] تھی کہ دل لرز جاتا تھا- خوب صورت آنکھیں روشن پیشانی کشادہ تھی- لیکن چہرے کی ویرانی...... اف ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کسی غم ناک واقعے سے دو[چار] ہوئی ہو...... جس انداز میں وہ بیٹھی تھی وہ بڑا اپھیکا پھیکا تھا- عجیب ٹوٹا ٹوٹا سا انداز جیسے کوئی انسان اپنا سب لٹانے کے بعد لٹے لٹے انداز میں بیٹھا ہو- اور کسی کھوئی ہوئی چیز کو دیکھ رہا ہو-

اس نے میری جانب دیکھا اور بے تابی کے انداز [میں] کئی ساعت وہ میری طرف دیکھتی رہی پھر ایک گہری سانس لے کر اٹھ کھڑی ہوئی-

میں خاموش اپنی جگہ کھڑا رہا- اس نے کسی حد تک خوف زدہ سے انداز میں مجھے دیکھا اب اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے تھے- اس کا بدن ہولے ہولے کانپ رہا تھا- میں نے اس کی یہ کیفیت دیکھ کر تھوڑی پیش قدمی کی اور اب میں اس کے مقابل کھڑا تھا وہ اپنی سیاہ آنکھوں سے مجھے دیکھ رہی تھی-

حسن مجسم تھی وہ اس کا ٹوٹا انداز اسے اور بھی خوب صورت بنا رہا تھا میں نے اس طرح خاموش کھڑے رہنا مناسب نہیں سمجھا اور آہستہ سے اس سے مخاطب ہوا-

"میں نہیں جانتا کہ آپ کون ہیں خاتون! لیکن ادھر سے گزرتے ہوئے میں نے آپ کو دیکھا اور میرا تجسس مجھے یہاں تک لے آیا...... کیا- کیا آپ کسی پریشانی میں مبتلا ہیں......؟"

"نہیں...... آپ کا شکریہ...... ایسی کوئی بات نہیں ہے-"

"خاتون آپ کو دیکھ کر مجھے بے انتہا حیرت ہوئی ہے میں نہیں جانتا کہ آپ کون ہیں اور رات کے بارہ بجے اس قبرستان میں تنہا کیوں بیٹھی ہوئی ہیں- لیکن آپ کی شکل و صورت دیکھ کر مجھے رنج ہی ہوا ہے اور ایک انسان کی

[حیثیت] سے میں آپ کے بارے میں جاننے کا خواہش [مند] ہوں- ہاں بعض اوقات حالات اس قسم کے ہوتے ہیں [کہ انس]ان کسی کو اپنا رازدار بنانا پسند نہیں کرتا- آپ کوئی [بات ک]ہیں اگر کسی سلسلے میں میری خدمات آپ کے کام [آئیں ت]و مجھے خوشی ہوگی-"

[وہ کچھ]ی چند ساعت خاموش رہی قبرستان کے اس وحشت [ناک م]احول میں کسی کو قریب پا کر حواس کو قابو میں رکھنا ذرا [مشک]ل ہی ہوتا ہے- خاص طور سے سردیوں کی اس سنسان [رات] میں اس کی موجودگی جس طرح میرے لیے حیرت [انگیز ت]ھی غالباً میری موجودگی اس کے لیے بھی اتنی ہی [حیرت] انگیز ہوگی بشرطیکہ اس کا تعلق اجنبی دنیا سے نہ [ہو- اج]نبی دنیا سے مراد مردوں کی دنیا ہے- میں بلاشبہ اپنے [آپ] کو ایک نڈر انسان کہہ سکتا ہوں اس تصور کے باوجود [کہ وہ] لڑکی جس بے تکلفی اور جس انداز سے یہاں بیٹھی تھی [وہ زن]دہ انسانوں میں نہیں ہو سکتی کیوں کہ بہرحال زندہ [انس]ان ہر ماحول سے تھوڑے سے محتاط ضرور ہوتے ہیں- [لیک]ن وہ قبرستان کے اس ماحول میں قطعی غیر محتاط تھی اور [اس] کے انداز سے قطعی یہ محسوس نہیں ہوتا تھا کہ وہ کسی سے [خوف] زدہ ہو یا کوئی ایسی بات ہو جس سے کہ اس کی زندگی [کے] آثار ملیں...... لیکن اس کے باوجود میں اس سے ہم [کلا]م تھا اور ذرا بھی خوف زدہ نہیں تھا-

"آپ کے لہجے میں جو ہمدردی ہے میں اس کی شکر گزار ہوں...... لیکن بس میں آ گئی تھی- قریب ہی رہتی ہوں اور اکثر آتی رہتی ہوں دراصل یہاں میرے کچھ [ع]زیزوں کی قبریں ہیں......" لڑکی نے متانت سے جواب دیا-

"اوہ...... بلاشبہ مرنے والے مر جاتے ہیں اور اپنے [پیچھ]ے ایسے حادثے اور سانحے چھوڑ جاتے ہیں کہ ان کی یاد [عرص]ے تک ذہنوں پر چھائی رہتی ہے- لیکن خاتون آپ [یقی]ن کریں کہ آپ کو دیکھ کر مجھے بہت دکھ ہوا ہے- آپ کے چہرے کی وحشت اور ویرانی میرے لیے صدمے کا باعث ہے میری دلی خواہش ہے کہ میں آپ سے کچھ دیر باتیں کروں کیا آپ میرے ساتھ کچھ دور تک چلنا پسند کریں گی؟"

"نہیں...... نہیں ہرگز نہیں...... میں جا رہی ہوں-" اس نے جواب دیا-

"آپ شاید مجھ سے خوف زدہ ہیں-"

"نہیں خوف کی کیا بات ہے- میں تو بالکل خوف زدہ نہیں ہوں-" اس نے جیسے خود کو تسلی دی-

"سردی بھی ہو رہی ہے اور خاتون آپ نے اپنے بدن پر کوئی ایسا لباس نہیں پہن رکھا جو آپ کو سردی سے محفوظ رکھ سکے-"

"ہاں...... میں ان ساری چیزوں سے بے نیاز ہوں-" اس نے جواب دیا اور ایک لمحے کے لیے میرے دل میں سرد لہریں دوڑ گئیں-

دنیاوی باتوں سے دور کا مقصد تو صرف یہ ہو سکتا ہے کہ وہ زندگی ہی سے دور ہے...... گویا کوئی روح......

میں نے اپنے آپ کو ٹٹولا کہ اندر سے میرا دل کیا کہتا ہے...... میں خوف زدہ ہوں کہ نہیں- کیا اس کی کہانی سنوں' میں نے سوچا ہاں' جواب ملا اور میں اس کی کہانی سننے کے لیے تیار ہو گیا- لیکن اس سلسلے میں میں اسے مجبور نہیں کر سکتا تھا- لیکن بہرصورت اس کا انداز بھی جارحانہ نہیں تھا- یعنی ایسا نہیں تھا کہ میں شدت سے خوف زدہ ہو کر وہاں سے بھاگ نکلنے کا سوچتا- چنانچہ میں نے پھر اسے مخاطب کیا-

"یہ تو درست ہے کہ آج زیادہ سردی نہیں ہے- لیکن اس کے باوجود...... دراصل میں یہاں سے تھوڑے فاصلے پر ایک مکان میں رہتا ہوں' قبرستان سے گزر کر میرے مکان کا فاصلہ ذرا قریب ہو جاتا ہے- اس لیے میں یہاں سے گزر رہا تھا- آپ کتنی دیر سے یہاں بیٹھی ہیں-"

"تقریباً ایک گھنٹے سے-"

''اوہ...... تو پھر آپ نے وہ روشنی ضرور دیکھی ہوگی جو قبر سے بلند ہوئی تھی......'' میں نے پوچھا۔

اس نے چونک کر میری طرف دیکھا اور پھر آہستہ سے بولی...... ''ہاں...... روشنی میں نے دیکھی تھی۔''

''تو کیا آپ روشنی سے خوف زدہ نہیں ہوئیں......''

''نہیں......'' اس نے ٹھنڈے لہجے میں کہا۔

''تب میں یہی کہوں گا خاتون کہ آپ غیر معمولی طور پر مضبوط اعصاب کی مالک ہیں۔'' میں نے تعریفی انداز میں کہا۔

''جی...... شاید......'' اس نے جواب دیا...... اور پھر آگے بڑھنے لگی......

''خاتون کیا آپ مجھ سے کچھ دیر گفتگو کرنا پسند کریں گی۔''

''نہیں...... دیکھئے وقت بہت ہو رہا ہے براہ کرم مجھے اجازت دیں۔'' اس نے رکے بغیر کہا اور ایک طرف بڑھ گئی۔

میں پتھر سا ایک طرف کھڑا رہ گیا۔ وہ سیدھی قبرستان کے دروازے کی جانب جا رہی تھی۔ ایک لمحہ کے لیے میرا دل چاہا کہ اس روح کا تعاقب کروں لیکن بہر صورت اب اتنا دلیر بھی نہیں تھا کہ ایک روح کا تعاقب کرتا چنانچہ میں تیزی سے آگے بڑھ گیا اور پھر اپنے گھر پہنچ گیا...... لیکن جناب اس رات کوشش کے باوجود مجھے نیند نہیں آ سکی تھی۔

بار بار میرا ذہن اس لڑکی طرف مائل ہو جاتا تھا۔ ایک عجیب سا احساس تھا۔ کیا اندوہ ناک چہرہ تھا۔ اس کا شدید غم سے بے جان ٹوٹا پھوٹا سا انداز' میں لرز کر رہ گیا تھا۔ جس کھوئے کھوئے سے انداز میں وہ قبرستان میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس سے ایک عجیب سے دکھ کا احساس ہوتا تھا نہ جانے بے چاری کون تھی اور کس دکھ میں گرفتار تھی۔

دوسرے دن میں نے تنویر صاحب سے بھی اس واقعے کا تذکرہ کیا اور تنویر صاحب گردن ہلانے لگے۔

''بھئی قبرستان سے کیوں جاتے ہو ذرا لمبا فاصلہ کر لیا کرو۔'' انہوں نے کہا۔

''نہیں ایسی بات نہیں ہے تنویر بھائی......''

''تو تم بہر حال میری بات مان ہی لو دوسرے سے جایا کرو۔ آخر لمبا فاصلہ طے کرنے میں کیا حرج بلاوجہ مجھے تشویش میں مبتلا کر دیا۔''

اس کے بعد تنویر بھائی خاموش ہو گئے بات آ[illegible] ہو گئی۔ ہاں رات کو انہوں نے پھر اس بات کا تذ[illegible] اور گھر والے بھی کسی حد تک خوف زدہ ہو گئے۔ بھا[illegible] نے بھی مجھے حکم دیا کہ میں قبرستان کے اس حصے [illegible] گزروں۔

میں نے صرف ان محبت بھرے لوگوں کو مطمئن کر[illegible] کے لیے وعدہ کر لیا تھا۔ لیکن بہر صورت میرے ا[illegible] ذہن میں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ جسے میں خوف کا[illegible] دے سکوں۔ البتہ اس رات جب میں باہر نکلا تو مجھے ٹیکسی بھی نہیں ملی تھی۔ ڈرائیور نے شاید اپنا راستہ ہی[illegible] لیا تھا۔ چنانچہ تھوڑی دیر تک انتظار کرنا پڑا تقریباً آ[illegible] گھنٹے کے انتظار کے بعد ایک آٹو رکشہ ملا اور میں اسے [illegible] طرف لے آیا۔

بہر صورت تنویر صاحب سے تذکرہ کرنے کی ضرور[illegible] ہی کیا تھا۔ میں نے گزرتے ہوئے پھر قبرستان کے ا[illegible] حصے کی طرف نگاہ ڈالی جہاں کل میں نے وہ منظر دیکھ[illegible] لیکن آج وہاں کوئی سایہ نہیں تھا...... نہ ہی قبر [illegible] چنگاریاں اٹھ رہی تھیں۔

میں گھر پہنچ گیا۔ گھر پہنچ کر کافی دیر تک مجھے وہ [illegible] کچھ یاد آتا رہا۔ ایک عجیب سا احساس ذہن میں تھا۔ لڑکی کافی خوب صورت ہے میں سوچ رہا تھا کہ کاش[illegible] وہ کوئی روح نہ ہوتی نہ جانے بے چاری کسی پریشانی م[illegible] مبتلا ہوگی۔

دوسرا' تیسرا اور چوتھا دن بھی گزر گیا۔ اب وہ میرے ذہن سے نکل گئی تھی۔ میرا معمول روز کی طرح تھا۔ لیکن

میں اسی جگہ پر آ کر رکتا اور وہاں سے گزرتا ہاں قبرستان سے گزرتے ہوئے میری نگاہ اس قبر کی طرف ضرور جاتی تھی۔

اس رات کافی دیر سے گھر پہنچا تھا۔ کافی دیر مجھے رکشہ یا ٹیکسی کا انتظار کرنا پڑا اس کے بعد میں جا کے مجھے ٹیکسی ڈرائیور سمیت ملی۔

میں اپنے مخصوص انداز میں اپنی جگہ پر اترا قبرستان میں داخل ہوا اور حسب معمول مجھے وہ قبر یاد آ گئی۔ تب اچانک میں اچھل پڑا آج پھر اس قبر سے چنگاریاں پھوٹ رہی تھیں اور پھر کوئی پرندہ چنگاریوں کے درمیاں سے پرواز کرتا ہوا اڑ گیا۔

ممکن ہے یہ چمگادڑ ہو۔ لیکن بہر صورت اندھیرے کی وجہ سے مجھے نظر نہیں آ سکا تھا۔ لیکن میں نے اس سائے کو بہ خوبی دیکھ لیا تھا۔ کیونکہ چاند نکلا ہوا تھا۔ چنانچہ وہ مجھے صاف نظر آ رہی تھی۔ میں بے اختیار اس کی جانب بڑھ گیا۔

اور اس سے تھوڑے فاصلے پر پہنچ کر رک گیا وہی ویران سا چہرہ' وہی لباس وہی بکھرے بال' عجیب سا غم میں ڈوبا ہوا ویران سراپا۔ ایک عجیب سی کیفیت تھی جس سے میں مسحور سا ہو کر رک گیا۔

کافی دیر تک میں اسی طرح کھڑا رہا۔ شاید آج اس نے میرے قدموں کی چاپ بھی نہیں سنی تھی۔ وہ خاموش بیٹھی اس قبر کی جانب تکتی رہی اور پھر جب اسے میری موجودگی کا احساس ہوا تو وہ دہشت زدہ ہو کر کھڑی ہو گئی اس نے خوف زدہ نگاہوں سے مجھے دیکھا اور نہ جانے کیوں مجھے دیکھ کر اس کے چہرے پر ایک عجیب سا تاثر پیدا ہو گیا۔

اس نے شناسائی کے سے انداز میں گردن ہلائی اور پھر اٹھ کر آگے بڑھنے لگی۔

''سنو۔'' میں نے اسے روکا اور وہ رک گئی۔

''کیا بات ہے؟''

''دیکھو میں اس دن سے تمہاری تلاش میں تھا۔ میں روزانہ اس طرف سے گزرتا ہوں میری نگاہیں یہاں سے گزرتے ہوئے ہمیشہ اس قبر کی جانب اٹھتی ہیں میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میں کوئی برا انسان نہیں ہوں اور نہ ہی میں تمہیں کوئی تکلیف پہنچانے کا ارادہ رکھتا ہوں اور تم بھی یہ سوچا اگر تم کوئی بھوت وغیرہ ہو تو بھی میں تم سے خوف زدہ نہیں ہوں بلکہ اگر تم کوئی زندہ ہستی ہو تو میں تمہارے لیے غم زدہ ہوں۔ خاتون' ہم سب بڑی کمزور حیثیت رکھتے ہیں اور اتنے کمزور ہونے کے باوجود بے پناہ مسائل ہمارے لیے بوجھ بنا دیے گئے ہیں حالانکہ ان مسائل کو بعض اوقات انسان اٹھانے کی بھی اہلیت نہیں رکھتا۔

درحقیقت ہر شخص ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہے لیکن بعض اوقات دل کا درد لے کر دینے سے ذہن کا بوجھ کم ہو جاتا ہے۔ تمہاری اس طرح قبر کے نزدیک موجودگی تمہارا غم ناک چہرہ' رات کا وقت یہ سب کچھ میرے لیے بہت حیرت انگیز اور پراسرار ہے۔ یہ یقینی امر ہے کہ تمہاری زندگی کے مسائل کو میں کم نہیں کر سکتا۔ لیکن خاتون ان مسائل کے بارے میں میں تم سے پوچھ کر میں تمہارے ساتھ اظہار ہمدردی تو کر سکتا ہوں۔ کم از کم میرے تعاون سے تمہارے ذہن پر لپٹی ہوئی وہ دھند تو ختم ہو سکتی تھی جس کے زیر اثر تم رات کے بارہ بجے اس وحشت ناک ماحول میں موجود ہوتی ہو۔

یوں سمجھو کہ میں اس دن سے آج تک اس کے بارے میں سوچتا رہا ہوں اور خاصا الجھا رہا ہوں۔ بعض اوقات انسان ایسی الجھنیں پال لیتا ہے جو اس کے لیے کوئی بڑی حیثیت نہیں رکھتیں۔ لیکن بہر صورت اس کی زندگی میں ان کا خاصا گہرا ردعمل ہوتا ہے میں روز اس قبرستان سے گزرتا ہوں اور اس راستے کو ترک نہیں کر سکتا اگر ترک کرتا ہوں تو تم اور یہ قبریں یاد آتی ہیں اور اس کے بعد بے شمار الجھنیں میرے ذہن میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ میں بہت اچھا انسان ہوں اور تمہارا

بہترین دوست ہمدرد اور معاون ثابت ہوں گا- لیکن میری ایک درخواست ضرور ہے کہ تم کچھ بھی ہو مجھے اپنے بارے میں بتاؤ میں روز روز کی الجھن اور تجسس سے نجات چاہتا ہوں-"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن دوسرے کے مسائل سے اس قدر دلچسپی رکھنا بھی اچھی بات نہیں ہے-" اس نے کسی قدر خشک لہجے میں کہا-

"آپ نے بالکل درست کہا- مجھے قاعدے سے خاموش ہوکر سنجیدہ ہوجانا چاہیے کیونکہ آپ نے مکمل طور پر مجھے اپنے مسائل سے نکال دیا ہے اور یہ درست بھی ہے اس طرح اگر انسان سب کو دوست بناتا پھرے سب پر بھروسا کرے تو اسے بہت زیادہ آسانیاں نہیں ملتیں بلکہ بعض اوقات مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے- بہرصورت میں نے آپ سے اپنی الجھن کا حل مانگا تھا- اگر آپ مجھے کسی قابل نہیں سمجھتیں تو ظاہر ہے میں کسی بھی طور آپ کو پریشان نہیں کرسکتا-" میں نے جواب دیا-

"براہ کرم جناب آپ ناراض نہ ہوں- ایسی کوئی بات نہیں ہے- البتہ آپ خود سوچیں کہ میں آپ کو اپنے بارے میں بتا کر کیا کروں گی- یہ میری اپنی الجھن ہے جس کا سو فی صدی میری ذات سے تعلق ہے- میں اس میں کسی دوسرے کو کیسے ملوث کروں، کروں بھی تو کس حیثیت سے؟

ہم لوگ تو ایک دوسرے کے نام سے بھی ناآشنا ہیں اتنے اجنبی ہیں کہ ایک دوسرے کے بارے میں کچھ نہیں جانتے- بلاوجہ آپ کو میری الجھن میں شامل ہوکر پریشانی و پشیمانی ہی ہوگی- کیونکہ میری الجھن کا حل کسی دوسرے کے پاس نہیں ہے میں جو کچھ ہوں اس قدر ہوں کہ اب کسی سے کچھ کہہ بھی نہیں سکتی- براہ کرم مجھے جانے دیں یا تو آپ اس طرف کا راستہ ترک کردیں یا اس بارے میں سوچنا چھوڑ دیں......"

"میں شرمندہ ہوں کہ آپ کو اپنے مسائل سے آگاہ نہیں کرسکتی-" اس نے کہا اور تیز تیز قدم بڑھاتی ہوئی قبرستان کے داخلی دروازے سے باہر نکل گئی-

میں حسب معمول خاموش کھڑا اسے جاتے دیکھ رہا تھا- اس نے ایک بار بھی پلٹ کر میری جانب نہیں دیکھا تھا-

نہ جانے وہ کہاں چلی جاتی تھی- بہرصورت اتنا اندازہ تو مجھے تھا کہ وہ جس طرف جاتی تھی- قبرستان کی اس سمت کسی سواری وغیرہ کا مل جانا ناممکن سی بات تھی- وہ کہیں باہر نہ جاتی ہوگی- یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی قبر بھی کہیں قریب ہی موجود ہو اور وہ خاموشی سے اس میں روپوش ہوجاتی ہے-

بہرحال میں دل میں ایک افسردگی اور تجسس لیے گھر واپس آگیا اور اس کے بعد میں نے سوچا-

ٹھیک ہی تو ہے خوامخواہ کسی کے مسئلے میں الجھ کر کیا کرنا بلاوجہ میں ایک ایسی پراسرار ہستی سے شناسائی پیدا کرنے کی کوشش کررہا ہوں، جو کسی بھی طور ممکن نہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ میرے لیے نقصان دہ ہی ثابت ہو خوامخواہ کسی روح کو زیادہ پریشان کرنا مناسب بھی نہیں ہوتا- لیکن جہاں تک مسئلہ راستے کا تھا- مجھے اس گندی گلی سے گزرتے ہوئے سخت وحشت ہوتی تھی- چنانچہ راستہ ترک کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی- میں نے سوچ لیا کہ آئندہ اگر وہ مجھے نظر آئی تو میں اس سے کترا کر گزرنے کی کوشش کروں گا- خوامخواہ کسی پر بار بننے سے فائدہ؟ کیوں الجھا جائے-

البتہ گھر میں بیٹھ کر میں نے ایک بات اور سوچی تھی- وہ یہ کہ پچھلی بار جب وہ مجھے ملی تھی تو وہ دن بھی آج ہی کا تھا اور آج بھی وہی دن ہے ممکن ہے وہ ہفتے میں صرف ایک بار نظر آتی ہو- لیکن بہرصورت یہ اسرار ایسا تھا- جسے جاننے کے لیے ذہن بے چین تھا- اب نہیں جان سکتا تھا- تو یہ بات دوسری تھی- یوں بھی بہت سارے مسائل ہماری زندگی میں ایسے آتے ہیں جن کی توجیہ ہمیں نہیں مل سکتی- ہم ان کے لیے پریشان ضرور رہتے ہیں- لیکن ہم

انہیں حل نہیں کرسکتے اور بعد میں آہستہ آہستہ بھول جاتے ہیں-

چنانچہ میں بھی بھولنے کی کوشش کرتا رہا- میں نے سوچا کہ اس مسئلے کو ہی اپنے ذہن سے نکال دوں گا کوئی معاملہ، مجھے اس سے کیا دلچسپی ہوسکتی ہے-

یوں مزید دن گزرتے رہے- غالباً اس واقعے کے پانچویں دن کی بات ہے کہ تنویر صاحب سے میری ملاقات ہوئی اور تنویر صاحب نے مجھے ایک بہت ہی افسوس ناک خبر سنائی-

"بھئی ناصر جمال، ایک بات سنو-"

"ہاں تنویر بھائی کہیے-" میں نے ادب سے کہا-

"نہایت ہی غم ناک خبر ہے-" تنویر صاحب نے کہا اور میں چونک پڑا تنویر صاحب جس طرح پژمردہ نظر آرہے تھے- اسے دیکھ کر مجھے شدید افسوس ہوا اور میں بولا-

"کیا بات ہے تنویر صاحب-"

"میرا تبادلہ شام نگر کردیا گیا ہے-"

"شام نگر؟" میں نے پریشان ہوکر پوچھا-

"ہاں اچانک ہی مجھے اطلاع ملی ہے-"

"لیکن اچانک کیوں؟"

"بس میں نہیں جانتا ناصر میاں اس اطلاع کے دو تین دن کے اندر اندر جاکر چارج سنبھالنا ہے- یہ آرڈر بھی بینک کی طرف سے دیا گیا ہے-"

"لیکن بالکل غیر متوقع طور پر؟"

"ہاں بھئی کیا کیا جاسکتا ہے- سارے بندوبست بھی کردیے گئے ہیں- یعنی شام نگر جانے اور وہاں میری رہائش کا انتظام بھی ہوگیا ہے- وہاں مکمل طور پر مجھے انچارج بنا کر بھیجا جارہا ہے-"

"اوہ تنویر صاحب! میرے لیے واقعی یہ بہت دردناک خبر ہے- اس شہر میں آپ لوگ اتنے اچھے غم گسار ہیں کہ میری زندگی واقعی معمول پر آگئی ہے- اب میں پھر بھٹک جاؤں گا-" میں نے پریشانی سے کہا-

"مجھے بھی افسوس ہے ناصر لیکن تم ہی بتاؤ میں کیا کروں کوئی ترکیب بھی نہیں ہوسکتی اپنے طور پر کوشش کررہا ہوں-"

"لیکن اس کی اطلاع آپ کو کب ملی-"

"کل شام کو لیکن میں نے اس لیے تذکرہ نہیں کیا تھا کہ

کمبی نیشن اسکن

کمبی نیشن (Combination) جلد کی مالک خواتین یعنی ایسی خواتین جن کی جلد کہیں سے خشک اور کہیں سے چکنی ہوتی ہے انہیں اکثر موئسچرائزر کے استعمال میں یہ مشکل درپیش آتی ہے کہ جب یہ خواتین اپنی جلد پر موئسچرائزر کا استعمال کرتی ہیں تو کچھ دیر بعد ان کا چہرہ بہت زیادہ چمکنے لگتا ہے اور انہیں پسینہ بھی آنے لگتا ہے۔ ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ جلد کے خشک حصے تو موئسچرائزر اچھی طرح جذب کرلیتے ہیں لیکن جلد کے چکنے حصے موئسچرائزر میں موجود روغن کو جذب کرنے سے قاصر رہتے ہیں جس کی وجہ سے جلد جگہ جگہ سے چمکنے لگتی ہے۔ ایسی جلد کی حامل خواتین کو چاہیے کہ برج آدھے چمچے شہد سے باقاعدگی سے 10 منٹ تک مساج کریں اور اس کے بعد ٹھنڈے پانی سے دھولیں۔ یا شہد کے علاوہ زیتون کا استعمال بھی کیا جاسکتا ہے۔ زیتون کے تیل سے مساج کرنے کے بعد اس کو روئی سے صاف کرلیں۔ اس کے بعد موائسچرائزر کا استعمال یقیناً پریشان کن نہیں رہے گا اور آپ اپنی کمبی نیشن (Combination) جلد کی بہتر طریقے سے نگہداشت کرسکیں گی۔ Sebaceous غدود جلد کے روغنی حصوں پر حد درجہ متحرک رہتے ہیں اور یہاں سے متواتر چکنی رطوبتوں کا اخراج جاری رہتا ہے جبکہ T زون سے باہر کی جلد یعنی رخسار، کنپٹیاں اور جبڑے کے اطراف کی جلد انتہائی خشکی کا شکار رہتی ہے کیونکہ یہاں پر چکنی رطوبتوں کا اخراج T زون کی نسبت بالکل نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے۔ ایسی خواتین کے چہرے کا T زون بہت زیادہ متحرک ہوتا ہے۔ T زون کو اس طرح سمجھیں کہ پوری پیشانی، ناک کے اردگرد کا قریبی حصہ ہونٹوں کا اوپری و نچلا حصہ اور تھوڑی متحرک T زون کے زمرے میں آتی ہے۔

میں کوشش کر لینا چاہتا تھا کہ کسی بھی طرح سے تبادلہ رک جائے- لیکن آج چیئرمین کے آفس میں مجھے طلب کر لیا گیا اور یہ آخری ہدایت جاری کر دی گئی کہ میں زیادہ سے زیادہ کل تک روانہ ہو جاؤں چونکہ تین دن کے اندر مجھے چارج لینا ہے-"

میں سخت پریشان ہو گیا تھا- یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے کوئی بھرا پرا گھر اجڑ گیا ہو- میرا تو اور کوئی ٹھکانا بھی نہیں تھا- تنویر صاحب کا گھر تو میرا ایسا معمول بن گیا تھا کہ اب ان کے گھر کے بغیر زندگی گزارنا ہی مشکل معلوم ہوتا تھا- چنانچہ میں نے نہایت پریشان لہجے میں تنویر صاحب سے کہا-

تنویر بھائی- میں خود بھی شام نگر آنے کی کوشش کروں گا- آپ لوگوں کے بغیر تو اب میرا دل کہیں بھی نہیں لگ سکتا- گو یہ ایک بڑا شہر ہے لیکن تنویر صاحب آپ کو معلوم ہے کہ میں اس وسیع و عریض شہر میں صرف آپ تک محدود ہوں-

"ہاں ناصر مجھے یقین ہے لیکن میرے بھائی مجھے بتاؤ میں تمہارے لیے کیا کروں- بچوں کو پالنے کے لیے سب کچھ ضروری ہے- اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہیں-

"ہاں-" میں نے گہری سانس لے کر کہا-

اور اس شام گھر کا ماحول بھی بے حد غم ناک رہا تنویر صاحب نے یہ تفصیل گھر میں بھی بتا دی تھی- بھابھی اور گھر میں موجود دوسرے افراد بھی بے حد پریشان ہو گئے تھے-

---

بہرصورت تنویر صاحب نے کہا کہ سامان باندھا جائے اور تیاریاں کی جائیں- جانا تو ہے ہی جو کچھ ہوگا- اب تو بھگتنا ہی ہے- یہ ہوسکتا ہے شام نگر جانے کے بعد دوبارہ یہاں آنے کی کوشش کی جائے اور کوئی کام بن جائے- لیکن فی الحال تو نوکری کو برقرار رکھنے کے لیے جانا ضروری ہے-

"آپ چھٹی کی درخواست کیوں نہیں دے دیتے- تنویر بھائی؟" میں نے الجھے ہوئے انداز میں کہا-

"دیکھو بھئی یہ افسروں کی مخاصمت مول لینے والی بات ہوگی- میری زندگی میں اس قسم کے واقعات بہت کم آئے ہیں کہ میں نے کہیں حکم عدولی کی ہو میرا ریکارڈ بالکل صاف ہے چنانچہ میں نہیں چاہتا کہ اب اتنی طویل سروس کے بعد کوئی ایسی راہ اختیار کر لوں جس سے میری نیک نامی پر کوئی حرف آئے چنانچہ مجھے جانا ہوگا-"

"جی-" میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا- بہرصورت میرا دل غم و اندوہ میں ڈوب رہا تھا- اس رات تنویر صاحب نے مجھے گھر نہ جانے دیا- دوسرے دن میں نے بینک سے بھی چھٹی کی اور تنویر صاحب کی روانگی کی تیاریاں کراتا رہا-

بھابی کئی بار رو چکی تھیں- بچے بھی مجھ سے بہت مانوس تھے اور سلطانہ بھی-

سلطانہ کو میری کیفیت کا اندازہ ہو گیا تھا کہ میں ان لوگوں کو کس طرح چاہتا ہوں چنانچہ اس کے انداز میں بھی ایک بہن کی سی کیفیت شامل ہو گئی تھی اور وہ بھی مجھے ایک بھائی ہی کی طرح چاہتی تھی-

میں ٹوٹ گیا تھا میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کروں ان لوگوں کے جانے کے بعد تو زندگی بالکل ہی ویران ہو جاتی چنانچہ میں سخت پریشان تھا- لیکن بہرحال یہ کڑوی گولی تو نگلنا ہی تھی-

میں ان لوگوں کو اسٹیشن پر چھوڑنے بھی گیا- بھابی نے رو رو کر مجھے بہت سی ہدایتیں بھی کی تھیں اور یہ بھی کہا تھا کہ چند ماہ کی چھٹی لے کر شام نگر آ جاؤں اور ان کے پاس رہوں میں نے وعدہ بھی کر لیا تھا-

لیکن چھٹی کا مسئلہ ذرا ٹیڑھا ہی تھا- بہرصورت ابھی چھٹی ملنے کا کوئی امکان نہیں تھا- یہ لوگ چلے گئے اور میں ویران ہو گیا-

کئی دن تک دل نہیں لگا تھا- سخت پریشان تھا کہ کیا کروں کس سے ملوں دفتر کے دوسرے لوگ تھے- لیکن

اور صاحب کا بدل کوئی نہیں تھا اور نہ ہی کسی سے میرے ایسے تعلقات تھے- بس گھڑی دو گھڑی دل بہلا لیتا تھا- سارے معاملات درہم برہم ہو کر رہ گئے تھے- کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کروں میں' کبھی کہیں تو کبھی کہیں' کبھی پارک میں چلا گیا- کبھی سمندر کے کنارے چلا گیا- بس اسی قسم کی تفریحات میں وقت گزارتا رہا-

سوچا کہ زندگی میں کوئی ایسی تبدیلی ضرور آنا چاہیے کہ کوئی راستہ نظر آئے لیکن اس سلسلے میں بھی میرا ذہن ناکارہ تھا-

سخت پریشان ہو گیا تھا- یہ تنہائی..... کہاں ڈبو دوں اس کو میں اکثر سوچتا تھا-

تنویر صاحب کے کئی خط آ چکے تھے- بھابھی نے بھی کئی بار خط لکھے تھے وہ سب مجھے بے حد یاد کرتے تھے- سو میں نے سوچا کہ کیوں نہ میں شام نگر چلا جاؤں- دفتر میں چھٹی کی درخواست دی- لیکن خلاف توقع نامنظور ہو گئی- تب میں اور زیادہ پریشان ہو گیا-

ایک دن سراج نے مجھ سے پوچھ لیا' سراج میرا آفس کولیگ تھا- اس نے مجھ سے پوچھا کہ میں اتنا پریشان کیوں ہوں بڑا بے تکلف ساتھی تھا- چلتا پرزہ نوجوان تھا- بہرصورت میں تو زندگی سے بے زار ہی تھا- میں نے اسے بتایا کہ میں کن حالات سے دوچار ہوں کیا کیفیت ہے میری اور وہ قہقہہ مار کر ہنسا-

"ارے واہ- تنہائی دور کرنا کون سا مشکل کام ہے یار...... اور پھر تم شادی کیوں نہیں کر لیتے؟"

"بس یہی ایک سوال ہے جو دنیا کرتی ہے میرے مسائل سے کسی کو آگاہی نہیں ہے- میں جانتا ہوں کہ میں شادی کیوں نہیں کر سکتا-" میں نے کہا-

"اوہ خیر شادی کے علاوہ بھی بہت سارے مسئلے ہیں- جن سے آدمی تنہائی محسوس نہ کرے-" سراج نے مسکرا کر ایک آنکھ دباتے ہوئے کہا-

"مثلاً؟"

"چلو گے؟" اس نے پوچھا-

"کہاں-"

"بس جہاں میں کہوں- دل لگے تو ٹھیک ہے ورنہ آگے تمہاری مرضی جاؤ یا نہ جاؤ-"

"ٹھیک ہے یار چلو-" میں نے پریشان ہو کر کہا-

"اور اس رات سراج مجھے اس جگہ لے گیا جس کے بارے میں میں نے بہت کچھ سنا تھا- جہاں دن سوتے ہیں اور راتیں جاگتی ہیں-

ایک عجیب و غریب ماحول تھا- ناچنے گانے والوں کا سا- فلموں میں جو کچھ دیکھا تھا یا کہانیوں میں جو کچھ پڑھا تھا- اس سے خاصا مختلف بس ایک اجنبی سی دنیا تھی- جہاں چہروں کے مصنوعی پردے الفاظ کی شکل تو رکھتے تھے- لیکن ان پرسے جھانکنا بہت ہی مشکل تھا- میک اپ سے لتھڑے ہوئے شگفتہ شگفتہ چہرے- چہروں کے بارے میں سنا یہی تھا کہ ان چہروں کے پیچھے بڑی ویرانی ہوتی ہے- لیکن آخر وہ ان ویران چہروں پر اس قدر شگفتگی کیسے سجا لیتی ہیں- میری سمجھ میں کچھ بھی نہ آیا-

مجھے بہرصورت یہ ایک دلچسپ مشغلہ محسوس ہوا پھر تو میں اکثر سراج کی خوشامدیں کرنے لگا- سراج خود بھی عادی مجرموں میں سے تھا- تقریباً ہم لوگ روزانہ ہی جاتے تھے- حالانکہ اس کے گھر والے بھی تھے- بیوی بچے بھی تھے- لیکن اس کے باوجود اس کا دل اپنے گھر میں نہیں لگتا تھا- اور وہ روزانہ رات کو کسی نہ کسی بالاخانے میں موجود ہوتا تھا- گانا سنتا' کسی پر خرچ کرتا اور واپس چلا آتا-

حالانکہ اس کے وسائل اتنے نہیں تھے- لیکن مجھے بعد میں پتا چلا کہ وہ کچھ اور بھی اوپر کے کام کرتا تھا- جن سے اس کی آمدنی بہت بڑھ جاتی تھی- اس نے مجھے بھی اس کا مشورہ دیا- لیکن میری سمجھ میں اس کی بات نہ آ سکی- بہرحال میں اس کے اخراجات بھی اٹھانے لگا- جلد ہی وہ اور میں گہرے دوست بن گئے میری جتنی تنخواہ تھی اس

میں سے خرچ بھی سب کچھ نہیں ہوتا تھا- اب تک تنویر صاحب نے میرا بہت سا خرچ سنبھالا ہوا تھا اور یوں میں کافی رقم پس انداز کر چکا تھا اور اس پس انداز رقم کا اب ہم صحیح استعمال کر رہے تھے-

سراج نے مجھے جگہ جگہ بلکہ یوں سمجھنا چاہیے کہ گھاٹ گھاٹ کا پانی پلایا تھا- بہت سارے لوگوں سے میری شناسائی ہوگئی تھی- میری مراد ان لوگوں سے ہے جو رات کو جاگنے والے ہوتے ہیں-

مشغلہ وہی تھا- بارہ بجے بالا خانے پر اور اس کے بعد اپنے گھر- لیکن میں اترتا اسی جگہ تھا یعنی قبرستان کے ٹوٹے ہوئے دروازے پر جہاں سے ہو کر میں اپنے گھر جاتا تھا- اس کے بعد بھی کئی بار میرے ذہن میں اس ملیح لڑکی کا خیال آیا- لیکن وہ مجھے نظر نہ آ سکی- نہ جانے اس نے اپنا مشغلہ ترک کر دیا تھا یا پھر وہ ایسے وقت آتی تھی جب میں وہاں نہ ہوتا تھا-

خاص طور سے میں اسے اس دن وہاں ضرور تلاش کرتا تھا جس دن وہ پہلی اور دوسری بار مجھے نظر آئی تھی- لیکن میری کوششوں کے باوجود بھی ان دنوں قبریں رات بھر خالی رہی تھیں اور وہ مجھے نظر نہیں آئی تھی-

لیکن پھر ایک رات یوں ہوا کہ سراج کی طبیعت اچانک خراب ہوگئی اور وہ میرے ساتھ بالا خانے کی طرف نہ جا سکا- اسے سخت بخار تھا- تب اس نے معذرت کر لی اور کہا کہ اگر میرا دل چاہے تو میں اکیلا چلا جاؤں-"

لیکن میں نے تنہا جانا پسند نہیں کیا- ابھی کچھ جھجک باقی تھی- سراج کی موجودگی اس جھجک کو کم کر دیتی تھی- سو میں نے بالا خانے کا خیال ترک کر دیا اور میں نے گھر واپس چلنے کی سوچی-

چنانچہ میں گھر کی طرف چل پڑا لیکن اس طرف کا راستہ شاذ و نادر ہی کوئی استعمال کرتا تھا- چنانچہ قبرستان کے راستے داخل ہو گیا-

اور پھر اتفاقیہ طور پر میری نگاہ اس طرف اٹھ گئی جس طرف وہ قبر تھی- میں نے دیکھا وہ وہاں موجود تھی-

قبر میں چنگاریاں نہیں تھیں- لیکن وہ اسی طرح خاموش اور ویران سا چہرہ لیے بیٹھی تھی- نہ جانے کیوں میرے ذہن میں ایک ہلچل سی پیدا ہوگئی- میں نے سوچا کیوں نہ اس سے آج دو دو ہاتھ کر ہی لوں-

چنانچہ میں اس کی جانب چل پڑا آج میں جان لینا چاہتا تھا کہ وہ کون ہے- قبرستان کیوں آتی ہے؟ اور خاص طور سے اتنی رات گئے- جب کہ کوئی لڑکی جو کسی شریف گھرانے سے تعلق رکھتی ہو اتنی رات گئے نکلنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی-

اس روز چاند بھی ابتدائی دنوں کا تھا اور روشنی پھیل چکی تھی- اس کا چہرہ جتنا صاف آج میں نے دیکھا تھا- اس سے پہلے میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا- وہ بھونچکا سی کھڑی ہوگئی اس کی نگاہیں میری جانب اٹھی ہوئی تھیں-

میں اس کے سامنے خاموش کھڑا ہو گیا اور وہ بھی میری جانب خاموشی سے دیکھتی رہی پھر میں نے عجیب سے انداز میں کہا-

"کیا آج بھی تم مجھے مایوس کر دو گی؟"

"میں نہیں سمجھی-"

"دیکھو میں روزانہ تمہیں تلاش کرتے یہاں آتا ہوں- میرا خیال ہے کہ یا تو تم نے یہاں آنا ہی چھوڑ دیا تھا یا پھر تم نے اپنا وقت بدل لیا ہے- آخر کیوں؟"

"دیکھیے ہم دونوں ایک دوسرے سے قطعی طور پر ناواقف ہیں اور ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہیں کیا یہ مناسب ہے کہ ہم اتنی بے تکلفی کے ساتھ ایک دوسرے سے گفتگو کریں-"

"ہاں یہ مناسب نہیں ہے لیکن سنو میں تمہارے بارے میں اکثر سوچتا رہتا ہوں- میں شدید الجھن کا شکار ہوں- میں تمہارے بارے میں سب کچھ جاننا چاہتا ہوں- سنو! اگر تم نے مجھے اپنے بارے میں نہیں بتایا تو میرا دماغ پھٹ

جائے گا- کیا تم میری الجھن کو ختم نہیں کر سکتیں؟"

"دیکھیں جناب میں آپ سے پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ دوسروں کے مسائل میں زیادہ دلچسپی کا اظہار بہتر نہیں-"

"میں جانتا ہوں اگرچہ یہ بات آپ پہلے بھی کہہ چکی ہیں- لیکن خاتون میں نے بتایا نا کہ میں آپ کی طرف سے شدید الجھن کا شکار ہوں ایک انسان ہونے کے ناطے سے آپ میری یہ الجھن دور کر سکتی ہیں- میں اکثر آپ کے بارے میں سوچتا رہتا ہوں- سو میں ایک تنہا انسان ہوں بالکل تنہا دنیا سے بیزار اس پوری دنیا میں میرا کوئی نہیں ہے- میں تمہارے بارے میں بہت کچھ جاننا چاہتا ہوں- میں اتنی سخت الجھن کا شکار ہوں کہ تم سے بیان نہیں کر سکتا اور اگر تم نے اب بھی اسی طرح اجتناب برتا تو یقین کرو کہ اس پوری دنیا سے میرا اعتبار ختم ہو جائے گا تم جو کوئی بھی ہو اگر زندہ ہو تو اور اگر زندہ نہیں ہو تو کم از کم اپنے بارے میں بتا دو- تاکہ میرے دل کی یہ خلش مٹ جائے-

"عجیب انسان ہیں آپ- نجانے آپ میرے بارے میں جاننے کے اس قدر خواہش مند کیوں ہیں؟"

"بس خاتون کہا ناں اس کا کوئی گہرا مقصد نہیں ہے-"

"آپ کو کیا فائدہ ہوگا؟" اس نے اداس لہجے میں کہا-

"بس میرے ذہن کا تجسس ختم ہو جائے گا- براہ کرم اس سلسلے میں آپ میری مدد کیجیے-" میں نے کہا-

"انسان کتنا خود غرض ہے- اپنی الجھنوں سے چھٹکارا پانے کے لیے دوسرے لوگوں کی ذہنی الجھنوں کو وسیع کر دیتا ہے- اپنے ذاتی مفاد کے لیے- دوسرے کے کچلے جانے کی پروا نہیں کرتا-" اس کا لہجہ بے پناہ سپاٹ اور ویران تھا-

میں ایک لمحے کے لیے خاموش ہو گیا- میں نے سوچا کہ چھوڑوں مجھے کیا پڑی ہے- لیکن پھر میں نے ایک اور فیصلہ کر لیا-

میں نے سوچا کہ ٹھیک ہے اس وقت وہ نہ صرف مجھے خود غرض ثابت کر رہی ہے بلکہ مجھے بہت کچھ کہہ رہی ہے- یہ سب باتیں مجھے سہنی چاہئیں- صرف اور صرف اس کا ماضی جاننے کے لیے- اس کا قبرستان میں رات کو اس طرح تن تنہا آنا کس بات کی نشان دہی کرتا ہے اس کے لیے...... اور جناب میں ڈھیٹ بن گیا اور اس کی کہانی سننے پر اصرار کرنے لگا-

وہ گردن جھکا کر کچھ سوچ رہی تھی- تھوڑی دیر بعد اس نے گردن اٹھائی اور بولی-

"بیٹھ جائیے-"

اور اس کا یہ انداز مجھے بے پناہ بھلا محسوس ہوا اور میں اس کے سامنے ہی ایک قبر کے کنارے پر بیٹھ گیا- وہ بھی مجھ سے تھوڑی فاصلے پر بیٹھی ہوئی تھی- تب وہ میری جانب دیکھتے ہوئے آہستہ سے بولی-

"آپ کا نام کیا ہے جناب-"

"میرا نام ناصر جمال ہے-"

"خوب- بہرحال میں آپ کو اپنی کہانی سنا رہی ہوں-" اور میں ہمہ تن گوش ہو گیا-

"میں ایک ستم رسیدہ لڑکی ہوں- نام بتانے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا- آپ میرا کوئی بھی نام تصور کر لیں- درمیانے درجے کے طبقے سے تعلق رکھتی تھی- اپنے والدین کی تنہا بیٹی تھی- میری ماں کا کہنا تھا کہ میرا باپ ایک محنت کش انسان تھا- اچھے عزائم بھی رکھتا تھا- اس کے دل میں اولاد کی آرزو بھی تھی- لیکن میری ماں کے ہاں میرے علاوہ کوئی اولاد پیدا نہ ہوئی- اسے بیٹی کی بڑی آرزو تھی- لیکن اس کی قسمت میں کوئی بیٹا نہ تھا- ان کی قسمت میں صرف میں تھی جو ان دونوں کے لیے معمولی حیثیت رکھتی تھی-

رفتہ رفتہ میرا باپ حالات سے بد دل ہوتا چلا گیا نہ جانے اس کا پس منظر کیا تھا- اس کے بارے میں میں کچھ نہیں جانتی-

لیکن مجھ سے اس کی جب بھی اس مسئلہ پر بات ہوئی اس نے یہی کہا کہ چونکہ اس کا کوئی بیٹا نہیں ہے اس لیے اس کا بڑھاپا بے حد تلخ ہے- چنانچہ اس نے میری ماں کے ساتھ بہت برا سلوک کرنا شروع کر دیا- اس کہ پس پردہ صرف بیٹے کی خواہش تھی- میری ماں میرے باپ کو کوئی بیٹا نہ دے سکی- اس لیے وہ بری طرح جھنجلا گیا تھا- میرا باپ شراب پیتا تھا' جوا کھیلتا تھا اور اکثر برے لوگ ہمارے گھر آتے رہتے تھے-

حتیٰ کہ میرا باپ شراب اور جوے سے آگے بھی چل نکلا اس نے بہت برا راستہ اختیار کر لیا تھا- وہ میری ماں کو اپنی کمائی کا ذریعہ بنانا چاہتا تھا تا کہ اس کے بڑھاپے کے لیے کچھ پس انداز ہو جائے نہ جانے کیوں اسے اپنے بڑھاپے کی اتنی فکر تھی-

اس ماحول میں میں جوان ہوگئی اور میرے باپ کی نگاہیں میری ماں سے ہٹ کر میری جانب اٹھنے لگیں- میری ماں مجھے اپنے سایہ عاطفت میں رکھنا چاہتی تھی- وہ مجھے بری نگاہوں سے دور رکھنا چاہتی تھی- کیونکہ اب اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ میرا باپ غیرت اور حمیت کے لفظ سے نا آشنا ہو چکا ہے- گھر میں آنے والے مردوں سے اسے کوئی عار نہیں تھی- بلکہ وہ اسی کوشش میں رہتا تھا کہ ان میں سے کوئی میری ماں کو پسند کرے اور اس کی جیب گرم ہو جائے-

میری ماں انتہائی بدبختی کی زندگی گزار رہی تھی- حتیٰ کہ وہ سخت بیمار ہوگئی- لیکن اس کی بیماری کا بھی میرے باپ کو کوئی خیال نہیں تھا- وہ صرف دولت حاصل کرنے کا خواہش مند تھا- میں بھی ان معاملات کو اچھی طرح سمجھنے لگی تھی-

ہمارے گھر برے سے برے لوگ آتے تھے- ان کی نگاہوں میں کیا کیا تھا- ناصر صاحب اس کی تفصیل بتانا بے کار ہے لیکن اب ان سب کی نگاہیں میری ماں کی طرف سے ہٹ کر مجھ پر پڑنے لگیں تھیں-

گو ابھی میری عمر زیادہ نہیں تھی لیکن میرے باپ کو سو طرح کے مشورے دیے جانے لگے- یہاں تک کہ ایک شخص نے اس سے کہا کہ اگر مجھے اسٹیج لائن کی طرف ڈال دیا جائے تو ممکن ہے میں فلم انڈسٹری کی طرف نکل جاؤں اور فلم انڈسٹری میں کام کرنے کے بعد سارے دلدر دور ہو سکتے ہیں-

میرے باپ کو یہ تجویز بہت پسند آئی اور اس نے اس شخص سے درخواست کی کہ مجھے اس سلسلے میں مزید تفصیلات بتائی جائیں-

چنانچہ پہلی بار مجھے ایک اسٹیج ڈرامے میں حصہ لینا پڑا ابتدا میں یہ سب کچھ مجھے بھی برا نہیں لگا تھا- لیکن جب میرا باپ دھڑا دھڑ اسٹیج ڈرامے کنٹریکٹ کرنے لگا اور مجھے اسٹیج پر آ کر مختلف لوگوں کے ساتھ بار بار عشق و محبت کا ناٹک کھیلنا پڑا تو اس وقت مجھے احساس ہوا کہ یہ سب لوگ جو مجھے اتنے پرجوش انداز میں دیکھتے ہیں- باہر نکل کر میرے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے- تب ہی مجھے احساس ہوا کہ میں جن راستوں پر چل رہی ہوں- وہ اچھے راستے نہیں ہیں-

چنانچہ میں نے اپنی ماں سے اس بات کی شکایت کی کہ طرح طرح کے لوگ میرے قریب آتے ہیں اور مجھ سے اس قسم کے مذاق کرتے ہیں کہ میں پریشان ہو جاتی ہوں- میرا دل یہ کام کرنے کو نہیں چاہتا- تب میری ماں تڑپ گئی-

اس نے میرے باپ سے کہا کہ وہ مجھے اس لائن میں کام کرنے نہیں دے گی- لیکن اس کے نتیجے میں میرے باپ نے میری ماں کو اس قدر مارا کہ وہ بے ہوش ہوگئی وہ بالکل درندہ صفت ہو گیا تھا- میرے ذہن میں اس قسم کی بات بھی نہ آ سکتی تھی کہ ایسے باپ بھی ہوتے ہیں- میرا باپ مجھے وحشی درندہ محسوس ہونے لگا- جس کی خونخوار نگاہیں ہر لمحہ میرا تعاقب کرتی تھیں-

اگر اس کے کسی بھی حکم سے ذرا بھی سرتابی کی جاتی تو وہ

بھی قیامت برپا کر دیتا تھا- ماں تو اب اس قابل ہی نہ تھی- اس نے بہرحال میرے بارے میں بہتر انداز ...ہا- لیکن وہ بدنصیب میرے لیے کچھ نہ کر سکی- کچھ اس کے بس میں نہیں تھا- اب تو وہ بول بھی مشکل ...کتی تھی- ہر وقت خون تھوکتی رہتی تھی-

...اپنے کام کاج سے فارغ ہونے کے بعد صرف ...اں کی تیمارداری کرتی تھی- ماں اکثر مجھ سے کہتی تھی ...مجھ سے از حد شرمندہ ہے کہ مجھے پیدا کرنے کے ...میری صحیح طرح تربیت نہیں کر سکی- میں اپنی ماں کو ...کرتی تھی- لیکن میرا دل خود بھی روتا رہتا تھا-

...اپنی طرح کی لڑکیوں کو دیکھا کرتی جو اسکول جایا ...تھیں' پڑھتی تھیں' عیش و آرام سے زندگی بسر کیا ...تھیں اور اس کے بعد جب ان کے ماں باپ انہیں ...دوسرے دیس بھیج دیتے تھے تو خوشی خوشی گھریلو ...گزارتی تھیں-

...رے دل میں بھی یہی خواہش تھی کہ میں بھی ایسی ہی ...اور شریف عورت کی سی زندگی بسر کروں اور میری ...ل شدید سے شدید تر ہوتی چلی گئی- لیکن میرے ...ی خواہش بھی شدید سے شدید تر ہوتی چلی جا رہی ...

...جانے کیسا باپ تھا- میں نے تو وہ باپ بھی دیکھے ...بیٹوں کے سروں کو اپنی پھٹی پرانی چادروں سے ...تے- بیٹیوں کی جوانی کے سامنے سینہ سپر ہوتے اور ایک میرا باپ تھا- جس نے خود میرے سر سے اتار دی تھی- جس نے اسٹیج پر دنیا کے سامنے ننگے ...لے پر مجبور کر دیا تھا- اس نے بھرے بازار میں میری ...اتاری تھی اور اب وہ چاہتا تھا کہ میں زیادہ سے زیادہ ...ں تا کہ ایک عمدہ سا گھر لیا جا سکے- اس کے بعد اور اس کے بعد نہ جانے کیا کیا......؟"

اس طرح کمانے کے لیے بہت سارے لوگ مجھے ...بینے کے لیے تیار تھے اور انہوں نے میرے باپ کو اس سلسلے میں پیش کش بھی کی تھیں-

لیکن یہ سہارا جس قسم کا تھا- میں کم از کم اسے منظور نہیں کر سکتی تھی- چنانچہ میرا باپ مجھ پر سختیاں کرتا رہا اور میں اپنی ضد پر اڑی رہی- یہاں تک کہ مجھے نوید مل گیا-

نوید اسٹیج پر اداکاری کا شوقین تھا- کئی ڈراموں میں وہ میرے ساتھ ہیرو کا کردار ادا کر چکا تھا- سیدھا سادہ سا لڑکا تھا- اس کی فطرت میں بے باکی اور بے حیائی نہیں تھی- بہرصورت میں ذہنی طور پر اس سے متاثر ہوئی تھی- نوید بھی مجھ سے متاثر تھا اور پھر میرے اور اس کے تعلقات بڑھتے چلے گئے- نوید اکثر میری مدد کرتا تھا- وہ میرے باپ کی خواہشات بھی پوری کرنے کی کوشش کرتا تھا- حالانکہ اس بے چارے کے پہلے مسائل بھی مشکل سے حل ہوتے تھے- پھر بھی جو کچھ اس سے بن پڑتا ہمارے لیے کرتا-

میرے لیے وہ بے حد فکر مند رہا کرتا تھا- مجھے کس طرح اس مصیبت سے نکالے ہم دونوں اکثر مستقبل کے پروگرام بنایا کرتے تھے- نوید میرے لیے بہت افسردہ رہا کرتا تھا- میرے سارے کوائف اسے معلوم ہو چکے تھے اور اس کی دلی خواہش تھی کہ مجھے اس گندے راستے سے دور لے جائے-

ہم لوگ محبت کے راستوں پر آگے بڑھتے رہے- لیکن کوئی ایسا وسیلہ ہمارے ہاتھ نہ آ سکا کہ ہم یکجا ہو جائیں- نہ جانے کس طرح میرے باپ کو اس بات کا علم ہو گیا اور اس نے میرے اوپر سختیاں شروع کر دیں-

آہ- باپ تھا کہ بس...... باپ کے ساتھ جو تصور ذہن میں ابھرتا ہے تم یقین کرو وہ اس کا مذاق تھا-

اس نے زندگی کے کسی مرحلے پر میرا ساتھ نہیں دیا- بلکہ اس نے مجھے اپنی ٹکسال سمجھ رکھا تھا- وہ ہر طرح سے مجھے ذلیل کرنے پر تلا رہتا تھا- نوید سے ملنے سے اس نے انتہائی سختی سے منع کر دیا تھا- وہ کہتا تھا کہ اگر تم اس سے ملیں تو میں تمہیں گولی مار دوں گا- یوں بھی وہ زندگی

سے بیزار تھا- میں خود بھی اپنی زندگی سے دلچسپی نہیں رکھتی تھی اب میں نوید کے لیے فکر مند ہوگئی تھی-
میرا باپ یہ تو نہیں کرسکتا تھا کہ مجھے گھر بٹھالے اور نوید سے بچاتا لیکن اب ہر جگہ اس نے میری نگرانی شروع کردی تھی-
انتہائی مشکل سے زندگی بسر ہورہی تھی- نوید کے لیے بے پناہ مشکلات پیدا کی جارہی تھیں- البتہ میرے باپ کو نوید کی ذات سے جو لگاؤ تھا وہ صرف یہ کہ نوید وقتاً فوقتاً اسے اچھی خاصی رقم فراہم کرتا رہتا تھا- نہ جانے وہ بے چارہ اس رقم کے لیے کیا کیا تگ و دو کرتا تھا-
پھر ایک دفعہ میری نوید سے ملاقات ہوئی اور نوید پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا میں کیا کروں مجھے بتاؤ تم یہاں سے میرے ساتھ نکل چلو بس میں تم سے شادی کرلوں گا- اس نے کہا-
گو کہ میں یہ کرسکتی تھی' بلاشبہ میرا باپ میرے لیے مصیبت بنا ہوا تھا-
لیکن اس کے باوجود میں اپنی بیمار ماں کو کیسے چھوڑ سکتی تھی- اس بے چاری کا کیا قصور تھا- میرا باپ اسے صرف میری وجہ سے زندگی سے دور کردیتا تھا- اس لیے نوید کی بات پر میں آنسو بہانے کے سوا کچھ نہ کرسکی اور میں نے کہا-
"مجھے بتاؤ نوید میں اپنی بیمار ماں کو کس طرح چھوڑ دوں؟"
"تم ماں کو نہیں چھوڑ سکتیں اور تمہارا باپ تمہیں نہیں چھوڑ سکتا مجھے بتاؤ میں کیا کروں؟"
"تمہیں میری مجبوریوں کا خیال رکھنا چاہیے نوید-"
"میں رکھنا چاہتا ہوں لیکن کس طرح مجھے بتاؤ- تمہارے باپ کو رقومات فراہم کرکے میں یہ سب کچھ بھی کرسکتا ہوں لیکن میں تمہیں اس کے چنگل سے بچانا چاہتا ہوں کیا تم پوری زندگی اپنے باپ کے ساتھ گزار سکتی ہو کیا تمہارا باپ قابل اعتبار ہے کہ میں تمہیں اس کے گھر میں چھوڑ دوں وہ کسی بھی وقت غلط سے غلط راستے آسکتا ہے اور اس وقت میری حیثیت میری غیرت گی-"
نوید نے پریشان لہجے میں کہا- درحقیقت میر ان باتوں کا کوئی جواب نہیں تھا- میں شدید شکار ہوگئی-
باپ کے مظالم اور ماں کی بیماری میری زندگ ہوکر رہ گئی تھی کوئی بات سمجھ میں نہ آتی تھی- ترین اذیتوں کا شکار تھی-
انہی پریشانیوں میں وقت گزرتا رہا- حتیٰ کہ نو بددل ہوگیا- میں اسٹیج ڈراموں میں کام کرتی تو لوگ میرے ساتھ کام کرتے اس وقت نوید ذہنی شکار ہوتا تھا- اس نے کئی کئی بار مجھے منع کیا کہ ڈراموں میں کام کرنا چھوڑ دوں جو کچھ مجھے دہا ہے وہ مجھے فراہم کرنے کی کوشش کرے گا- یہ درست تھا- لیکن میں اپنے باپ کا کیا کرتی جو سے فوری طور پر معاہدے کرکے رقومات لے لیا یہاں تک نوید نے مجھے کہہ دیا کہ وہ یہ شہر چھوڑ دے
میں نے نوید کو سمجھانے کی کوشش کی میں نے کہ وہ میری مجبوریوں کو بھی تو سمجھے۔ مجھے بتا اس سلسلے میں کیا کرسکتی ہوں- میں صرف اپنی وجہ سے مجبور تھی-
لیکن نوید بہت سخت پریشان ہوگیا تھا- اس آخر وہ بھی تو انسان ہے اس کے دل میں بھی ہیں- نہ جانے کب میرے والد مجھے چھوڑیں جانے ماں کی زندگی مجھے نوید کی زندگی میں آنے گی یا نہیں- اس لیے وہ شہر چھوڑ رہا ہے- کیونکہ اپنے لیے سوچتی ہوں نوید کے لیے نہیں-
نوید کو سمجھانے کی ہر کوشش ناکام ہوگئی تھی- وہ مجھ سے بے پناہ محبت کرتا تھا-
اس نے مجھ سے کہا کہ وہ خودکشی کرلے گا- لیکن

ی کسی گوشے میں یہ بات نہیں تھی کہ نوید نے جو کہا گر بھی لے گا-
تقریباً تین یا چار روز تک نوید مجھے نہ مل سکا میں ی ہوگئی تھی- باہر نکلنے کی ہر کوشش ناکام تھی میرے مجھے اس کا موقع ہی نہ دیتے تھے کہ میں تنہا کہیں باہر اور میں نوید کے بارے میں معلوم کرنے کے لیے ں تھی-
ہوا یوں کہ ایک اسٹیج شو ہونے والا تھا اور اس کے مجھے تھوڑی سی آزادی مل گئی..... میں سب کچھ بھلا کر ی تلاش میں نکل گئی-
لی روح فرسا خبر جو مجھے ملی تھی وہ نوید کی خودکشی تھی- نوید نے خودکشی کرلی تھی وہ دیوانہ اس بات پر اس سے اڑ گیا کہ اس نے جو کہا تھا وہ کر دکھایا میں نیم ی ہوگئی اور پھر نہ جانے کس طرح سے مجھے گھر پہنچادیا
ب میں کچھ کرنے کے قابل نہ رہی تھی- نوید مرچکا تھا ی زندگی میں ایک چراغ روشن ہوا تھا اور وہ چراغ ے ہی ہاتھوں گل ہوگیا تھا-
ی سخت پریشان ہوگئی- میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کروں؟ نوید کی یاد ہر وقت میرے دل میں چٹکیاں اتی تھی-
مجھے اپنے باپ سے شدید نفرت ہوگئی اور اپنی ماں کی ی سے بھی- میں اب کسی کا پیٹ نہیں بھرتی تھی- اب ں کی تیمارداری نہیں کرتی تھی- میرے والد نے کئی اس سلسلے میں مارا پیٹا- لیکن اب کسی بھی ڈرامے میں کام کرنے کو تیار نہیں تھی یہاں تک کہ چند لوگ جب ے کے سلسلے میں ہمارے ہاں آئے تو میں نے ان پر کر دیا اور دو ایک کے منہ نوچ ڈالے-
میرے والد سخت پریشان تھے- ماں کی بیماری سخت تر ا جارہی تھی- ذریعہ آمدنی کچھ نہیں تھا اور اب فاقے کرنے تھے- ماں کی دوا کہاں سے آتی-
میں ہر وقت نوید کو یاد کرتی تھی اور میرے باپ نے آخری بار میری ذات پر شدید ضرب لگائی-
اس نے مجھے قتل کردیا- ہاں اس نے مجھے قتل کردیا- غیظ و غضب کی شدت سے دیوانہ ہوکر اس نے میرا وجود ہی ختم کردیا..... اور میں مرگئی- ہاں میں مرگئی-" اس نے گردن جھکالی اور اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے-
میں شدت غم سے گنگ ہوگیا تھا- اس کی کہانی اتنی دلدوز تھی کہ میرے حواس جواب دے گئے- میں ساکت کھڑا رہا-
آہ- میں اس مظلوم روح کے لیے کیا کرسکتا تھا- جو پوری زندگی..... شدید پریشانیوں کا شکار رہی اور پھر اس نے بے بسی کے عالم میں ہی جان دے دی-
میرے ذہن میں یہ تصور بھی نہیں رہا تھا کہ وہ ایک بے جان ہستی ہے- میں سخت پریشان تھا اور سوچ رہا تھا کہ اس روح کو سکون کس طرح بخشوں- تب کافی دیر اسی طرح گزر گئی-
اور جب اس نے گردن اٹھائی تو میں نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا وہ ٹک ٹک میری طرف دیکھ رہی تھی- پھر اس نے آہستہ سے کہا-
"تم بھی میرے لیے غمگین ہوگئے-"
"ہاں میرا دل شدت سے تمہارے لیے تڑپ رہا ہے- کاش..... کاش تمہیں سکون مل سکتا-"
"ہاں- میں ساری زندگی سکون کے لیے تڑپتی رہی ہوں-" اس نے جواب دیا-
"مجھے کچھ اور باتیں بتاؤں گی-"
"ہاں پوچھو-
"تمہاری ماں کا بھی انتقال ہوگیا-"
"ہاں اور باپ کا بھی-" اس نے جواب دیا-
"اوہ..... تمہارا باپ بھی مرگیا-"
"ہاں- تم نے وہ قبر دیکھی ہوگی جس سے چنگاریاں بلند ہوتی ہیں-"

”ہاں۔“

”میں جب بھی اپنے باپ کی قبر پر آتی ہوں تو میرا دل غیظ و غضب اور نفرت میں ڈوبا ہوتا ہے میں اس سے پوچھتی ہوں کہ آخر اس نے میری زندگی کا سودا کیوں کیا۔ اسے کیا حق تھا کہ وہ خدا کی بخشی ہوئی روح پر مظالم کرتا اور شاید میری آہوں کا دھواں ہوتا ہے جو اس کی قبر سے چنگاریاں بن کر پھوٹتا ہے۔ اس کی روح چمگادڑ کی شکل میں پھڑ پھڑاتی ہوئی چاروں طرف دوڑتی ہے وہ اس آگ سے پریشان ہوتا ہے جو اس کے سارے وجود کو سلگاتی ہے۔ میں خوش ہوں کہ مرنے کے بعد اس سے انتقام لیا جا رہا ہے۔ ٹھیک ہے اس دنیا میں انسان بہت کچھ بن جاتا ہے۔ مگر وہ اس بات کو بھول جاتا ہے کہ قبر کی گہرائیاں اس کی بے بسی کا انتظار کر رہی ہوتی ہیں آج بھی میں جب اس قبر پر آتی ہوں تو میرے دل میں شکوہ ہوتا ہے۔ فریاد ہوتی ہے...... اور خدا میری اس فریاد کا جواب دیتا ہے اور میرے باپ کی روح پھڑ پھڑاتی رہتی ہے۔ اس کی قبر سے چنگاریاں بلند ہوتی ہیں۔“

میں غم و اندوہ کا مجسمہ بنا۔ اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اس نے میری طرف دیکھا اور پھر آہستہ سے بولی۔

”اور کچھ پوچھنا چاہتے ہو۔“

”نہیں...... اور کیا پوچھوں گا؟“

”تو اب مجھے اجازت ہے۔“

”میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں؟“ میں نے درد سے پوچھا۔

”کچھ نہیں۔ اب میں ان منزلوں سے گزر چکی ہوں۔ جب مجھے انسانی ہمدردیوں کی تلاش تھی۔“ اس نے کہا اور پھر وہ آہستہ آہستہ قبرستان کے ٹوٹے دروازے کی جانب بڑھ گئی۔

میں اپنی جگہ ساکت و جامد کھڑا تھا تھوڑی دیر بعد وہ حسب معمول میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئی...... اور میں دل پر بے پناہ بوجھ لیے گھر آ گیا۔

اس رات مجھے نیند نہیں آئی تھی۔ اس کی کہانی عملی میں میرے سامنے تھی۔ ایک بے بس و لاچار لڑکی آہ...... کیسی ویرانی بسی ہوئی تھی اس کی نگاہوں میں میں اس ویرانی کا راز پا چکا تھا لیکن افسوس وہ روح تھی اس کے لیے میں کیا کر سکتا تھا۔

دوسری صبح میری طبیعت بھاری تھی۔ تنویر صاحب نہیں تھے، میرا کوئی ہمدرد نہیں تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اگر یہ ملازمت چھوڑنا پڑی تو چھوڑ دوں گا...... بہاولپور جا کر ملازمت کر لوں گا کم از کم وہاں بھابی تو ہو گی۔

میں اس دن دفتر نہ جا سکا۔ دوسرے دن بھی میں نہیں گیا۔ تیسرے دن دوپہر کو سراج میرے پاس آ آج ہاف ڈے تھا۔ اس نے تعجب سے مجھ سے پوچھا۔

”کیا بات ہے۔ تم دفتر کیوں نہیں آ رہے ہو۔“

”بیمار ہوں یار۔“

”کیا بیماری ہے بھائی۔“ اس نے مضحکانہ لہجے پوچھا۔

بس سراج کچھ نہیں۔ ایسے ہی، بس طبیعت پر ا ہے۔ دل ہی نہیں چاہ رہا تھا کہ میں دفتر جاؤں۔“

”ٹیلی فون بھی نہیں کیا۔ میں بڑا پریشان ہو گیا ویسے تو بڑے اچھے خاصے نظر آ رہے ہو۔ ذرا ہاتھ تو بخار تو نہیں ہے؟“ پھر اس نے میرا ہاتھ دیکھا اور بولا

”کوئی بخار دخار نہیں ہے حضرت! کاہلی نہیں چلے گی۔

”نہیں یار کاہلی کی تو کوئی بات نہیں ہے۔“ میں نے

”چلیے اٹھیے۔“

”کہاں سراج۔“

”اٹھو یار منہ ہاتھ دھوؤ۔ دیکھو کیا صورت بنا رکھی چلو شیو بناؤ، جلدی کرو۔“ سراج نے کچھ اسی انداز رعب جھاڑا کہ میں ہنستا ہوا تیار ہو گیا۔ ظاہر ہے۔ ا ایک منزل تھی اور وہ تھی بالاخانہ۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم اس بازار میں تھے۔

”آؤ یار! آج ذرا جگہ تبدیل کر لیں۔“ سراج نے کہا اور ہم بازار کے بالکل آخری سرے پر پہنچ گئے۔ سیڑھیوں پر پہنچ کر ہم اوپر چڑھ گئے اور تماش بینوں کے ساتھ بیٹھ گئے۔

دفعتاً میری نگاہ ایک دروازے کی جانب اٹھ گئی اور جو کچھ میں نے دیکھا اسے دیکھ کر میں ششدر رہ گیا تھا۔

زرق برق لباس میں ملبوس وہ چھم چھم کرتی آ رہی تھی۔ ہاں وہی تھی سو فی صدی وہی تھی ذرہ برابر تبدیلی نہ تھی اس میں۔ لیکن ہونٹ، ہاں اس کے ہونٹ مسکرا رہے تھے لیکن یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی مصنوعی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر چپکا دی گئی ہو۔ وہ ہونٹ تو مسکرانا ہی نہ جانتے تھے لیکن۔ لیکن یہ سب کیا ہے میں پاگل سا ہو گیا اس کی نگاہ بھی اتفاقیہ طور پر ہی میرے اوپر پڑ گئی اور وہ ایک ٹک دیکھتی رہ گئی۔ اس کے چہرے پر بہت سے رنگ آئے تھے۔

پھر اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ تب اس نے جھک کر آہستہ آہستہ سازندوں سے کچھ کہا اور پھر اس کے پیروں میں بندھے گھنگھروں کی جھنکار فضا میں گونج اٹھی اور میں شدت حیرت سے دیوانہ بنا اسے دیکھتا رہا تب اس کی دل دوز آواز ابھری۔

ہوس کو ہے نشاط کار کیا کیا.
نہ ہو مرنا تو جینے کا مزہ کیا

اس کے ہونٹوں سے یہ دلدوز نغمہ ابھر رہا تھا اور میں ویران صحراؤں میں بھٹک رہا تھا۔ جہاں خزاں ہی خزاں تھی چاروں طرف خشک درخت کھڑے ہوئے تھے ریت کے ذرات ہوا سے اڑ رہے تھے۔ ویرانہ ہر طرف ویرانہ۔“

وہ بیٹھی میرے سامنے جھکی اور بولی۔

”بابو جی۔ آپ دوسروں کے ساتھ نہ جایئے۔“ سراج نے مسکراتے ہوئے میری ران میں چٹکی لی تھی۔

”لو بھئی تمہارے تو عیش ہو گئے۔“ وہ خاص طور سے کاروباری اور تماش بین ٹائپ کا آدمی تھا۔ نہ جانے کیا سمجھا تھا لیکن اس کے یہ الفاظ مجھے بہت برے لگے تھے۔

پھر جب رقص کا وقت ختم ہو گیا تماش بین باہر جانے لگے تو سراج نے مجھ سے کہا۔

”کیا خیال ہے جناب! آپ تو بس گئے۔“

”سراج تم جاؤ۔ میں آ جاؤں گا۔“ میں نے کہا۔

”ہاں ہاں بھائی! دعوت مل گئی ہے۔ لیکن سرکار یہ دعوتیں تو عام طور سے یہاں ملتی رہتی ہیں ان دعوتوں کے چکر میں زیادہ نہ پھنسنا۔“

”سراج! پلیز تم جاؤ۔“ میں نے سخت لہجے میں کہا اور وہ ہنستا ہوا باہر چلا گیا۔ تب نائکہ قسم کی ایک عورت نے میری طرف دیکھا اور بولی۔

”رکیں گے بابو جی۔“

”ہاں۔“ میں نے جواب دیا اور اس نے میرے آگے ہاتھ پھیلا دیا۔ جو کچھ میری جیب میں تھا میں نے نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ میں نے یہ نہیں دیکھا تھا کہ میں نے اسے جو کچھ دیا ہے وہ کیا ہے۔“

بہر حال نائکہ مطمئن ہو گئی تھی چنانچہ اس نے اندر کسی کو آواز دی اور بولی۔

”شاہینہ ان کے ساتھ جائیں گی کمرا ٹھیک کر دو۔“

میں نے پہلی بار اس کا نام جانا تھا...... شاہینہ...... میں نے زیر لب دہرایا۔ لیکن وہ کچھ نہ بولی۔ اس کی آنکھیں جھکی ہوئی تھیں پھر ہم ایک پیارے سے کمرے میں پہنچ گئے۔ روشنی تھی لیکن سارا ماحول بیمار بیمار لگ رہا تھا۔ میں شدت حیرت سے اب بھی خاموش سا تھا۔ وہی لڑکی تھی لیکن اس نے کہا تھا کہ وہ مر چکی ہے۔

اندر پہنچ کر میں کمرے کے درمیان کھڑا ہو گیا اور اس نے دروازہ بند کر لیا پھر اس نے مسکرا کر میری طرف دیکھا اور آہستہ سے بولی۔

”میں لباس بدل لوں۔“

میں نے گردن ہلا دی اور رخ بدل لیا۔

لباس تبدیل کرنے کے بعد پلٹ کر اس نے مجھے دیکھا اور رخ پلٹے دیکھ کر شاید اسے عجیب سا احساس ہوا۔ بہر

صورت وہ میرے قریب پہنچ گئی اور بولی۔
"آپ ابھی تک کھڑے ہیں بیٹھ جائیے۔"
"شکریہ۔" میں اپنے حواس پر قابو پا چکا تھا۔ میں مسہری کے ایک سرے پر بیٹھ گیا اور وہ دوسرے سرے پر بیٹھ گئی۔
"کیا تم مجھے پہچانتی ہو۔" میں نے پوچھا۔
"ہاں۔" اس نے سرد لہجے میں کہا۔
"لیکن تم نے تو مجھ سے کہا تھا کہ تم مر چکی ہو۔" میں نے جذباتی انداز میں کہا اور اس نے میری طرف دیکھا وہی ویران اور اداس آنکھیں میں لرز گیا۔
"تو کیا میں تمہیں زندہ نظر آتی ہوں۔" اس کے یہ الفاظ میری سماعت پر ایک خوف ناک دھماکا بن گئے اور سارا مفہوم میری سمجھ میں آ گیا۔ پھر میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور بولا۔
"تمہارا نام کیا ہے؟"
"شاہینہ۔"
"نہیں تمہارا اصلی نام؟"
"میں اپنی اصلیت تو کبھی کی کھو چکی۔ میں نے جس کے بارے میں تمہیں بتایا تھا وہ تو اسی دن مر گئی تھی۔ جسے جس کے باپ نے طوائف کے ہاتھوں فروخت کر دیا تھا۔ ہاں میں نے تم سے کہا تھا کہ میرے باپ نے ایک آخری کوشش کی تھی وہ یہ کہ اس نے مجھے قتل کر دیا۔ اس نے مجھے بالاخانہ پر پھینک دیا تب کیا میں خود کو زندہ سمجھ سکتی تھی۔ میری قیمت چکا دی گئی تھی۔ میرا باپ میری قیمت لے کر روپوش ہو چکا تھا اور اب ایسا کوئی نہ تھا جو مجھے سہارا دے سکتا تھا۔ چنانچہ میں مجبور ہو گئی۔ یہاں پر میرے ساتھ بڑے بڑے مظالم ہوئے اور مجھے اس بات پر آمادہ کر لیا گیا کہ میں خود کو اسی ماحول کا پروردہ سمجھوں اور جب میں نے مجبوراً اس ماحول میں خود کو ضم کر لیا تو میرے ذہن میں ایک ہی خیال تھا کہ میں مر چکی ہوں۔ میں اپنے اس روپ کو بھلا نہیں سکتی۔
"اوہ۔ کیا تم مجھے اپنا پہلا نام نہیں بتاؤ گی۔"
"پہلا نام۔ جب میں زندہ تھی۔"
"ہاں۔"
"مجھے مہرین کے نام سے پکارا جاتا تھا۔"
"ٹھیک ہے۔ تو مہرین میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"
"کہو۔ لیکن میرے بدن' میرے انداز' میری اداؤں کے بارے میں ہی کچھ کہنا۔ اس کے سوا کچھ نہ کہنا۔" اس نے کہا اور میں خاموش ہو گیا۔
وہ پوری رات میں نے اس کے نزدیک گزاری لیکن کچھ اس طرح جیسے کوئی کسی مقدس شے کے نزدیک ہوتا ہے۔
بہر صورت جب میں صبح کو وہاں سے پلٹا تو میرے ذہن میں کچھ عجیب سے خیالات تھے میں سوچ رہا تھا کہ اس کے لیے کچھ کرنا ہوگا اور میں اس شدت سے اس کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔
گھر واپس آ کر جو سب سے پہلا کام میں نے کیا تھا وہ تنویر صاحب کو ایک خط تحریر کرنا تھا۔ جس میں میں نے مہرین کے تمام حالات لکھ دیے تھے اور تنویر صاحب سے درخواست کی تھی کہ کچھ بھی ہو کسی طرح بھی ہو وہ یہاں آ گئیں۔ میں اس لڑکی کو اپنانا چاہتا ہوں۔
اور آج میری زندگی انتہائی مسرور اور پرسکون ہے۔ مجھے دلی مسرت ہے کہ میں نے ایک روح کو ایک مردہ جسم کو نئی زندگی دے دی ہے۔ اس نئی زندگی کے لیے مجھے کیا پاپڑ بیلنے پڑے۔ وہ میرا دل ہی جانتا ہے۔
تنویر صاحب میرے بہترین معاون تھے اور بھابی؟ وہ تو مجھ پر قربان ہو رہی تھیں اس وقت جب میں نے انہیں تفصیل سنائی کہ میں اس لڑکی کو بالاخانے سے اٹھا کر اپنے گھر کی زینت بنانا چاہتا ہوں۔
آج بھی بھابی میری عظمت کا اعتراف کرتی ہیں اور مہرین میرے گھر میں انتہائی خوش ہے اس نے اپنا ماضی بھلا دیا ہے اور اب وہ ایک وفادار بیوی کی حیثیت سے میرے گھر میں زندگی گزار رہی ہے۔

☆☆☆☆

معملہ

شمیم نوید

معبلہ

شمیم نوید

اک جہان دیگر اک داستان عجب

حیرت انگیز اور پراسرار کہانیوں میں ایک منفرد کہانی

میرے استفسار پر باہر آتے ہی وہ بول اٹھی۔ کماری جی......! آپ آگ سے نہ کھیلیں۔ مجھے اپنے جیون کی تو کوئی ایسی چنتا نہیں، پر آپ کو کچھ ہو گیا تو یہ سہن کرنا مجھے دوبھر ہو جائے گا۔ نڈ کیری ہی میں رہنا ہے تو کہیں اور رہ لیں، اس مندر سے دور جہاں چندر موہن کا ٹھکانا ہے۔

میں اسی سے دو دو ہاتھ کرنے تو یہاں آئی ہوں پگلی......! میں نے اسے نرمی سے سمجھایا۔ نہ وہ تمہارا کچھ بگاڑ سکتا ہے، نہ اس میں مجھے نقصان پہنچانے کی ہمت ہے۔ تمہیں اس سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ پھر یہ کیوں بھول رہی ہو کہ ہم اس کی نظروں سے اوجھل رہیں گے۔

یہ تو ٹھیک ہے، کماری جی، پھر بھی میرا من بے چین ہے۔ کویتا کی آواز میں اب بھی خوف کی لرزش تھی۔

اچانک میں، چندر موہن کی آواز سن کر اچھل پڑی۔ وہ مجھی سے مخاطب تھا۔ اے معبلہ......! کویتا کی بات مان لے کہ یہ ٹھیک ہی کہہ رہی ہے۔

چندر موہن میری نظروں سے اوجھل تھا مگر میں اس کی آواز سن رہی تھی۔ غصے کی شدید لہر میرے پورے وجود میں دوڑ گئی۔ اسی کے زیر اثر میں چیخ اٹھی۔ بزدل بھگوڑے......! سامنے آ......! چھپ کیوں رہا ہے مجھ سے۔

جواب میں چندر موہن کا زہریلا قہقہہ سنائی دیا، پھر اس کی آواز آئی۔ تو بھی تو مجھ سے ڈر کے حصار میں چھپی بیٹھی ہے کہ تجھے دیکھ نہ سکوں......! خیر، اب تو میرے پیچھے پیچھے یہاں تک آ ہی گئی ہے تو میں تجھے مایوس نہیں کروں گا۔ تیرے دشمن ژیان کو بھی میں نے یہاں تیری آمد سے آگاہ کر دیا ہے۔ وہ بھی اس پر بہت خوش ہے۔ تیرے خریدار انگریز بھی ہیں اور ژیان بھی......! جس سے بھی تیرے اچھے دام ملے، اس کے ہاتھ میں تجھے بیچ دوں گا، لیکن کب۔ یہ شاید تجھے بھی خبر ہے۔ چمپا کو جو ضد تھی، وہ پہلے پوری ہو گی۔ تو میرا اشارہ سمجھ گئی نا......! ان الفاظ کے ساتھ ہی ایک بار پھر چندر موہن کا زہریلا قہقہہ گونجا۔

عین اسی لمحے میں نے کویتا کے جسم کا توازن بگڑتے دیکھا۔ اس کے عقب میں گہری کھائی تھی۔ میں تیزی سے کویتا کی طرف لپکی۔ اس کی زندگی خطرے میں تھی۔
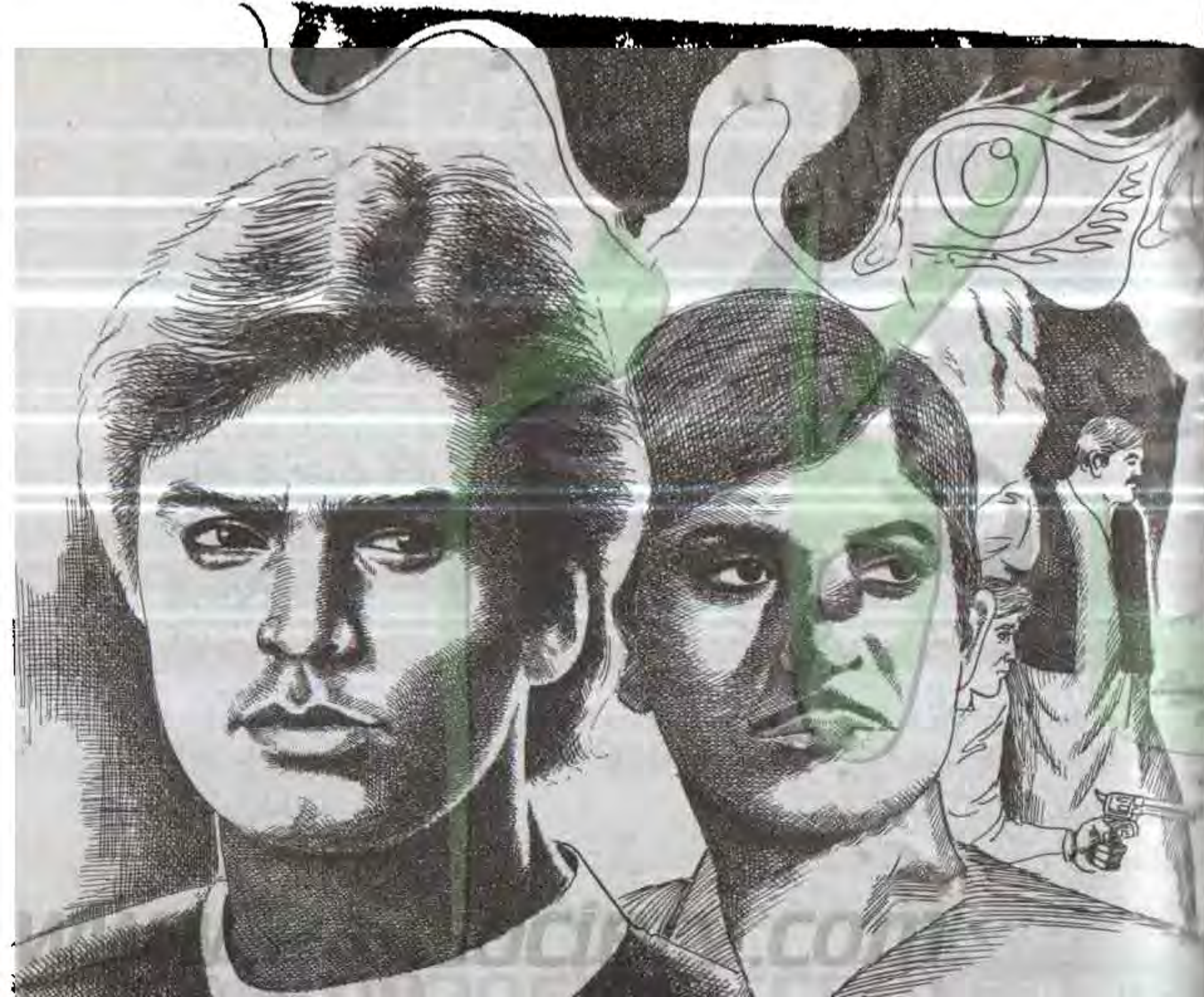
اس عیار نے مجھے باتوں میں لگا کر اچانک کویتا پر حملہ کر دیا تھا۔ میں چندر موہن کے اس غیر متوقع حملے کا مقصد اچھی طرح سمجھتی تھی۔ کویتا کو راستے سے ہٹا کر وہ گویا مجھے اپنی دانست میں بے پر کرنا چاہتا تھا مجھے اگر کویتا تک پہنچنے میں چند لمحے کی تاخیر بھی ہو جاتی تو وہ شاید زندہ نہ بچتی۔

نظروں سے اوجھل ہونے کے باوجود بھی چندر موہن کی شیطانی قوتیں میرے لئے خطرہ بن گئی تھیں۔ یہ بات ہر چند کہ تشویش ناک تھی لیکن میرا حوصلہ پست نہیں ہوا چندر موہن نے مجھے جو دھمکی دی تھی اس کا بھی میں نے اثر قبول نہیں کیا، ایسی دھمکیاں وہ پہلے بھی دیتا آیا تھا۔

کویتا کو اپنے حواس پر قابو پانے میں زیادہ دیر نہیں لگی میرا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ ڈکیری پہنچنے سے پہلے میں کوئی ایسا قدم اٹھانا چاہتی تھی کہ وقتی طور ہی پر سہی چندر موہن چکرا کر رہ جائے کویتا کو میں نے کچھ ہدایات دیں اور پھر چند ہی لمحے بعد وہ میری نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

میں نے جو قدم اٹھایا تھا اس کا ردعمل اسی روز ظاہر ہو جاتا۔ راجا چک ویرا اس سلسلے میں فوری طور پر مدد حاصل کرنے کے لئے چندر موہن سے رابطہ قائم کرتا اور پھر چندر موہن کی بے بسی قابل دید ہوتی یہی سوچتی ہوئی میں غار میں واپس آ گئی۔

حسب توقع میری تنہا واپسی پر عادل نے اظہار حیرت کیا تو میں بولی۔ سشما کو میں نے ایک کام سے بھیجا ہے۔

یہاں آتے ہی آپ نے کام دکھانا شروع کر دیا۔ عادل نے دھیمی آواز میں کہا تا کہ دور بیٹھا ہوا شیام بابو اس کی بات نہ سن سکے۔

ہم یہاں کام دکھانے ہی تو آئے ہیں۔ میں مسکرائی۔

بس مجھ غریب پر رحم کیجیے گا دنیا میں ابھی بہت کام نمٹانے ہیں کہیں اس سے پہلے ہی دی اینڈ نہ لگ جا[ئے]

دی اینڈ تو ایک نہ ایک روز لگتا ہے کل نہ سہی۔ میں ہنسی۔

فی الحال میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے آپ [یہ] شوق پورا کر لیں تو زیادہ بہتر ہے۔

تمہارے یا میرے ارادے سے کچھ نہیں ہو[گا] سب ٹھاٹ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارا میں ہرگز کوئی انجارا بنجارا نہیں جو بنجارا یا بنجارا لاد چلے، میں بھلا کیوں ٹھاٹ پڑا چھوڑ جاؤں۔

اسی وقت شیام بابو اٹھ کر قریب آ گیا اور عادل بیان خاموشی میں بدل گیا شیام بابو نے مجھ سے کو[ئی] بارے میں معلوم کیا عادل ہی کی طرح میں اسے ٹ[ال] گئی یوں بھی وہ مجھ سے زیادہ کرید اکرادی نہیں کرتا۔

کویتا کو واپسی میں زیادہ دیر نہیں لگی اس کا د[یکھا] تک نادیدہ تھا میں ایک بار پھر غار سے باہر نکل آئی تنہائی میں اس سے بات کر سکوں غار سے کچھ [دور] آنے کے بعد وہ ظاہر ہو گئی تو میں نے پوچھا۔ کام ہو [گیا]

ہاں۔ اس نے جواب دیا۔

کوئی دشواری تو نہیں ہوئی۔

نہیں صرف چند پہریداروں کو بے ہوش کر[نا پڑا] آپ کی ہدایت کے مطابق میں نے اسے پہنچا دیا ہے۔

تم نے اسے اپنے بارے میں کیا بتایا۔

یہی کہ میں ایک نیک روح ہوں اور اسے بچانا چاہتی ہوں اسی کے ساتھ میں نے اسے بھی کر دی تھی کہ وہ انگول کے محل سے نکلنے کی کو[شش] کرے محل کے گرد میں نے گھیرا ڈال دیا ہے چندر موہن اس کا سراغ نہ لگا سکے۔ کویتا نے بتائی۔ انگول شہر کے باسی یوں بھی راجا کی بہنوئی کے وفادار ہیں مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ شوہر چین بسو بھی محل میں بے دھڑک آتا جا[تا]

[ری]است کا باغی ہونے کے باوجود کوئی اس پر ہاتھ نہیں [ڈال]تا۔

نہیں آج ہی شام ہونے تک ایک بار پھر ڈکیری جانا ہے۔ پھر میں اسے سمجھانے لگی کہ اس مرتبہ کیا کرنا ہے۔

راجا چک ویر کی مظلوم بہن دیوما کو میں نے قید سے [رہائی] دلا دی تھی میری ہدایت کے مطابق کویتا نے اسے [انگو]ل پہنچا دیا تھا جو گویا اس کا اصل گھر تھا یہ علاقہ [باغیو]ں کا گڑھ کہلاتا تھا راجا اور اس کے کارندے ان [لوگو]ں کو باغی کہتے تھے اور وہ لوگ خود کو آزادی کے [سپاہی] سمجھتے تھے۔ وہ راجا چک ویر کے ظلم و ستم سے [نج]ات پانے کی جدوجہد میں مصروف تھے اور انہیں [مہار]اں کا ویری۔ کی حمایت حاصل تھی۔

اسی شام کویتا نے ڈکیری کا ایک پھیرا اور لگایا وہ جو [خبر] لائی میری توقع کے مطابق تھی۔ سخت ترین پہرے [کے] باوجود راج محل سے دیوما کے پراسرار فرار نے راجا [کو] ہلا دیا تھا اس سلسلے میں پہلے تو راجا نے لنگڑے [بسود]یا کی خبر لی پھر اسی کے مشورے پر بہ ذات خود [چند]ر موہن کی خدمت میں حاضری دینے امرناتھ کے [مند]ر پہنچ گیا۔ چندر موہن نے شام تک دیوما کا سراغ [لگ]انے کا دعویٰ کیا مگر ناکام رہا اس سے راجا چک ویر [کے] اعتماد کو دھچکا لگا اور وہ ناکام و نامراد مندر سے لوٹ [آیا] اب وہ باغیوں کے علاقے پر یلغار کرنے کے [منص]وبے بنا رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ دیوما ڈکیری سے [فرار] ہو کر انگول ہی پہنچی ہوگی۔

[میرا] کھیل شروع ہو گیا تھا مجھے معلوم تھا کہ وزیر دفاع [راجا] اپنی ہی ریاست کے ایک علاقے پر فوج کشی کے [لئے] ہرگز آمادہ نہیں ہوگا۔

[ر]ات کو اتیا وعدے کے مطابق آ گیا اور اس نے ہمیں [پہاڑ] کے دامن میں متروک دھرم شالہ تک بہ حفاظت [پہنچا] دیا اس دھرم شالہ کے کھنڈرات میں ایک کمرا بہرحال [قا]بل تھا جہاں ہم قیام کر سکتے۔ اتیا ہمیں اس کے بارے میں پہلے ہی بتا چکا تھا اس نے ہمارے لئے وہاں کھانے پینے کی اشیاء کا ذخیرہ بھی کر دیا تھا۔

یہ تو بھوت نگری معلوم ہوتی ہے۔ اتیا چلا گیا تو عادل نے سرگوشی کی اس نے اپنا بستر میرے قریب ہی بچھایا تھا۔

خاموشی سے سو جاؤ ورنہ کوئی بھوت تم سے تعارف حاصل کرنے کی کوشش بھی کر سکتا ہے۔ میں نے دھیمی آواز میں کہا۔

پھر عادل نے میرا زیادہ مغز نہیں چاٹا طویل سفر کے بعد یہ پہلی رات تھی کہ ہم سکون سے سونے والے تھے۔ سبھی خاصے تھکے ہوئے تھے اس لئے جلد سو گئے مگر تھکن کے باوجود مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ پھر بھی میں نے آنکھیں بند کر لیں اسی کے ساتھ میں اس پراسرار تجربے سے گزرنے لگی جواب میرے لئے نیا نہیں تھا یکے بعد دیگرے مجھے مختلف مناظر دکھائے جاتے رہے اور سرگوشیوں میں بہت کچھ بتایا جاتا رہا ان منظر کا تعلق ریاست کوڈگ اور راجا چک ویر سے تھا غالباً اس طرح مجھے ریاست کے ماضی اور حال سے آگاہ کیا جا رہا تھا اور اس کا یقیناً کوئی نہ کوئی سبب تھا جس سے ابھی میں آگاہ نہیں تھی۔

میں سب کچھ دیکھ اور سن رہی تھی، محسوس کر رہی تھی۔

پہلا منظر کسی میلے کا سا تھا۔ لوگ گنگا اشنان کر رہے تھے۔ ایک حسین و نوجوان لڑکی کا چہرہ میرے صفحہ ذہن پر ابھرا اس کی عمر اٹھارہ سال سے زیادہ نہیں لگتی تھی۔ اس کی مانگ بھری ہوئی تھی یعنی وہ شادی شدہ تھی سونے کے زیورات سے لدی ہوئی اس لڑکی سے کچھ ہی فاصلے پر میں نے راجا چک ویر اور لنگڑے بسودیا کو دیکھا۔

اس لڑکی کے بارے میں پتا لگا کہ یہ کون ہے، کس گھر کی ہے۔ راجا چک ویر نے حریص نظریں لڑکی کی طرف اٹھاتے ہوئے بسودیا کو مخاطب کیا۔

خلاف توقع بسودیا گھبرا سا گیا پھر کہنے لگا۔ پتا لگاتا ہوں مالک......! مگر دو چار دن ٹھہر جائیں تو اچھا رہے گا۔

اچھا برا مجھے نہ سمجھا۔ راجا منہ بگاڑ کر بولا۔ جو کہتا

ہوں وہ کرزیادہ باتیں نہ بنا۔
مالک......! یہ ساہوکار شیٹی کی بہو ہے۔ راج محل پہلے ہی شیٹی کا مقروض ہے اس کی بہو پر ہاتھ ڈالنا کچھ ٹھیک نہیں رہے گا۔ بسودیّا نے بتایا۔ ساہوکار شیٹی کے تعلقات بوپنا اور لکشمی نارائن دونوں ہی وزیروں سے ہیں بات کہیں بڑھ نہ جائے۔
تو نرا الو کا پٹھا ہے......! ابے ہر کام کے لئے راستہ نکالا جاتا ہے محل میں رانی کی سیوا (خدمت) میں لڑکی کو بھیجنے کے لئے بھی تو کہا جاسکتا ہے۔
سیوا کے لئے کہیں یا کچھ اور ان کے لئے ایک ہی بات ہے مالک......! وہ سمجھ جائیں گے کہ یہ آپ کی خواہش ہے۔ شیٹی کسی طرح دب کر مان بھی جائے تو بیٹا نہیں مانے گا، بیٹ بھی اگر مان گیا تو اس کی ماں نہیں مانے گی، بات بڑھ جائے گی مالک۔
ہم نے ریاست کے خزانے کے لئے شیٹی سے کچھ رقم مانگی تھی یاد ہے تجھے کہ اس نے ہمیں کس طرح باتیں بنا کر بہلا دیا تھا اس وقت کے حیلے بہانے کا نتیجہ اب اسے بھگتنے دے جو تجھ سے کہا ہے اس پر عمل کر لڑکی کا مطالبہ کر اس سے، بہانہ رانی کا بنا۔
جو حکم میرے مالک بسودیّا نے مردہ سی آواز میں جواب دیا۔
منظر بدلا اور اب میں نے ایک ادھیڑ عمر شخص کے سامنے بسودیّا کو بیٹھے دیکھا ادھیڑ عمر شخص کے چہرے سے فکرمندی جھلک رہی تھی۔

بسودیّا جی ہمارے راجا جی تو ٹھیک ہیں نا۔
ٹھیک ہیں شیٹی جی۔ بسودیّا نے جواب دیا۔ لیکن میں اس وقت ان کے پاس سے نہیں آرہا ہوں مجھے رانی ماں نے بھیجا ہے۔
رانی ماں نے بھیجا ہے۔ ادھیڑ عمر شیٹی حیرت سے بولا پھر پوچھا۔ ان کا کیا حکم ہے۔
ان کا حکم ہے کہ آپ کی بہو کچھ دن کے لئے آکر محل میں راجکماری کے ساتھ رہے۔ بسودیّا نے بتایا۔
شیٹی کے چہرے سے واضح طور پر معلوم ہونے لگا کہ وہ بات کی تہ تک پہنچ گیا ہے اس کے چہرے پر ا فکرمندی کے ساتھ ہی خوف کی پرچھائیاں بھی تھیں۔
اچھی...... اچھی بات ہے بہو محل میں ضرور جا۔ گی...... میں اسے خود...... خود بتا دوں گا۔
کل بھیج دیں گے یہ کہہ دوں۔
مم...... میں خود...... کیوں نہیں...... بتا دوں گا۔
بسودیّا واپس چلا گیا شیٹی نے فوراً ہی اپنی بیوی کو بلایا اس سے کہا کہ بیٹے اور بہو کو فوراً آکل کوڈ (میسور) جانا ہے
پھر میں نے اسی حسین و نوجوان اٹھارہ سالہ لڑکی ا ایک نوجوان کو دو نوکروں کے ساتھ ڈیوڑھی کی حد سے نکلتے دیکھا اسی کے بعد مجھے شیٹی راج محل میں نظ آیا وہ باادب سارانی گورما کے سامنے کھڑا تھا۔
کہیئے کیا بات ہے شیٹی جی۔ کیسے آئے۔ رانی ۔ اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔
شیٹی کہنے لگا۔ کچھ دن بعد بنگلوں کے انگریزوں کو بھوجن (کھانا) دینا ہے۔ سنا ہے کہ اس کے لئے کچھ سامان چاہیے۔ انگریزوں کے لئے ضروری سامان بنگلور ہی سے منگوانا پڑتا ہے پہلے سے تفصیل پتا چل جائے تو آسانی ہوگی اسی بات کی پرارتھنا (درخواست) کے لئے آیا ہوں۔
ٹھیک ہے ہم بسودیّا سے کہلا بھیجیں گے۔
ایک بات اور تھی رانی ماں۔ شیٹی کی آواز دھیمی ہوگئی۔ سنا ہے آپ نے حکم دیا ہے کہ راج محل میں سیوا کرنے کے لئے ہمارے گھر سے کسی لڑکی کی ضرورت ہے کیا کام ہے۔ کسے بھیجوں۔ یہ بھی پوچھنا تھا۔
رانی گورما کے چہرے پر یہ سن کے ایک رنگ سا آکر گزر گیا۔ چند لمحے بعد وہ بولی۔ ہاں...... ہمی نے کہا تھا کہ راجکماری کے ساتھ دل بہلانے کی کوئی لڑکی چاہیے وہی بات شاید آپ تک پہنچی ہوگی ہم کہلا بھیجیں گے جب ضرورت ہوئی تب تک کسی کو بھیجنے کی ضرورت نہیں۔
جو حکم رانی ماں۔ شیٹی اجازت لے کر اٹھ کھڑا ہوا۔
شیٹی ہی کا چہرہ پھر مجھے ایک نئے منظر میں دکھائی دیا وہ لڑ رہے بسودیّا کو اپنی نشست گاہ میں بٹھا رہا تھا وہ بسودیّا سے انگریزوں کو دی جانے والی دعوت کے بارے میں بات کرنے لگا تو بسودیّا نے کہا۔ ابھی راجا جی نے یہ ارادہ ملتوی کر دیا ہے۔ آپ یہ بتائیں بہو کو کب راج محل بھیجیں گے۔
گاؤں سے آتے ہی بھیج دوں گا۔
کس گاؤں سے۔ کل تو وہ یہیں تھی نا بسودیّا حیران سا ہو کر بولا۔
گھر میں کون سی لڑکی ہے اور کون سی نہیں کیا یہ باتیں سب کو بتانے کی ہوتی ہیں رانی ماں نے بھیجنے کے لئے کہا ہے بھیج دوں گا۔ آپ یہ پوچھ رہے ہیں کہ کب بھیجوں گا تو کہہ دیجیئے گاؤں سے واپس آنے کے بعد بھیج دوں گا۔
تو مجھے ساری بات صاف صاف بتانا پڑے گی۔ بسودیّا نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔ یہ راجا جی کا حکم ہے کہ وہ لڑکی ان کے خاندان کے ساتھ رہے۔
یہ تو بڑی عزت کی بات ہے ضرور بھجوائیں گے انہیں اطلاع دے دیجیے۔
شیٹی جی یہ رانی ماں کی بات نہیں ہے شاید آپ جان کر بھی انجان بن رہے ہیں رانی ماں سے تو اس کا تذکرہ بھی نہ کریں۔
کل ہی بات کیوں نہیں بتائی تھی بسودیّا جی میں تو رانی ماں سے یہ تذکرہ کر بیٹھا۔
تو یہ کہیئے کہ آپ کو معلوم نہیں تھا کہ یہ راجا جی کا حکم ہے۔ بسودیّا کے لہجے میں طنز تھا۔
پھر میں نے مختلف مناظر دیکھے اور پتا چلا کہ شیٹی کی بہو کا معاملہ کس حد تک طول کھینچ گیا۔ بات یہاں تک پہنچ گئی کہ دونوں وزیر بوپنا اور لکشمی نارائن نے رانی گورما سے ملنے کا فیصلہ کیا کہ راجا کی جگہ رانی ریاست کی ذمے داری قبول کرلے وہ دونوں اسی سلسلے میں گفتگو کر رہے تھے۔ لکشمی نارائن ابھی پوری طرح اس فیصلے سے متفق نہیں تھا وہ بوپنا سے کہنے لگا۔ یہ سب تو ٹھیک ہے لیکن اس سے بغاوت کی بو آتی ہے۔
بغاوت نہیں ہونا چاہیے۔ یہی سوچ کر اتنا وقت گزار دیا کہا جاتا ہے شکایت راجا تک لے جانا چاہیے لیکن راجا ہی غلطی کرے تو کس سے شکایت کی جائے۔ کسی لڑکی کو پکڑ لاتے ہیں، اسے خراب کرتے ہیں اور پھر محل سے باہر نکال دیتے ہیں۔ کون سی لڑکی کبھی خود آئی، کسے زبردستی لے جایا گیا اس پر ہم نے دھیان نہیں دیا آج شیٹی کی بہو پر ہاتھ ڈالا جارہا ہے تو پھر کل ہمارے گھر پر پرسوں آپ کے گھر پر ہاتھ ڈالا جائے گا اسے روکنا بغاوت نہیں ہے۔ بوپنا سخت غصے میں تھا۔
کوڈگی لڑکیوں پر اور برہمنوں کی بیٹیوں پر کیا آج ہی انہوں نے ہاتھ ڈالا ہے مگر اسے روکا کیسے جائے۔
میں کہہ تو چکا ہوں کہ راجا کو گدی سے ہٹا دیا جائے کیا پرانوں میں نہیں کہا گیا کہ شہر کے بچوں کو پانی میں ڈبونے کی وجہ سے راج پتر کو جنگل میں بھیج دیا گیا۔ ویش کی جنتا کو تنگ کرنے کی وجہ سے کیا بین رس کا سر نہیں اڑا دیا گیا۔ میرا خیال اب بھی یہی ہے کہ رانی ماں کاروبار حکومت چلا سکتی ہیں۔
اس سے بات نہیں بنے گی بوپنا جی......! پتی اگر یہ کہے کہ یہ کام کرنا ہی پڑے گا تو پتنی کو کرنا ہی پڑتا ہے اقتدار تو اس طرح راجا جی ہی کے ہاتھ میں رہے گا۔
اگر آپ سمجھتے ہیں تو راجکماری کو گدی پر بٹھایا جاسکتا ہے۔
یہ تو اور بھی برا ہوگا راجکماری باپ کا حکم کیسے ٹال سکے گی۔
یہ دونوں نہ سہی تو راجا کی بہن دیوما سہی۔
آپ کو عورتیں ہی نظر آرہی ہیں بوپنا جی کوئی عورت کس طرح حکومت چلا سکتی ہے۔
تو پھر اس سلسلے میں رانی ماں ہی سے مشورہ کرتے ہیں ممکن ہے وہ کوئی بہتر صورت نکال سکیں۔

دونوں اس پر متفق ہو گئے پھر میں نے انہیں راج محل میں رانی گورما سے یہی گفتگو کرتے دیکھا ابھی یہ گفتگو ادھوری تھی کہ بغل کے دروازے پر کسی کا سایہ دکھائی دیا۔ آنے والا راجا چک دیر تھا جو چہرے سے نشے میں غرق لگتا تھا اسی کے ساتھ بسودئیا تھا۔

تو کیا حرامی پن کر رہی ہے یہ پتا لگانے میں خود ہی چلا آیا۔ راجا سخت برہم لہجے میں چیخا۔ کیا کر رہی ہے حرام زادی اس برہمن کے ساتھ۔ اس نے لکشمی نارائن کی طرف ہاتھ اٹھایا پھر بوپنا کی طرف غصے سے دیکھ کر کہا۔ یہ تیرا رشتے کا بھائی کیوں آیا ہے یہاں۔

رانی دونوں وزیروں کی طرف رخ کر کے بولی۔ یہ سب باتیں آپ لوگوں کے سننے کی نہیں ہیں بوپنا جی اور پنڈت جی یہ ہمارے گھر کی بات ہے۔ یہ کہہ کر وہ راجا کی طرف مڑی۔ میں آپ کو سب کچھ بتادوں گی یہاں کوئی جرم نہیں ہوا۔

راجا چک دیر اور بھی غضب ناک ہو گیا۔ جرم نہیں ہوا بتادوں گی سب کچھ۔ پھر وہ کہنے لگا۔ تو بتائے گی مجھے...... ٹھہر جا تجھے تو میں بھنگیوں کے آگے ڈالوں گا۔ بوپنا تیرا رشتے کا بھائی ہے اور تو اس کی رانی ماں ہے...... خوب ہے اس سے تیرا رشتہ، کیا تجھ سے چھیڑ چھاڑ کرنے، جی بہلانے آیا ہے تیرا یہ بھائی...... بولو تم کیوں آئے ہو یہاں۔ راجا غصے کے عالم میں بوپنا کی طرف بڑھا۔

بوپنا کا چہرہ بھی غصے سے سرخ ہو گیا وہ جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ لکشمی نارائن نے اسے روک دیا۔ بوپنا جی آپ کچھ نہ بولیں۔

رانی گورما اب بھی پر سکون معلوم ہو رہی تھی وہ راجا سے مخاطب ہوئی۔ وزیروں کو میں نے بلایا تھا، کام تھا، یہ سب میں بعد میں بتاؤں گی۔ اس وقت آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے ذرا بیٹھ جائیے بعد میں بات کریں گے۔ رانی بوپنا اور راجا کے درمیان میں آ گئی۔

حرام زادی اپنے یار کو بچانے آ رہی ہے یہ کہہ کر نے رانی کو مارنے کے لئے ہاتھ اٹھایا۔

بوپنا نے راجا کو روکنے کے لئے ہاتھ بڑھایا مگر لکشمی نارائن نے اسے پیچھے سے کھینچ لیا۔

راجا کا ہاتھ رانی کے سر پر لگا۔ رانی نے اسے دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا، اتنے میں غصے سے ہانپتے ہوئے ایک طرف جھک گیا اور پھر جھکتا ہی چلا گیا۔

رانی نے ہاتھ پھیلا کر اسے گرنے سے بچایا اور بولی۔ ادھر آؤ بسودئیا، راجا جی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ انہیں یہاں سے لے جا کر لٹانا ہے۔

راجا چک دیر بے ہوش ہو گیا۔ رانی اسے اٹھوا کر ملازمین کی مدد سے اندر لے گئی۔ بوپنا لکشمی نارائن کے ساتھ وہاں سے چلا آیا اور راج محل سے نکلتے ہی اس کا غصہ ابل پڑا وہ بولا۔ آپ نے دیکھا یہ بھک منگا راجا کیا کیا بکواس کرنے لگا ہے۔ ایک کوڑھی عورت اس کی ماں تھی اور کوڑھی عورت ہی اس کی بیوی ہے اس کے باوجود یہ ابھی تک کوڑھیوں کو سمجھ نہیں سکا کیا یہ ہمیشہ ہی راجا بنا رہے گا۔ آپ بتائیں پنڈت جی کیا میں اتنی ذلت سہہ کر بھی اس کا منتری (وزیر) بنا رہوں۔

بوپنا جی آپ نے ابھی تک راجا کو نہیں سمجھا، ان کی تربیت کسی اچھے ماحول میں نہیں ہوئی، مناسب تعلیم بھی نہیں ملی ایسی باتیں سوچنے کا کوئی فائدہ نہیں یہ راجا کے اپنے گھر کا معاملہ ہے ہمارا آپ کا اس سے کوئی تعلق نہیں اگر ہم بات بات پر غصہ کرتے رہیں تو دیش کا کیا ہوگا۔

دیش کی بات اور ہے پنڈت جی۔ اس کی کہانی ایک روز ختم ہوتا ہی ہے ایسے راجاؤں کے ہاتھوں میں دیش کبھی نہیں پنپتا یہ راجا تو بھک منگا ہے خزانے کے لئے جب دیکھو ساہوکاروں کے سامنے ہاتھ پھیلاتا رہتا ہے بھک منگوں میں بڑا پن کیسے آ سکتا ہے راجا بننے بھی بڑا پن نہیں آ سکا۔ اسی سر زمین نے بڑے بڑے

ہاں کو دیکھا ہے جنہوں نے اس کا نام روشن کیا اب بیڑا پیدا ہوا ہے جو کیوٹ گ کی سرزمین کو بدنام کر رہا ہاں نہ کوئی اس کا سر ضرور بچلے گا ایسے ختم کر دینے گا۔ انہ ساز پنڈت لکشمی نارائن نے بہ مشکل بوپنا کا ٹھنڈا کیا اور اسے کوئی انتہائی قدم اٹھانے سے ال دیا۔

میری بند آنکھوں نے اس رات آخری منظر دیکھا انیارا جا چک دیر سے مخاطب تھا۔ میں بھگوتی کے ہاں پوجا کرانے جا رہا ہوں رانی ماں کی بھی اس میں ال ہے تمام بندوبست ہو چکا ہے مالک

بھاڑ میں جا اب ان باتوں اور پوجا پاٹ سے کیا ادہ۔

فائدے کے لئے ہی تو جا رہا ہوں راجا جی اگر بھگوتی کی پوجا سے فائدہ ہو جائے تو گئی جوانی واپس آ جائے گی۔

واپس آئے گا تیرا سر اب اس جسم میں رکھا ہی کیا ہے......! تیرے ساتھ جوانی کا کھیل کھیل کر میں اب زندہ لاش بن گیا ہوں جسم میں نام کو طاقت نہیں رہی کتنے دن سے کمزوری کے سبب اسی طرح بستر پر پڑا ہوں۔

بیچ میں ایک دفعہ آپ ٹھیک ہو چلے تھے مگر وید کی بات مانے نہ میری، رن داس سجا لیا۔ دو راتوں کے سکھ کی خاطر کتنی راتیں جاگ کر گزارنا پڑیں پھر بھی فکر کی کوئی بات نہیں وہی دن رات پھر لوٹ آئیں گے ہر رات کو رن داس (خواب گاہ) پہلے ہی کی طرح سجا کرے گی ابھی سے آپ کی دل بستگی کے لئے میں نے انتظام کر لیا ہے۔ طبیعت کا کیا ہے آج خراب ہے تو کل ٹھیک ہو جائے گی آپ دیکھتے رہیں بھگوتی کی پوجا کا کیا اثر ہوتا ہے۔

تجھے منع کس نے کیا ہے۔ جو کر سکتا ہے، جا کر۔

روانگی سے قبل بسودئیا نے پوجا کا سامان دس آدمیوں کے سر پر اٹھوا کے بھیج دیا آدمی واپس آ گئے تو بسودئیا اکیلا بھگوتی کے آشرم پہنچا۔ گھوڑے سے اتر کر وہ پیدل ہی سامنے پہاڑی کے دامن میں نظر آنے والے اشرم کی طرف بڑھا۔

آشرم کے چاروں طرف گھنی جھاڑیاں تھی اندر جانے کے لئے جھاڑیوں کے درمیان ہی سے ایک راستہ تھا وہاں ایک عورت کھڑی تھی وہ لنگڑے کو اشارے سے بلا کر اندر چلی گئی۔

پہاڑ کی تلہٹی میں واقع زمانہ قدیم کی یہ ایک گپھا تھی جسے لوگوں نے اب بھگوتی کا آشرم کہنا شروع کر دیا تھا بھگوتی نے اس گپھا کے سامنے لکڑیوں سے دیوار بنوائی تھی گپھا کے سامنے ایک دروازہ تھا دروازے پر ایک ڈھلوان پتھر تھا اس پر بیلیں پھیلی ہوئی تھیں اس جگہ کو دیکھ کر یہ احساس ہوتا تھا کہ وہ کوئی خاص اور متبرک مقام ہے۔

آشرم کے دروازے پر بھگوتی کی صورت دکھائی دی تو بسودئیا نے دونوں ہاتھ جوڑ کر اسے نمسکار کیا اور آگے قدم بڑھایا۔

بسودئیا لنگڑاتا ہوا دروازے کے پاس آ رہا تھا تو بھگوتی اسے ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھی۔ ادھیڑ عمری کے باوجود وہ ایک باوقار اور حسین عورت لگتی تھی۔ چہرے کے نقوش تیکھے اور پر کشش تھے لنگڑا بھی بھگوتی کے پر وقار حسن سے متاثر معلوم ہو رہا تھا وہ بھگوتی کے قریب پہنچا تو اندر آنے کا اشارہ کر کے بھگوتی مڑ گئی۔

بسودئیا کو بھگوتی گپھا میں لے گئی۔ درمیانی حصے میں جو دروازے والا ایک کمرا تھا وہاں دیے کی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ بائیں طرف کے کمرے میں روشنی کم تھی عقبی دیوار کے ایک طاقچے میں کوئی تصویر تھی جس کے سامنے دیا جل رہا تھا۔

بھگوتی نے بسودئیا کو دروازے کے پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود اندر چلی گئی کمرے کے درمیان میں دروازے کے رخ ایک مورتی رکھی تھی جو لوہے کی بنی ہوئی تھی مورتی چکمدار تھی اور عام مندروں میں پائی

جانے والی موریوں سے مختلف سی۔

بسودئیا کے چہرے سے خوف سا جھلکنے لگا وہ فضا ہی ایسی تھی بھگوتی مورتی کے سامنے ایک کتاب کھول کر بیٹھ گئی اس نے مورتی کے دونوں طرف کی بتیوں کو ٹھیک کر کے روشنی بڑھائی بسودئیا کی طرف دیکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور خود کتاب سے منتروں کا جاپ کرنے لگی۔

یہ جاپ خاصی دیر تک چلا۔ پڑھنے کے ساتھ ساتھ بھگوتی مورتی کے چرنوں میں پھول چڑھاتی جاتی تھی اور مورتی پر نظریں جما کر ہاتھ جوڑتی تھی۔

پوجا نہایت پرسکون انداز میں ختم ہوئی اور بھگوتی اٹھی اس نے بسودئیا کو بھی کھڑے ہونے کا اشارہ کیا پہلے سے تیار رکھا کافور آرتی کی تھال میں جلا کر بھگوتی نے مورتی کی آرتی اتاری، آرتی اتارتے ہوئے بھی وہ کچھ پڑھ رہی تھی۔

آرتی اتار کر بھگوتی نے چار پانچ مٹھی پھول محل سے آئی ہوئی تھالیوں میں ڈال دیئے اور پھر انہیں لا کر بسودئیا کے سامنے رکھ دیا۔

آج کی پوجا ختم ہوئی۔ بھگوتی نے کہا۔ یہ پوجا کم سے کم پانچ دن چلے گی۔

ٹھیک ہے۔ بسودئیا نے جانے کے لئے قدم اٹھایا۔

اسی لمحے بھگوتی نے تیزی سے آگے بڑھ کر بسودئیا کو اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا پھر یوں لگا جیسے بھگوتی سسک رہی ہو۔ چند ہی ساعتوں کے بعد بھگوتی کی بانہوں کا حلقہ کھل گیا اور وہ بسودئیا سے دور جا کھڑی ہوئی

اب یہاں مت ٹھہرو، جاؤ یہاں جو کچھ ہوا ہے کسی سے مت کہنا۔ یہ کہتے ہی بھگوتی پوجا گرہ میں چلی گئی اور بسودئیا اسے حیران حیران سی نظروں سے دیکھتا رہ گیا۔

پھر کوئی منظر میری بند آنکھوں میں نہیں جاگا میں نے آنکھیں کھول دیں۔ اس عورت کا رویہ میرے لئے بھی پراسرار تھا وہ عورت کون تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو کیوں تیر رہے تھے۔ متعدد سوالات میرے ذہن گردش کرنے لگے مجھے یہ مناظر کیوں دکھائے تھے۔ میں سوچنے لگی اور پھر مجھے سرگوشیوں میں [illegible] کے متعلق سب کچھ بتا دیا گیا۔ مجھے یہ جان کر بڑی [illegible] ہوئی اور ثریان کے سوتیلے بھائی جذیل کا چہرہ [illegible] آنکھوں میں گھوم گیا۔

اس کے بعد میرا ذہن پرسکون ہو گیا اور آنکھ لگ گئی

دوسرے ہی دن صبح میں عظیم مہمن کی تاکید مطابق بھگوتی سے ملنے اس کے آشرم میں پہنچ گئی [illegible] سے مجھے بہت کچھ معلوم ہوتا تھا۔

بھگوتی اس وقت پوجا کر کے باہر آ رہی تھی مجھ [illegible] پڑتے ہی وہ ٹھٹک کر رک گئی۔

کون ہو تم۔ اس نے مجھ سے سوال کیا۔ تمہیں [illegible] نے پہلے یہاں کبھی نہیں دیکھا۔

بھگوتی کیا بیٹھنے کو نہیں کہو گی۔ میں نے اسے [illegible] نام لے کر مخاطب کیا۔

تو میرا نام بھی جانتی ہو تم...... بیٹھو۔

فرش پر دری بچھی تھی۔ میں اس کے ساتھ بیٹھ گئی [illegible] بولی۔ تم ایک روشن ضمیر عورت مشہور ہو بھگوتی [illegible] تمہارے اندر اندھیرا ہی اندھیرا پھیلا ہوا ہے۔

کیا مطلب ہے اس سے تمہارا۔ بھگوتی کی تیوری پر بل پڑ گئے۔

تمہارے اندر اتنا حوصلہ بھی نہیں کہ اپنی اولاد کو اپنا کہہ [illegible] بولو کیا ایسا نہیں ہے۔ میں نے اس کے چہرے پر نظر ڈالی [illegible]

تم...... تم کیا کہہ رہی ہو میں سمجھی نہیں۔ وہ گھبرا سی گئی۔

شاید تم سمجھ کر بھی نہیں سمجھنا چاہتیں ٹھیک ہے پھر [illegible] خود ہی بسودئیا کو بتا دوں گی کہ تم اس کی ماں ہو۔

نہیں......! وہ تقریباً چیخ اٹھی۔ ابھی ایسا ہرگز نہ کرنا۔ بھگوتی کی آواز دھیمی ہو گئی۔ لیکن تم...... تم میرے [illegible] کو کیسے جانتی ہو۔

میں تو اور بھی بہت کچھ جانتی ہوں بھگوتی۔ میں معنی خیز لہجے میں کہا۔ کیا راجا چک دیر کا باپ لنگ راج تمہارا شوہر نہیں تھا اور اپنی جان کے خوف سے تم راج محل چھوڑ کر بھاگ نہیں گئی تھیں۔ لنگ راج نے تمہارے بیٹے کو بھی ایک رات نشے اور غصے کے عالم میں مارنا نہیں چاہا تھا۔ اس نے بسودئیا کا پیر موڑ دیا تھا اور تم نے اپنے بیٹے کو مرنے سے بچا لیا تھا اس شرط پر کہ تم لنگ راج کی زندگی سے نکل جاؤ گی لنگ راج نے تمہیں دھمکی دی تھی کہ اگر راج محل چھوڑ کر نہ گئیں تو وہ تمہیں اور تمہارے بیٹے کو قتل کر دے گا۔ محض اس لئے لنگ راج تمہیں قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھا کہ تمہارا تعلق کسی معزز گھرانے کی بجائے گانے بجانے والے ایک خاندان سے تھا۔ بھگوتی......! تم نے ایک معمولی مغنیہ ہو کر اقتدار پر اپنے حق کا دعویٰ کیا تھا یہی تمہارا جرم ٹھہرا لنگ راج تمہیں اپنی پہلی بیوی دیوکا کے برابر حق دینے پر آمادہ نہیں تھا لنگ راج کو مرے برسوں بیت گئے تو اب تم لوٹی ہو تا کہ جو حق تمہیں نہ مل سکا اپنے بیٹے بسودئیا کو دلا سکو یہی بات ہے نا۔

میری باتیں سن کر بھگوتی پر سکتہ سا طاری ہو گیا، پھر اس کے چہرے پر خوف کے آثار نظر آنے لگے اس کے خوف کی وجہ سمجھنا میرے لئے مشکل نہیں تھا میں نے اس سے جو کچھ کہا تھا اگر راجا چک دیر کے علم میں آ جاتا تو پھر اس کے بیٹے بسودئیا کو قتل کر دیا جاتا اور خود اسے بھی زندہ نہ چھوڑا جاتا۔

سنو بھگوتی۔ میں نے اسے مخاطب کیا۔ ڈرو مت میں بہت دور سے دیوتاؤں کے حکم پر تمہاری مدد کرنے آئی ہوں۔ میرا نام کرن کماری ہے اور میں دیوتاؤں کی چہیتی ہوں اگر ایسا نہ ہوتا تو مجھے تمہارے ماضی کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہوتا۔

تم نے ایک لفظ بھی جھوٹ نہیں کہا۔ بھگوتی آخرکار بول ہی اٹھی۔ تم واقعی سچی اور دیوتاؤں کی چہیتی ہو۔ بھگوتی مرعوب لگ رہی تھی اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے مزید کہا۔ مگر کماری یہ کس طرح ممکن ہے۔ لنگ راج کا بڑا بھائی جی تو اپنے بیٹے ویرنتا کو ریاست کی گدی پر بٹھانا چاہتا ہے وہ یہاں سوامی جی کا بھیس بھرے پھرتا ہے اس نے میرے سوتیلے بیٹے چک دیر کے خلاف ایک تنظیم پر بھی تو قبضہ جما لیا ہے اس تنظیم کا نام فرزندان کاویری ہے تمہیں پتا ہی ہو گا۔

ہاں معلوم ہے۔ میں نے پرسکون آواز میں جواب دیا۔ سوامی جی کی شخصیت سے بھی پردہ اٹھ گیا تھا۔

لنگ راج کے بڑے بھائی کا نام کری اپا ہے میرا مطلب اصل نام سے ہے، اس کا بیٹا ویرنتا اسی ٹمکیری میں سنیاسی بنا پھرتا ہے۔ بھگوتی نے مزید بتایا۔ مجھے یہاں آئے بہت دن ہو گئے ہیں اور میں بہت کچھ معلوم کر چکی ہوں۔ میں نے انگریز سرکار کو بھی اس سلسلے میں خط لکھے ہیں کہ میرا حق دلایا جائے۔

تمہارے سوتیلے بیٹے راجا چک دیر کا بہنوئی چین بسو بھی تو حکومت کا دعویدار ہے اس نے بھی تو انگریز حکام کو خط لکھے ہوں گے۔

ہاں تم ٹھیک کہتی ہو کماری۔ مجھے تو کری اپا پر بھی یہی شبہ ہے کہ وہ راج پاٹ اپنے بیٹے کو دلانے کے لئے انگریزوں سے ساز باز کر رہا ہے اب تم ہی بتاؤ کہ ایسی صورت میں اگر چک دیر کو گدی سے کسی طرح اتار بھی دیا گیا تو مجھے میرا حق کیسے ملے گا۔

تم ایک بات شاید اور بھول گئیں بھگوتی کہ مقامی باشندے جنہیں کوڈگی کہا جاتا ہے، چک دیر کو گدی سے اتار کر رانی گورما یا اس کی بیٹی راجکماری پٹا کو بھی ریاست کا حکمراں بنا سکتے ہیں رانی گورما بہرحال کوڈگن ہی کی ہے سو یوں راجا چک دیر کے اقتدار سے ہٹنے کے بعد بھی حکمرانی کے پانچ افراد دعویدار ہو سکتے ہیں۔ ایک تو تمہارا ہی بیٹا بسودئیا دوسرا چک دیر کا تایا زاد ویرنتا تیسرا بہنوئی چین بسو چوتھی رانی گورما اور پانچویں راجکماری پٹا۔

پھر یہ بیل کیسے منڈھے چڑھے گی۔ تم کس طرح

WWW.Paksociety.com

میری مدد کرو گی۔ بھگوتی نے بے چین ہو کر پوچھا۔
اس کا جواب تمہیں آنے والا وقت دے گا۔ یہ کہتے ہی میں اٹھ کھڑی ہوئی۔
کماری۔۔۔۔! تم یہاں مڈ کیری میں کہاں ٹھہری ہو۔ وہ بھی کھڑی ہوگئی۔
تم سے زیادہ دور نہیں ہوں۔ میں نے مسکرا کر جواب دیا۔ فی الحال تمہارے لئے اتنا ہی جان لینا کافی ہے۔
پھر کب آؤ گی۔ اس نے میرے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے معلوم کیا۔
کچھ خبر نہیں۔ میں نے کہا۔ مجھے تم سے جو کہنا تھا کہہ چکی اور دیوتاؤں کے حکم پر جو کرنا ہوگا اس کے لئے میرا تم سے ملتے رہنا ضروری نہیں۔
ہاں میں تمہیں ایک بات بتانا تو بھول ہی گئی پچھلے ہفتے مجھ سے ایک انگریز افسر بھی آ کر ملا تھا اس نے بھی مجھ سے میری مدد کرنے کا وعدہ کیا تھا، اپنا نام شاید اس نے رابرٹ بتایا تھا رابرٹ کے ساتھ کچھ اور بھی لگا تھا جو مجھے یاد نہیں رہا۔
آگے بڑھتے بڑھتے میرے قدم جیسے خود بہ خود رک گئے میں چونک کر بولی۔ اپنا نام۔۔۔۔ پورا نام اس نے رابرٹ ہیم تو نہیں بتایا تھا۔
ہاں یہی پورا نام تھا اس کا۔۔۔۔! کہہ رہا تھا کہ اس نے میسور کے کمشنر کے پاس میرا خط دیکھا تھا۔
ایک بار مل کر پھر تو وہ نہیں آیا۔
نہیں۔ بھگوتی بولی۔ کیا تم اسے بھی جانتی ہو کماری۔
ہاں بہت اچھی طرح۔ میرا لہجہ معنی خیز تھا۔
پھر میں بھگوتی کے پاس مزید رکی نہیں اور چلی آئی عظیم مہمن نے بلاسبب مجھے یہ تاکید نہیں کی تھی کہ میں بھگوتی سے ضرور ملوں۔ بھگوتی سے مجھے بہت سے حقائق کا علم ہوگیا تھا فرزندان کاویری کے بارے میں میرے اندازے بڑی حد تک درست ثابت ہوئے تھے۔ اس تنظیم کی آڑ میں اقتدار کے حصول کا کھیل کھیلا جا رہا تھا۔
موجودہ صورت حال میں میرے لئے یہ اندازہ لگانا کوئی مشکل نہیں تھا کہ ریاست کوڈگ کا مستقبل کیا ہوگا۔۔۔۔! اقتدار کے مختلف دعویداروں کی باہمی کشمکش سے فائدہ اٹھا کر انگریز حکمراں پورے ہندوستان کی طرح اس ریاست پر بھی قبضہ کر لیتے یہاں تک ملٹری انٹیلی جنس کے سربراہ رابرٹ کے قدم پہنچ جانا اسی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ ریاست پر انگریزوں کے قبضے سے قطع نظر مجھے اب اپنے معاملے کی فکر تھی جس کی خاطر میں نے یہ طویل اور دشوار گزار سفر کیا تھا مجھے چندر موہن اور ژیان سے نمٹنا تھا جو مجھ سے زیادہ دور نہیں تھے۔
میں دھرم شالہ کے کھنڈرات میں واپس پہنچی تو اپنی عادت کے مطابق عادل نے مجھے چھیڑا۔ میں شیام بابو سے ابھی کہنے ہی والا تھا کہ باہر جا کر آپ کو دیکھوں۔
وہ کس لئے۔ میں نے سنجیدگی سے کہا۔
آپ کو گئے بہت دیر ہوگئی تھی اور بتا کر بھی نہیں گئی تھیں کہ کہاں جا رہی ہیں یہ علاقہ بہرحال آپ کے لئے اجنبی ہے۔ ابھی جب آپ گئی تھیں تو انتیا سوامی جی کا پیغام لے کر آیا تھا سوامی جی آپ سے ملنا چاہتے ہیں انتیا آج شام پھر آئے گا۔ شیام بابو نے بتایا۔
سوامی جی کا بھید کھل ہی گیا شیام بابو۔ میں دھیرے سے طنزیہ انداز میں ہنسی۔ میں نے پہلے بھی آپ سے اپنے شک و شبے کا اظہار کیا تھا۔
جی ہاں مگر ہوا کیا۔ شیام بابو نے حیرت سے پوچھا۔
ہوا تو خیر کچھ نہیں لیکن۔۔۔۔ پھر میں نے شیام بابو کو فرزندان کاویری کے اصل اغراض و مقاصد سے آگاہ کر دیا پھر بولی۔ اس کے باوجود ان لوگوں سے بگاڑنا نہیں ہے بس اتنا ہے کہ سرفروش تنظیم کو ان کے بارے میں جو غلط فہمی تھی وہ دور ہوگئی، وہ لوگ بھلا انگریزوں سے کیا لڑیں گے جو اپنے اپنے اقتدار کے حصول کی خاطر انگریزوں ہی سے مدد چاہتے ہوں۔۔۔۔! سارے ہندوستان میں انگریزوں کو پیر جمانے کا موقع ایسے ہی

لوگوں نے تو دیا ہے۔
پھر تو یہی لگتا ہے کہ یہاں غاصب انگریز آزمائی ہوئی چالیں چلے گا۔ شیام بابو نے میری رائے سے اتفاق کیا۔ کوبتا اس دوران میں کچھ نہیں بولی یہ باتیں اس کے کرنے اور سوچنے کی تھیں بھی نہیں، ایسے مواقع پر عموماً وہ خاموش ہی رہتی تھی اس کا جو بھی تعلق اور واسطہ تھا مجھی تک تھا وہ کبھی متعینہ حدود سے تجاوز نہیں کرتی تھی۔
اس کے بعد میں نے شیام بابو اور عادل کو حکومت کے دوسرے دعویداروں سے آگاہ کر دیا اور بھگوتی کے بارے میں بھی کچھ نہیں چھپایا اسی دوران میں رابرٹ ہیم کا ذکر بھی آ گیا اس پر عادل نے کہا۔ وہ شاید یہاں رکا نہیں ہوگا بھگوتی سے مل کر میسور چلا گیا ہوگا۔
مگر ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔ شیام بابو کے چہرے سے الجھن ظاہر ہونے لگی۔
کیا۔ میں نے پوچھا۔
بھگوتی کو اس نے اپنا صحیح نام کیوں بتایا۔ بہ حیثیت انگریز افسر وہ کوئی بھی فرضی نام بتا سکتا تھا رابرٹ ہیم ایسے لوگ اتنے غافل نہیں ہوتے۔ شیام بابو نے جواب دیا۔
ہاں یہ ایک نکتہ ضرور قابل غور ہے۔ میں نے اعتراف کیا۔ اسے خود یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ کام تو وہ اپنے کسی بھی ایجنٹ سے لے سکتا تھا۔
عادل نے بھی مجھ سے اتفاق کیا اور بولا۔ کماری لگتا ہے کہ رابرٹ ہیم نے آپ کو الجھانے کے لئے یہ شوشہ چھوڑا ہے کہ آپ اس کی تلاش میں میسور کا رخ نہ کریں۔
مجھے فی الحال میسور جانے کی کیا ضرورت ہے میرا اصل شکار ژیان تو یہیں کوڈگ میں ہے۔
پھر میں خاموش ہوگئی اور مزید گفتگو نہیں کی۔ شیام بابو یا عادل نے مجھ سے یہ نہیں پوچھا تھا کہ میں نے بھگوتی کی زبان کیسے کھلوائی۔
وہ دن بھی میں نے رائیگاں نہیں گزارا میں نے کوبتا سے کام لیا عیاش و ظالم راجا چک دیر کی قید میں جو معصوم و بے گناہ لڑکیاں تھیں انہیں رہائی دلا دی۔ ایسا کرنا میرے لئے مشکل نہیں تھا راج محل میں ان لڑکیوں کے پراسرار فرار سے کھلبلی سی مچ گئی کوبتا کے ذریعے مجھے سب کچھ معلوم ہوتا رہا لنگڑے بسو دیا اور لڑکیوں کی نگراں دوڈو کی مصیبت آ گئی۔
راجا چک دیر جنون میں مبتلا ہوگیا اسی عالم میں اس نے انتیا کو بھی راج محل سے نکال دیا کیوں کہ وہی راج محل کے محافظ دستے کا نگراں تھا چک دیر کا خیال یہ تھا کہ راج محل میں اس کے خلاف کوئی گہری سازش ہو رہی ہے جس میں انتیا بھی شامل ہو سکتا ہے۔
انتیا بہرحال وزیر دقاع بوپنا کا بھانجا تھا۔ اس پر سازش کا الزام یا عدم اعتماد کا اظہار معمولی بات نہیں تھی۔ مڈ کیری کے باشندے اب کھلے عام راجا چک دیر کے خلاف بولنے لگے۔ پہلے وہ ایسی باتیں کرتے ہوئے ڈرتے تھے کیوں کہ ریاست پر تنک برادری کی وجہ سے راجا کی گرفت مضبوط تھی اب اسی برادری یا ذات کے ایک نمایاں فرد کو راج محل سے نکال دیا گیا تھا اور اس کی جگہ ایک نیچ ذات شخص کو دے دی گئی تھی یہ نیا نگراں بسو دیا کا خاص آدمی تھا۔
شام ہوتے ہوتے مڈ کیری میں یہ افواہ گشت کرنے لگی کہ تنک ذات کے لوگ اپنی اس بے عزتی پر خاموش نہیں بیٹھیں گے۔ یہ بھی سنا گیا کہ ریاست کا وزیر دقاع بوپنا بھی اپنے عہدے سے استعفیٰ دے رہا ہے میں اس عرصے میں دھرم شالہ سے نہیں نکلی البتہ اس کمرے سے کوبتا کو ساتھ لے کر باہر ضرور آ گئی جہاں عادل اور شیام بابو موجود تھے۔ دھرم شالہ کے کھنڈرات میں کئی ایسی جگہیں تھیں جہاں میں چھپی رہ سکتی تھی۔
حسب وعدہ شام کو انتیا آ گیا اسے میں نے دور ہی سے کھنڈرات کی طرف آتے دیکھ لیا تھا اور پھر میں اس کمرے میں آ گئی تھی جس کی دیوار اور چھت سلامت تھی میں نے محسوس کر لیا کہ انتیا کچھ فکر مند سا ہے لیکن

اس نے پہلی بات وہی کی جس کے لئے آیا تھا۔
تم نے پوچھا بھی سوامی جی سے کہ وہ مجھ سے کیوں ملنا چاہتے ہیں۔ میں نے دریافت کیا زبان کوڑگی ہی بولی۔
آپ اس ریاست میں بہرحال ہماری مہمان ہیں اور سوامی جی ہمارے سربراہ ہیں میزبان سے مہمان کی ملاقات ہی نہ ہو تو عجب ہی سا لگے گا سوامی جی نے آپ کو آج رات کھانے پر بھی مدعو کیا ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی کہلوایا ہے کہ موجودہ حالات میں اگر آپ سادھی تک نہ آنا چاہیں تو وہ خود بھی یہاں آسکتے ہیں اتیا نے مودب انداز میں اپنے سربراہ کا پیغام مجھ تک پہنچایا جس کی حقیقت سے میں باخبر ہو چکی تھی اس کا اصل نام کری اپا تھا مگر فرزندان کاویری کو نہ اس نے اپنی اصلیت سے آگاہ کیا تھا نہ اصل نام بتایا تھا اتیا اور دوسرے نوجوانو لوبس یہی معلوم تھا کہ اس کا اصل نام شوگمار ہے حالانکہ ایسا نہیں تھا۔
لوگ اپنی اصل شخصیت چھپانے کے لئے کتنے پردے ڈالتے ہیں۔ میں نے سوچا.....! مجھے علم تھا کہ لنگ راج کے دو بھائی اور تھے سب سے بڑا راجا راجندر تھا پھر کری اپا سب سے چھوٹا لنگ راج تھا تینوں بھائیوں میں سے دو مر چکے تھے یعنی راجا راجندر اور لنگ راج ایک بھائی کری اپا زندہ تھا۔ لنگ راج ایسے عیار وسفاک شخص نے اسے کس طرح زندہ چھوڑ دیا۔ یہ سوال بہرحال جواب طلب ضرور تھا، ہر چند کہ مجھے اب اس ریاست کے سیاسی معاملات سے کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی پھر بھی کری اپا کی دعوت قبول نہ کرنا خلاف مصلحت تھا فرزندان کاویری کی سمت سفر لاکھ غلط سہی میں مہمان انہی کی تھی، کچھ سوچ کر میں نے دعوت منظور کرلی۔
سوامی جی کو یہاں آنے کی زحمت دینا ٹھیک نہیں۔ میں نے مزید کہا۔ یوں بھی میرے اندازے کے مطابق وہ خاصے ضعیف ہوں گے۔

جی ہاں ان کی عمر اسی سال سے زیادہ ہے مگر بھگوان کی کرپا سے اب بھی سیدھے چلتے ہیں۔ اتیا نے بتایا پھر خود ہی کہنے لگا۔ راجا راجندر کی سادھی کے ساتھ ہی سادھو سنتوں اور پوجا کرنے والوں کے لئے کسی زمانے میں پختہ کمرے بنوائے گئے تھے جو راج کرتا ہے دراصل جنتا (عوام) اسی کو مانتی جانتی ہے گزر جانے والوں کو کوئی نہیں پوچھتا سنا ہے کہ جب تک راجا راجندر کی پتری (لڑکی) وستو جی راج سنگھاسن پر براجمان رہیں تو سادھی پر پوجا ہوتی رہی پھر جب انہیں بلی چڑھا دیا گیا تو پوجا بند ہوگئی سادھو سنتوں نے بھی وہاں سے ڈیرے اٹھا لیے اس کے بعد جب سوامی جی یہاں آئے اور انہوں نے رفتہ رفتہ ہمارے دل جیت لئے تو ایک بار پھر سادھی آباد ہوگئی سوامی جی نے راجا راجندر کی سادھی پر رہنے کا فیصلہ کیا تھا بعد میں جب سوامی جی کو ہم نے اپنی تنظیم کا سربراہ بنایا تو سادھو سنتوں کے بھیس میں ہمارے کارکن وہاں رہنے لگے جواب بھی وہیں رہتے ہیں اس طرح سوامی جی کی حفاظت بھی ہوتی رہتی ہے سوامی جی اپنے ایک خاص چیلے کے ساتھ دو کمروں میں رہتے ہیں ان کمروں کے درمیان ایک بڑا دروازہ ہے جسے کھول لیا جائے تو دو کمرے کا ایک کمرا بن جاتا ہے سوامی جی کا چیلا کیوں کہ سنیاسی ہے اس لئے مستقل طور پر سوامی جی کے ساتھ نہیں رہتا سوامی جی کو بھگوان نے ایسی شکتی (طاقت) دی ہے کہ وہ اگلے پچھلے سب زمانوں کا حال بتا دیتے ہیں ہماری تنظیم میں بھی ان کے بہت سے چیلے بن گئے ہیں۔
تو کری اپا نے بھی اپنے گرد روحانیت کا حصار کھینچ رکھا ہے میں نے اتیا کی بات سن کر سوچا یہی حربہ بھگوتی نے بھی آزمایا تھا میرے لئے یہ سمجھنا کوئی مشکل نہیں تھا کہ محروم اور ان پڑھ لوگ بہت جلد ایسے جعلی افراد کی باتوں میں آجاتے ہیں سچ کی آڑ میں جھوٹ

ہی تو بولا جاتا ہے یہ تخصیص ہر ایک کے بس کی تو نہیں روشنی دراصل کہاں ہے اور اندھیرا کدھر۔ سوامی جی خاص سنیاسی چیلے کے بارے میں بھی میں نے اندازہ کرلیا کہ وہ انہی کا بیٹا دیر نا ہوگا جسے وہ ریاست کی مسند حکومت پر دیکھنا چاہتے ہیں۔
ابھی میں کچھ کہنے ہی والی تھی کہ شیام بابو نے وستو کے بلی چڑھائے جانے کے متعلق پوچھ لیا۔
اتیا نے بتایا۔ سوامی جی ہی نے اپنی شکتی سے کام لے کر ہمیں اس واقعہ کی تفصیل سے آگاہ کیا تھا یہ کہ راج محل میں ایک بڑا عہدیدار نمبیا بھی تھا وستو جی سے عمر میں دو سال بڑا ہوگا۔ نمبیا اور وستو جی کے درمیان راجا راجندر کے زمانے ہی سے پیار کی ڈوری بندھی تھی جب وستو جی نے حکومت سنبھالی تو نمبیا مارا گیا۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ غلطی سے کسی سپاہی کی گولی نمبیا کو لگ گئی اور اس سپاہی کو دوسرے سپاہیوں نے موقع ہی پر مار ڈالا، کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ راج گھرانے ہی کے لوگوں نے بدنامی سے بچانے کے لئے نمبیا کو مروا دیا جو بھی ہو بات کھل نہ سکی وستو جی کو اس پر بڑا رنج ہوا اور انہوں نے راج پاٹ میں دلچسپی لینا چھوڑ دیا۔ وستو جی کو ان کے چچاؤں نے سمجھایا اور ایک نائک سے ان کی شادی کردی پھر بھی وہ خوشی سے دربار حکومت نہیں چلا رہی تھیں اسی وجہ سے ریاست کا سارا نظام بگڑ رہا تھا جو بھی جس کے جی میں آتا سو کرتا ایک طرف تو حکومت کے مسائل دوسری جانب وستو جی کا ذاتی دکھ انہی کے بیچ وہ جیسے پسی جا رہی تھیں اب وہ ماں بننے والی تھیں تو ریاست کے معاملات بڑی پیچیدہ شکل اختیار کر گئے معلوم نہیں راج گھرانے میں سے کس نے وستو جی کے ذہن میں یہ بات بٹھا دی کہ وہ عورت جو ماں بننے والی ہو اگر بھیرو کی بھینٹ چڑھا دی جائے تو ریاست کے حالات درست ہو جائیں گے اس کے لئے ایسی عورت کا تعلق راج

گھرانے سے ہونا ضروری ہے وستو جی کا دل تو پہلے ہی ٹوٹا ہوا تھا سو وہ خود اپنی بلی (قربانی) دینے پر آمادہ ہوگئیں ایک رات انہوں نے بھیرو کی مورتی کے سامنے اپنے دل میں خنجر اتار لیا۔ وستو جی کی قربانی کے بعد ان کے شوہر بھی پراسرار طور پر جانے کہاں غائب ہوگئے۔
اقتدار کی کشمکش اور ہوس میں یہی سب کچھ تو ہوتا ہے خون کے رشتوں کو بھی لوگ فراموش کردیتے ہیں میرے خیال میں وستو نے قربانی نہیں دی تھی بلکہ اسے قتل کیا گیا تھا نہ صرف اسے بلکہ اس بچے کو بھی راستے سے ہٹا دیا گیا تھا جس کی وہ ماں بننے والی تھی یوں چک ویر کے ظالم باپ نے اپنے سب سے بڑے بھائی راجندر کی تو نسل ہی ختم کردی تھی رہا دوسرا بھائی کری اپا تو جانے کیسے چھوٹے بھائی کی گرفت سے بچ گیا تھا اور اب تک زندہ تھا جو کچھ بھی ہوا اس میں کری اپا قطعی بے گناہ نہیں ہوسکتا میں نے سوچا اگر ایسا نہ ہوتا تو یوں بہ آسانی وستو کو راستے سے نہ ہٹایا جاسکتا میں نے یہ سوچا تو ضرور مگر اس کا اظہار نہیں کیا اتیا کے سامنے کچھ کہنے سے حاصل بھی کیا تھا اس سے تو مجھے کچھ اور باتیں کرنا تھیں۔
یہ بتاؤ اتیا کہ راج محل سے تمہارے نکالے جانے کا ردعمل بوپنا جی پر کیا ہے۔ ظاہر ہے وہ تمہارے ماما ہیں انہیں یقینا یہ ناگوار گزری ہوگی کیا یہ درست ہے کہ وہ وزارت سے استعفٰی دے رہے ہیں۔ میں نے سوال کیا۔
خلاف توقع اتیا کے چہرے سے انتہائی حیرانی کا اظہار ہوا پھر اس نے جواب دیا۔ ماما نے پہلے یہی فیصلہ کیا تھا مگر بعد میں بدل دیا انہیں۔
راج محل میں رانی گورما نے بلایا ہوگا۔ میں بول اٹھی۔
جی...... کماری جی۔ اتیا حیرت زدہ ہو کر بولا۔ رانی ماں سے مل کر آنے پر ہی ماما نے استعفٰی نہیں دیا ان کے ساتھ پنڈت لکشمی نارائن بھی رانی ماں سے ملے تھے، اصل، پنڈت جی ہی نے بردباری سے کام لے کر

یہ معاملہ رفع دفع کرا دیا ورنہ جانے کیا ہوتا لیکن برانہ مانیں کماری جی تو میں کچھ پوچھ لوں، اس بے ادبی کی پہلے ہی معافی۔

ہاں ہاں ضرور پوچھو جو پوچھنا ہے میں برانہیں مانتی۔

آپ کے علم میں یہ ساری باتیں کیسے آئیں۔ میری اطلاع کے مطابق تو آپ اس کھنڈر کی حدود سے نکلتی ہی نہیں، صرف آج صبح ہی صبح بھگوتی کے آشرم تک ضرور گئی تھیں۔

میں مسکرا دی۔ تمہاری تنظیم کے جو ارکان بھی ہماری حفاظت کی خاطر بھیس بدل کے اس دھرم شالہ کی نگرانی کر رہے ہیں ان کی نظر میں آئے بغیر بھی یہاں سے نکلا جا سکتا ہے۔

اس پر انجیا نے طویل سانس لیا اور بولا۔ تو وہ لوگ آپ کی نظر میں آ گئے۔

ہاں۔ میں نے جواب میں کہا اور میرا جواب غلط نہیں تھا۔ صبح جب میں بھگوتی سے ملنے گئی تبھی یہ بات محسوس کر لی تھی اور یہی نتیجہ اخذ کیا تھا کہ کھنڈرات کی نگرانی کرنے والوں کا تعلق فرزندان کاوری سے ہوگا ان کے سوا وہاں ہماری موجودگی کا علم اور تھا بھی کسے، چند لمحے توقف کے بعد میں نے انجیا سے دریافت کیا۔ راج محل سے لڑکیوں کی پراسرار گمشدگی یا فرار کے بعد کیا راجا چک ویر نے امرناتھ کے مندر میں قیام پذیر بڑے مہاراج چندر موہن سے رابطہ قائم نہیں کیا۔ بڑے مہاراج تو ترنت مفرور لڑکیوں کا سراغ لگا لیتے، میں نے سنا ہے کہ وہ بڑی شکتی شالی اور گنی ہیں۔

یہ تو خیر بڑے مہاراج کے بارے میں آپ نے ٹھیک ہی سنا ہے ان کے کئی چمتکار تو خود میں نے بھی اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں۔ انجیا کے لہجے سے عقیدت کا اظہار ہو رہا تھا میں پہلے ہی یہ اندازہ لگا چکی تھی اس لئے اپنے دشمن کا ذکر انجیا کے سامنے ذرا ادب سے کیا تھا جو لوگ ایسے افراد کو بھی پراسرار قوتوں کا مالک سمجھ لیتے تھے جن کے پاس کوئی ا... تھی اور محض زمانہ ساز تھے وہ چندر موہن اپنے کے گرویدہ کس طرح نہ بنتے چندر موہن تو واقعی شیطانی قوتوں کا مالک تھا۔ اب انجیا میری با... جواب میں کہہ رہا تھا۔ راجا جی نے اس واقعہ بعد بسودیا جی کو بڑے مہاراج کے پاس امر... کے مندر بھیجا تھا مگر بات نہیں بنی بڑے مہاراج... میں بیٹھے تھے اور جاپ کے دوران میں وہ کسی بات نہیں کرتے۔

مجھے انجیا سے جو معلوم کرنا تھا وہ معلوم ہو گیا... اندھیرا بھی پھیل چکا تھا اس لئے سوامی جی سے... ہو گئی کو یتا کو میں نے مخصوص اشارہ کر دیا تھا کو یتا، اور شیام بابو کو وہیں چھوڑ کر میں تن تنہا انجیا کے ساتھ دی تھی۔

کھنڈرات کی حدود ہی میں انجیا سے میں نے... اب تو تمہاری یہ آرزو پوری ہو جائے گی کہ تم اپنی... کے لئے سارا وقت دے سکو پہلے تو تمہیں سوامی جی راج محل کا عہدہ چھوڑنے سے منع کر دیا تھا نا اب سو... جی کیا کہتے ہیں۔ میرے پاس آنے سے پہلے تمہاری ملاقات تو ہوئی ہوگی ان سے۔

جی ہاں سوامی جی ہی سے مل کر آپ کے پاس آیا... وہ کہہ رہے تھے کہ راج محل کی اندرونی خبریں جا... کے لئے کوئی اور بندوبست کرنا پڑے گا۔

پھر میں نے انجیا سے کوئی بات نہیں کی ہم کھنڈرات کی حدود سے نکل آئے تھے۔

راجا راجندر کی سمادھی بھی شہری آبادی سے خاصی دو... مغرب میں تھی راستے میں کسی شخص سے مڈبھیڑ نہیں ہوئی یوں بھی میرے قیاس کے مطابق انجیا مجھے ایسے راستوں سے لے کر آیا تھا کہ کوئی ہمیں نہ دیکھ سکے دور ہی سے سمادھی نظر آ گئی جہاں روشنی تھی سمادھی کی ایک جانب گھنا جنگل تھا اور ہم اسی جنگل سے گزر کر وہاں پہنچے تھے...

...ا بڑھاپے کے باوجود بارعب نظر آیا۔ اس کا... وہ ایک سفید دھوتی باندھے ہوئے تھا رنگ... کے باشندوں کی طرح سانولا اور چہرہ لمبوترا... گھنے سفید بال تھے اور چہرے پر بھی گھنی داڑھی... تھی، آنکھیں چھوٹی مگر روشن تھیں۔ وہ بڑے... ملا میں نے بھی بہ ظاہر خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا... کے خاص کمرے میں دری پر بیٹھی تھی میرے علاوہ مزید چند افراد بھی وہاں موجود تھے۔

...گفتگو کے بعد کھانا لگایا گیا مجھے دیکھ کر حیرت نہیں... کھانے میں گوشت بھی تھا۔ ہندوستان آ کر... ہندوؤں سے میرا سابقہ پڑ چکا تھا جو گوشت... میں نے ایسے بھی ہندو دیکھے تھے جنہوں نے... کو کبھی ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ کھانا بس گوارا ہی تھا۔ اور جنوبی ہند کے کھانوں میں زمین آسمان کا فرق... طور پر مجھے شمالی ہند کے کھانے خوش ذائقہ اور... معلوم ہوتے تھے میں کیوں کہ سوامی جی ہی کے... بیٹھ کر کھانا کھا رہی تھی اس لئے ایک بار اس کی... جھک کے آہستہ سے بولی۔ آپ تنہائی میں بھی... بات کرنے کا موقع دیں تو خوشی ہوگی۔

کیوں نہیں اس نے بھی دھیمی آواز میں جواب دیا۔ ...سب کھانا کھا چکے تو کری اپا مجھے اپنے ساتھ برابر ...کے کمرے میں لے آیا درمیانی دروازہ بھی اس نے ...کر دیا تھا۔

کوئی ایسی ہی بات ہوگی جس کے لئے تنہائی ضروری... وہ دری پر میرے قریب آ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ...میں نے اسی لیے بیچ کا دروازہ بھی لگا دیا۔

اس کمرے میں شاید ویرناجی رہتے ہیں وہ تو نہیں ...آ جائیں گے اس سے۔ میں نے اس کی طرف دیکھ کر ...معنی خیز لہجے میں کہا۔

کری اپا کے لئے میرے الفاظ کسی دھماکے سے کم ...نہیں تھے وہ ایک دم اچھل پڑا اس کی تیوریوں پر بل پڑ... گئے پھر میں نے اس کے دائیں ہاتھ کو تیزی سے حرکت کرتے دیکھا دوسرے ہی لمحے اس کے ہاتھ میں خطرناک کھلونا نظر آ رہا تھا یہ ریوالور یقیناً اس نے اپنی دھوتی میں اڑس رکھا تھا۔ مجھے اس کی طرف سے کسی ایسے ہی شدید ردعمل کی توقع تھی۔

کون ہو تم۔ اور ویرناجی کو کیسے جانتی ہو۔ بوڑھے کری اپا کے لہجے میں سفاکی تھی، ریوالور کی نال میری طرف اٹھی ہوئی تھی۔

میں تو اور بھی بہت کچھ جانتی ہوں کری اپا جی۔

تم۔۔۔۔ تم اگر مجھے بھی جانتی ہو تو۔۔۔۔۔ تو پھر تمہیں زندہ نہیں رہنا چاہیے۔ اس نے ریوالور کو مخصوص انداز میں میرے سینے کا نشانہ لینے کے لئے سیدھا کیا۔

عین اسی لمحے ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل کر فضا میں بلند ہوتا چلا گیا اور پھر ایک خاص بلندی پر رک کر ریوالور کی نال کا رخ بدل گیا اب کری اپا ریوالور کی زد پر تھا اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے ریوالور کی طرف دیکھ رہا تھا اس کا منہ بھی حیرت کی زیادتی کے سبب کھلا رہ گیا تھا۔

اس کی حالت دیکھ کر مجھے واقعی ہنسی آ گئی پھر میں نے اسے مخاطب کیا۔ اپنا منہ تو بند کر لیں کری اپا جی ورنہ مکھی گھس جائے گی۔

وہ اس طرح چونک اٹھا جیسے سوتے سوتے جاگا ہو ایک جھٹکے سے اس کا منہ بند ہو گیا تھا۔

یہ ریوالور اس وقت تک آگ نہیں اگلے گا جب تک میں اشارہ نہ کروں اس لئے ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ میں پرسکون آواز میں بولی۔ آپ کو یہ زیب نہیں دیتا کہ ایک مہمان پر ریوالور تان لیں، پر آپ بھی کیا کریں، ہیں تو لنگ راج کے بھائی۔

یہ۔۔۔ یہ کک۔۔۔۔۔ کیسے۔۔۔۔۔ کس طرح ہو گیا۔ کری اپا نے ریوالور کی طرف آنکھ سے اشارہ کیا، اس طرح کہ ریوالور میرا کہنا مانتا ہے۔ آپ کو تو اس پر حیران نہیں ہونا چاہئے فرزندان کاوری تو آپ کو بھی پراسرار

قوتوں کا مالک مانتے اور جانتے ہیں۔
تت...... تم...... تم اگر میری اصلیت جانتی ہو تو......
یہ...... یہ بھی جانتی ہوگی کہ...... کہ میرے پاس کوئی......
کوئی شکتی نہیں۔
ہاں معلوم ہے کری اپا جی اور یہ بھی خبر ہے کہ آپ نے یہ ڈھونگ اپنی شخصیت چھپانے کے لئے رچایا ہے۔
تو پھر...... پھر تم شخصیت چھپانے کی وجہ بھی جان...... جانتی ہوگی۔
بالکل جانتی ہوں۔ آپ کو راجا چک ویر یعنی اپنے بھتیجے کی طرف سے جان کا خطرہ ہے اگر اسے پتا چل گیا کہ سوامی جی کے بھیس میں اس کا تایا کری اپا ہے تو وہ آپ کو قتل کرانے میں لمحے بھر کی تاخیر بھی نہیں کرے گا ایسا ہی وہ تمہارے بیٹے ویرنا کے ساتھ کرے گا جو بہ ظاہر تمہارا خاص چیلا اور سنیاسی بنا پھرتا ہے وہی ویرنا جسے تم اس ریاست کا حکمراں دیکھنا چاہتے ہو۔ میں بات کرتے کرتے آپ سے تم پر اتر آئی اب اس بوڑھے کا احترام مجھ پر واجب نہیں رہا تھا جو چند لمحے پہلے مجھے قتل کرنے والا تھا اگر میں کوبتا کو اپنے ساتھ آنے کا مخصوص اشارہ نہ کرتی تو شاید وہ بوڑھا مجھے ٹھنڈا کر چکا ہوتا بعد میں وہ اپنے معتقدوں کو کوئی بھی کہانی سنا کے مطمئن کر سکتا تھا مثلاً یہی کہ میں نے اس پر قاتلانہ حملہ کیا تھا اس بوڑھے کی بات کو بھلا کون جھٹلاتا۔
تم خطرناک حد تک باخبر ہو بوڑھا کری اپا اب غالباً اپنے حواس پر قابو پا چکا تھا۔
اسی لئے تم مجھے سوچے سمجھے بغیر قتل کر دینا چاہتے تھے...... اب اگر میں تمہیں گولی مار دوں تو۔
تو تم یہاں سے زندہ بچ کر نہیں جا سکو گی۔
دھمکی دے رہے ہو مجھے۔
نہیں یہ حقیقت ہے میرے معتقد مجھ سے ایسی ہی عقیدت رکھتے ہیں۔
اور اگر میں انہیں تمہارا اصل چہرہ دکھا دوں۔
اس سے تمہیں کیا مل جائے گا۔ کیا تم ایک ظالم و جابر کو صحیح سمجھتی ہو۔ کیا کسی حقدار کو اس کا ملنا چاہیے۔ اس کا لہجہ پر اثر تھا۔
کیسا حق۔ کس کا حق۔ تم احمقوں کی جنت میں اپا، مجھ پر تمہاری جادو بیانی نہیں چلے گی، کیا و نہیں ہوا۔ اور کیا ظلم کرنے والوں میں تم شا تھے۔ کیا لنگ راج نے تمہیں اعتماد میں لے کے راستے سے ہٹا دیا۔ میری آواز تیز ہوتی گئی۔
وہ...... وہ اس نے...... وستو نے تو خود ہی اپنی بلی
جھوٹ بولتے ہوئے تم ہکلانے کیوں لگے گردن کیوں جھک گئی تمہاری...... سنو تم اس میں مبتلا نہ رہو کہ حقدار صرف تمہارا ہی بیٹا ہے او ذہن سے اس خیال کو بھی جھٹک دو کہ تمہاری اصل سے کوئی واقف نہیں۔
نن...... نہیں مجھے...... مجھے کوئی...... کوئی نہیں کہ میں کون ہوں۔
پھر میں کس طرح جان گئی۔
تم...... تم پراسرار قوتوں کی مالک ہو۔
میری بات چھوڑو کری اپا، ٹمکیری میں ایک اور ہستی موجود ہے جو تمہیں اور تمہارے بیٹے کو پہچان چکی
کون...... وہ کون ہے۔
یہ میں تمہیں نہیں بتاؤں گی، ہاں یہ ضرور بتا سکتی کہ اسے بھی تمہاری طرح اپنی جان کا خطرہ ہے ا کے بارے میں راجا چک ویر کو علم ہو گیا تو اسے بھی نہیں چھوڑا جائے گا وجہ تم خود سمجھ سکتے ہو ریا حکمرانی کے حق کا دعویٰ اسے بھی ہے۔
غلط ہے اس کا دعویٰ، وہ چاہے کوئی بھی ہو کری اپا نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔
یہ تم کہہ رہے ہو نا دوسرے تو تمہارا یہ دعویٰ تسلیم کریں گے۔
کیسے تسلیم نہیں کریں گے۔ ہم تین ہی بھائی تھے ا

کی نسل ختم ہوئی دوسرے کا بیٹا حکمراں ہے اور تیسرا بھائی میں ہوں پھر حکمرانی کا دعویٰ کون کر سکتا ہے۔
پر جوش ہونے کی ضرورت نہیں کری اپا نہ میں اس طرح تمہارے دعوے کو غلط ثابت کرنے کے لئے کچھ بتاؤں گی سنو ماضی کبھی واپس نہیں آتا اور تم اسی خام خیال میں مبتلا ہو تم نے اپنے بڑے بھائی راجا راجندر کو جو وچن دیا تھا کہ اس کی بیٹی وستو کے وفادار رہو گے سو اس عہد پر قائم نہیں رہے لنگ راج کی سازش کا شکار تم بھی ہو گئے بولو کری اپا کیا ایسا نہیں ہوا۔ کیا تم نے اپنے مرحوم بھائی کے ساتھ کیا ہوا عہد نہیں توڑا۔
ہاں...... کری اپا جیسے خود کلامی میں مبتلا تھا۔ مجھ سے یہ پاپ (گناہ) ہوا اور اسی کو دھونے کے لئے اب بھی اپنے بھائی کی سمادھی پر پڑا ہوں لنگ راج نے مجھ سے دھوکا کیا وہ اپنے وچن سے پھر گیا کہ وستو راستے سے ہٹ گئی تو ہم دونوں بھائی ریاست کو آدھا آدھا بانٹ لیں گے اس لڑکی وستو کی وجہ سے راج گھرانے کی بھی تو بدنامی ہو رہی تھی۔ کبھی پہلے راج گھرانے کی کسی کنیا نے پھیروں سے پہلے کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا پر وستو نے یہ جرم کیا اور اپنی سزا کو پہنچ گئی۔
محبت کو تم لوگ جرم کہتے ہو...... اگر وستو کی شادی نمبیا سے ہی ہو جاتی تو کون سا آسمان ٹوٹ پڑتا۔
بوڑھا کری اپا ایک بار پھر چونک اٹھا وہ جیسے کہیں بہت دور نکل گیا تھا میں نے قریب ہی موجود کوبتا کے نادیدہ وجود کی طرف ہاتھ بڑھایا اس نے ریوالور مجھے تھما دیا، ریوالور کے چیمبر سے گولیاں نکال کر میں نے ایک طرف پھینک دیں اور اسے کری اپا کے سامنے ڈال دیا۔
اسے اٹھا لو کری اپا۔ میں نے پھر مخاطب کیا۔
اس نے کچھ کہے بغیر ریوالور اٹھایا اور کمر کے پاس اڑس لیا معلوم نہیں کیوں اس لمحے مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کری اپا کی تنی ہوئی کمر جھک گئی ہو اس کے چہرے کی جھریوں میں اضافہ ہو گیا ہو وہ جیسے ایک دم اور بھی بوڑھا ہو گیا ہو میرا یہ اندازہ بعد میں غلط ثابت نہیں ہوا۔
کری اپا تم جن لوگوں کو اپنی مدد کے لئے پکار رہے ہو جن سے اپنے حق کے لئے مراسلت کر رہے ہو انہیں تم نہیں جانتے۔ میں نے گویا آخری ضرب لگائی۔ وہ غیر ملکی تمہیں تمہارا حق دلانے کی بجائے اس ریاست پر خود قبضہ کر لیں گے۔
جب تک کری اپا اور اس کا بیٹا ویرنا زندہ ہے انگلیری راج گھرانے کے سوا کوئی کوڈگ پر قبضہ نہیں کر سکتا۔ بوڑھا ایک بار پھر پر جوش نظر آنے لگا۔
تم میں یا تمہارے بیٹے میں اتنی ہی ہمت ہوتی، تم اتنے ہی بہادر ہوتے تو یوں چھپ کر ٹمکیری میں نہ رہتے......
صرف تم اور تمہارا بیٹا تو راجا چک ویر کا مقابلہ نہیں کر سکتے پھر ان غیر ملکی غاصبوں کے بڑھتے ہوئے قدم کیسے روک لو گے جنہوں نے حیدرآباد دکن اور اس خطے کے سوا سارے ہندوستان کو اپنے قبضے میں لے لیا ہے۔
لیکن وہ...... وہ ایسا کیوں کرنے لگے۔ ان کے پاس زمین کی کیا کمی ہے۔
زمین کی کمی نہیں تھی تو انہوں نے جنوبی ہند کی دوسری ریاستوں پر اپنا پرچم کیوں لہرا دیا۔
کری اپا کے پاس میرے اس سوال کا شاید کوئی جواب نہیں تھا اس لئے وہ خاموش ہی رہا۔
ہوس...... مزید کی ہوس...... اقتدار و حکومت کی ہوس یہی ہوس تو انہیں سمندر پار سے یہاں لائی ہے۔
اگر...... اگر ایسا ہی ہے جیسا تم کہہ رہی ہو تو......
تو پھر چک ویر جیسا بھی برا بھلا ہے مجھے قبول ہے وہی...... اگر وہ بھی حکمراں رہتا ہے تو حکومت ہمارے ہی خاندان میں رہے گی۔ بوڑھے کری اپا کا انداز گفتگو پھر ایسا ہو گیا جیسے وہ اپنے آپ سے باتیں کر رہا ہو۔
کری اپا یہ بھی تم خود کو فریب ہی دے رہے ہو، سنو کری اپا ظلم کوئی بھی کرے اور اس پر کتنے ہی پردے ڈال دے ظالم کبھی بچتا نہیں ساری دنیا سے بچ جائے

مگر دیوتاؤں کے قہر و غضب سے نہیں بچ سکتا کیا تمہیں نہیں معلوم کہ اس ظالم نے کتنے دکھوں دلوں کی آہیں لی ہیں...... جانتے ہو تم بھی جو ہونے والا ہے نہ تم اسے ٹال سکتے ہو نہ کوئی اور۔

تو پھر...... پھر میں کیا کروں۔

یہ سوچنا تمہارا کام ہے میں نے آنے والے حالات کی نشاندہی کر دی ہے تمہارا اصل دشمن انگریز ہے اپنے دشمن کو پہچانو کری اپا۔ مجھے جو کہنا تھا کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

شاید میں نے اس بوڑھے کے ساتھ زیادتی کی تھی اس کا احساس مجھے بنگال پہنچنے کے بعد ہوا، بوڑھے کری اپا اور اس کے بیٹے کو انگریزوں نے پہلے میسور میں قید کیا اور پھر ریاست کوڈگ پر قبضے کے بعد قتل کر دیا مجھے گمان بھی نہیں تھا کہ دوسرے ہی روز صبح کری اپا اپنے بیٹے ویرنا کو ساتھ لے کر مڈکیری سے نکل جائے گا۔

واپسی پر اتیا ہی میرے ساتھ تھا مجھ سے پوچھنے لگا۔ کماری جی کیا کوئی ایسی بات تھی جو ہم لوگوں سے بھی آپ کو چھپانا تھی۔ اتنی دیر اکیلے میں سوامی جی کم ہی کسی سے بات کرتے ہیں بتانے کی بات ہو تو بتا دیں ورنہ گلہ نہیں کروں گا۔

کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی۔ میں مصلحت کے پیش نظر بولی۔ ریاست ہی کی سیاست پر گفتگو ہو رہی تھی دراصل بہت سے لوگ موجود ہوں تو یک سوئی سے بات نہیں ہوتی۔

ہاں یہ تو آپ ٹھیک ہی کہہ رہی ہیں۔ اتیا میری بات سے اس وقت مطمئن ہو گیا۔

دھرم شالہ کے کھنڈرات میں مجھے چھوڑ کر اتیا واپس چلا گیا۔ میرے ایما پر کویتا مجھ سے پہلے ہی عادل اور شیام بابو کے پاس پہنچ چکی تھی ایسا میں نے اس لئے کیا تھا کہ ان لوگوں کو یہ شک نہ ہو کہ کویتا میرے ساتھ کہیں گئی تھی میں جب تک پیدل اتیا کے ساتھ واپس پہنچی اور پھر مطلوبہ کمرے میں داخل ہوئی تو کویتا کھانا کھا چکی تھی۔

مڈکیری آئے یہ دوسری شب تھی اب تک میرے دشمن نے حملے میں پہل نہیں کی تھی لیکن میں پیش قدمی کا فیصلہ کر چکی تھی شیام بابو اور عادل کو کری اپا سے ہونے والی گفتگو میں نے راز نہیں رکھی صرف یہ بات گول کر گئی کہ اس نے مجھ پر ریوالور تان لیا تھا مختصراً اس گفتگو کے بعد میں نے کہا۔ آج رات کو میں ژیان کی تلاش میں جاؤں گی۔

آپ کے ساتھ ہم لوگ بھی ہوں گے نا۔ عادل نے دریافت کیا۔

نہیں سب کے جانے کی ضرورت نہیں ہے میں اپنے ساتھ صرف سشما کو لے جاؤں گی۔ میں نے واضح طور پر بتا دیا۔

کوئی اور موقع ہوتا تو شاید عادل کہتا کیوں کیا سشما تمہاری زیادہ چہیتی ہے۔ مگر وہاں شیام بابو کی موجودگی کے سبب وہ چپ ہی رہا البتہ اس کا چہرہ بہت کچھ کہہ رہا تھا۔

کرن جی جیسی آپ کی مرضی شیام بابو نے کہا۔ آپ اس معاملے کو ہم سے بہتر طور پر سمجھ سکتی ہیں۔

اور تو خیر کوئی بات نہیں شیام بابو زیادہ بھیڑ بھاڑ سے کبھی کبھی نقصان بھی پہنچ جاتا ہے۔

بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ خود میرا بھی یہی تجربہ ہے۔ شیام بابو میری تائید میں بولا۔

اس مرتبہ عادل خاموش نہ رہ سکا مگر وہ مجھ سے نہیں شیام بابو سے مخاطب تھا۔ مجھے تو آپ خواہ مخواہ ہی ساتھ لے آئے کرنے کو یہاں کوئی کام ہی نہیں۔

پنڈت جی تمہیں شیام بابو نہیں میں ساتھ لائی ہوں شیام بابو سے گلہ فضول ہے۔ میں نے مداخلت کی۔

میں گلہ نہیں اظہار حقیقت کر رہا ہوں کرن جی اگر سب کچھ خود آپ ہی کو اور سشما کو کرنا تھا تو۔

پنڈت جی......! شیام بابو نے عادل کی بات پوری نہ ہونے دی آپ شاید یہ بھول رہے ہیں کہ کرن جی کے کسی بھی حکم سے انکار تنظیمی قوانین کے منافی ہے، مجھے یا آپ کو کرن جی کے کسی بھی فیصلے پر اعتراض کا کوئی حق نہیں ہے۔ میں آپ سے اور کرن جی سے معافی چاہتا ہوں

معلوم نہیں کیوں میرے ذہن سے یہ بات نکل گئی تھی۔

آئندہ خیال رکھیئے گا شیام بابو کے لہجے میں تاکید تھی۔

اب چھوڑیئے بھی شیام بابو، میں اونچ نیچ کی قائل نہیں ہوں، نہ مجھے تنظیم میں اپنے اعزازی عہدے پر کوئی گمان ہے پنڈت جی بس رو میں بلا سوچے سمجھے ایک بات کہہ گئے کبھی کبھی جھنجلاہٹ یا بیزاری میں آدمی کے منہ سے ایسی باتیں نکل جاتی ہیں۔ میں نے بات برابر کر دی۔

رات یوں بھی خاصی ہو چکی تھی اس لئے میں کویتا کو اپنے ساتھ لے کر کمرے میں نکل آئی، صبح بھگوتی سے ملنے کے لئے جاتے ہوئے میں نے دھرم شالہ کے کھنڈرات سے خاصے فاصلے پر پتھروں کو کاٹ کر بنائی ہوئی وہ سیڑھیاں دیکھ لی تھیں جو اوپر بلندی پر موجود ایک مندر تک چلی گئی تھیں مجھے اسی لئے راستے کی یا رہنمائی کی کوئی فکر نہیں تھی۔ وہ ڈھلتے چاند کی تاریخیں تھیں چاندنی بس برائے نام ہی تھی پھر آسمان پر بادل بھی تھے چاند بار بار بادلوں میں چھپ جاتا تو ہر طرف اندھیرا پھیل جاتا۔ میں ان کھنڈرات میں اسی لئے کویتا کا ہاتھ تھامے آگے بڑھ رہی تھی اندھیرے میں دیکھنے کی قوت جانے کیوں اس موقع پر میرے اندر بیدار نہیں ہوئی۔

اس وقت تو تمہیں ڈر نہیں لگ رہا۔ میں نے آگے بڑھتے ہوئے کویتا سے پوچھا۔

بالکل بھی نہیں کماری۔ کویتا نے بلا جھجک جواب دیا۔ آج شام کے بعد سے میں ایک عجیب سی بات محسوس کر رہی ہوں بتانے کا موقع ہی نہیں ملا۔

وہ کیا۔ میں نے معلوم کیا۔

میرے اعصاب پر جو ایک ان دیکھا سا بوجھ تھا وہ ہٹ گیا ہے۔ کویتا نے بتایا۔

یہ تو اچھی بات ہے۔ یہ کہتے ہوئے مجھے ایک بات یاد آ گئی۔ کویتا تمہیں یاد ہے دہلی کے دوران قیام میں نے تم سے ایک بات اپنے بارے میں بتائی تھی جس کا دہلی میں بھی تجربہ ہوا اور پھر بمبئی میں بھی۔ ژیان کے جسم کی بو تمہارے لئے اجنبی نہیں ہے تم ایسا کیوں نہ کرو کہ مجھ سے پہلے ژیان کے جسم کی بو پر مندر تک پہنچ جاؤ اور یہ معلوم کر آؤ کہ وہ مندر کے کس حصے میں ہے اس سے ہمارا کام نسبتاً آسان ہو جائے گا، کیا خیال ہے تمہارا۔

ٹھیک ہے۔ وہ فوراً راضی ہو گئی۔

تو پھر میں اسی جگہ رک کر تمہاری واپسی کا انتظار کرتی ہوں۔ میں بولی۔

ژیان کو اگر چندر موہن نے حصار کھینچ کر میری نظروں سے چھپا بھی دیا تو میں اس کے جسم کی بو سے اسے تلاش کر لوں گی۔

چندر موہن بھی شاید تمہارے جسم کی بو ہی پر کل صبح تم تک پہنچ گیا تھا ورنہ تو ہم اس کی نظروں سے اوجھل ہی تھے۔

کویتا نے میرے خیال سے اتفاق کیا اور پھر نظروں سے اوجھل ہو گئی میں سوچنے لگی کہ اگر کویتا میرے ساتھ نہ ہوتی تو نیک روح ممکن میری رہنمائی اور مدد کے لئے کوئی دوسری صورت پیدا کر دیتی اسی کے ساتھ مجھے یہ بھی یقین تھا کہ کویتا کا چندر موہن سے باغی ہو کر میرے ساتھ آ ملنا بھی بلا سبب نہیں تھا اس میں بھی نیکی اور خیر کی قوتوں کو دخل تھا۔

خلاف توقع کویتا کو واپسی میں دیر ہونے لگی تو میں متفکر ہو گئی میرے دل میں طرح طرح کے اندیشے پیدا ہونے لگے کہ کہیں چندر موہن کسی طرح اس پر حاوی تو نہیں آ گیا۔ شیطانی قوتیں رکھنے والا وہ خبیث شخص کوئی بھی ایسی چال چل سکتا تھا جو میرے وہم و گمان میں بھی نہ ہو۔

اور پھر یہی ہوا ابھی معاً اندھیرے میں روشنی کا ایک جھماکا ہوا اور چندر موہن دھوئیں کے ایک حصار میں نظر آیا حصار کے اندر عجیب سی روشنی تھی مجھ سے وہ اتنے فاصلے پر نمودار ہوا تھا کہ اس کے پھولے پھولے منحوس چہرے کے نقوش واضح طور پر نظر آ رہے تھے۔

معبلہ......! اس نے مجھے اپنی کریہہ آواز میں مخاطب

کیا۔اب کویتا کا انتظار نہ کر وہ لوٹ کر نہیں آئے گی۔آج ہی شام اس پر سے میں نے اپنی نظر ہٹائی تھی کہ وہ دھوکے میں آجائے دیکھ لے کہ وہ دھوکا کھا گئی اور تو جو اتنی سیانی بن رہی تھی تیرا بھی سیان پن دھرا کا دھرا رہ گیا ،میرے چیلے اس وقت کویتا کے جسم کی ایک ایک بوٹی کاٹ رہے ہیں اور وہ چیخ رہی ہے زندگی کی بھیک مانگ رہی ہے اور کبھی موت۔اسے بے ہوش بھی نہیں ہونے دیا جا رہا ہوش کھو بیٹھے گی تو پھر سزا کا کیا فائدہ تجھے سنواتا ہوں اسکی بھیانک چیخیں جس کی آڑ میں تو اتنے دن سے چھپی ہوئی تھی سن اگر تجھ میں سننے کی تاب ہے۔وہ تجھے مدد کے لئے پکار رہی ہے۔چل تو بھی چل کب تک مجھ سے بچی بچی پھرتی رہے گی۔

چندر موہن کے الفاظ کے ساتھ ہی روشنی بجھ گئی،اسی کے ساتھ میرے سارے جسم میں بجلیاں سی دوڑنے لگیں پھر مجھے واقعی کویتا کی چیخیں سنائی دینے لگیں۔

دیوی...... دیوی مجھے بچالو دیوی۔ چیختے ہوئے وہ فریاد کر رہی تھی۔

میں آرہی ہوں کویتا آرہی ہوں۔میں بھی جواباً چیخی اور مجھے خود اپنی ہی آواز اجنبی سی لگی۔

کویتا کی دردناک چیخیں جیسے میرے وجود کو دو نیم کئے دے رہی تھیں میں اپنے انجام سے بے پرواہ ہو کر کھنڈرات سے نکل کے اس راستے پر دوڑی چلی جا رہی تھی جو پتھریلی سیڑھیوں تک جاتا تھا۔ مجھے اپنے تن بدن کا ہوش نہیں تھا میں شاید اپنے حواس میں نہیں تھی۔

تیزی سے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے ان کے اختتام پر میری نظر پڑی اس وقت چاند بادلوں سے نکل آیا تھا مجھے وہاں چندر موہن کھڑا دکھائی دیا۔

آجا...... آجا معبلہ، تیرا شیدائی، تیرا چندر موہن یہاں تیرے ہی سواگت کو کھڑا ہے۔اس خبیث نے یوں اپنے دونوں ہاتھ آگے بڑھائے جیسے مجھے اپنی بانہوں کے حلقے میں لینا چاہتا ہو۔اس کے بائیں جانب ذرا فاصلے پر مندر کا کلس نظر آرہا تھا اور دائیں جانب مندر کا وہ احاطہ جس میں غالباً پجاریوں کی سکونت کے لئے چھوٹے بڑے کمرے بنائے گئے تھے چاندنی میں مجھے سارا منظر صاف دکھائی دے رہا تھا،اس وقت چندر موہن کے گرد کوئی بھی حصار نہیں تھا۔

چندر موہن! میں چوڑے پھل والا وہ تیر ہوں جو تیرے سینے میں ترازو ہونے والا ہے مت بھول کہ میرا نام معبلہ ہے۔سیڑھیاں چڑھتے ہوئے میں چیخی۔

یہی تو میری آرزو ہے معبلہ......تو کسی تیر ہی کی طرح تو اس دل میں کبھی ہوئی ہے۔یہ کہہ کر وہ بے غیرتی سے ہنسا۔

میرے رگ وپے میں بجلیوں کی گردش اپنی انتہا کو پہنچنے لگی چندر موہن اور میرے درمیان اب صرف چند سیڑھیوں کا فاصلہ رہ گیا تھا۔

معاً چندر موہن پلٹا اور پھر مڑ کے مجھ سے بولا۔آ میرے پیچھے پیچھے آ......میں نے آج تیرے لئے اپنی خواب گاہ کو سجالیا ہے مجھے یقین تھا معبلہ کو آج تو ضرور آئے گی ملن کی گھڑی آہی گئی نا اسی کے لئے تو میں نے ایک ایک دن گنا تھا۔اس کے ساتھ ہی میں نے چندر موہن کے جسم کو فضا میں بلند ہوتے ہوئے دیکھا وہ گویا تیزی سے اڑتا ہوا مندر کے اقامتی حصے کی طرف جا رہا تھا اس کے دونوں ہاتھ اوپر اٹھے ہوئے تھے۔

سیڑھیاں چڑھ کر میں اس کی طرف دوڑی اسی لمحے بجلیوں کی گردش میری دونوں آنکھوں میں مرکوز ہوگئی۔

آج فیصلے کا دن ہے چندر موہن تو اپنی تقدیر سے کہاں تک بھاگے گا۔میں نے جست بھری۔

نہیں۔چندر موہن خوفزدہ آواز میں چیخا اور پھر اس کا جسم فضا میں ادھر سے ادھر ڈولنے لگا۔

میری آنکھوں سے موت کی روشنی نکل رہی تھی اور چندر موہن اس سے بچنے کی کوشش کر رہا تھا اس کے ساتھ اس کا جسم فضا سے نیچے کی طرف آتا جا رہا تھا۔

جدھر میری نظر پڑتی پتھر پگھلنے لگتے،پتھروں سے بنا ہوا اقامتی حصہ موم کی طرح پگھل کر پہاڑ کی ایک

جانب بہنے لگا پھر مجھے ایک اور ہولناک منظر دکھائی دیا چندر موہن کے دونوں پیر پتھروں کے بہتے ہوئے لاوے سے ٹکرائے اور وہ بری طرح چیخا۔ درگا...... .درگا۔میرے وجود میں بجلیوں کی گردش چند ہی لمحے پہلے ختم چکی تھی۔موت کی روشنی میری آنکھوں میں سما چکی تھی مگر سنسناہٹ ابھی باقی تھی۔اچانک اس کے جسم کو میں نے دوبارہ اٹھتے دیکھا۔گھٹنوں تک اس کے دونوں پیر غائب تھے دوسرے ہی لمحے وہ میری نظروں سے اوجھل ہوگیا اسی وقت میری سماعت سے ایک بار پھر کویتا کی درد بھری چیخ ٹکرائی۔

کویتا کی چیخ مندر کی طرف سے آئی تھی میں ادھر دوڑی۔

مندر سے پہلے ہی مجھے سیڑھیاں نظر آئیں جو کہیں نیچے پہاڑ کے اندر جا رہی تھیں، چیخ پھر سنائی دی اور میری سمت سفر کا تعین کر گئی۔

میں تیزی کے ساتھ زینہ اترتی چلی گئی۔اندر اندھیرا نہیں تھا ستونوں کے اندر بنے ہوئے طاقچوں میں دیے چل رہے تھے۔

بہت جلد میں اس دالان تک جا پہنچی جہاں ایک ستون سے کویتا بندھی ہوئی تھی اور دو جٹا دھاری سادھو اپنے ہاتھوں میں چھریاں لئے کویتا کے جسم سے گوشت کے پارچے اتارنے میں مصروف تھے وہ لہولہان تھی چیخے جا رہی تھی مگر دونوں سادھو جیسے بہرے ہوگئے تھے وہ اس طرح درندگی کا وہ کھیل کھیلے جا رہے تھے گویا اس کے سوا نہیں دنیا میں اور کوئی کام نہ ہو میرے قدموں کی دھمک غالباً ان میں سے ایک نے سن لی اور غرا کر پلٹا۔

اس لمحے مجھے سادھو کا چہرہ غیر انسانی سا محسوس ہوا وہ آدمی کی بجائے کسی درندے کا چہرہ تھا اس کے دونوں ہاتھ خون میں لتھڑے ہوئے تھے۔گیروا لبادے پر بھی خون کے دھبے تھے اور دونوں آنکھوں کی جگہ جیسے انگارے دہک رہے تھے فرش پر بھی خون پھیلا ہوا تھا۔

کون ہے تو کہ جس نے ہماری شانتی بھنگ کر دی۔

سادھو نے چھری فضا میں بلند کی اور میری طرف لپکا مگر مجھ تک نہیں پہنچ سکا۔

فرش پر پھیلے ہوئے خون کو وہ شاید بھول گیا تھا اور یہی بھول اس کے لئے مہلک ثابت ہوگئی وہ پھسل کر گر گیا۔

میں اس دوران اس پر چھلانگ لگا چکی تھی اس درندے کے ہاتھ سے چھری چھیننے میں مجھے دیر نہیں لگی پھر میں نے وہی چھری اس کی گردن پر پھیر دی۔

چند ہی لمحوں میں سب کچھ ہوگیا،سادھو کا دوسرا ساتھی مجھ تک سنبھل سنبھل کے قدم اٹھاتا ہوا پہنچا اس کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا ہاتھ میں چھری تھی۔

پھر اس سے پہلے کہ دوسرا درندہ جھک کر میرا کام تمام کر دیتا میں نے چھری کی نوک کو طرف سے پکڑا اور فرش پر پڑے پڑے ہی پوری قوت سے چھری پھینکی میں نے سادھو کے سینے کو نشانہ بنایا تھا لیکن اچانک جھکنے کے سبب اس کی گردن میں آرپار ہوگئی اس کے حلق سے خرر خرر کی آواز سی نکلی اور پھر جسم میرے اوپر گرنے لگا میں پلٹا کھا کے ایک طرف ہوگئی۔

جب میں فرش سے اٹھی تو میرا لباس بھی کویتا کے جسم سے بہنے والے خون میں تربتر ہو چکا تھا۔

دیوی......! کویتا کی ڈوبتی آواز مجھے جیسے کہیں بہت دور سے سنائی دی۔

میں نے بہ مشکل اس کے زخم زخم جسم کو ستون سے کھولا اور جہاں خون بہہ رہا تھا وہاں سے دور ایک جگہ لے آئی میں اسے لٹانا چاہتی تھی مگر اس نے میرے گلے میں بانہیں ڈال دیں اب وہ میری آغوش میں تھی۔

مرنے سے پہلے کویتا نے رک رک کر مجھے جو کچھ بتایا اس سے حقیقت کا علم ہوا کویتا کے جسم کی بو سے چندر موہن نے اس کی موجودگی کا احساس کر لیا تھا پھر اسے جان بخشی کا فریب دے کر حصار سے باہر لے آیا تھا کویتا نے اس غلطی کا اعتراف کیا جو اس کی موت پر منتج ہوئی وہ اس لالچ میں آگئی تھی کہ چندر موہن اسے لعنتی

چمپا کی جگہ اپنی دست راست بنالے گا۔ کویتا نے جو آخری بات بتائی وہ میرے لئے سوہان روح تھی چندر موہن نے میرے دشمن ثریان کو وہاں سے گذشتہ رات ہی فرار کرادیا تھا۔

مجھے وہ بوسہ شاید زندگی بھر یاد رہے گا جو کویتا نے میری پیشانی پر لیا اور پھر اس کے نرم و گرم ہونٹ ٹھنڈے پڑ گئے۔

امرناتھ کے مندر میں اب کیا باقی بچا تھا جو میں وہاں رکتی، بوجھل قدموں سے میں دھرم شالہ کے کھنڈرات میں واپس آ گئی۔

شیام بابو اور عادل میرے انتظار میں جاگ رہے تھے اور چراغ روشن تھا انہوں نے مجھے دیکھا تو ان کے منہ سے حیرت زدہ سی چیخیں نکل گئیں انہیں یہ غلط فہمی ہوئی تھی کہ شاید میں لہولہان ہو کر لوٹی ہوں۔

یہ میرا خون نہیں ایک باوقا لڑکی کا قابل احترام خون ہے۔ میں نے ان دونوں کو کویتا کے قتل سے آگاہ کر دیا پھر بولی۔ مجھے دکھ ہے کہ کویتا کا اصل قاتل شدید زخمی ہونے کے باوجود فرار ہو گیا وہاں ان دونوں سادھوؤں کو میں نے ٹھکانے لگا دیا جو بہ ظاہر کویتا کے قاتل تھے۔

لیکن...... لیکن کیسے۔...... یہ سب کیسے ہو گیا۔ عادل جذباتی ہو گیا۔

کچھ مت پوچھو مجھ سے...... کچھ نہیں۔ میں ہاتھ اٹھا کر بولی اور پھر اس طرف بڑھ گئی جدھر پانی سے بھری ایک بالٹی اور گھڑا رکھا تھا۔

کھنڈرات میں نہا کر میں نے لباس تبدیل کیا اور پھر خون آلود لباس کو جلا دیا۔ جب وہ لباس جل رہا تھا تو مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کویتا کی چتا جل رہی ہو۔

دوسرے دن صبح میں سو کر اٹھی تو بڑی حد تک خود پر قابو پا چکی تھی اس کے باوجود گزری ہوئی رات کے بھیانک مناظر میری آنکھوں میں گھوم رہے تھے۔

ناشتا کرتے ہوئے میں نے خود ہی شیام بابو اور عادل کو مخاطب کیا۔ اب ہمیں بمبئی واپس چلنا ہے آج رات ہی یہاں سے نکل چلیں گے۔

اور وہ ثریان۔ عادل نے سوال کیا۔

وہ اسی رات یہاں سے فرار ہو گیا تھا جب ہم نے اس دھرم شالہ کے کھنڈرات میں قدم رکھا تھا۔ میں نے جواب دیا۔

یہ تو بہت برا ہوا۔ عادل اظہار افسوس کرنے لگا۔ اس طرح تو طویل ترین سفر قطعی رائیگاں ہوا۔

ایسا نہیں ہے میں نے اپنے ایک بڑے دشمن کو زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا کر دیا ہے سفر رائیگاں نہیں گیا اس کے علاوہ یہاں اور بہت کچھ ہوا ہے جس سے صرف میں واقف ہوں اور...... اور وہ واقف تھی جو...... جواب اس دنیا میں نہیں رہی۔ میری آواز بھاری ہو گئی میرا اشارہ کویتا کی طرف تھا۔ کویتا ہی تو اس راز میں میری شریک تھی کہ راجا چک وری کی مظلوم بہن دیوما کو قید سے کیسے رہائی ملی اور وہ مظلوم و معصوم بے گناہ لڑکیاں راجا کے رن واس سے کس طرح پراسرار طور پر فرار ہو گئیں جنہیں راجا اپنی ہوس کی بھینٹ چڑھانے کے درپے تھا نیک روح کی یہ پیش گوئی غلط نہیں تھی کہ مجھے بلا سبب نہیں بھٹکایا گیا عظیم مہمن نے پہلے کب کوئی ایسی بات کی تھی جو پوری نہ ہو سکے۔

ابھی ہم ناشتے سے فارغ ہوئے تھے کہ اتنیا آ گیا اس کے چہرے سے بدحواسی کا اظہار ہو رہا تھا بیٹھتے ہی وہ مجھ سے مخاطب ہو گا۔ سوامی جی اپنے خاص چیلے کے ساتھ نہ جانے کہاں چلے گئے انہوں نے رات کو آپ سے تو اس سلسلے میں کچھ نہیں کہا تھا۔ میں یہی پوچھنے آیا تھا۔

اس اطلاع پر میں چونک اٹھی میں نے یہ اندازہ تو لگا لیا تھا کہ کری اپا اپنی شکست قبول کر چکا ہے مگر یہ خیال نہیں تھا وہ مڈکیری سے جانے میں اتنی جلدی کرے گا۔

نہیں انہوں نے مجھ سے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی۔ میں نے جواب دیا۔

ساری ذمے داری وہ میرے کاندھوں پر ڈال گئے۔ اتنیا نے اداس سے لہجے میں بتایا۔ بھور سمے جب سوامی جی کے سیوک حسب معمول ان کی سیوا کے لئے کمرے میں پہنچے تو بستر پر ایک خط ملا، اور باتوں کے ساتھ سوامی جی نے ایک عجیب سی بات خط میں لکھی ہے جو میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔

وہ خط ساتھ لائے ہو تم۔ میں نے پوچھا۔

جی ہاں۔ اتنیا نے یہ کہہ کر جیب سے خط نکالا اور مجھے دے دیا۔

میں ایک شکست خوردہ شخص کی تحریر پڑھنے لگی خط کی عبارت یہ تھی۔

میرے بیٹے سمان اتنیا! جگ جگ جیو۔

میرے بجائے کل منہ اندھیرے میرے بستر پر یہ خط ملے گا مجھ سے پہلے تمھی کاویری مکل کوٹ کی باگ ڈور سنبھالے ہوئے تھے سو اب یہ پد (عہدہ) میں تمہیں واپس کر رہا ہوں اس مان کے ساتھ کہ تم اس پر کوئی حرف نہیں آنے دو گے اب تک کی جدوجہد کے نتیجے میں مجھے پتا چلا کہ راج گھرانے کے آپسی جھگڑے ہمارے سب سے بڑے دشمن کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں، ہم جنہیں اب تک اپنا دوست سمجھتے آ گئے ہیں وہ ہمارے اصل دشمن ہیں جان لو کہ کبھی بدیسی ہمارے دوست نہیں ہو سکتے راجا چک دیر رہے یا کوئی اور مگر اسے راج گھرانے ہی سے ہونا چاہیے اسی میں ہماری جیت ہے ہمارا اصل اور بڑا دشمن انگریز ہے جو ہماری ریاست پر نظریں جمائے بیٹھا ہے اس کے ناپاک قدم کبھی اس دیش کی دھرتی پر نہ پڑنے دینا اگر بھگوان نہ کرے کوئی ایسا سمے آ جائے تو بہادر کوڈگیوں کی طرح لڑتے ہوئے جان دے دینا، میں بہت تھک گیا ہوں اور اسی لئے مڈکیری سے جا رہا ہوں کہاں۔ یہ ابھی خود مجھے بھی معلوم نہیں میرے پیچھے نہ آنا بھگوان تمہیں سدا سکھی رکھے۔

تمہارا سوامی جی۔

اتنیا تمہیں اس خط میں کیا بات عجیب معلوم ہوئی۔ میں نے خط واپس دیتے ہوئے دریافت کیا۔

یہی کہ انگریز ہمارا اصل دشمن ہے انگریز سرکار تو ہماری دوست ہے اور اس نے آج تک ہمارے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا۔

یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ آئندہ بھی ایسا ہی ہو گا راج نیتی میں کوئی سدا نہ کسی کا دوست رہتا ہے نہ دشمن، یہ دوستی یا دشمنی وقت اور حالات کے ساتھ بدلتی رہتی ہے۔

میں اسے سمجھانے لگی۔ سوامی جی تم سے زیادہ عمر کے تھے، ان کا تجربہ بھی تم سے زیادہ تھا، انہوں نے تم سے زیادہ دنیا دیکھی ہے اگر وہ اصل دشمن کی نشان دہی کر گئے ہیں تو یہ بات غلط نہیں ہو سکتی پھر یہ کہ وہ ایک بزرگ ہستی تھے ان کے پاس بھگوان کی دی ہوئی وہ شکتی بھی تھی جس کے متعلق تمھی نے مجھے بتایا تھا سو جو کچھ سوامی جی نے لکھا ہے اس پر عمل کرو۔

ٹھیک کہتی ہیں آپ میں نے خود بھی یہی سوچا تھا بھگوان کی کرپا رہی تو ہم اس دیش پر آنچ نہیں آنے دیں گے۔ اتنیا کے لہجے میں اب مایوسی نہیں تھی ذرا توقف کے بعد وہ کہنے لگا۔ معلوم نہیں کیا بات ہے کہ ان دنوں عجیب عجیب واقعات پیش آ رہے ہیں ابھی میں ادھر آ رہا تھا تو امرناتھ جی کے مندر سے تین ارتھیاں اٹھ رہی تھیں پوچھنے پر پتا چلا کہ کسی نے کل رات مندر کی ایک داسی اور دو بھگتوں کو قتل کر دیا اس کے علاوہ پراسرار طور پر مندر کا وہ مضبوط حصہ بھی جانے کیسے ڈھے گیا جہاں بڑے مہاراج کا استھان تھا دیکھ کر یوں لگتا ہے جیسے پہلے وہاں کچھ تھا ہی نہیں لنگڑے بسودیا کو بھی میں نے ادھر ہی جاتے دیکھا تھا پر میں وہاں رکا نہیں کہ یہاں آنا تھا۔ پھر اتنیا کو جانے کس طرح یہ احساس ہو گیا کہ کویتا وہاں نہیں ہے سو اس نے کویتا کے بارے میں پوچھ لیا۔

اسے میں نے آگے بھیج دیا اور اب ہم لوگ بھی واپس جانا چاہتے ہیں۔ میں نے جواب میں کہا۔

کہاں کماری جی۔ وہ حیرت سے بولا۔

وہیں جہاں سے آئے تھے یعنی بمبئی۔

پر یہ تو کوئی بات نہ ہوئی ہمیں تو ٹھیک طرح سے آپ کی میزبانی کا موقع بھی نہیں ملا۔

آئندہ بھی ہم لوگ آتے جاتے رہیں گے اب ٹھکانا تو دیکھ ہی لیا ہے۔ میں نے مسکرا کر بات بنا دی۔

وہ آپ کی ساتھی اکیلی سفر کر لیں گی۔

اسے صرف اگلے پڑاؤ تک بھیجا ہے اسی جگہ جہاں تم سے پہلی مرتبہ ملاقات ہوئی تھی وہ جگہ یہاں سے زیادہ دور تو نہیں ہے اکیلی گئی ہے اس لئے کسی کو اس پر شبہ بھی نہیں ہوگا۔

ایک ایک کر کے جانے کی بجائے اگر آپ لوگ رات کو ایک ساتھ نکل جائیں تو زیادہ اچھا ہے اس عرصے میں ہم آپ کے لئے رستے میں کھانے پینے کا بندوبست بھی کر دیں گے۔

ٹھیک ہے ہم رک جاتے ہیں آج دن بھر۔ میں گویا راضی ہو گئی۔

اگر آپ اجازت دیں تو دوپہر کا کھانا میں کر دوں۔ اتنیا کے لہجے میں خلوص تھا۔

میں اس پر بھی راضی ہو گئی اور اتنیا چلا گیا اس کے جاتے ہی میں آرام کرنے لیٹ گئی عادل اور شیام بابو کو بھی میں نے یہی مشورہ دیا تھا کیوں کہ ہمیں ایک دشوار گزار سفر درپیش تھا۔

☆

بمبئی آئے ہوئے مجھے دوسری رات تھی میں نے رانی کی باندرہ والی کوٹھی ہی میں قیام کیا تھا۔ پہلی رات سوتے گزری تھی اور دن بھی۔ رانی کو اسی لیے مجھ سے گفتگو کرنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔

وہ لڑکی کہاں گئی جو تمہارے ساتھ یہاں سے گئی تھی۔ رانی نے کویتا کے بارے میں معلوم کیا، ہم لوگ رات کا کھانا کھا کر اٹھنے ہی والے تھے۔

اسے میں نے وہیں چھوڑ دیا جہاں گئی تھی۔ میں نے ٹھنڈا سانس بھرا کوشش کے باوجود کویتا کے ذکر پر میں خود کو سمیٹ کے نہ رکھ سکی۔

رانی نے میرے چہرے کو غور سے دیکھا پھر بولی۔ میں سمجھ گئی لڑکی خرچ ہو گئی...... لیکن تم کیوں اداس ہو گئیں۔

رانی کے لئے اس کے کسی ساتھی کا ہمیشہ کے لئے بچھڑ جانا اداسی کا سبب نہیں تھا میں اس کے مزاج سے واقف تھی سو اس کے سوال کو ٹال گئی۔

شیام بابو ظاہر ہے میرے ساتھ رانی کی کوٹھی میں نہیں رکا تھا، اس کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ عادل البتہ اب بھی میرے ساتھ تھا وہ بھلا کہاں جاتا رانی کے سامنے اس کی حیثیت میرے ملازمین جیسی تھی اس لئے وہ سامنے والی ایک کرسی پر لاتعلق سا بیٹھا تھا۔

آؤ چلو لان میں ٹہلتے ہیں۔ میں نے کرسی سے اٹھتے ہوئے عادل کو مخاطب کیا۔

لیس میڈم۔ عادل جواب دیتے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

اچھا میں چلی، مجھے ذرا ایک کام سے کھار کے اڈے تک جانا ہے تم تو ظاہر ہے ٹہل کر سو جاؤ گی کل تفصیلی ملاقات ہو گی دن میں ابھی تو تم رہوں گی نا۔

کچھ کہہ نہیں سکتی۔ میں محتاط لہجے میں بولی۔ ہاں صبح تک تو بہر حال موجود ہوں۔ کھار کے اڈے کے ذکر پر مجھے ولیم یاد آ گیا تھا اس کی زندگی کے آخری لمحات وہیں گزر رہے تھے۔

ناشتے پر تو ملو گی نا یا اس کی بھی خبر نہیں۔ وہ میرے سے ہنسی۔

ہاں ہاں کیوں نہیں۔

رانی ہاتھ ہلاتی ہوئی چلی گئی عادل کو ساتھ لیے میں چہل قدمی کی خاطر عقبی لان میں آ گئی۔ کویتا سے عادل کی کوئی خاص وابستگی نہیں تھی یوں بھی وہ کسی روگ کو زیادہ عرصے پالنے کا قائل نہیں تھا اس لئے تنہائی ملتے ہی چہکنے لگا۔ اسے بہت دنوں بعد مجھ پر فقرے بازی کا موقع ملا تھا مجھے وہ اداس بلبل اور جانے کیا کیا القاب دیتا رہا مگر میرا موڈ بحال نہ ہو سکا۔ میں اس سے باتیں تو کر رہی تھی لیکن بے دلی کے ساتھ نتیجتاً وہ اکیلا چہکتے چہکتے تھک گیا میرے لئے

غنیمت تھا لان سے لوٹ آئی۔

ست کوڈگ سے میں واپس تو آ گئی تھی، مجھے اس قبل کے بارے میں بھی اندازہ ہو گیا تھا پھر بھی بی آمادہ نہیں ہو رہا تھا کہ میرے دشمن اسے ہضم میں اس کے علاوہ مجھے ژیان کی فکر بھی تھی میرے کے مطابق چندر موہن اگر زندہ بچ بھی گیا تھا تو عرصے کے لئے بستر علالت اس کا نصیب تھا۔ مں ژیان اور چمپا دونوں ہی سے میں نمٹ سکتی تھی۔ ت میں جب کہ خود اسی کی زندگی کا کوئی بھروسا تھا وہ میرے دشمن ژیان یا چمپا کی کیا مدد کر پاتا۔ کے بارے میں مجھے علم تھا کہ اسے چندر موہن نے مضبوط قلعے بنگال بھیج دیا تھا۔ بنگال میں اس کا مرکز مجھے یہ بھی پتا تھا۔ ژیان کے متعلق بھی میرا یہی خیال چندر موہن نے اسے بھی وہیں روانہ کیا ہوگا انہی وجوہ اہر میں کلکتے جانے کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ اونچے پہاڑوں سے اتار کر مجھے اسی شہر میں تو پہنچایا سے میری بہت سی یادیں وابستہ تھیں۔

اپنے کمرے میں آ کر سونے کا ارادہ کر رہی تھی روح عظیم مہمن کی سرگوشیاں سنائی دینے ۔ اے معبلہ اب تیری منزل زیادہ دور نہیں تو نے ارادہ کیا ہے ٹھیک ہے تیرا دشمن وہیں ہے۔ اور کسی کی تقدیر سے لڑنے کی کوششیں کیوں کرتی جی کو سنبھال کے رکھ کر تیرا جی اس پر آمادہ کہ ریاست کوڈگ پر تیرے دشمن قبضہ کر لیں تو ۔ تو بھلا کون لکھے کو ٹالنے والی تجھے بتا دیا گیا تھا یقین نہیں آیا۔ تو پھر اپنی آنکھوں سے خود اپنے ، پرچم بلند ہوتے دیکھ سن اور محسوس کر تو نے اب ں اور حال کو دیکھا کہ تیری آنکھوں کو یہی دکھایا ابڑی ضدی ہے اور چہیتی بھی ہے سو مستقبل میں جھانک دیکھ کر اس ریاست پر کیا گزرنے والی ہے تو لوٹ کے آئی ہے۔

اسی کے ساتھ میرے صفحۂ ذہن پر مختلف مناظر ابھرنے لگے وہ جو ہونے والا تھا میری آنکھوں کو پہلے ہی دکھایا جا رہا تھا مجھے یہ مناظر جس تسلسل اور ربط کے ساتھ دکھائے گئے اسی طرح بیان کر رہی ہوں ان مناظر کے دوران میں مجھے بار بار عظیم مہمن کی سرگوشیاں بھی سنائی دیتی رہیں۔

پہلا منظر میں نے یہ دیکھا کہ ظالم و بدکردار راجا چک ویرنے اپنگول پر اچانک شب خون مارا راجا کی بہن دیوما اور اس کا بہنوئی چینن بسو بڑی افراتفری میں راج محل سے فرار ہو کر میسور کی طرف بھاگے اپنے بچے کو وہ اپنگول کی ایک غریب عورت کے پاس چھوڑ گئے تھے کہ کہیں وہ نہ مارا جائے مگر یہ راز کھل گیا دو سالہ کدپا اپنے ماموں راجا چک ویر کے ہتھے چڑھ گیا اپنگول سے اس معصوم کو مڈکیری کے راج بھون میں لایا گیا۔

اس کے بعد مستقبل کے یہ مناظر بدلتے رہے میں نے اس بچے کو رانی گورما اور راجکماری پٹما کے ساتھ دیکھا چک ویر نے موقع پا کر ایک روز بھانجے کو مار دیا کہ وہ اس کے دشمن چینن بسو کا بیٹا تھا یہ بات چھپ نہ سکی اور عوام تک پہنچ گئی یہ ظلم عوام کے لئے ناقابل برداشت تھا اس میں فرزندان کاویری نے بھی اہم کردار ادا کیا کہ عوام بغاوت پر کمربستہ ہو گئے۔

انگریز حکومت نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ریاست پر دباؤ بڑھا دیا نوبت یہاں تک پہنچی کہ ایک عیار انگریز جنرل فریزر کی کمان میں بنگلور کی طرف سے ریاست پر حملے کا آغاز کر دیا گیا یہ حملہ پانچ سمتوں سے کیا گیا انہی میں سے ایک محاذ پر میں نے اتنیا اور اس کے ساتھیوں کو داد شجاعت دیتے اور پھر بہادری سے مرتے دیکھا راجا چک ویر کو مجبوراً مڈکیری سے بسودیا کے ساتھ فرار ہونا پڑا ورنہ مشتعل عوام اسے مار ڈالتے مڈکیری سے بھاگ کر چک ویر نالک ناڈ پہنچ گیا رانی اور راجکماری کو وہ خود غرض مڈکیری کے راج بھون ہی میں

چھوڑ گیا اس کا کہنا تھا کہ عوام ان دونوں کو قتل نہیں کریں گے کیوں کہ وہ کوڈگی ہیں۔

بے راجا اور بغیر کسی سربراہ کے فوج کیوں اور کب تک لڑتی محاذ جنگ پر وزیر دفاع اور افواج کے کمانڈر انچیف بوپنتا کو یہ خبر ملی کہ راجا چک وریدار الحکومت سے فرار ہو گیا ہے اس نے سفید پرچم بلند کر دیا جواب میں جنرل فریزر نے بھی ایسا ہی کیا اور لڑائی رک گئی انگریز جنرل کو بھی راجا کے فرار کی خبر مل چکی تھی اس شاطر نے بوپنتا کو پیغام بھیجا۔ آپ ادھر آئیں گے یا ہم ادھر آئیں۔ جو آپ کی مرضی ہو کہلوا دیں ہم کوئی ایسی بات نہیں کرنا چاہتے جس سے آپ کی عزت میں فرق آئے۔

بوپنتا نے کہلوایا۔ ہمی وہاں آ جائیں گے آپ کو زحمت کی ضرورت نہیں۔

پھر نصف گھنٹے کے بعد بوپنتا انگریزوں کی چھاؤنی میں پہنچ گیا انگریز جنرل نے بڑے تپاک سے اس کا استقبال کیا او ' سے اپنے خیمے میں لے جا کر کرسی پر بٹھایا اور پھر خود بھی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ آپ ریاست کی فوج کے سربراہ ہیں اور ہمارے لئے قابل عزت ہیں۔ آپ کا تن تنہا یہاں آنا بلند ہمتی کی دلیل ہے ریاست کے عوام اگر آپ کو عزت و احترام دیتے ہیں تو بجا ہے۔ آپ خود بتائیے کہ انگریز حکومت اور کوڈگ کے درمیان جو یہ جھگڑا کھڑا ہو گیا ہے کیسے ختم ہو۔

دباؤ آپ کی طرف سے بڑھایا گیا اور آپ کی حکومت نے ہماری ریاست کے اندرونی معاملات میں مداخلت کی۔ بوپنتا دلیری سے بولا۔

اور کیا آپ کے راجا نے ہمارے سفارتی نمائندوں کو گرفتاری کا حکم نہیں دیا۔ انگریز جنرل رواں کوڈگی زبان میں گفتگو کر رہا تھا۔

بلاشبہ ایسا ہوا مگر کیوں۔ محض اس لئے کہ ہمارے معاملات میں سفارتی نمائندوں نے ہمی سے جواب طلبی کی، آپ کے نمائندوں کا کہنا تھا کہ ہمارے راجا نے اپنی بہن اور بہنوئی پر ظلم ڈھایا ہے ان لوگ کی حکومت سے فریاد کی اور آپ نے راجا بہنوئی کے جان و مال کی حفاظت اور ا چھڑانے کے لئے ہم پر فوج کشی کر مناسب بات ہے۔

ہماری حکومت کے خیال میں یہی منا ورنہ ایسا نہ کیا جاتا۔ انگریز جنرل نے پر سکو جواب دیا۔ آپ کے راجا نے اپنے بہا کر دیا ہے انہیں سزا دینا اب ہمارا کام حکومت کی طرف سے کوڈگ کے روشن بھلائی کے لئے مناسب اقدام کرنا ہمارا فر' کوڈگ کے مستقبل کا فیصلہ کرنا ہما جاگیرداروں اور ساہوکاروں کا فرض ہے غیر حق نہیں دیا جا سکتا۔ بوپنتا کے لہجے میں تیزی عیار انگریز جنرل کے ہونٹوں پر مسکراہٹ جواباً دھیمے اور نرم لہجے میں بولا۔ جو بات کو لیڈروں کو پسند نہیں وہ بات ان سے ہمیں بھی کی خواہش نہیں ہے ہماری حکومت اس سے کہ خود آپ لوگ اپنی ریاست کا نظم و نسق چلا لیکن ایسے مواقع پر فیصلے میں تاخیر عوام کے بن جاتی ہے ایسے ہی معاملات کو نمٹانے کے کے دوست کام آتے ہیں ہم یہی بات آپ کو چاہتے ہیں کہ ہمارا مقصد آپ سے دوستی ہے نہیں۔

یہ تو خوشی کی بات ہے کہ آپ کی حکومت کوڈگ عوام کو اپنا سمجھتی ہے آپ اپنی حکو مطالبات بتائیں۔

راجا نے انگریز حکومت کی بے عزتی کی جنرل کے تیور بدل گئے وہ گرگٹ کی طرح رنگ تھا۔ انگریز حکومت نے ان کی بہن اور بہنوئی حفاظت میں لے لیا تھا انہوں نے غصے میں آ

ا ان کر دیا اس بے عزتی کی سزا کے طور پر ا سے محروم کرنا ہے خون کرنے کی سزا کے سزائے موت دی جائے یا اور کوئی سزا یہ ا جائے گا۔

ا نے کو قتل کرنے کے سلسلے میں آپ انہیں ا نہیں رکھتے کیوں کہ وہ انگریز حکومت کی ہیں۔

ہمیں پتا چلا ہے کہ عوام خود راجا کو اس کی اجے ہیں اور آپ ہماری نظر میں عوام کی اگر آپ اس پر آمادہ نہیں تو ہم اس جھگڑے ڑے۔ انگریز جنرل نے پہلو بدلا۔ ایسی ں ہمارے سفارتی نمائندوں کو بلا تاخیر رہا ے گا، راجا کی بہن اور بہنوئی کے لئے ان کی کے مطابق رہنے کا انتظام کرنا ہو گا اس کے اپ کو تاوان جنگ بھی ادا کرنا پڑے گا، آئندہ است میں ایسی بے چینی نہ پھیلے اس کے لئے ائے ہوئے لائحہ عمل پر چلنا ہو گا۔

.. بے چینی نہیں پھیلنا چاہیے یہ تو ٹھیک ہے لیکن ہم ے مرتب دیئے ہوئے لائحہ عمل پر کیوں چلیں۔

لئے کہ کوڈگ ہماری عملداری کے درمیان میں یہاں جو گڑبڑ ہوتی ہے وہ کسی نہ کسی صورت ہمارے ں پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ ہمارے علاقے گڑبڑ ارہ نہیں اس لئے آپ کو ہمارا مرتب کردہ لائحہ اپنانا ہو گا۔ جنرل فریزر نے بوپنتا کو یہ کہہ کر ب کر دیا پھر وہ بوپنتا کو خاموش دیکھ کر نرمی سے کہنے

اپ جس ڈھنگ کا دستور پسند کریں گے اسی پر عمل آپ کی مرضی کے خلاف ہم ایک قدم بھی نہیں ں کے ہم اتنی دور صرف کوڈگی کے عوام کی بھلائی اطر ہی آئے ہیں آپ کے کہنے کے مطابق ہی ں کے مسند اقتدار کے اصل وارث کو مقرر کر کے ہم ی خدمت ہی کریں گے، نئے راجا کے انتخاب اور اس کے اقتدار سنبھالنے کے لئے نیز یہ جھگڑا مکمل طور پر ختم ہونے پر ہم دوستوں کی طرح آپ سے اجازت لے کر یہاں سے رخصت ہوں گے۔

تو کیا اس کے لئے آپ مڈکیری آنا چاہتے ہیں۔

اگر آپ اسے بہتر نہ سمجھیں تو ہم نہیں آتے بلکہ یہیں سے واپس ہو جائیں گے پھر آپ کو ان باتوں کا معقول بندوبست کر کے ہمیں یہیں بتانا پڑے گا۔

اچھی بات ہے، ہم سوچ بچار کے بعد اپنے فیصلے سے آپ کو آگاہ کرتے ہیں۔

وراثت کے موضوع پر سوچتے وقت آپ دو ناموں پر اور غور کر لیجیے گا۔ انگریز جنرل پھر مسکرا دیا۔ راجا کی بیوی اور بیٹی تو آپ کی فہرست میں ہوں گی ہی شاید تیسرا نام ہے راجا کی بہن کا، شاید کا لفظ ہم نے اس لئے استعمال کیا ہے کہ ممکن ہے وہ آپ کی فہرست میں نہ ہو بہرحال ابھی تک جن دو ناموں پر آپ نے غور نہیں کیا ہو گا ان میں سے ایک راجا کا تایازاد ہے اور دوسرا ہے راجا کا سگا بڑا بھائی۔

راجا کے تایا کا نام کری اپا ہے یہ بات تو آپ کو معلوم ہی ہو گی۔

وہ تو عرصہ دراز سے گم ہیں اس واقعے کو تیس برس گزر گئے لوگ تو کہتے ہیں وہ مر چکے ہیں۔

ممکن ہے ایسا ہی ہو......ا انگریز جنرل بولا۔ لیکن ہمارے ساتھ دو ایسے افراد ہیں جو خود کو کری اپا اور ویرنا بتاتے ہیں۔

کہاں ہیں وہ۔

اس وقت تو یہاں نہیں ہیں۔ انگریز جنرل نے پھر پہلو بدلا۔ اس کے لہجے سے جھوٹ کا ذرا بھی پتا نہیں چل رہا تھا۔ وہ دونوں ہماری اس فوج کے ساتھ ہیں جو ارکل گوڈ کی طرف سے پیش قدمی کرتی ہوئی آگے بڑھ رہی ہے۔

تو آپ نے صلح کا پرچم بلند ہونے کے باوجود ابھی

تک اپنی افواج کو پیش قدمی سے نہیں روکا۔ بوپنا ایک اور ہی معاملے میں الجھ گیا۔

ابھی ہمارے اور آپ کے درمیان صلح کب ہوئی ہے۔ ابھی تو صلح کے لئے مذاکرات شروع ہوئے ہیں۔ پھر بوپنا پر مزید دباؤ ڈالنے کی خاطر انگریز جنرل نے بقیہ تین محاذوں کے بارے میں بھی بتایا جہاں ریاست کی فوج پسپا ہو کر پیچھے ہٹ رہی تھی۔

صورت حال کچھ ایسی ہو گئی کہ بوپنا کو صلح ہی میں عافیت نظر آئی انگریز فوج ہر طرف سے ریاست میں گھس آئی تھی راجا کے مڈکیری سے فرار نے فوج کے حوصلے پست کر دیئے تھے پھر جب انہوں نے یہ سنا کہ عوام نے بھی بغاوت کر دی ہے تو ان کے پیر اکھڑ گئے۔ ہاری ہوئی جنگ جیتنے کے لئے صلح ضروری تھی سو بوپنا اس پر بھی راضی ہو گیا کہ فریزر اپنی فوج کے ساتھ بہ حیثیت دوست مڈکیری چل سکتا ہے۔

اس مصالحت کے بعد پھر وراثت پر گفتگو ہونے لگی انگریز جنرل کہنے لگا۔ آپ کے راجا کا ایک بھائی اور ہے اس ضمن میں ہمیں بہت سے خطوط ملے ہیں وہ سب خطوط ہم ساتھ لائیں ہیں ثبوت فراہم کرتے وقت جب آپ کو ان خطوط کی ضرورت پڑے گی دکھا دیئے جائیں گے۔

ان باتوں کو طے کرنے کے لئے آپ کا مڈکیری ہی میں رہنا مناسب ہے۔

یہ تو آپ کی مرضی پر منحصر ہے اگر آپ ہمیں وہاں بلائیں گے تو ہماری طرف سے کوئی اعتراض نہیں۔ شاطر انگریز بولا۔

آپ یہی سمجھیئے کہ ہمارے بلاوے پر یہاں آئے ہیں بس یہ خیال رکھیئے گا کہ معاملات نمٹ جانے کے بعد جب ہماری جنتا آپ سے واپس جانے کو کہے گی آپ کو واپس جانا ہوگا۔

واپس جانے کے لئے وہ عیار کب وہاں آیا تھا وہ

ایک کے بعد ایک چالیں چلتا گیا اور را[illegible] پہنچنے کے بعد یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ عوام اسے اپنا نجات دہندہ سمجھنے لگے بھگو[illegible] سے ملی اور خود کو ظاہر کر دیا، بندر بانٹ شروع[illegible]

عوام نے خود مطالبہ کیا کہ راجا چک ویر کو[illegible] اس کی جگہ کسی اور کو ریاست کا سربراہ بنا دیا[illegible] ویر کی گرفتاری کے لئے نالک ناڈ کی طرف[illegible] روانہ ہو گئے۔ اس سے پہلے ہی بھگوتی نال[illegible] راج محل میں ایک خفیہ سرنگ کی نشاندہی کر[illegible] قریبی جنگل میں نکلتی تھی وہ ایک مرتبہ لنگ[illegible] ساتھ اس راج محل میں رہ چکی تھی اس نے [illegible] سے وعدہ لے لیا تھا کہ راجا چک ویر او[illegible] وزیراعظم بسودیا کو ہر قیمت پر زندہ گرفتار کیا[illegible] انگریز جنرل نے فوجی دستوں کو یہی ہدایت[illegible] راجا اور بسودیا کو زندہ پکڑا جائے ایک انگر[illegible] جیکسن ان فوجی دستوں کا انچارج بنایا گیا تھ[illegible] ہدایت دی گئی تھی کہ سرنگ کا جو دہانہ جنگل[illegible] وہاں خود فوجیوں کے ساتھ موجود رہے خبر یہ تھی[illegible] اور بسودیا کے ساتھی راج محل میں زیادہ سپاہی[illegible] پسپا ہو کر وہ آخر کار سرنگ کے ذریعے فرار[illegible] کوشش کریں گے۔

پھر میری آنکھوں نے مستقبل میں جھا[illegible] چک ویر اور بسودیا کا عبرت ناک انجام دیکھا[illegible] مجھے بدکردار عیاش راجا چک ویر کا چہرہ نظر آ[illegible] شدید غصے کے آثار تھے، ابھی ابھی اسے بتایا[illegible] مڈکیری سے کچھ فوجی دستے بڑھتے چلے آ رہے[illegible] ان کا رخ نالک ناڈ کے راج محل ہی کی طرف[illegible] دینے والا لنگڑا بسودیا تھا۔

بسودیا نے یہ خبر ملتے ہی آس پاس کے دیہا[illegible] کوئی دو سو آدمی یہ سوچ کر بلوا لیے تھے کہ فوج[illegible] ارادے سے نہیں آ رہی ہوگی اس نے ان آدمیو[illegible]

[illegible]پر قطار بنا کر کھڑا کر دیا پھر اس انتظام سے راجا [illegible]کو خبر سنتے ہی چک ویر کا چہرہ اتر گیا اور اس نے [illegible]از میں پوچھا۔ کیا اسلحہ اور گولہ بارود ہے۔

[illegible]ریں مالک ہمارے سپاہیوں کا نشانہ بہت اچھا [illegible]رت پڑنے پر ہم دو دن تک لڑ سکتے ہیں۔ [illegible]نے تسلی دی۔

[illegible]ٹھیک ہے دیکھیں گے، ابے لنگڑے پہلے یہ تو [illegible]وہ کون ہیں۔

[illegible]ہوں معلوم مالک۔ بسودیا گالیاں کھا کر بے[illegible]لے والوں میں سے نہیں تھا۔

[illegible]ھی دیر بعد فوجی دستے محل سے خاصے فاصلے پر [illegible]ک گئے پھر ایک گھڑ سوار سفید جھنڈا لہراتا ہوا [illegible]ہ حا وہ ایک انگریز فوجی افسر تھا۔

[illegible]ا کے نیچے پہنچنے کے بعد انگریز افسر نے بلند آواز [illegible]ا۔ راج محل سے کسی کو بھیجو، کچھ بات کرنا ہے۔ یہ [illegible]اس نے انگریزی ہی میں ادا کیے تھے اسے مقامی [illegible]نہیں آتی تھی۔

[illegible]دیا نے محل سے ایک مترجم کو باہر بھیجا اس نے [illegible]ا آ کر بتایا۔ یہ فوج بنگلور سے آئی ہے انگریز جنرل [illegible]مڈکیری پہنچ چکا ہے انگریز فوجی افسر کہہ رہا ہے کہ [illegible]مالی کو چاہیے کہ وہ خود کو ان کے حوالے کر دیں ورنہ [illegible]زبردستی یہاں سے گرفتار کر کے لے جایا جائے

[illegible]سنتے ہی چک ویر مشتعل ہو گیا اور چیخ اٹھا۔ لنگڑے [illegible]وں کا حوصلہ دیکھ رہا ہے کل تک یہ اپنی عورتوں کو [illegible]ے ناز اٹھانے بھیجتے تھے، ابے تجھے تو معلوم ہے [illegible]کچھ آج یہی اکڑ کے بول رہے ہیں دو چار کو بھون [illegible]سالوں کی عقل ٹھکانے آ جائے گی۔

[illegible]ہو مالک کا حکم۔ بسودیا نے جواب دیا پھر نرمی سے [illegible]سمجھانا چاہا۔ لیکن مالک آنے والے بنگلور کے ہیں ان [illegible]ہتھیار ہمارے ہتھیاروں سے اچھے ہوتے ہیں۔ یہ

ٹھیک ہے کہ ہم آڑ میں ہیں مگر ہم لوگ انہیں زیادہ دیر تک نہیں روک سکیں گے۔

اس پر چک ویر مزید برہم ہو گیا۔ ابے کہیں تو بھی تو ان انگریزوں سے نہیں مل گیا۔ کیا مطلب ہے تیرا کیا گرفتار ہو جاؤں۔

نہیں مالک میرا مقصد ہرگز یہ نہیں تھا۔

پھر کیا تھا تیرا مقصد۔ چک ویر تھوڑا نرم پڑ گیا۔

چک ویر کو نرم پڑتے دیکھ کر بسودیا کے دل کی بات زبان پر آ گئی، اس کا لہجہ رازدارانہ سا تھا۔ اگر مالک کی اجازت ہو تو میں خود ان سے جا کے بات کروں مترجم کو ساتھ لے جاؤں گا۔ میں ان سے کہوں گا کہ ہمارے مالک خود چلنے کو تیار ہیں گرفتار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اس طرح چلنے میں بے عزتی کی بات نہیں عزت کے ساتھ مڈکیری پہنچ۔

بڑا عقلمند سمجھتا ہے تو اپنے آپ کو لنگڑے اب تک تجھے ہمارا حکم ماننے کی عادت نہیں پڑی۔

ٹھیک ہے مالک جو حکم آپ کا لیکن اب آپ کا یہاں رہنا ٹھیک نہیں، ہو سکتا ہے کہ جو فوجی دستے ابھی خاصے فاصلے پر پڑاؤ ڈالے ہیں کچھ دیر میں آگے بڑھ آئیں۔

یہاں نہ رہوں تو کہاں جاؤں۔ یہ بھی تو بھونک۔ رسی جل گئی مگر ابھی بل نہیں گئے تھے۔ چک ویر کے لہجے میں وہی پہلے جیسا تکبر اور غرور تھا۔

لڑائی کی صورت میں دو ایک گھنٹے میں ان لوگوں کو روک سکتا ہوں انہیں شبہ نہ ہو کہ آپ کا ارادہ فرار ہونے کا ہے اس کی صورت یہ ہے دور سے ایک آدھ بار درشن کرا دیں آپ سرنگ کے راستے نکل جائیں تو اچھا ہے اگر ابھی ان کا سامنا نہیں کر سکتے جو بنگلور سے ریاست میں گھس آئے ہیں تو جنگل میں روپوش رہ سکتے ہیں، جنگلوں اور پہاڑوں میں برسوں وہ آپ کو نہیں ڈھونڈ پائیں گے، انگریز فوج کبھی تو واپس جائے گی ہی اس کی واپسی کے بعد روپوشی سے نجات مل جائے گی رہا

عوام کا غصہ تو وہ اس عرصے میں جھاگ کی طرح بیٹھ جائے گا مالک! عوام کا حافظہ بہت کمزور ہوتا ہے زیادہ دن وہ کسی بات کو یاد نہیں رکھتے سب اپنے اپنے کاموں میں لگ جاتے ہیں پھر اگر کسی کو یہ بات یاد بھی رہ گئی کہ آپ کے ہاتھوں ایک بچے کا خون ہو گیا تھا تو اس کا بھی ایک توڑ ہے، لگان میں تھوڑی سی رعایت سے بھی لوگ خوش ہو جائیں گے۔

ابے لنگڑے، مجھے خبر نہ تھی کہ تو بھی راج نیتی جانتا ہے چل ہم نے تیری بات مان لی دو چار فائر کروا اور میری بندوق بھی منگوا۔ چک ویر پرسکون نظر آنے لگا۔

بسودیا نے چک ویر کی بندوق لانے کو ایک ملازم سے کہہ دیا پھر وہ مترجم سے بولا۔ جا کر اس انگریز افسر سے کہو کہ راجا جی کو اس کی بات منظور نہیں اگر وہ لوگ زبردستی کریں گے طاقت سے کام لیں گے تو لڑائی ہوگی اس سے ان کے لوگوں کی جانیں بھی جائیں گی۔

چار دیواری پر بسودیا نے جن دو سو مسلح افراد کو ایک قطار میں کھڑا کیا تھا انہیں بتایا کہ جب میری طرف سے تیار ہو جاؤ سنو تو فوراً فائرنگ شروع کر دو فائر ضائع نہیں جانا چاہیے آڑ میں سے بیٹھ کر فائرنگ کرنا ہے اس طرح کھڑے نہ ہونا ورنہ مارے جاؤ گے ایک گولی سے کم از کم ایک آدمی تو مرنا ہی چاہیے پھر اس نے محل میں موجود تقریباً ایک سو سپاہیوں کو بھی یہی ہدایت دی۔

ملازم نے چک ویر کو بندوق لا کر دے دی بسودیا اس کے پاس جا کر کہنے لگا۔ مالک آپ یہیں ستونوں کی آڑ سے فائر کیجیے گا آگے نہ بڑھیے گا۔

ہونہہ مجھے سمجھا رہا ہے لنگڑا بھول ہی گیا کہ میں نے جوانی میں شیروں تک کا شکار کیا ہے یہ انگریز تو گیدڑ ہیں۔

اس دوران میں مترجم نے انگریز افسر کو بسودیا کا پیغام پہنچا دیا۔

ہمیں حکم ملا ہے کہ راجا صاحب اور ان کے وزیر اعظم کو کوئی نقصان نہ پہنچے ہم انہیں کوئی گزند نہیں پہنچانا چاہتے اگر جنگ ہی کرنا ہے تو راجا صاحب اور ان کے وز کسی فیصلے تک پہنچنے سے پہلے سامنے نہ آئیں ہم کو صرف اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں چاہے وہ رضا چلیں یا انہیں گرفتار کرنا پڑے۔ انگریز افسر بولا۔

مترجم نے محل میں آ کر انگریز افسر کے کہے الفاظ دہرا دیے۔

بھون دو سالوں کو۔ یہ کہتے ہوئے پہلا فائر چا ہی نے کیا، اس نے واپس جاتے ہوئے انگریز ا نشانہ بنایا تھا گولی نشانے پر ہی بیٹھی مگر چک بدقسمتی سے انگریز افسر صرف زخمی ہو سکا اس کا شانہ گیا تھا اس کے سبب دائیں ہاتھ سے سفید پرچم چھو کر نیچے گر پڑا اسی پرچم کو سنبھالنے کی خاطر انگریز ا گھڑ سواری کرتے ہوئے تھوڑا سا ایک طرف ہو گیا چک ویر اس وقت تک فائر کر چکا تھا۔

جس کے ہاتھ میں سفید پرچم ہو اس پر گولی چ حملہ آور ہونا جنگی قواعد کے خلاف ہے مگر چک ویر لوگ کب کسی قاعدے کو مانتے ہیں۔

زخمی انگریز افسر جیسے تیسے گولیوں سے بچتا بچاتا فوجی دستوں تک پہنچ گیا۔ جیکسن کیونکہ وہاں سے جنگل میں نکلنے والی سرنگ کے دہانے پر تھا اس لئے فوجی دستوں کی کمان اس کا ایک ماتحت کر رہا تھا اس نے زخمی افسر کو پیچھے بھیج دیا تا کہ طبی امداد مل سکے اپنے دستوں کو آگے بڑھنے کا حکم دیا ذرا ہی دیر میں دونوں طرف سے شدید فائرنگ ہونے لگی۔

نتیجہ وہی نکلا جو بسودیا پہلے ہی کہہ چکا تھا، انگریز حاوی آنے لگی اور چک ویر کو سرنگ کے ذریعے محل نکلنا پڑا۔ بسودیا نے اس سے کہا تھا کہ موقع ملتے ہی بھی جنگل میں مقررہ جگہ پہنچ جائے گا۔ سرنگ سے جیسے ہی چک ویر گھوڑا دوڑاتا ہوا جنگل میں نکلا اسے گھیر لیا گیا۔ جیکسن یہاں موجود تھا راجا چک ویر کی شناخت کے وہ مڈ کیری سے اپنے ساتھ کوڈگی سپاہیوں کو بھی لایا،

ں نے تصدیق کر دی کہ وہ راجا چک ویر ہے تو اپنا گھوڑا آگے بڑھا کر قریب پہنچا اس نے چک سر جھکا کر تعظیم دی پھر بولا۔ راجا صاحب اب آپ ہماری قید میں ہیں۔ جیکسن کو بھی مقامی زبان بولنا آتی تھی۔ ہم آپ کو عزت و احترام کے ساتھ یہاں سے لے جائیں گے ہمیں امید ہے کہ آپ کسی جھگڑے کا موقع دیے بغیر ہمارے ساتھ چلیں گے اس پر ہم آپ کے ممنون ہوں گے۔

مجھے بسودیا نے گرفتار کرایا ہے نا۔ بلا ارادہ چک ویر کی زبان پر یہ سوال آ گیا اسی کے ساتھ اس کا ہاتھ کمر بندھے ہوئے پستول پر پہنچ گیا۔

راجا صاحب.....! جیکسن بول اٹھا۔ پستول سے ہاتھ ہٹا لیجیے اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو مجبوراً پستول لینا پڑے گا اس طرح آپ کی بے عزتی ہوگی جو میں نہیں چاہتا۔

چک ویر نے پستول سے ہاتھ ہٹا لیا اس کے چہرے سے غصے اور نفرت کا اظہار ہو رہا تھا۔

جنگل سے نکل کر اس فوجی دستے نے ایک پہاڑی کا چکر کاٹا اور محل کے مقابل آ گیا۔

بسودیا نے چک ویر کو اوپر سے دیکھ لیا کہ وہ انگریز فوجی دستے کے نرغے میں ہے وہ اپنے سپاہیوں کی ہمت بڑھاتا ہوا اب تک لڑ رہا تھا چک ویر کو اس حال میں دیکھ کر اس کے چہرے پر سیاہی سی پھیل گئی وہ آخر جنگ ہار گیا تھا پھر معلوم نہیں اس نے کیا سوچا کہ فائرنگ بند کرا دی اور گرتا پڑتا نیچے اترا محل کا دروازہ کھلوا کر وہ بھاگتا ہوا راجا چک ویر کے گھوڑے کی طرف بڑھا۔

ارے مالک آپ ان کے ہاتھ کیسے پڑ گئے۔ چیختا ہوا وہ ہاتھ اٹھا کر راجا چک ویر کے سامنے آ گیا۔

چک ویر کے خیال میں سرنگ سے فرار کا علم صرف بسودیا کو تھا انگریزوں کو اس کا علم نہیں ہو سکتا تھا جب تک کہ بسودیا ہی ان سے نہ مل گیا ہو سرگوشیوں میں مجھے بتایا گیا پھر میں نے چک ویر کی غصیلی آواز سنی۔ خود مجھے گرفتار کرا کے اب بھولا بن رہا ہے لنگڑے۔ چشم زدن میں اس نے بیلٹ سے بھرا ہوا پستول کھینچا اور نشانہ لے کر گولی چلا دی لنگڑا بسودیا سینے پر گولی کھا کر زمین پر گرا اور تڑپنے لگا۔

جیکسن نے تیزی کے ساتھ جھک کر چک ویر کا ہاتھ پکڑ لیا اس کا گھوڑا چک ویر کے گھوڑے کے برابر ہی کھڑا تھا۔

آپ نے ایسا کیوں کیا راجا صاحب۔ جیکسن اپنے ہاتھ کی گرفت مضبوط کرتے ہوئے بولا۔

چک ویر نے اپنے ہاتھ چھڑانے کے لئے جھٹکا دیتے ہوئے جواب دیا۔ یہ غدار ہے اس نے مجھے گرفتار کرا دیا۔

آپ کا خیال غلط ہے۔

کیسے غلط ہے۔ اسی کے کہنے پر تو تم لوگ پہلے سے جنگل میں سرنگ کے دہانے پر موجود تھے۔

مجھے تو اس سرنگ کے متعلق مڈ کیری ہی میں بتا دیا گیا تھا۔

بکواس کرتے ہو تم۔ چک ویر زور سے بولا اور اسی لمحے جیکسن نے اس کے ہاتھ سے پستول چھین لیا۔

ادھر تو راجا چک ویر گرفتار کر لیا گیا ادھر مڈ کیری میں جنرل فریزر نے بساط سیاست پر ایسی چالیں چلیں کہ ریاست کے عوام کو یہی بہتر معلوم ہوا عارضی طور پر انگریز ہی کوڈگ کا نظم و نسق سنبھال لیں بوپنا اور لکشمی نارائن بھی بے بس ہو کر رہ گئے کیوں کہ انگریز فوجوں نے عملاً پوری ریاست کا نظام سنبھال لیا تھا تا لک ناڈ سے راجا کی گرفتاری کی خبر بھی آ چکی تھی۔ بوپنا اور ریاست کے دوسرے بہی خواہوں کو بھی یہی غنیمت معلوم ہوا تھا کہ انگریز جنرل اب تک ریاست پر کوڈگیوں کے حق کو تسلیم کر رہا تھا رانی گوری اس پر آمادہ نہیں ہوئی کہ شوہر کی موجودگی میں حکمرانی کرے انگریز جنرل ہندوستانی تہذیب اور رسم و روایات سے اچھی طرح آگاہ تھا وہ اسی لئے مسند اقتدار پر پہلا حق رانی کا

تسلیم کرچکا تھا رانی کی موجودگی میں بوپنا بھلا کیسے انگریز جنرل کی یہ تجویز قبول کرلیتا کہ انگریزوں کی سرپرستی میں وہ حکمراں بن جائے اس نے صاف انکار کردیا جنرل فریزر نے ایک ایک کرکے تخت سلطنت کے تمام دعویداروں کو عوامی حمایت کی آڑ میں الگ کردیا راجا چک ویرے کے گرفتار ہونے کی خبر ملتے ہی اس کا ایک خاص قاصد میسور روانہ ہوگیا میسور میں کری اپا اور ویرنا کو قید کے دوران میں قتل کردیا گیا بوپنا سے اس نے یہ بہانہ کردیا کہ وہ دونوں میدان جنگ میں مارے گئے چین بسو کا تعلق راج گھرانے سے نہیں تھا اس لئے عوام اور بوپنا اس کے حق میں نہ ہوئے، بہن سے زیادہ بیوی کا حق ہوتا ہے عوام نے شاطر انگریز جنرل کی یہ بات مان لی، جب رانی گورما نے انکار کردیا تو پھر راجکماری پٹما ہی رہ گئی وہ ابھی نابالغ تھی سو کسی عارضی بندوبست کی بات سامنے آئی کہ جب راجکماری بالغ ہوجائے گی تو اسے ریاست کا حکمراں بنادیا جائے گا تب تک انگریز ہی ریاست کا کاروبار چلائیں گے اور راج گھرانے کے افراد میسور میں ان کے پاس رہیں گے۔

نالک ناڈ سے بسودیا کی لاش آئی تو عوام کو بھگوتی کے بارے میں سب کچھ پتا چل گیا، لنگ راج نے اس سے باقاعدہ شادی نہیں کی تھی بلکہ اسے صرف داشتہ بناکر رکھا ہوا تھا۔ بسودیا اس کی ناجائز اولاد تھا۔ بھگوتی کے فرار ہونے پر دوڈونے بسودیا کی پرورش کی تھی۔ وہ اس راز سے واقف تھی۔ لنگ راج نے اس سے رازداری کا عہد لیا تھا بسودیا چک ویرے کے ہاتھوں مارا گیا تو دوڈو عہد قائم نہ رکھ سکی اور زبان کھول دی۔

جنرل فریزر نے اس پر کہا کہ اگر بسودیا زندہ بھی بچ جاتا تو اسے حکمرانی کا حق نہیں تھا کیوں کہ وہ اپنے باپ کی جائز اولاد نہیں تھا۔ بیٹے کی موت کا بھگوتی پر اتنا زیادہ اثر ہوا کہ اس کا ذہنی توازن بگڑ گیا اور وہ اسی حالت میں جنگلوں کی طرف بھاگ گئی۔

پھر میری آنکھوں نے مستقبل کا آخری منظر دیکھا، یہ ایک خودسر عیاش ظالم اور بدکردار ہندو راجا چک ویرے کا انجام تھا اسے مڈکیری لایا جاچکا تھا اگلے روز صبح سویرے جنرل فریزر نے بوپنا اور لکشمی نارائن سے ملاقات کے بعد چک ویرے سے ملنے کا فیصلہ کیا وہ اکیلا ہی راج محل پہنچا تھا بوپنا وغیرہ میں سے کوئی اس کے ساتھ نہیں تھا راج محل کی حیثیت اب ایک قید خانے کی سی تھی۔ چک ویرے کے کہیں آنے جانے پر پابندی تھی راج محل کو فوجیوں نے گھیرے میں لے رکھا تھا یہاں تک کہ محل کے اندر بھی پہرا تھا۔ چک ویرے جس کمرے میں تھا اس کے دروازے پر بھی ایک مسلح کوڈگی سپاہی موجود تھا۔

انگریز جنرل نے چک ویرے کو اس وقت تک کیے جانے والے فیصلوں سے آگاہ کیا۔

مجھے ہی راجا رہنے دیں تو میں ہر طرح آپ کی حکومت کی اطاعت کروں گا۔ چک ویرے کے لہجے میں بلا کی حسرت تھی۔

یہ ناممکن ہے۔ انگریز جنرل نے انکار کردیا۔ زیادہ سے زیادہ راجکماری آگے چل کر یہاں کی حکمراں بن سکتی ہے یہ بات بھی ہماری حکومت کے وائسرائے کی مرضی پر منحصر ہے۔ اب آپ کو منگلور جاکر اس سرکار عمارت میں رہنا پڑے گا جہاں ٹیپو سلطان کے بیٹوں رکھا گیا تھا۔ انگریز جنرل نے بتایا پھر مزید بولا۔ پہلے ہم آپ کو میسور میں رکھنا چاہتے تھے مگر وائسرائے بہادر کا فرمان اس سلسلے میں موصول ہوگیا ہے اس فرمان کی رو سے آپ کے ساتھ رانی اور راجکماری بھی وہیں رہیں گے۔

چک ویرے کا سر جھک گیا اور ایسا جھکا کہ پھر جتنی دیر انگریز جنرل وہاں رہا وہ سر اٹھا کے بات نہ کرسکا۔ وہ ٹیپو سلطان کے بیٹوں کا ذکر سنتے ہی سمجھ گیا تھا کہ اسے اور اس کے مختصر خاندان کو انگریزوں نے اپنا قیدی بنالیا ہے۔

راج محل سے انگریز جنرل کی واپسی کے بعد ہی پہلے تیار شدہ ایک اعلان کی منادی کرادی گئی اس اعلان پر اپنا لکشمی نارائن اور کوڈگ کے اہم و بااثر افراد کے تھے سب سے اوپر جنرل فریزر نے دستخط کیئے تھے اعلان مندرجہ ذیل تھا۔

ریاست کوڈگ کے عوام نے ایک ذہن ہوکر یہ خیال کیا کہ اب انہیں چک ویرے کے نظام حکومت سے نہیں اس کی بجائے انگریز حکومت کو ریاست اسی طرح اپنی حدود مملکت میں لے لینا چاہیے جس طرح ہندوستان کی دوسری ریاستیں اس کی حدود میں شامل ہیں۔ ہندوستان کے وائسرائے بہادر نے کوڈگ ریاست کے عوام کی اس درخواست کو قبول کرلیا ہے آج کی تاریخ سے یہ ریاست انگریز حکومت کے زیر رہے گی۔ حکومت اس بات کا یقین دلاتی ہے کہ اب کبھی اور کسی بھی صورت میں ریاست کو سابق راجا کے سپرد نہیں کرے گی، عوام کے مذہبی عقائد و معاملات میں دخل نہیں دے گی، حکومت عوام کی بہتری کے لئے خدمت انجام دیتی رہے گی۔

مستقبل کے سارے منظر میرے صفحۂ ذہن سے محو ہوگئے عظیم مہمن کی سرگوشیاں بھی معدوم ہوگئیں میں نے آنکھیں کھول دیں۔ کمرے میں کم پاور کا بلب بدستور جل رہا تھا میری نظر سامنے لگے ہوئے کلاک کی طرف اٹھی ہندسے نظر آرہے تھے ابھی آدھی رات نہیں گزری تھی۔

اس وقت میرے دل میں عجیب سی خواہش پیدا ہوئی کاش میں اپنا مستقبل بھی دیکھ سکتی۔ میری آنکھوں میں رخسار کے چہرے گھوم گئے مجھے خود بھی معلوم نہیں تھا ان دونوں میں سے کون میری تنہائیوں کا امین بنے گا۔

دوسرے روز صبح ناشتے کی میز پر میں نے رانی کو بتادیا کہ میں کل دہلی بمبئی سے جارہی ہوں۔ وہ سارا دن رانی کے ساتھ رہی اس نے مجھے بمبئی کی خوب سیر کرائی کوئی تفریحی مقام نہیں چھوڑا عادل بھی ساتھ ہی تھا اور ہم دونوں ہی میک اپ میں تھے وہ ایک طرح سے پکنک سی تھی۔

☆

طویل عرصے کے بعد جب میں راجا استاد کے دروازے پر دستک دے رہی تھی تو مجھے عجیب سی خوشی کا احساس ہورہا تھا۔ اس کے گھر سے میری بہت سی شیریں اور تلخ یادیں وابستہ تھیں۔ میں اکیلی ہی تھی عادل کو میں نے بمبئی سے دہلی بھیج دیا تھا میں دانستہ راجا استاد کے یہاں بہ وجوہ آئی تھی مجھے اس کی اور ہمایوں کی کچھ ایسی غلط فہمیاں دور کرنا تھیں جنہوں نے میرے کردار کو ان کی نظر میں گرادیا تھا، انہی غلط فہمیوں کی بنا پر خود میں بھی اپنی نظر میں گری گئی تھی حالانکہ میرا دامن بے داغ تھا اس وقت صورت حال ہی کچھ ایسی ہوگئی تھی کہ میں ان لوگوں کو حقائق سے آگاہ نہیں کرسکی تھی، واقعات پے در پے پیش آرہے تھے۔ لعنتی چمپا نے میری زندگی اجیرن کردی تھی۔ وہ مجھے ذلیل ورسوا کرنے کی خاطر پستیوں کی انتہا پر پہنچ گئی تھی ژیان کو زیر دام لانے کے علاوہ میں چمپا سے انتقام لینے ہی کے لئے کلکتے آئی تھی۔

وہ صبح کا وقت تھا، مجھے توقع تھی کہ راجا استاد اور ہمایوں دونوں ہی گھر پر ہوں گے، ان دونوں کے علاوہ اس گھر میں ایک اور پیاری سی لڑکی بھی تھی شانتی، وہی لڑکی جو ہمایوں کو زندگی بھر کے لئے اپنانے کی خاطر میرے ایما پر مسلمان ہوگئی تھی اس کا فرضی نام صبیحہ رکھا گیا تھا جو ہمایوں سے شادی کے بعد فرضی نہیں رہا تھا۔

دروازہ کھولنے والی وہی تھی۔ کس سے ملنا ہے جی۔ اس نے اپنے مخصوص لہجے میں مجھے نیچے سے اوپر تک دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

میرے چہرے پر میک اپ تھا اور میں ساڑھی باندھے ہوئے تھی وہ بھی ساڑھی ہی میں تھی۔

آپ ہی سے ملنا ہے جی۔ مجھے شرارت سوجھی اپنے دونوں سوٹ کیس میں نے ہاتھ سے رکھ دیئے تھے۔ میں آواز بدل کر بول رہی تھی۔

مجھ سے۔ وہ حیران سی ہوئی۔ پر میں...... میں تو آپ کو نہیں جانتی۔

میں تو جانتی ہوں تمہیں میں مزید بے تکلف ہوگئی۔ یعنی تمہارے میکے سے آئی ہوں میں۔ ارے تم نے مجھے نہیں پہچانا شانتی، میں تمہاری دیدی ہوں رامپور میں تمہارے گھر کے سامنے ہی تو رہتی تھی...... بڑی مشکل سے تمہارا پتا چلایا ہے، تم جس نوجوان کے ساتھ رامپور سے بھاگی تھیں اس کے بارے میں وہیں مجھے معلوم ہوا تھا کہ وہ کلکتے کے ایک نامی گرامی دادا راجا استاد کے ساتھ رہتا ہے یہاں آ کر راجا استاد کا ٹھکانا۔

ارے او صبیحہ کون عورت ہے یہ۔ اندر سے راجا استاد کی تیز و تند آواز آئی اس کے کمرے کا ایک دروازہ گھر کے صدر دروازے سے دور نہیں تھا اس نے یقیناً میری باتیں سن لی تھیں۔ گھسیٹ لے اسے بالوں سے پکڑ کر اندر میں ابھی آیا۔

اب مزید شرارت مہنگی پڑ سکتی تھی اس لئے میں نے فوراً خود کو صبیحہ پر ظاہر کر دیا۔

ارے دیدی تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا۔ وہ میرے گلے سے لگ گئی۔ بھیس بھرنے اور آواز بدل کے بولنے میں تو تمہارا جواب نہیں۔

میں نے غلط تو نہیں کہا تھا، دیدی ہونے کے ناطے میں میکے والی ہی ہوئی نا۔

اسی وقت راجا استاد اپنے کمرے سے نکل آیا اس نے وہیں سے ہانک لگائی۔ ابے او ہمایوں ذرا دیکھ تو کون آیا ہے ہمارے اپنی رانی آئی ہے رانی۔

ذرا ہی دیر بعد میں، راجا استاد کے کمرے میں بیٹھی تھی اور ہمایوں بھی ساتھ بیٹھا تھا۔ صبیحہ ہمارے لئے چائے بنانے گئی تھی مجھ سے مل کر میرے واپس آنے کی خوشی میں ان لوگوں کے چہروں پر ایسی رونق تھی جیسے کوئی گمشدہ خزانہ مل گیا ہو۔ وہ مجھے ابھی تک بمبئی کی رانی ہی سمجھے ہوئے تھے آج یہ عقدہ بھی کھلنا تھا۔

اب یہ اپنے چہرے سے جعلی تو اتار دو۔ راجا استا[د] کہنے لگا۔ تمہارا چہرہ دیکھنے کو تو آنکھیں ترس گئیں۔

میں نے راجا استاد کی خواہش کو رد نہیں کیا۔

یہ ہوئی نا بات......! ہمایوں بھی خوش ہو گیا۔

میں تو کہہ گئی تھی استاد کہ آپ سب میری کوٹھی میں رہیں، وہاں پہنچی تو پھاٹک پر تالا پڑا تھا اس لئے سیدھی ادھر آ گئی۔

کوٹھی کی تعمیر کے بعد کچھ دن رہے تھے ہم وہاں۔ راجا استاد نے بتایا۔ مگر کسی کا دل ہی نہیں لگا وہاں، مجبوراً یہیں آ گئے۔ بات یہ ہے رانی کہ ایک تو ہم لوگ تمہاری طرح کوٹھیوں میں رہنے کے عادی نہیں ہیں دوسرے یہ کہ آدمی کو چاہے محل دے دو رہنے کو اپنی جھونپڑی کا سا آرام کہیں نہیں ملتا۔

ہاں یہ بات تو ہے استاد۔ میں بولی۔

پھر صبیحہ چائے بنا کر لے آئی۔

تمہارا کپ کہاں ہے بھئی۔ کیا تم میرے ساتھ چائے نہیں پیو گی۔

ابھی ہمایوں کے ساتھ پی تھی دیدی تمہارے آنے سے ذرا ہی دیر پہلے، میں تو ویسے بھی زیادہ چائے نہیں پیتی، تمہیں معلوم ہے۔

اچھا تو پھر تم بیٹھ تو جاؤ یہاں مجھے کچھ باتیں کرنا ہیں تمہارا بھی یہاں ہونا ضروری ہے۔

کوئی بہت خاص بات ہے کیا۔ راجا استاد نے ہنس کر کہا۔ خاص باتیں کرنے کی عادت گئی نہیں ابھی تک۔ آخری الفاظ ادا کرتے ہوئے اس کا لہجہ معنی خیز ہو گیا۔

میں نے اس کے لہجے کی معنی خیزی کو نظر انداز کرتے ہوئے گفتگو شروع کر دی۔ پہلی بات تو یہ سن لو کہ تم لوگ مجھے جو سمجھتے آئے ہو میں وہ نہیں ہوں۔

یعنی کیا نہیں ہو۔ بتاؤ نا صاف صاف بات کرو۔ استاد نے کہا۔

بمبئی کی رانی، میں بمبئی کی رانی نہیں ہوں۔

اس پر راجا استاد کی ہنسی چھوٹ گئی۔ پھر وہ ہنستے ہوئے ہمایوں سے مخاطب ہوا۔ سنا تم نے، تھوڑی دیر یہ معلوم ہوگا کہ میں دراصل راجا استاد نہیں۔ وہ پھر زور سے ہنسا۔

میں سنجیدہ رہی اور راجا استاد کو رانی کے بارے میں بتانے لگی۔ آخر میں اس سے میں نے کہا۔ میں اس وقت بمبئی سے آ رہی ہوں جہاں رانی کی مہمان تھی۔ پھر اسے یقین دلانے کی ایک تدبیر میری سمجھ میں آ گئی میں نے اس کا اظہار بھی کر دیا۔

راجا استاد کے ساتھ ہمایوں نے بھی مجھے بے یقینی سے دیکھا۔ اس کے بعد راجا استاد بولا۔ کلکتے میں ایک آدمی ہے تو سہی جس نے بمبئی کی رانی کو ضرور دیکھا ہوگا، پرانا گھاگ ہے مگر اب اس نے یہ لائن چھوڑ دی ہے آدمی کو خراب ہونے میں دیر ہی کتنی لگتی ہے۔ وہ اپنے ہی فقرے پر خود ہنسا پھر کہنے لگا۔ لیکن یہ سارا چکر چلانے کی ضرورت کیا ہے آخر۔

میری بات سنیں۔ ہمایوں بول اٹھا۔ چلیں مان لیا ہم نے تھوڑی دیر کو کہ آپ بمبئی کی رانی نہیں پھر۔ اس ماننے نہ ماننے سے ہوگا کیا۔ اور یہ کہ رانی نہیں تو کون ہیں۔

میرا اصل نام معبلہ ہے۔ میں نے اپنا نام بتانے میں کوئی دیر نہیں کی۔ متعدد لوگوں کو میرا نام معلوم تھا اگر انہیں بھی معلوم ہو جاتا تو کیا فرق پڑتا۔ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے میں نے مزید کہا۔ میرا تعلق ہندوستان سے نہیں میں باہر سے ایک خاص مقصد کے تحت یہاں آئی ہوں وہ مقصد بھی بتا دوں کہ مجھے اپنے دشمنوں سے انتقام لینا تھا میرے دشمنوں میں اس ملک کے لوگ بھی شامل ہو گئے ان میں سے کچھ پراسرار شیطانی قوتوں کے مالک تھے مجھے بھی میرے خالق نے ان شیطانی قوتوں سے بچنے کے لئے چند قوتیں عطا کی ہیں سو میں اپنے دشمنوں سے لڑتی رہی میرے انہی دشمنوں میں ایک خبیث اور بدکردار ہندو عورت چمپا بھی تھی۔ میں نے لعنتی چمپا کی شیطانی قوتوں کے متعلق مختصراً بتایا۔

حیرت ناک اور ناقابل یقین سی باتیں کر رہی ہو تم۔ راجا استاد دیدے گھما کر بولا۔

نہیں یہ ٹھیک ہی کہہ رہی ہے۔ اچانک میں لعنتی چمپا کی آواز سن کر اچھل پڑی۔

میرے سارے جسم میں سنسنی دوڑ گئی۔ چمپا میری ہی شکل و صورت اختیار کر کے ظاہر ہو چکی تھی وہ کچھ ہی فاصلے پر کھڑی مجھے گھور رہی تھی۔

زندہ بچ گئی تو۔ میری آواز میں اس کے لئے غصہ بھی تھا اور حقارت بھی۔

ہاں معبلہ تجھے مارے بغیر میں کیسے مر سکتی ہوں۔

اب وہ میری ہی آواز میں بولنے لگی راجا استاد اور ہمایوں کی ساری دادا گیری دھری رہ گئی، وہ تصویر حیرت بنے ہوئے چمپا کی طرف دیکھے جا رہے تھے صبیحہ انتہائی خوفزدہ ہو کر منہ ہی منہ میں کچھ پڑھنے لگی معاً چمپا نے اپنا ہاتھ بلند کر کے مخصوص انداز میں گھمایا۔ اسی کے ساتھ ایک روشن حصار میری اطراف قائم ہو گیا پھر وہ مجھ سے مخاطب ہوئی۔ میں نے تجھے قید کر لیا اب تیری قوت کام نہیں کرے گی اس طرح میں تجھے یہاں سے کالی گھاٹ کے مندر لے جاؤں گی جہاں درگا دیوی کے چیلے تیرا انتظار کر رہے ہیں تجھے یہ بتانے کی شاید ضرورت نہیں کہ ان کے انتظار کی وجہ کیا ہو سکتی ہے، جب میں تیرا غرور خاک میں ملتا ہوا دیکھ لوں گی تو تجھے قربان گاہ کے چبوترے تک لے جاؤں گی بہت دن سے کسی آدمی کو بلی نہیں چڑھایا گیا، درگا دیوی خوش ہو جائے گی جب تیرے خون کے چھینٹے اس کی مورتی پر پڑیں گے، اچھا کیا تو نے کہ خود ہی جادو کی اس سرزمین پر آ گئی۔

جواب میں میں نے کچھ کہنا چاہا لیکن ممکن نہ ہوا، نہ میں بول سکتی تھی نہ اپنے جسم کو حرکت دینے پر قادر تھی۔

اسی وقت معلوم نہیں راجا استاد کو کیا سوجھی اس نے

چمپا پر چھلانگ لگادی اور دوسرے ہی لمحے منہ کے بل زمین پر گرا۔ چمپا کا کریہہ قہقہہ فضا میں بلند ہوا اور پھر وہ کہنے لگی۔ معبلہ یہ بڑا جان دیتا ہے تجھ پر، کہے تو ٹھنڈا کردوں اسے...... لیکن تو بولے گی کیسے۔ یہ تو میں بھول ہی گئی تیری زبان تو میں نے تالو سے لگادی ہے۔

مجھے اس پر بہت ملال ہو رہا تھا کہ طویل عرصے کے بعد تو وہ لعنتی عورت مجھے ملی اور آج بھی اس کا پلا بھاری تھا ،اس خیال کے ساتھ ہی میں نے مہمن کی سرگوشی سنی۔

مایوس نہ ہو اگر تیری ہی آسانی کے لئے تو اسے خبر دی گئی کہ تو کہاں ہے یہ سمجھی کہ دیوتا اس پر مہربان ہیں جو اسے باخبر کیا گیا، تو نے ساحر زعیم کا حشر بھلادیا سو اس عورت کا بھی زعیم ہی کی طرح آخری دن آگیا اس کی ساری شیطانی قوتیں سلب ہونے والی ہیں پھر تو کسی چوہیا کی طرح گھیر کر اسے ماردے گی۔

مہمن کی سرگوشی ختم ہوتے ہی مجھے اس کی کاہنہ نجیرہ کی مخصوص خوشبو کمرے میں محسوس ہوئی۔

وہ صرف چند ہی لمحے تھے کہ میرے گرد قائم حصار غائب ہوگیا چمپا جو میری صورت اختیار کیے ہوئے تھی اس کا داغدار چہرہ ظاہر ہوگیا۔ وہ وحشت زدہ سی نظر آنے لگی تھی۔ نجیرہ کی خوشبو غائب ہوگئی چمپا نے میرے گرد قائم حصار کو غائب ہوتے دیکھ کر جلدی جلدی کچھ پڑھنا شروع کیا۔

میں اطمینان کے ساتھ اپنی جگہ سے اٹھی اور چمپا کو مخاطب کیا۔ اے ذلیل اور کمینی عورت اب تیرا کوئی وار کارگر نہیں ہوگا۔ تیری زندگی کے دن پورے ہوگئے، تو نے ایک عرصے مجھے ذلت و رسوائی سے دوچار کیا مگر اپنے ناپاک عزائم میں کامیاب نہیں ہوئی۔ وہ تیرا گرو بھی آج تجھے مجھ سے نہیں بچاسکتا جس پر تجھے بڑا ناز تھا۔

معبلہ مجھے معاف کردے، میں غلطی پر تھی۔۔۔ وہ گڑگڑانے لگی۔ اسے یقیناً احساس ہو چکا تھا کی تمام شیطانی قوتیں سلب کی جاچکی ہیں۔ تو عظیم معبلہ، تیری شکتی کے آگے کوئی نہیں ٹھہر سکتا اگر تو مجھے زندہ چھوڑ دیا تو جیون بھر تیری داسی بن کر رہوں گی۔

درندوں کو زندہ نہیں چھوڑا جاتا اور تو بھی میری نظر میں کسی درندے سے کم نہیں۔ مجھے اس ذلیل عورت کا ایک ایک ظلم یاد آنے لگا میرے جسم میں شعلے سے بھڑکنے لگے۔

معاً مجھے اپنے اندر غیر معمولی قوت محسوس ہوئی۔ میں نے اس کی طرف قدم بڑھائے۔

نہیں...... معبلہ نہیں وہ ہاتھ اٹھا کر چیخی۔

میرے قدم نہیں رکے اور میں نے اسے اس طرح دبوچ لیا جیسے عقاب اپنے شکار پر جھپٹتا ہے۔

وہ چیختی رہی اور میں اس کے جسم کے ایک ایک عضو، ادھیڑتی رہی یوں کہ وہ فوری طور پر موت کی میٹھی نیند سوجائے۔ پھر مجھے ایک طرف رکھا ہوا چاقو نظر آ گیا میں نے جھپٹ کر چاقو اٹھالیا اور پھر اس کے ساتھ وہی کھیل کھیلنے لگی جو امرناتھ کے مندر میں کوینا کے ساتھ کھیلا گیا تھا۔

چمپا کی پہلی ہی چیخ سن کر راجا استاد نے کمرے کے دروازے اور کھڑکیاں بند کردی تھیں تا کہ اس کی چیخیں باہر سنائی نہ دے سکیں۔ وہ بہرحال ایک جرائم پیشہ شخص تھا اور غیر معمولی حالات میں بھی احتیاط کا دامن اس نے نہیں چھوڑا تھا۔ یہ اس کی مجرمانہ فطرت و عادت کا تقاضا تھا۔

چمپا کی چیخیں آخر دم توڑ گئیں، سارے کمرے میں خون اور اس کے جسم کی بوٹیاں بکھری تھیں۔ راجا استاد جیسے شخص نے بھی شاید اپنی زندگی میں اس طرح کسی کو قتل کیے جاتے نہ دیکھا ہوگا۔

اعضا میرے وجود میں کبھی کے سرد ہو چکے تھے اور میں ہوش میں آچکی تھی۔

پھر میں تو غسل خانے میں کپڑے لے کر نہانے چلی گئی۔ راجا استاد اور ہمایوں نے میرے پیچھے قتل کا کوئی نشان کمرے میں نہ رہنے دیا۔ چمپا کے جسم کی ایک ایک بوٹی کو اور تقریباً ڈھانچے کو انہوں نے چادر میں باندھ کر گٹر میں پھینک دیا۔ گٹر عقبی گلی ہی میں تھا یہ مجھے اس وقت پتا چلا جب نہا کر نکلی۔ راجا استاد اور ہمایوں کمرے کو دھو رہے تھے، دیواروں اور فرش سے خون کے داغ دھبے مٹا رہے تھے۔ صبیحہ کو بھی انھوں نے اپنے ساتھ لگا رکھا تھا۔

چمپا کو قتل کر کے مجھے عجیب سا روحانی سکون ملا تھا ،اس مجسم بدی کو میں نے اپنے ہاتھوں سے ختم کردیا تھا۔

لیکن اے معبلہ ابھی تو چندر موہن باقی ہے، تیرا اصل دشمن ژیان زندہ ہے کسی نے جیسے میرے اندر سے کہا۔

میں انہیں بھی نہیں چھوڑوں گی۔ میں بڑبڑانے لگی۔

اس وقت تک راجا استاد اور ہمایوں کمرے کو دوبارہ اس کی سابقہ حالت پر واپس لا چکے تھے اور میں انہی کے ساتھ بیٹھی تھی۔

کیا اور لوگ بھی ہیں معبلہ۔ قریب بیٹھے ہوئے راجا استاد نے یقیناً میری بڑبڑاہٹ سن لی تھی۔

میں چونک اٹھی اور پھر خود پر قابو پا کر مسکراتے ہوئے بولی۔ چھوڑیں بھی استاد آپ تو خواہ مخواہ سنجیدہ ہوگئے میں تو ڈرا رہی تھی آپ کو۔

تو کیا اب بھی ڈرانا باقی رہ گیا ہے۔ وہ بھی مسکرایا۔ میں تو تمہیں صرف بمبئی کی رانی سمجھ رہا تھا اور تم اس سے آگے کی چیز نکلیں۔

معاف کرنا استاد میں کوئی چیز ویز نہیں ہوں۔ اب اٹھو کوٹھی نہیں چلنا کیا۔

تو لونڈوں کو بھیج کر کوٹھی کی صفائی تو کرا لینے، دو شام کو چلی جانا۔

میں مان گئی۔ شام تک میں راجا استاد کے گھر میں رہی۔ اس کے آدمیوں نے میرے دونوں سوٹ کیس بھی پہنچا دیئے تھے۔ میں نے اس عرصے میں اپنے آئندہ اقدامات کے متعلق بہت سی باتیں سوچ لی تھیں۔ چلنے سے پہلے میں نے راجا استاد سے حساب کتاب کیا جس پر وہ بڑی مشکل سے راضی ہوا میں بہرحال اس کی مقروض تھی اور میرے پاس اتنا سونا تھا کہ قرض اتار سکوں۔ راجا استاد نے مجھ سے ملازمین کے متعلق پوچھا تو میں بولی۔ فی الحال رہنے دیں ہوٹل بھی کھانے پینے کے لئے موجود ہیں اور یہ گھر بھی رہا، کوٹھی بھی۔ صفائی کا معاملہ تو آج ہی کی طرح دو ایک روز میں اپنے لونڈوں کو بھیج کے صفائی کرا دینا۔

جیسی تمہاری مرضی۔

دراصل اس مرتبہ ملازمین رکھ کر میں پہلے کی طرح مصیبت مول لینا نہیں چاہتی تھی۔ کوٹھی میں میرا تنہا رہنا ہی مناسب تھا۔ راجا استاد مجھے بتا چکا تھا کہ کوٹھی میں نیا فرنیچر وغیرہ ڈلوادیا گیا ہے، اس سے کوٹھی کی چابیوں کا گچھا لے کر میں روانہ ہوگئی۔

جب میں اپنی کوٹھی کا پھاٹک کھول کر اندر داخل ہو رہی تھی تو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ذرا ہی دیر میں میرے اعصاب جھنجنا اٹھیں گے۔

معبلہ......! عقب سے مجھے ایک آشنا آواز سنائی دی۔ اسی کے ساتھ نجیرہ کی مانوس خوشبو کا جھونکا میرے قریب سے گزر گیا۔

میں تیزی سے مڑی اور پھر جیسے تصویر حیرت بن گئی ،کہیں کوئی خواب تو نہیں ہے۔ میں نے سوچا مگر ایسا نہیں تھا چند ہی لمحوں بعد مجھ پر یہ حقیقت کھل گئی۔

(جاری ہے)

مریم

مصبود صدیقی

اس قدر تھکاوٹ کے باوجود ہم اولاد کی خوشی میں ساری تکلیفیں بھول کر ہشاش بشاش نظر آ رہے تھے۔ ہمارے چہروں کی تازگی نے ہماری تھکاوٹ چھپادی تھی۔ گھر کے تمام لوگ ہمارے خوش و پرسرت چہروں کو دیکھ کر خوش ضرور ہو رہے تھے۔ مگر کسی کی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ وجہ معلوم کریں۔

ایک معصوم لڑکی کی داستان جو کسی سفاک کی ہوس کا شکار ہوگئی

جتنا ناک نقشہ صورت شکل اچھی تھی بلکہ حسین تھی۔ دیسا ہی پرکشش اس کا جوان جسم بھی تھا۔ مگر بہت ہی غلیظ' مٹی اور کیچڑ میں لت پت' کئی کئی دن نہ نہانے اور گرد وغبار کی وجہ سے اس کے بالوں کی لٹیں بن گئی تھیں۔ دن بھر بازار میں گھومتی رات مسجد کی سیڑھیوں پر سو جاتی۔ نہ سردی کا اثر نہ گرمی بارش کی پروا۔

دکان دار ترس کھاتے تو خالی بوریاں اس پر ڈال دیتے تاکہ سردی سے بچی رہے۔ کبھی کبھی دکان دار کچرا چننے والی عورتوں کو کچھ پیسے دے کر اس کو نہلوا دیتے چندہ کر کے ریڈی میڈ کپڑے پہناتے' کنگھی چوٹی ہوتی تو یہ غلیظ مریم شہزادی لگتی۔ سب اس کو اماں اماں کہتے جو وہ مانگتی چاہے کتنی ہی قیمتی ہو خوشی خوشی اس کو دے دیتے' کیونکہ ان کا خیال تھا ان کا کاروبار اسی ماں کی دعاؤں سے چل رہا ہے۔ مگر سب کو افسوس تھا کہ یہ پاگل ہے۔ اسی لیے یہ پاگل لڑکی ان سب کی اماں تھی۔

مگر یہ کس کو اماں کہتی اور کس کو ابا کہہ کر گلے لگتی۔ اس کے اماں ابا بھی کبھی اسی محلے میں رہتے تھے۔ اچھے کھاتے پیتے کاروباری لوگ تھے۔ دولت ان کے اوپر تلے ناچ رہی تھی۔ کون سی ایسی نعمت تھی جو اللہ تعالیٰ نے انہیں نہیں دی تھی۔ بس نہیں دی تھی تو اولاد نہیں دی تھی۔ ان دونوں میاں بیوی کو بڑا قلق تھا کہ اللہ میاں نے اولاد جیسی نعمت سے محروم رکھا ہے۔

مریم کے باپ نے ہر اس ڈاکٹر یا اسپتال میں اپنا اور اپنی بیوی کا علاج کرانا چاہا۔ جہاں جہاں کے ڈاکٹر کا اس کو پتا چلتا مگر ہر جگہ سے جواب یہی ملتا کہ وہ دونوں لاعلاج ہیں دولت میں کھیلتے تھے' مگر اولاد جیسی دولت سے محروم۔

کسی کا بچہ یا کسی ادارے سے کسی معصوم کو گود لینا چاہتے تو عجیب اتفاق کہ وہ بچہ ہی مر جاتا۔ انہوں نے اپنے آپ کو کوسنا شروع کیا۔ دل پر پتھر رکھ لیا' اللہ کی مرضی پر اپنی خواہش کو چھوڑ دیا۔

ایک دن مریم کی ماں صحن میں برتن صاف کر رہی کہ ایک فقیر نے صدا لگائی اللہ کے نام پر کچھ دے دے مائی۔ اللہ تجھ کو بہت دے گا' تیری ہر دعا قبول فرمائے گا۔"

اولاد نہ ہونے کے غم میں نڈھال مریم کی ماں برتن چھوڑ کر اٹھی' اپنے دوپٹے کے پلو کی گرہ کھولی اور دس روپے کا نوٹ بابا کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

"بہت غم ہے اولاد کے نہ ہونے کا؟" مریم ان کے قدموں میں سر رکھ کر گڑگڑانے لگی۔ "بابا جب آپ یہ جانتے ہیں کہ میں بے اولاد ہوں؟ تو یہ بھی ضرور جانتے ہیں کہ مجھے کیا کرنے سے اولاد مل سکتی ہے میں اولاد کے لیے اپنی جان بھی دے سکتی ہوں۔ میں نے بہت علاج کرایا مگر اس ترقی یافتہ سائنس نے ہم دونوں کو لاعلاج بتایا ہے اب آپ ایسا

کچھ کریں مجھے بتائیں میں کیا کروں۔ کیونکہ آپ اللہ کے قریب ہیں۔ مجھے یقین ہے' اللہ آپ کی ضرور سنے گا۔ دیکھو بیٹی میں ایک گناہ گار بندہ ہوں۔ بھیک مانگ کر گزارہ کرتا ہوں۔ مجھے خوشی ہوگی اگر میری دعا سے تمہیں کچھ فائدہ ہوگا۔ اللہ سب کو معاف کرے وہ سب کی سنتا ہے' سب کو دیتا ہے' دیر ہے اندھیر نہیں۔ اب چھوڑو میرے پاؤں ضد نہ کرو جانے دو۔ دیکھ میں اللہ کے قریب ہوتا تو یوں بھیک نہ مانگتا پھرتا۔ یوں ذلیل دخوار نہ ہوتا؟ تمہارا کیا خیال ہے کیا مجھے اس طرح بھیک مانگنا اچھا لگتا ہے؟ کیا میں اللہ سے اپنے لیے کچھ نہیں مانگتا؟ پھر بھی میں اس کی ذات سے مایوس نہیں! وہ ضرور سنے گا میری بھی اور تیری بھی۔ وہ بڑا بے نیاز ہے کس کو کب نوازے کچھ پتا نہیں۔"

"نہیں بابا میں آپ کو نہیں چھوڑوں گی۔ آپ میرے لیے دعا بھی کریں اور یہ بھی بتائیں مجھے کیا کرنا ہوگا؟ میں جان بھی دے سکتی ہوں اولاد کے لیے۔"

"اچھا تو سن! یہاں سے بارہ کوس دور مغرب کی سمت پہاڑوں کے بیچ ایک غیر معروف قبر ہے۔ ہر طرف ویرانی ہی ویرانی ہے۔ نہ کوئی پرندہ نہ چرند۔ اس ویران راستے میں تمہیں نہ کھانے کو ملے گا نہ پینے۔ قبر سے کچھ پہلے ایک مرد ناچتا ہوا ملے گا اس کے پاس پانی کے مٹکے بھی ہوں گے۔ وہاں پانی بھی پینا اور اس ویران قبر کا پتا بھی پوچھنا۔ وہ انکار کرے گا۔ مگر تم ایک ہی رٹ لگائے رکھنا ہمیں ویران قبر کا پتا بتادو۔ جب وہ تم لوگوں کی سچی لگن کا یقین کر لے گا تو تمہیں ویران قبر تک لے جائے گا۔ تم اپنے شوہر کے ساتھ فجر کی نماز پڑھ کر نکل جانا۔

☆☆☆

"میں تمہیں قبر تک لے جاؤں گا۔ پھر بھی اچھا ہے کہ تم یہ ضد چھوڑ دو۔ کیونکہ وہاں بڑے بڑے زہریلے سانپ ہیں۔ رات کو آدم خور جانور رہتے ہیں۔ کبھی کبھی ڈاکو بھی رہتے ہیں تمہیں لوٹ کر لے جائیں گے۔ پھر وہاں نہ کچھ کھانے کو ملے نہ پانی۔ معلوم نہیں بابا تمہیں کب بشارت دے گا؟ جب تک بشارت نہ ہو تم وہاں سے ہٹنا نہیں اور جب بابا بشارت دے دے پھر وہاں رکنا نہیں رکعتیں شکرانہ پڑھ کر فوراً واپس ہو جانا۔ باقی ہدایات تمہیں خواب میں ملیں گی۔ ان ہدایات سے ذرہ بھر ادھر ادھر نہ ہونا۔ ورنہ برباد ہو جاؤ گے۔"

"اچھا بھائی ہمیں قبر تک لے چلو ہم ان سب باتوں کا خیال رکھیں گے۔ کیونکہ ذرا سی عجلت یا غفلت کرنے سے ہمارا ہی نقصان ہوگا اور ایسا ہم کیوں چاہیں گے؟"

"اچھا! تو آؤ تم اپنے شوہر کا ہاتھ پکڑ لو اور تم میرا ہاتھ مضبوطی سے پکڑنا۔ اپنی آنکھیں بند رکھنا جب تک میں کہوں مت کھولنا۔ چاہے کتنا ہی ڈر لگے۔ کیسی سرگوشیاں یا حیرت ناک آوازیں آئیں۔ ایک آنکھیں نہ کھولنا دوسرے ایک دوسرے کا ہاتھ نہ چھوڑنا اللہ نے چاہا تو ہم بابا تک پہنچ جائیں گے۔"

کافی دور چلنے کے بعد ہمارے رہنما نے آنکھیں کھولنے کو کہا۔ جب ہم نے آنکھیں کھولیں تو سامنے ایک پرانی قبر نظر آئی۔ جس کی لمبائی دیکھ کر معلوم ہوتا تھا کہ یہ بہت پرانی ہے۔ ہم نے ٹی وی پر دیکھا تھا۔ شاید یہ فرعون کے زمانے کی ہوگی۔ اس قبر پر سانپ لوٹ رہے تھے۔ ان کی پھنکار سن کر جھرجھری آئی تھی۔ مگر ہم ہمت کر کے ایک صاف ستھری جگہ بیٹھ گئے۔ دو رکعتیں شکرانہ ادا کیا اس کے بعد دعا کی اللہ میاں ہماری مراد پوری کردے بابا آپ سے بھی التجا ہے ہماری کہ آپ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں۔ آپ کی تاریخ تو نہیں جانتے پھر بھی آپ کی عقیدت میں یہاں تک آئے ہیں۔ امید ہے کہ آپ ہمارے لیے دعا کریں گے۔ اللہ میاں ہمیں اولاد کی دولت سے مالا مال کرے۔ آپ اللہ کے خاص بندوں میں سے ہیں وہ آپ کی ضرور سنے گا۔ جب تک آپ ہم سے نہیں کہیں گے ہم یہاں سے نہیں جائیں گے۔ اپنے گھر واپس جب ہی جائیں گے جب ہمیں بشارت ملے گی۔"

دعا ختم کر کے پیچھے کی طرف دیکھا تو حیران رہ گئے کیونکہ ایک حبشی کھانے کی ٹرے لیے کھڑا تھا۔ ہم کبھی کھانے کی ٹرے کو دیکھتے کبھی حبشی کو! شاید وہ ہمارے تذبذب کو سمجھ گیا تھا۔ اس نے کھانا ہمارے سامنے رکھا اور نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ مٹی کے برتنوں میں کھانے کا مزہ ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ کھانے کے بعد مٹی کے لوٹے میں لایا ہوا پانی پیا۔ حیرانی اس بات کی تھی کہ لوٹے میں پانی جوں کا توں بھرا تھا۔ رات کافی ہو چکی تھی ہم نماز سے فارغ ہو کر سو گئے۔

فجر کی اذان کی آواز پر آنکھ کھلی۔ اذان کی آواز برابر آرہی تھی۔ مگر بندہ کوئی نظر نہیں آرہا تھا۔ ہم دونوں میاں بیوی نے مٹی کے لوٹے والے پانی سے وضو کیا۔ دیکھا لوٹا پھر پانی سے بھرا ہوا تھا باجماعت نماز شروع ہوگی۔ قرأت کی آواز آتے ہی ہم نے نیت کرلی۔ نماز سے فارغ ہوئے تو پلٹ کر دیکھا۔ تو ہمارے سوا کوئی بندہ تھا نہ بندہ بشر؟ یا اللہ یہ کیسے کیسے معجزے دکھا رہا ہے۔ ایک معجزہ ایسا بھی دیکھا کہ ہم صاحب اولاد کہلائیں۔

رات کے کھانے کی طرح ہمارا ناشتہ بھی آیا۔ ناشتہ کرنے کے بعد ہم نے نفلی نماز شکرانہ ادا کیا۔ اللہ سے بھی دعا کی اور ان ویران بابا سے التجا کی کہ وہ ہمارے لیے دعا کریں کہ وہ ہمیں اولاد جیسی دولت سے مالا مال کرے۔ پھر ہمیں نیند آگی اور ہم سو گئے۔ خواب میں ایک بزرگ نے بشارت دی۔ اب آپ لوگوں کا کام یہاں ختم ہو گیا ہے' آپ لوگ اپنے گھر لوٹ جائیں۔ اللہ بڑا بے نیاز ہے جانے کب اور کیسے نوازے اللہ حافظ' بزرگ غائب ہو گئے۔ ہماری نیند بھی ختم ہوگئی' ہم بستر سے اٹھ کر ہاتھ منہ دھو رہے تھے کہ ہمارے سامنے وہی اللہ کا بندہ کھڑا تھا۔

آپ لوگ قسمت والے ہیں بہت جلد شنوائی ہوئی ہے' ورنہ تو ہفتوں اور مہینے بھی لگ جاتے ہیں۔

مجھے آپ دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں۔ میں آپ لوگوں کو لینے آیا ہوں کیونکہ آپ لوگوں کو اپنے گھر واپس جانے کو کہا گیا ہے۔ آپ لوگ بہت تھکے ہوئے ہیں۔ مجھے میزبانی کا بھی حق نہیں ہے۔ اللہ مالک ہے۔ پھر انشا اللہ تو پھر چلیں؟ تھوڑی دیر بعد ہمیں آنکھیں کھولنے کا حکم ملا۔ ہم نے آنکھیں کھولیں تو اپنے گھر کے دروازے پر کھڑے تھے۔ ہمارا رہنما غائب تھا۔

اس قدر تھکاوٹ کے باوجود ہم اولاد کی خوشی میں ساری تکلیفیں بھول کر ہشاش بشاش نظر آرہے تھے۔ ہمارے چہروں کی تازگی نے ہماری تھکاوٹ چھپادی تھی۔ گھر کے تمام لوگ ہمارے خوش و پرمسرت چہروں کو دیکھ کر خوش ضرور ہو رہے تھے۔ مگر کسی کی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ وجہ معلوم کریں۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم نے بازار سے کپڑا خریدا تین چار دیگیں پکوائیں۔ غریبوں میں کھانا کپڑا تقسیم کیا۔ مریم کی ماں کو تو نشہ ہو گیا تھا۔ اولاد کے آنے کی خوشی سے سرشار ہو رہی تھی۔ ہر طرف چہکتی پھر رہی تھی۔ کبھی سوچتی لڑکا ہوا تو کیا نام ہوگا اور لڑکی ہوئی تو کیا نام پھر شوہر سے پوچھتی تو وہ بھی مسکرا کر جواب دیتا پگلی ہو گئی ہے پہلے ہو تو جانے دے۔ کیا پتا ہم کیا سوچ رہے ہیں اور اللہ کیا کرنے والا ہے۔

دو چار ہفتے اسی طرح گزر گئے۔ ایک دن اچانک مریم کی ماں کو چکر آیا۔ وہ گر پڑی۔ گھر کی عورتیں اس کو بانجھ سمجھتی تھیں۔ اس لیے کسی کے دماغ میں چکر والی بات نہیں آئی۔ اسپتال لے گئے تو معلوم ہوا کہ وہ ماں بننے والی ہے۔ اب ان کے گھر میں عید کا سماں تھا۔ خیرات' کپڑا کھانا غریبوں میں دل کھول کر تقسیم کیا گیا۔ مریم کے باپ کا سینہ چوڑا ہو گیا۔ گردن میں تھوڑی اکڑ بھی آگئی۔ کیوں نہ آتی سالوں بعد وہ باپ بننے والا تھا۔ صاحب اولاد ہونا بھی کتنا بڑا اعزاز ہے اس کے لیے۔

دن ہفتے مہینے اس طرح گزرتے رہے۔ اپنے گھر آنے والے ننھے منے مہمان کے لیے کپڑے جوتے' کھلونے اور کیا کیا چیزیں اکٹھا کرنے لگے۔ کبھی سوچتے لڑکا ہوگا کبھی سوچتے لڑکی ہوگی۔ اس کو بخار نہ ہو جائے۔ دیکھو بھئی نزلہ کھانسی تو خیر ہے۔ اس کو لوگوں کی نذر سے بچاؤ یہ بچوں کو بہت پریشان کرتی ہے۔ کاجل کا ٹیکہ اس کی پیشانی یا گال پر

ہمیشہ لگاتی رہنا۔ کچھ دعائیں بھی یاد کر لینا تاکہ دم کر سکیں۔ دیکھو بھائی تیز تیز نہ چلو وزن نہ اٹھاؤ اللہ نے بہت کچھ دیا ہے۔ کام دھندے کے لیے ایک نوکرانی رکھ لو۔ میں تو سوچتا ہوں کیوں نہ ایک نرس بھی رکھ لیں تمہارا چیک اپ بھی کرتی رہے گی اور بچے کی دیکھ بھال بھی ہوتی رہے گی۔

خدا خدا کر کے انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں۔ اب گنے چنے دن رہ گئے ہیں۔ اللہ سب ٹھیک کرے گا۔ ہماری دعائیں قبول ہوگئی ہیں تم اپنے سارے ارمان پورے کر لینا۔ درد زہ کے معمولی احساس بھی ہو تو فوراً بتا دینا۔ نرس تو ہے ہی۔ پھر بھی احتیاط ضروری ہے۔

آج کا دن مریم کے گھر والوں کے لیے انتہائی خوشیوں والا تھا۔ کیونکہ آج اللہ تعالیٰ نے مریم کو ان کے ہاتھوں ان کی گود میں دے دیا ہے۔ ہر فرد خوشی سے پاگل ہو رہا تھا۔ کیونکہ اللہ میاں نے مریم جیسا حسین و نادر تحفہ دیا تھا۔ چراغاں کرائے مٹھائیاں تقسیم ہوئیں۔ صدقہ خیرات میں کوئی کسر نہ کی۔ ہفتے مہینے دو مہینے چھ مہینے سال بھر کی ہوگئی۔

سالگرہ بڑی دھوم دھام سے منائی گئی۔ انہیں دنوں میں مریم کی ماں کی طبیعت خراب ہوگئی۔ ڈاکٹروں نے ان کے گھر دوسرے آنے والے ننھے مہمان کی نوید دی۔ دوسرے ننھے مہمان کے آنے تک مریم چلنے لگی مگر اس کا دل گھر میں نہیں لگتا تھا۔ وہ ہر وقت گھر سے باہر رہنے لگی۔ جب گھر والے پریشان ہو کر اس کی تلاش میں نکلتے تو یہ مسجد کی سیڑھیوں پر سوتی ہوئی ملتی یا پھر کسی ٹھیلے کے پیچھے سوئی ہوئی ہوتی۔ اس کی حرکتیں بھی پاگلوں جیسی ہوتی جارہی تھیں۔

ایک دن رات کو اس کی ماں نے خواب دیکھا۔ ایک بزرگ اس سے کہتے رہے تھے۔ تم کو ہم سے کیا ہوا وعدہ پورا کرنا ہوگا۔ مریم تمہاری نہیں ہماری بیٹی ہے۔ اب جو بھی بچہ ہوگا تمہارا ہوگا۔ اپنا وعدہ پورا کرو۔ مریم کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ ورنہ تم لوگ پھر سے اجڑ جاؤ گے۔ یہی خواب مریم کے باپ نے بھی دیکھا۔ غم و پریشانی سے ان کی نیندیں اڑ گئیں۔ چھپ کر روتے مریم کے لیے تڑپتے مگر کیا کرتے فیصلہ ہو چکا تھا۔ مریم کو چھوڑنا تھا سو چھوڑنا پڑا۔

مریم اسی طرح گلی اور مسجد کی سیڑھیوں پر پڑی ہوتی۔ اس کے ماں باپ کو یہ سب برداشت نہ ہوا اور ایک دن مریم کو مسجد کی سیڑھیوں پر سوتا چھوڑ کر اس شہر سے نامعلوم مقام پر چلے گئے۔

اب مریم جوان ہو چکی تھی۔ غلیظ بھی رہتی تھی۔ سارے بازار کی اماں تھی بچے بوڑھے جوان سب ہی اس کو اماں کہتے تھے۔ اس کے اتنے فرماں بردار تھے جتنا بچوں کو اپنی ماں کا فرماں بردار ہونا چاہیے۔

بہت سے دکان داروں نے اس کو اپنی بہو یا بیٹی بنانا چاہا۔ اس کے علاج کے لیے ڈاکٹروں کو دکھایا ڈاکٹروں نے اس کو لاعلاج بتانے کے ساتھ ساتھ خدشہ ظاہر کیا کہ وقت کے ساتھ ساتھ اس کا پاگل پن بڑھ بھی سکتا ہے۔ کئی ادارے اور پاگل خانے والے اس کو اپنے پاس رکھنا چاہتے تھے مگر ایسا نہ ہو سکا۔

کچھ لوگوں کا کہنا تھا اگر مریم کو اسی بزرگ کے مزار پر چھوڑا جائے تو شاید یہ ٹھیک ہو جائے۔ مگر کسی کو بھی ان بزرگ کا پتا معلوم نہیں تھا۔

ان کی پریشانی اور چپ کو دیکھ کر کچھ ہمدرد لوگوں نے مریم کے ماں باپ پر زور ڈالا تو انہوں نے یہ قصہ سنایا۔ اس کے آگے وہ کچھ نہ بتا سکے۔ اس طرح کوئی بھی نہیں جانتا کہ وہ ویران قبر والے بزرگ کہاں ہیں۔

اب مریم سے مسجد کی سیڑھیاں بھی چھن چکی تھیں۔ کیونکہ مسجد کے نمازیوں کو اس کی جوانی اور غلاظت پر اعتراض تھا۔ اس کے مسجد کی سیڑھیوں پر سونے یا رہنے سے نمازیوں کے وضو ٹوٹ جاتے تھے۔ ان کے کپڑے گندے ہو جاتے تھے۔ یہ سیڑھیاں مریم کے لیے اس کی ماں کی گود تھیں۔ سردی گرمی بارش میں بچے اپنی ماں کی گود میں پناہ لیتے ہیں۔ مگر مریم کے لیے یہ سیڑھیاں ہی ماں کی گود تھیں۔

اب مریم مسجد کی دیوار اور ٹھیلوں کے بیچ ایک چٹائی پر سوتی اٹھتی بیٹھتی تھی۔ رات کو کچھ کتے اس کے قریب

ے تھے۔ پیشاب پاخانے کی بدبو سے ٹھیلے والوں کو اعتراض ہوا۔ مگر بازار کے خاکروبوں نے اس جگہ کی کی ذمے داری قبول کر لی۔ اس وجہ سے مریم کی یہ ا بھی لی گئی۔ کئی دفعہ کچھ لوگوں نے اس کو شہر سے دور ں میں لے جا کر چھوڑا۔ کہ اس طرح ان کی جان جائے گی۔ مگر رات کو وہ پھر موجود ہوتی۔

کر لوگوں نے اس کو پاگل خانے میں داخل کرایا کہ یہ رہے گی تو تمام برائیوں سے بچی رہے گی۔ اور ان کی بھی چھوٹ نے گی اور مریم بھی آرام سے رہے گی۔ مگر نہ ہو سکا۔ پاگل خانے والوں نے اس کو رسیوں ں سے باندھ کر کمرے کے دروازے پر بڑے بڑے تالے ڈالے کہ یہ یہاں سے بھاگ نہ سکے۔ مگر ں کی یہ کوششیں بے کار ثابت ہوئیں۔ رسیاں زنجیریں ہاتھ پڑے رہے۔ دروازوں پر تالے لٹکے رہے اور وہ ر میں گھومتی رہتی دکان داروں سے چیزیں مانگتی اور پھیٹر مارتی اور ادھم مچاتی رہی۔

گل خانوں اور تھانوں سے اس طرح نکل آنے پر ں نے دماغ میں یہ بات بیٹھ گئی کہ یہ کوئی غیر معمولی ہے۔ بلکہ لوگ اس کو ولی یا قلندر کی حد تک ماننے جاہل لوگ اور سوچ بھی کیا سکتے تھے۔ بازار کی کچھ لی عورتوں نے روپیہ پیسہ لیے بغیر اس کو نہلانا دھلانا کیا۔ صاف ستھرے کپڑوں میں کنگھی چوٹی میں ی سے کم نہیں تھی۔ مگر رہنا بیٹھنا سونا مسجد کی ٹھیلوں کے بیچ تھا۔

بازار میں اس کو ماں بہن بیٹی کا درجہ تھا یہ سب کی ں۔ مگر کچھ لوگ حیوان بھی تھے۔ ان کے لیے ماں بیٹی کچھ نہیں ہوتی۔ صرف اور صرف ان کی خواہش ہوس ہوتی ہے۔ ایسے میں ایک درندے نے اس کی پامال کر دی۔ اس کے تقدس کو اپنے ناپاک حیوانی ش سے روند ڈالا۔

کچھ عرصے کے بعد جب مریم کے جسم نے اندر کے راز کو لوگوں کے سامنے ظاہر کیا۔ تو مریم کے لیے ان کی ہمدردیاں محبتیں ختم ہوگئیں۔ اب وہ کسی کی ماں بہن یا بیٹی نہیں رہی۔ بلکہ نفرتوں لعنتوں کا شکار بن گئی۔ اب یہ ادھ ننگی اور غلیظ مریم بھوکی نڈھال مریم اپنا سر کھجاتے جس دکان دار کے پاس بھی جاتی وہ اس کو دھتکار دیتے۔ اپنی دکان یا ٹھیلے کے آگے سے دھکے دے کر بھگاتے۔ وہ کیا کرتی روتی چیختی پکارتی وہ تو اس قابل بھی نہیں تھی کہ کسی کو دعا یا بددعا دیتی۔ جن درندوں جن حیوانوں نے اس کا یہ حال کیا۔ اس کو تو یہ بھی پتا نہیں کہ اس کے پیٹ میں کس کا بچہ پل رہا ہے۔ اس کی حالت دیکھ کر لوگ اس کے لیے موت مانگتے مگر وہ جہاں چاہے زندگی دے اور جہاں چاہے موت دے۔ یہ کرشمہِ قدرت ہی تھا کہ وہ ایک پاگل کے پیٹ میں ایک زندگی کو پروان چڑھا رہا تھا۔

ایک دن بازار والوں نے یہ بھی دیکھا کہ ایک طرف مریم کی ننگی لاش پڑی ہے۔ اس کے قریب اس کا نومولود بچہ بلک بلک کر رو رہا ہے۔ اس کو کوئی گود میں نہیں اٹھاتا کوئی گھٹی نہیں پلاتا۔ اس کے گرد دائرے کی شکل میں لوگوں کا ہجوم تھا۔ دائرے کے بیچ مریم اور اس کے بچے کے قریب تین چار کتے اپنے سروں کو جھکائے بیٹھے تھے۔ جیسے یہ غم سے نڈھال ہوں۔ کبھی کبھی وہ مریم اور ان کے گرد دائرہ بنائے ہوئے لوگوں کو دیکھتے۔ جیسے کہہ رہے ہوں ظالمو دیکھو تمہاری ماں تو مر چکی کم از کم اپنے اس بے قصور بھائی کو تو اٹھا لو گلے لگا لو ہم تو مجبور ہیں۔ حیوان ہیں۔ تم لوگ تو مخلوق اشرف ہو۔ اتنی بے حسی نہ دکھاؤ۔

آخر ایک بھنگن نے اس بچے کو اٹھایا۔ اس کو اپنی گود میں لے کر گھٹی پلائی۔ پھر اس کو اپنے سینے سے چمٹا کر اس کو چومتے ہوئے اپنے ساتھ لگایا۔ تو کتے لوگوں کی طرف منہ کر کے بھونکے۔ جیسے کہہ رہے ہوں لعنت ہے تم پر لعنت ہے تمہاری انسانیت پر۔ کے ایم سی کی کچرا اٹھانے والی گاڑی آئی اور مریم کو اٹھا کر لے گئی۔

☆☆☆

ہیں کواکب کچھ

اشتیاق فاطمہ عظمیٰ

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں یہ بازیگر دھوکہ کھلا

گاؤں میں سب ہی نے یہ خبر دکھ سے سنی کہ رحمتے بی بی فوت ہوگئی ہے۔ چھوٹے کی پیدائش کے بعد سے رحمتے بی بی کا جی خراب رہنے لگا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بیماری بھی بڑھتی گئی اور پچھلے ایک برس سے تو اس نے چارپائی ہی پکڑ لی تھی۔ خیر سے چھوٹا بھی اٹھائیس برس کا ہونے کو آیا تھا اور بڑا تو پورے بتیس کا ہوگیا تھا مگر رحمتے بی بی اپنی بیماری میں ہوں الجھی رہی تھی کہ کبھی بیٹوں کی شادی کے بارے میں سوچ بھی نہ سکی۔ گھر کا بوڑھا نمک خوار ملازم دین محمد کبھی کبھی اسے اس فرض کے بارے میں یاد بھی دلاتا تو وہ گھٹنے پکڑ کر کرب سے کہتی۔ ”اس بیماری سے چھوٹوں تو کچھ سوچوں۔“ مگر وہ بیماری سے چھوٹ نہ سکی بیماری اسے ساتھ لے کر ہی گئی۔ اس کے مرتے ہی آباد گھر ویرانے میں بدل گیا۔

دو جوان بیٹوں اور بوڑھے ملازم دین محمد کے ہوتے ہوئے بھی کرم داد کو گھر خالی خالی لگتا۔ کرم داد ایک ریٹائرڈ فوجی تھا۔ پچپن برس کا ہونے کے باوجود اس میں جوانوں والا کس بل اور دم خم تھا۔ سینہ تان کر اور مونچھوں کو بل دے کر چلتا تو کسی بانکے سجیلے جوان سے کم نہیں لگتا تھا۔ مگر بیوی کی موت نے اسے بڑا دکھی کر دیا تھا۔ گھر کی بے رونقی کھانے کو دوڑتی۔ دین محمد کا خیال تھا کہ گھر میں کوئی عورت آجائے تو گھر پھر سے زندہ ہوسکتا ہے۔ مگر کسی عورت کے بغیر گھر میں کسی عورت کا آنا بھی ایک مشکل مرحلہ تھا۔ اس سلسلے میں دین محمد نے بتایا کہ محلے کی ایک بڑی عمر کی بیوہ عورت کوثر پروین شادی بیاہ کروانے کا کام کرتی ہے اس کے اردگرد کے گاؤں کے گھروں میں بھی آنا جانا ہے۔ چنانچہ وہ اس سلسلے میں ان کی مدد کرسکتی ہے اگر وہ کہے تو کل وہ اسے بلا لائے۔ کرم داد نے سوچتی نگاہوں سے اپنے جواں سال بیٹوں کی طرف دیکھا پھر دین محمد سے بولا۔ ”اچھا چل جیسی تیری مرضی.... کل اسے بلا لانا....“

لیکن دین محمد نے اگلے دن اطلاع دی کہ کوثر پروین نے چھڑوں کے گھر آنے سے منع کر دیا ہے۔

”تو تو کہہ رہا تھا وہ بیوہ ہے اور بڑی عمر کی ہے؟“ کرم داد کو کوثر پروین کا اس طرح منع کر دینا ناگوار گزرا تھا۔

”وہ تو ہے... مگر ہے تو زنانی۔“ دین محمد رسان سے بولا۔ ”اور ہاں اگھر..... کچھ بھی ہو...... ہے تو چھڑوں کا گھر۔“

دین محمد کے سمجھانے بجھانے پر کرم داد خود اس کے گھر جا کر بات کرنے پر راضی ہوگیا۔ لڑکوں کی ڈھلتی عمروں کا اب اسے بھی احساس ہو چلا تھا اگلے روز وہ نیا کرتا کرگابیاں

مچھوں کو بل دیتا‘ بڑی شان سے کوثر پروین کے ۔ بیٹوں کی شادی کی گل کرنی تھی شان سے تو جانا ایک سفید بالوں والی بڑھیا نے دروازہ کھولا۔ ”وہ ام کرم داد ہے۔“
ابندہ کل آپ سے مل کر گیا تھا۔ شادی کی گل ہے۔“

ا جی بسم اللہ..... آپ اندر آجاؤ۔“ بڑھیا نے ستہ دیا اور وہ کمرے میں داخل ہوگیا۔ کمرے میں ف لائین سے کئی کرسیاں لگی تھیں۔ سامنے ایک می۔ میز کے پیچھے اور دائیں جانب پہلو میں بھی ایک رکھی تھی۔ آپ بیٹھیں جی!“ میں کوثر پروین کو بلاتی ں۔“ بڑھیا اندر کی طرف کھلنے والے دروازے کی بڑھی۔

آپ.....کوثر پروین.....نہیں ہو.....میں تو آپ کو ہی ھا تھا۔“ کرم داد نے پلکیں پٹ پٹا کر تھوڑا کھسیا کر کہا۔

۔ جی.....میں تو اس کی ماسی ہوں۔“ بڑھیا کچھ شرما کر اور دروازہ کھول کر اندر چلی گئی۔

چند لمحوں بعد بادِ بہاری کے جھونکے کی طرح کوثر ن کمرے میں داخل ہوئی۔ ایک بھینی بھینی خشبو ے کی پوری فضا میں پھیل گئی۔ وہ اس کے سامنے گزر کر پھولوں سے لدی شاخ کی طرح لچکتی ہوئی کی طرف بڑھی‘ اس کی پتلی کمر پر مہندی لگے کنگھی ں میں لال پراندہ لہراتا ہوا اس کے پیچھے چلا۔ وہ کے پیچھے کرسی پہ جا بیٹھی۔

ہاں جی..... بولو..... کس کی شادی کرانی ہے۔“ کوثر وین نے باقاعدہ کاروباری لہجے میں پوچھا۔

”جی.....وہ مجھے.......“ کرم داد نگاہ جھکا کر ہکلانے لگا۔

”آپ ادھر تشریف لے آؤ.....“ اس نے میز کے پہلو دھری کرسی کی طرف اشارہ کیا اور کرم داد اپنی نئی گابیاں کرمراتا ہوا کوثر پروین کے سامنے دائیں طرف کرسی پر آ بیٹھا۔

شام کو لڑکوں کو چائے کے ساتھ دین محمد نے یہ خوش خبری بھی دی کہ آج ان کا باپ ان کے رشتے کے لیے ایک رشتے کروانے والی عورت کے گھر گیا ہے۔

”دونوں کے لیے.... یا صرف بڑے کے لیے۔“ چھوٹے نے دھیمے لہجے میں رکتے تھمتے سوال کیا۔

”بڑے کی شادی ہوجائے.....اس کی دلہن گھر آجائے تو اپنے دیور کے لیے تو وہ خود دلہن ڈھونڈ لائے گی۔“ دین محمد کے جواب پر دونوں لڑکوں نے شرما کر نگاہیں جھکالیں۔ مگر ان کی جھکی نظروں میں جگمگاتے سپنے دین محمد کی نظروں سے پوشیدہ نہ تھے۔ کئی روز بیت گئے۔ مگر لڑکوں کو پھر کوئی اچھی خبر سننے کو نہ ملی۔ کرم داد روز مونچھوں پر تیل مل کر نیا کرتہ پہن کر کوثر پروین کے آفس نما بیٹھک میں جا بیٹھتا۔

پورا ہفتہ گزر گیا۔ آخر دین محمد نے ایک روز پوچھ ہی لیا۔

”شادی کی گل کا کیا بنا؟“

”اوئے.... بن ہی جائے گا کچھ.....اتنی جلدی بھی کیا ہے؟“ کرم داد نے مونچھوں کو بل دیتے ہوئے جواب دیا۔

”عورت کے بغیر گھر کسی دوزخ سے کم نہیں۔“ دین محمد نے رقت بھرے لہجے میں کہا۔

”تو سچ کہتا ہے دین محمد۔“ کرم داد کی آواز میں بھی کرب جاگ اٹھا۔ ”اس بات کا تو مجھے ابھی ہی احساس ہوا ہے۔“

”ہم تو فکر مت کر بہت جلد یہ گھر جنت بننے والا ہے۔“

اور اگلے ہی ہفتے لال جوڑے لال پراندے اور گوٹا لگی لال چنی میں شرماتی بجاتی سج سج قدم رکھتی کوثر پروین گھر میں داخل ہوئی آگے آگے کرم داد گلابی پگڑی سر پر دھرے سینہ تانے چل رہا تھا.... گاؤں میں سب ہی نے یہ خبر حیرت سے سنی کہ کرم داد نے شادی کروانے والی بیوہ عورت کوثر پروین سے شادی کرلی۔

☆☆☆

بغیر اجازت

ایس امتیاز احمد

"اگر آپ مجھے اپنی جائداد پر کھدائی کرنے کی اجازت دے دیں اور مجھے چند اور ہڈیاں مل جائیں تو یقینا میں ان ہڈیوں کی مدد سے پورا ڈھانچا تیار کرلوں گا۔ آپ ذرا سوچیے مسز ایوان! یہ سائنس کی کتنی بڑی خدمت ہوگی؟"

اس یوم حساب کی کہانی جو بعض اوقات زمین ہی پر برپا ہو جاتا ہے۔ سمندر پار سے ہنری سلاسر کی ایک خوب صورت تحریر

مسز ایوان کھڑکی کے پردے کھسکائے باہر کا نظارہ کررہی تھی۔ اسے ایک اجنبی اپنے مکان کی طرف آتا دکھائی دیا۔ وہ ایک دراز قد، دبلا پتلا اور مجہول سا آدمی تھا۔ اس کی خاکی پتلون ٹخنوں سے کئی انچ اوپر تھی اور اس پر اس نے ایک بہت چوڑی بیلٹ باندھی ہوئی تھی۔ دھات کی بنی ہوئی کئی چیزیں بیلٹ سے جھول رہی تھیں۔ اس کے ایک ہاتھ میں خمیدہ چھڑی تھی۔ چھڑی کے اوپری سرے کے ساتھ کپڑے کا ایک تھیلا بندھا ہوا تھا۔ تھیلے میں کچھ ایسی چیزیں رکھی تھیں، جن کی وجہ سے وہ پھولا ہوا نظر آرہا تھا۔ فاصلہ کم ہوا تو مسز ایوان نے غور سے اجنبی کے چہرے کا جائزہ لیا۔ اس کی آنکھوں پر بہت موٹے عدسوں کی عینک تھی جو اس کی پتلی اور لمبی ناک کی ابھری ہوئی ہڈی پر جمی تھی۔

اس سے پہلے کہ اجنبی دستک دیتا مسز ایوان دروازے پر موجود تھی۔

"فرمایئے جناب! آپ کسے تلاش کررہے ہیں؟" اس نے اجنبی سے پوچھا۔

"آپ مسز ایوان ہیں؟"

اجنبی نے جلدی سے اپنا بے ڈھنگا خاکی ہیٹ اتا[ر] کے خوش مزاجی کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کی۔ اس کی بتیسی باہر جھانکنے لگی۔

"آپ کے مزاج اچھے ہیں؟ میرا نام جیمس ہے، آسکر جیمس! میرا تعلق شہر کی جغرافیائی انجمن سے ہے[۔] کیا میں چند منٹ کے لیے اندر آسکتا ہوں؟"

مسز ایوان ذرا جھجکی لیکن پھر اس نے اجنبی کے لیے راستہ چھوڑ دیا۔

"میں آپ کی کیا خدمت کرسکتی ہوں مسٹر جیمس!"

"آپ میرے لیے بہت کچھ کرسکتی ہیں مسز ایوان!" اس نے زیرلب مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا میں بیٹھ سکتا ہوں؟"

"ضرور تشریف رکھیے۔"

نووارد آتش دان کے قریب رکھی ہوئی کرسی پر ڈھیر ہوگیا پھر اس نے پرجوش آواز میں کرسی کے ہتھوں پر زور سے دونوں ہاتھ مارے۔

''یہ میری خوش نصیبی ہے کہ آپ گھر پر موجود ہیں۔ آپ خاصی مدت سے کہیں گئی ہوئی تھیں۔''

''میں تین مہینے سے یورپ کی سیاحت کر رہی تھی۔''

''خوب......خوب!''

نووارد نے ہاتھ ملتے ہوئے مسرت کا اظہار کیا۔

''میں بیان نہیں کر سکتا کہ مجھے آپ کی واپسی کا کس شدت سے انتظار تھا۔ صرف مجھی کو نہیں بلکہ ہماری پوری انجمن آپ کی منتظر تھی۔ امید ہے آپ نے ہماری انجمن کا نام سنا ہوگا؟''

''جی ہاں ضرور سنا ہوگا، کیونکہ یہ نام کانوں کو مانوس معلوم ہو رہا ہے۔''

''آپ پریشان نہ ہوں۔ میں کوئی چیز فروخت کرنے نہیں آیا ہوں۔''

وہ زور سے ہنسا۔ ''آپ کا تعاون ہمارے لیے پیسوں سے زیادہ قیمتی ہے۔ آپ ہماری تازہ ترین جستجو اور تحقیق کے لیے بے حد اہمیت رکھتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ صرف آپ ہی ہماری مدد کر سکتی ہیں۔''

مسز ایوان پچاس سال کی ایک فربہ عورت تھی۔ وہ نووارد کی اس تمہید سے سخت بور نظر آ رہی تھی۔

''میں سمجھ نہیں سکی کہ آخر میں آپ کی یا آپ کی انجمن کی کیا مدد کر سکتی ہوں؟''

اس نے سامنے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''میں آپ کو بتاتا ہوں۔''

جیمس نے اپنی چھڑی قالین پر رکھ دی۔

''چند مہینے قبل ہماری کھدائی کرنے والی ایک ٹیم نے اس علاقے سے چند دلچسپ اور اہم چیزیں برآمد کی تھیں۔ پتھر کی بنی ہوئی چند ایسی چیزیں ملی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ علاقہ تاریخ سے قبل کے زمانے اور قدیم عہد کے نشانات اور نوادر سے بھرا ہوا ہے۔ چند احباب اب بھی اس علاقے کے گرد کھدائی میں مصروف ہیں، لیکن اب تک میرے سوا کسی کو کوئی قابل ذکر کامیابی حاصل نہیں ہوئی ہے۔ مسز ایوان حد معذرت کے ساتھ اعتراف کرتا ہوں کہ یہ مجھے آپ کی زمین سے حاصل ہوئی ہے۔ آ زمین پر میں نے اجازت کے بغیر کھدائی کی تھی اس میں میرا کوئی قصور نہیں تھا کیونکہ میں سوچ بھی سکتا تھا کہ آپ کے مکان سے خاصے فاصلے پر م ہے اس کا بیشتر حصہ آپ کی ملکیت ہے۔''

''میں آپ کی گفتگو سے صرف یہ اندازہ لگا سکی کہ آپ میری جائداد پر اجازت کے بغیر کر رہے تھے۔''

''میری مراد آپ کی جائداد کے اس حصے سے ہے پر جنگل سا اُگا ہوا نظر آتا ہے لیکن دو مہینے کی سخت اور جدوجہد کا پھل آخر مجھے مل گیا۔ آپ کو شاید نہ آئے۔ مسز ایوان!''

جیمس نے آگے جھکتے ہوئے کہا۔ جوش سے چہرہ تمتما رہا تھا۔

''میں چند ہڈیاں دریافت کرنے میں کامیاب ہو ہوں۔''

''ہڈیاں......؟''

''ہاں۔ ہے نا تعجب کی بات؟ میں وہ ہڈیاں شنا نہیں کر سکا ہوں۔ میں ان معاملات میں ذرا نیا ہو اس لیے یہ سراغ اب تک نہیں لگا سکا کہ ان ہڈیو تعلق تاریخ کے کس دور سے ہے؟ اور ان کی عمر کیا لیکن وہ ہڈیاں بہت عمدہ حالت میں ہیں۔ یقین آتا کہ ہزاروں سال پرانی ہڈیاں اتنی عمدہ حالت ہو سکتی ہیں۔''

اس نے ہاتھ بڑھا کے چھڑی سے بندھا ہوا تھیلا کھو

''آپ بھی ایک نظر دیکھ لیجیے۔''

جیمس نے ہاتھ تھیلے سے نکالا تو اس میں ایک ہڈی چمک رہی تھی۔ مسز ایوان کے منہ سے بے اختیا ایک چیخ نکل گئی۔

اوہ معاف کیجیے گا خاتون! میں بہت شرمندہ ۔'' اس نے کہا۔

میرا مقصد آپ کو ڈرانا نہیں تھا۔ یہ ٹانگ کی ہڈی اس کے علاوہ ایک کھوپڑی بھی ملی ہے۔ انسان جسمانی ساخت کے متعلق میرا علم زیادہ وسیع نہیں لیکن یہ ہڈیاں دیکھتے ہوئے میں یقین سے کہہ سکتا کہ یہ ہڈیاں کسی بہت موٹے اور پستہ قد آدمی کی اں ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس آدمی کا تعلق تاریخ کے زمانے سے ظاہر ہے۔ اس دریافت قدر ناز کروں کم ہے۔''

مسز ایوان اب بھی سہمی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

''اگر آپ مجھے اپنی جائداد پر کھدائی کرنے کی زت دے دیں اور مجھے چند اور ہڈیاں مل جائیں تو میں ان ہڈیوں کی مدد سے پورا ڈھانچا تیار کر لوں آپ ذرا سوچیے مسز ایوان! یہ سائنس کی کتنی بڑی مت ہوگی؟''

''سائنس کی......؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ میں تمہیں اس اجازت نہیں دے سکتی۔''

جیمس کا منہ لٹک گیا۔

''لیکن مسز ایوان یہ ظلم ہوگا۔ آپ مجھ پر اتنا بڑا ظلم کر سکتیں۔ آپ میری اس عظیم دریافت کی اہمیت خود اندازہ لگا سکتی ہیں۔ کیا آپ اس مرحلے پر مجھے بند کرنے کے لیے مجبور کریں گی، مجھے تسلیم ہے کہ آپ کی اجازت کے بغیر آپ کی جائداد پر کھدائی کے ایک غیر اخلاقی حرکت کا مرتکب ہوا ہوں اور صورت میں جب آپ یہاں موجود بھی نہیں تھیں ن آپ یہ تو سوچیے کہ سائنس......''

''میں تمہیں اپنی جائداد پر کھدائی کرنے کی اجازت گز ہرگز نہیں دوں گی۔''

مسز ایوان نے چیختے ہوئے کہا۔

''تمہیں اس کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ مجھے سائنس وغیرہ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔''

''بے شک بے شک آپ کو سائنس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور مجھے اس کا کوئی حق نہیں پہنچتا لیکن میرا خیال تھا......''

جیمس بہت آزردہ نظر آ رہا تھا۔

''مسز ایوان کیا اس موضوع پر میں آپ کے شوہر سے بات چیت کر سکتا ہوں؟''

''جی نہیں۔ ان کا انتقال ہو چکا ہے۔''

''اوہ۔''

چند لمحوں کے لیے ایسا محسوس ہوا جیسے جیمس اپنے کسی عزیز کے جنازے کے سامنے بیٹھا ہے پھر وہ ایک گہری سانس لے کر کھڑا ہو گیا۔

''مجھے افسوس ہے یہ آپ کی جائداد ہے اور اس پر آپ کا پورا حق ہے لیکن میں بہت امیدیں لے کے آپ کے پاس آیا تھا۔''

اس نے بے چارگی سے کاندھے اچکائے اور ایک گہری سانس لی۔

''خیر اب مجھے چلنا چاہیے ابھی تو مجھے پولیس انسپکٹر شائلر سے بھی ملاقات کرنی ہے۔''

''کس سے......؟''

''انسپکٹر شائلر سے۔ وہ پولیس ہیڈ کوارٹر میں بیٹھتے ہیں۔ اس ریاست کا ایک احمقانہ قانون یہ ہے کہ ہماری انجمن زمین کی کھدائی سے جو چیز بھی برآمد کرے گی، اس کا معائنہ سب سے پہلے یہاں کی پولیس کرے گی۔ خاص طور پر انسانی ہڈیوں کے سلسلے میں یہ قانون بہت سخت ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر پولیس کو آثار قدیمہ سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟''

اس نے جھک کر قالین سے اپنی چھڑی اٹھائی اور دروازے کی طرف بڑھا۔

''ٹھہریے مسٹر جیمس!''

''جی۔ آپ...... آپ یہ ہڈیاں پولیس کے پاس

www.Paksociety.com

لے جائیں گے؟"

"جی ہاں۔ یہ ضروری ہے۔ ہماری انجمن قانون کی سختی سے پابندی کرتی ہے۔ میں سوچ رہا تھا کہ پہلے اپنی کھدائی مکمل کرلوں لیکن اب چونکہ یہ ممکن نہیں ہے اس لیے یہ ہڈیاں مجھے پولیس کے معائنے کے لیے پیش کرنی پڑیں گی۔"

"کیا آپ...... آپ کچھ پینا پسند نہیں کریں گے؟ کوئی ٹھنڈا مشروب؟ آپ اتنی دور سے پیدل چل کے آئے ہیں؟

"یہ خیال برا نہیں ہے۔"

جیمس نے غور کرتے ہوئے کہا۔

"میں واقعی بہت تھکا ہوا ہوں۔"

"میں آپ کے لیے کوئی ٹھنڈا مشروب لاتی ہوں۔"

مسز ایوان نے کہا۔ جیمس ایک سانس کھینچ کے دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ مسز ایوان ڈرائنگ روم سے چلی گئی۔ جیمس نے اپنے تھیلے سے ایک انسان کی کھوپڑی نکالی اور اسے غمگین نظروں سے گھورنے لگا۔ پانچ منٹ بعد مسز ایوان واپس آئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک ٹرے تھی۔ ٹرے میں ایک خوب صورت اور نازک گلاس سرخ مشروب سے بھرا ہوا رکھا تھا۔

مسز ایوان کی نظریں کھوپڑی پر پڑی تو اس کا چہرہ خوف سے سپید ہوگیا۔ جیمس نے فوراً کھوپڑی اپنے تھیلے میں ڈال دی اور ٹرے میں رکھا ہوا گلاس جلدی سے اٹھالیا اور اپنی لمبی ناک گلاس پر جھکا کر مشروب سونگھنے لگا۔

"ہوں۔"

اس نے اسے سونگھتے ہوئے کہا۔

"سنکھیا ہے۔ اس زہر کی بو چھپانا بہت مشکل کام ہے مسز ایوان!"

"کیا...... کیا آپ نے اپنے شوہر کو بھی اسی زہر سے ہلاک کیا تھا یا ان کے لیے کوئی بھاری بھرکم نوکیلی شے استعمال کی تھی؟"

مس ایوان کی آنکھیں دہشت سے پھیل گئیں۔

"میں سمجھی نہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

جیمس نے اپنی بیلٹ سے لٹکا ہوا فلاسک علیحد[illegible] اور گلاس میں بھرا ہوا مشروب اس میں خالی کرنے بعد اسے دوبارہ بند کر کے اپنی بیلٹ سے لٹکا دیا۔

"کون ہو تم......؟"

مسز ایوان نے کپکپاتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"میرا نام گارسن ہے۔" نووارد نے جواب [illegible]

"میں اس بیمہ کمپنی کا سراغ رساں ہوں جس کی [illegible] ہوئی رقم سے آپ نے تین ماہ تک یورپ کی [illegible] سیاحت کی۔ اب آپ سمجھ گئی ہوں گی کہ میں آپ [illegible] شوہر کی پراسرار گمشدگی سے کبھی مطمئن نہیں ہوا [illegible] جس منصوبے پر میں نے ابھی عمل کیا ہے یہ [illegible] ذہن میں صرف چند ہفتے پہلے پیدا ہوا تھا اور کمپنی [illegible] سے پہلے ہی آپ کو آپ کے شوہر کے بیمے کی [illegible] کرچکی تھی لیکن خیر دیر سے آنا بھی نہ آنے سے بہ[illegible] ہے مسز ایوان!"

وہ بڑی عیاری سے مسکرایا اور کھڑا ہوگیا۔

"وہ ہڈیاں......"

مسز ایوان کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی۔ [illegible] نظریں تھیلے پر جمی ہوئی تھیں۔

"یہ میں نے ایک میڈیکل کالج سے چند گھنٹوں [illegible] لیے ادھار لی ہیں۔" اس نے کہا۔ "اصل ہڈیاں [illegible] بہت جلد آپ کی جائداد سے کھود نکالے گی۔ میرا [illegible] ختم ہوگیا۔ اب پولیس کا کام شروع ہوگا۔"

مسز ایوان کھڑکی سے اس مجہول آدمی کو [illegible] جاتے دیکھتی رہی۔ وہ ایک ہاتھ میں تھیلا اور [illegible] میں چھتری ہلاتا ہوا سیٹی بجاتا ہوا چلا جا رہا تھا۔

☆☆☆

پیاسی آتما

سمندر شاہین

ایک بھٹکتی آتما کی دل دہلا دینے والی داستان، جو برسوں سے پیاسی تھی

پیاسی آتما

- ان سفاک لوگوں کی کہانی جو مظلوموں کا خون بیچ کر اپنی تجوریاں بھرتے ہیں۔
- ان ظالموں کی کہانی جو نام نہاد غیرت اور عزت کے لیے معصوموں کے خون سے ہولی کھیلتے ہیں۔
- اس نوجوان کی داستان جس کو پیدا ہوتے ہی جان کے دشمنوں کا سامنا تھا۔

نوازش حسین

ایک ایسی کہانی جو آپ کو اپنے دل میں اترتی ہوئی محسوس ہوگی

• تحیر و تجسس • ہلاکتوں • جرائم طلسم • وحشت • خوف کی ایک داستاں

چند لمحوں بعد وہ دونوں آفس روم میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔کالی داس کہہ رہا تھا۔نادرہ بھی زندہ ہے مگر بے ہوش ہے اور اس وقت جناح اسپتال میں ہے۔

کیا نوازش اور آسیہ بھی اس کے پاس ہیں۔شیام کمار نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

نہیں۔وہ دونوں پولیس کے آنے سے پہلے وہاں سے نکل گئے تھے۔انہوں نے مہران ہوٹل میں کمرہ لے لیا اور اس وقت کمرے میں ہی ہیں۔

ارے......شیام کمار ایکدم اچھل کر بولا۔موقع اچھا ہے۔

کیا مطلب۔کالی داس نے چونکتے ہوئے اسے گھورا۔

وہ ہوٹل میں آرام کر رہے ہیں......ان کی غفلت سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔شیام کمار نے تیزی سے کہا۔تم نے یہ نعرہ سنا کہ گرتی ہوئی دیوار کو ایک دھکا اور دو......اس وقت وہ اپنے بنگلے کی تباہی پر پریشانی اور بوکھلاہٹ میں مبتلا ہیں۔

اس وقت وہ بہت غضب ناک ہو رہے ہوں گے یار......کالی داس نے ناگواری سے کہا۔زخمی درندے کے سامنے حماقت ہوتی ہے۔

ارے یار......یہی تو موقع ہے دشمن پر کاری ضرب لگانے کا۔شیام کمار مسکرایا۔وہ دونوں سمجھ رہے ہوں گے کہ تباہی کے بعد ان کی موت کا یقین کر کے ہم اطمینان سے آرام کر رہے ہیں یا جشن مسرت منانے میں معروف ہیں۔ لیے انہیں ہماری طرف سے مزید کسی حملے کی توقع نہیں ہوگی۔ان کی اس غلط فہمی سے فائدہ اٹھا کر ہم ان پر کاری حملہ کر سکتے ہیں۔کیا تم ان کے زندہ بچ جانے سے ڈر گئے ہو۔

نہیں تو......ایسی کوئی بات نہیں ہے۔مگر......کالی داس بولا۔

شیام کمار نے تیزی سے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔اگر مگر چھوڑو یار......اگر تم کچھ نہیں کرنا چاہتے تو میں اکیلا ہی نیست و نابود کرنے جا رہا ہوں۔تم میری کال کا انتظار کرنا۔میں تھوڑی دیر بعد تمہیں خوش خبری سناؤں گا۔

یہ کہہ کر وہ جھٹکے سے کھڑا ہو گیا۔کالی داس تیزی سے بولا۔ٹھہرو۔ٹھہرو......میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔

تو پھر جلدی کرو......ایسا موقع دوبارہ ہاتھ نہیں آئے گا۔شیام کمار غرایا۔

کیا تم نے اپنے ذہن میں کوئی پلان ترتیب دے لیا ہے۔کالی داس نے کرسی سے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

پلان...... پلان تو ایسا سوچا ہے کہ بس نہ پوچھو۔شیام کمار ہذیانی انداز میں ہنسا۔بس سمجھ لو کہ نوازش اور آسیہ کی زندگی میں یہ آخری رات ہے۔اب صبح کا سورج وہ قیامت کے روز ہی دیکھ سکیں گے۔

کالی داس نے سمجھنے والے انداز میں ہلایا۔پھر بٹن دبا کر کمرے کا دروازہ کھولا اور شیام کمار کے ساتھ باہر نکلتا چلا گیا

وہ اڑتا ہوا ٹائیگر پر آ پڑا اور ٹائیگر کے ہاتھ سے ریوالور چھوٹ گیا۔ ٹائیگر لڑکھڑاتے ہوئے پیچھے جا گرا۔ نوازش نے اس کے سنبھلنے سے پہلے ہی ریوالور کی طرف چھلانگ لگائی اور ریوالور اٹھالیا۔ ٹائیگر سنبھل کر اٹھا ہی تھا کہ نوازش نے اس پر ریوالور تان لیا۔ وہ نوازش کو خوں خوار نگاہوں سے گھورنے لگا۔

''خبردار.... کوئی حرکت مت کرنا ٹائیگر۔'' نوازش نے سخت لہجے میں اسے تنبیہ کی۔

''ہوں..... اسی لیے جھوٹی باتیں کر کے.....'' ٹائیگر دانت پیستے ہوئے بولا۔

''نہیں۔'' نوازش نے تیزی سے اس کی بات کاٹ دی۔ ''میں نے ایک ایک لفظ درست کہا ہے ٹائیگر..... اس نے کیا حکم دیا ہے۔''

''وہ کہہ رہا تھا کہ تم نوازش ہو اور تم نے سب کچھ غلط بتایا ہے مجھے۔ اس لیے تمہیں گولی مار کر ختم کر دوں۔'' ٹائیگر اسے گھورتے ہوئے بولا۔

''اور میں نے بھی اس لیے یہ حرکت کی ہے کہ میرا نام بتا کر اس نے تمہیں میرے بارے میں کوئی نیا حکم دیا ہوگا۔'' نوازش نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''اس سے تم اندازہ کر سکتے ہو کہ وہ کتنا بڑا شیطان ہے جسے معلوم ہو گیا ہے کہ میں نے تمہیں اس کے بارے میں کچھ باتیں بتائی ہیں۔''

''ہاں..... واقعی یہ عجیب سی بات ہے۔'' وہ چونکتے ہوئے بولا۔

''اب میں چاہوں تو پولیس کو فون کر کے تمہیں قانون کے حوالے کر دوں یا خود گولی مار دوں۔ لیکن میں ایسا نہیں کروں گا۔ بشرطیکہ تم تعاون کرو۔''

''کیسا تعاون؟'' ٹائیگر نے حیرت سے پوچھا۔

''صاعقہ کو فون کر کے کہہ دو کہ وہ ان آدمیوں کو واپس بلا لے جنہیں تم نے مجھ پر تشدد کرنے کے لیے طلب کیا ہے۔''

''مگر وہ تو اب پہنچنے والے ہوں گے۔'' وہ بولا۔

''سہراب گوٹھ یہاں سے کافی فاصلے پر ہے وہ لالو کھیت ہی پہنچے ہوں گے۔'' نوازش ''بہرحال ان میں سے کسی کے پاس موبائل ف اور صاعقہ انہیں فون پر ہدایات دے سکتی ہے سکتے ہو کہ میں بھاگ گیا ہوں اور اب تمہیں ضرورت نہیں رہی۔''

ٹائیگر نے ایک دو لمحوں کے لیے سوچا۔ پھر سے موبائل فون نکال کر اس پر صاعقہ سے کرنے لگا۔

''ٹائیگر بول رہا ہوں مس صاعقہ۔'' دوسری کی آواز سن کر اس نے کہا۔ ''آپ نے جو آدمی طرف روانہ کیے ہیں انہیں واپس بلا لیں۔ باس مجھے دھوکا دے کر بھاگ گیا ہے۔''

''اوہ..... مگر باس نے تو ابھی بتایا ہے کہ اسے گولی مار کر ہلاک کر دیا ہے۔'' صاعقہ نے سے کہا۔

''ہاں..... میں نے کوشش کی تھی۔ لیکن وہ ن ٹائیگر نے نوازش کی طرف دیکھتے ہوئے کہا میں باس کو اطلاع دے رہا ہوں۔''

اس کے ساتھ ہی اس نے موبائل آف نوازش نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''شکریہ؟''

اس نے فرش سے اپنا ریوالور اٹھایا اور جیب لیا۔ پھر دوبارہ ٹائیگر سے بولا۔ ''اس تعا بدلے میں تمہیں یوں ہی چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ نادر کے اغوا کی تمہیں سزا دے سکتا ہوں۔ اپنے ساتھیوں کو پراچہ کی حقیقت سے خبردار کر ایک بدروح ہے، اصل پراچہ مر چکا ہے۔''

نوازش نے اس کے ریوالور سے گولیاں نکال جیب میں ڈالیں اور خالی ریوالور اس کی طر

ائیگر نے عجیب سی نگاہوں سے اس کی طرف بولا۔

ہاتم پولیس کو میرے بارے میں اطلاع دو

لیں..... لیکن کوشش کرنا کہ آئندہ کوئی غیر قانونی کرو۔'' نوازش نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اسی لمحے کال بیل بجی اور دونوں چونک نوازش نے سوالیہ انداز میں ٹائیگر کی طرف

ہ میرے ساتھی ہوں۔'' وہ بولا۔ ''بہرحال مجھ پر اعتماد کرو تو ریوالور جیب میں رکھ لو اور اندر دو۔ میں ان سے تمہارا تعارف دوست کی سے کرا دوں گا۔ انہیں تم پر کوئی شبہ نہیں ہونے

دو گے!'' نوازش نے ایک دو لمحوں بعد اس کی ہاتھ بڑھا دیا۔ ''تم چاہو تو ہم آئندہ کے لیے بھی بن سکتے ہیں۔''

نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے گرم جوشی کا اور نوازش نے ریوالور جیب میں رکھ لیا۔ اسی بارہ گھنٹی بجی۔

ا.....ا'' نوازش چہرے سے نقاب اتار کر جیب لتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھا۔ وہ دونوں سے نکل کر لاؤنج میں آئے اور نوازش صوفے

ن.....؟'' ٹائیگر نے دروازے کے پاس پہنچ کر سے پوچھا۔

سٹ مین۔'' باہر سے آواز آئی۔

نے نوازش کی طرف دیکھتے ہوئے اطمینان کا پھر دروازہ کھول دیا۔ لیکن باہر کھڑے شخص وہ اپنی جگہ ساکت ہو گیا۔

☆☆

کھتری ہوزری فیکٹری میں حسب معمول کام ہو رہا تھا۔ آفس روم میں فیکٹری کا مالک جاوید کھتری شان دار آفس ٹیبل کے پیچھے ریوالونگ چیئر پر بیٹھا تھا۔ کمرے میں اس کے سوا کوئی نہ تھا۔ اچانک میز پر رکھے موبائل کی گھنٹی بجی اور اس نے چونکتے ہوئے موبائل کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

''ہیلو۔'' اس نے موبائل آن کر کے کان سے لگا لیا۔

''صاعقہ بول رہی ہوں باس۔'' دوسری طرف سے نسوانی آواز آئی۔

''اوہ..... خیریت.....؟'' اس نے چونکتے ہوئے کہا۔

''ابھی ابھی ٹائیگر کی کال آئی ہے کہ آپ نے جس آدمی کو ختم کرنے کا حکم دیا تھا۔ وہ اس کی گرفت سے بھاگ گیا ہے اس لیے طلب کیے گئے ساتھیوں کو واپس بلا لیا جائے۔''

''اوہ..... یہ تو برا ہوا۔'' کھتری نے غصے سے کہا۔ ''اس خبیث نے مجھے تو اطلاع نہیں دی۔''

''وہ کہہ رہا تھا کہ اب آپ کو کال کرے گا۔'' صاعقہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

''نہیں۔ اس کی کال نہیں آئی۔ بہرحال میں دیکھتا ہوں۔'' کھتری نے کہا۔

پھر موبائل آف کر کے جیب سے آئینہ نکالا اور اس پر منتر پھونکا۔ فوراً آئینہ روشن ہو گیا اور اس میں چندریکا کی کھوپڑی کا عکس ابھر آیا۔

''کیا حکم ہے مہاراج؟'' کھوپڑی سے آواز آئی۔

''کیا نوازش ٹائیگر کے فلیٹ سے بھاگ گیا ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''نہیں مہاراج..... وہ وہاں موجود ہے۔'' چندریکا نے بتایا۔

''اوہ..... تو پھر ٹائیگر نے اسے قتل کیوں نہیں کیا اور

صاعقہ کو غلط اطلاع کیوں دی؟'' کھتری حیرت سے اچھل پڑا۔
''اس لیے کہ وہ نوازش سے آپ کے بارے میں تفصیلات سن کر متاثر ہوگیا تھا اور پھر جونہی آپ کا حکم سن کر اس نے موبائل آف کیا۔ نوازش نے اس پر حملہ کر کے اس کا ریوالور چھین لیا تھا۔ نوازش کے حکم پر ہی اس نے صاعقہ کو کال کیا تھا۔''
''غدار کہیں کا۔'' کھتری نے غصے سے دانت پیسے۔
پھر اس نے فوراً ہی آئینے پر پھونک مار کر آئینہ جیب میں رکھا اور منتر پڑھ کر چھت کی طرف پھونکا۔ دوسرے ہی لمحے چھت کے قریب دھواں سا پھیل گیا۔ پھر اس دھوئیں سے کستورا کا بھیانک چہرہ نمودار ہوا۔
''کیا حکم ہے مہاراج۔'' کستورا کے منہ سے مودبانہ انداز میں کھڑکھڑاتی ہوئی آواز خارج ہوئی۔
''کستورا..... فوراً تا ٹیگر کے فلیٹ پر پہنچو اور تا ٹیگر کے ساتھ ساتھ نوازش کو پکڑ کر نصف دھڑ تک فرش میں دفن کر دو۔''
''بہت بہتر مہاراج۔'' کستورا نے کہا۔
کھتری جو کہ کالی داس ہی تھا' اس نے کستورا کو مزید چند ہدایات دیں اور کستورا کا بھیانک چہرہ دھوئیں میں غائب ہوگیا۔ پھر دوبارہ آئینہ نکال کر چندریکا کی کھوپڑی کو طلب کر لیا۔
''نادرہ کی اب کیا حالت ہے۔ تفصیل سے بتاؤ۔'' اس نے چندریکا سے کہا۔
''مہاراج.... آپ کے حکم پر بلوچ اور اس کے ساتھی نے اسے بنارس کی ایک عمارت کے تہ خانے میں قید کر دیا ہے اور جب نادرہ نے ہوش میں آ کر چیخنے چلانے کی کوشش کی بلوچ نے اس کے ہاتھ پاؤں بیڈ کے ساتھ باندھ کر اس کے منہ پر ٹیپ چپکا دیا۔ وہ صدمے سے روتے روتے پھر بے ہوش ہوگئی ہے۔''
''اسے اس کے کیے کی سزا مل رہی ہے۔ میں اب اسے قتل نہیں کروں گا بلکہ وہ خود ہی بیٹے کی جدائی میں تڑپ تڑپ کر مر جائے گی۔'' وہ نفرت سے کہتے ہوئے۔
''اس نے عیش و آرام کو ٹھکرا کر اپنے ساتھ برا کیا ہے۔''
پھر اس نے دوبارہ چندریکا کو مخاطب کیا۔ ''کرشن کیا پوزیشن ہے؟''
''وہ نرس رضیہ پر عاشق ہوگیا ہے مہاراج.... اس وقت بھی وہ اس کے ساتھ کمرے میں موجود ہے اسے یقین دلا رہا ہے کہ جلد ہی وہ دونوں آزادی زندگی گزار سکیں گے۔''
''بے وقوف ہے وہ۔'' کالی داس بے اختیار مسکرا
''اس کے لیے دنیا میں لڑکیوں کی کمی نہیں ہے بہر حال کر لے محبت کا تجربہ بھی۔ میں مادھوری اور نوازش کا قصہ پاک کرنے کے بعد اس کی شادی انتظام کروں گا۔ کنڈل تو قائم ہے نا۔''
''ہاں مہاراج..... فی الحال تو کنڈل جوں کا توں ہے۔ مادھوری سے کوئی خطرہ نہیں کنڈل کو۔''
''ہاہاہا.... اس کتیا کو وہاں کا پتا چلے گا تو خطرہ پیدا ہوگا نا۔'' کالی داس نے قہقہہ لگایا۔ ''فی الحال تو اسے معلوم نہیں کہ اس کا محبت کس حالت میں ہے اور مصیبت میں گرفتار ہونے والا ہے بلکہ ہو چکا ہوگا۔''
یہ کہہ کر اس نے آئینے پر پھونک ماری اور آئینہ جیب میں رکھ کر انٹرکام پر اپنے منیجر سے بولا۔
''صمدانی۔ میں باہر جا رہا ہوں۔ گاڑی بھجوا دو۔''
''رائٹ سر.... گاڑی برآمدے کے باہر موجود ہے۔'' صمدانی کی مودبانہ آواز سنائی دی۔
اس نے انٹرکام آف کیا اور اٹھ کر کمرے سے باہر آیا۔ وہ برآمدے میں پہنچا تو باہر اس کی کار موجود تھی۔ اس نے کار میں بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کیا اور کار گیٹ کی طرف بڑھا دی۔ باہر سڑک پر آ کر اس نے رفتار میں اضافہ کیا ہی تھا کہ اچانک موبائل فون کی گھنٹی بجی اور
۔ اس نے ایک ہاتھ جیب میں ڈال کر
ں نکالا اور آن کر کے کان سے لگا لیا۔
کھتری اسپیکنگ.....'' اس نے بلند آواز

ری طرف کی آواز سن کر اس کے لبوں پر
پھیل گئی۔

☆☆

لی آمد پر کیپٹن اور گن مین اٹینشن ہوگئے
کی مسکراہٹ سے آسیہ اور بھی غضب ناک
، انسان کے روپ میں کوئی شیطان تھا۔
یہ عورت کوئی بات نہیں مان رہی۔'' کیپٹن
قریب پہنچنے پر کہا۔
گی۔ مانے گی کیپٹن..... کیوں نہیں مانے
نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا۔
یہ خود کو بے گناہ اور ہمارا ہم وطن کہہ کر ہماری
رتی ہے۔ خدا کا واسطہ دیتی ہے۔'' کیپٹن
ا۔
آخر عورت ہے نا۔'' کرنل ہنس پڑا۔ مگر
کہ اس نے اپنے لباس کے اندر کوئی خفیہ
ں کیمرا یا اہم دستاویزات چھپا رکھی ہیں اس
اتارنے سے انکار کرتی ہے۔''
''آسیہ غصے سے بولی۔ ''میرے پاس کچھ
ہے۔ پھر بھی میں تمہاری خواہش پوری نہیں
ں کرنل۔''
میں تمہیں مجبور نہیں کرتا۔ البتہ تم اعتراف
را کی ایجنٹ ریکھا کلیانی ہو۔'' کرنل نے

یہ غلط ہے۔ میرا نام آسیہ ہے اور.....''
ی سے کہا۔
ہے۔'' کرنل اس کی بات کاٹتے ہوئے
صوفے پر بیٹھ کر میرے سوالوں کے
جواب دو۔''
آسیہ پلٹ کر صوفے کی طرف بڑھ گئی۔ لیکن وہ اس سے بے خبر تھی کہ پیچھے کرنل کیا کر رہا ہے۔ وہ صوفے کے پاس پہنچی اور کرنل کی طرف منہ کر کے بیٹھتے ہوئے ایک دم چونک پڑی۔ گن بردار اور کیپٹن دروازے کی طرف جا رہے تھے۔ پھر اس نے کرنل کی طرف دیکھا ہی تھا کہ اسی لمحے کرنل نے اس کی طرف پھونک مار دی۔ دوسرے ہی لمحے اس کی زبان اور ہاتھ پاؤں سن ہوگئے۔ اس نے جلدی سے اٹھنے کی کوشش کی مگر ذرا بھی حرکت نہ کر سکی۔ اسے یوں لگا جیسے اس کے ہونٹوں سے لے کر پیروں تک جسم پتھر میں تبدیل ہوگیا ہو۔ اس نے حیران ہوتے ہوئے کچھ کہنا چاہا لیکن زبان بھی حرکت کرنے سے معذور ہو چکی تھی۔
''کیپٹن..... تم واپس آ جاؤ۔'' کرنل نے پلٹ کر کیپٹن سے کہا۔
کیپٹن دروازے کے قریب پہنچ چکا تھا۔ وہ کرنل کی آواز سنتے ہی ایڑیوں کے بل گھوما اور واپس آنے لگا جب کہ گن مین باہر نکل گیا۔ آسیہ کے دماغ میں سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ اس نے اندازہ لگا لیا کہ کرنل نے اس پر کوئی سحر پھونکا ہے جس نے اسے اتنا بے بس کر دیا تھا کہ وہ اس کا توڑ کرنے کے لیے کوئی منتر پڑھنے سے بھی لاچار ہو کر رہ گئی تھی۔ وہ صرف سن سکتی تھی اور آنکھوں کو حرکت دے سکتی تھی اور بس۔
''کیپٹن..... تم یہیں ٹھہرو۔ میں تمہیں ایک دلچسپ تماشا دکھاؤں گا۔'' کرنل نے کیپٹن سے کہا۔ ''لیکن یہ راز آؤٹ نہ ہونے پائے۔''
''رائٹ سر.... ایسا ہی ہوگا۔'' کیپٹن نے حیرت سے کہا۔
''میں نے اپنی روحانی طاقت سے اس جاسوسہ کو معذور کر دیا ہے۔ اب نہ یہ بول سکتی ہے اور نہ اپنی جگہ سے جنبش کر سکتی ہے۔ چنانچہ ہم اطمینان سے اسے بے

لباس کر کے تفتیش کا کام انجام دے سکتے ہیں۔"
"اوہ..... مگر یہ سوالوں کے جواب کیسے دے گی سر۔" کیپٹن نے آسیہ کی طرف دیکھ کر کہا۔
"ہمیں جواب کی ضرورت ہی نہیں۔" کرنل مسکرایا۔ "سب کچھ مجھے معلوم ہو چکا ہے۔ اس کا نام مادھوری ہے اور یہ را کی نمبر ون ایجنٹ ہے۔ ابھی میں ایک دوست کو بلاتا ہوں جو اس کی پیدائش تک سے واقف ہے۔ اس کے آنے پر باقاعدہ اس کی جامہ تلاشی لی جائے گی۔ تم دس جوانوں کو یہاں لے آؤ۔ مضبوط اور ہٹے کٹے سپاہی ہونے چاہئیں جو اس کی تلاشی لے سکیں۔"
اس کی بات سن کر کیپٹن پلٹا اور کرنل نے اس کے باہر جاتے ہی جیب سے چھوٹا سا موبائل فون نکال لیا۔ آسیہ پر اضطرابی کیفیت طاری تھی اور دل و دماغ میں آندھیاں چل رہی تھیں۔ وہ کرنل کی حقیقت جاننے کے لیے بے تاب تھی جو موبائل پر نمبر ملا رہا تھا۔ کرنل اس کی ذہنی کیفیت سے بے نیاز دکھائی دے رہا تھا۔ کمرے میں گہرا سناٹا طاری تھا۔ کرنل چلتے ہوئے آسیہ کے پہلو میں آبیٹھا اور موبائل کان سے لگا لیا۔
"ہیلو..... کھتری اسپیکنگ۔" سلسلہ ملنے پر موبائل سے آواز ابھری اور قریب ہونے کے سبب آسیہ کے کانوں میں بھی پہنچ گئی۔
"یار..... یہ تم ذاتیں ہی بدلتے رہتے ہو۔ کوئی اور کام نہیں تمہیں اس کے سوا۔" کرنل نے ہنس کر کہا۔
"کیا مطلب..... کون ہو تم۔" دوسری طرف کھتری کا لہجہ تلخ ہو گیا۔ آسیہ نے کالی داس کی آواز پہچان لی تھی۔
"کرنل صدام بول رہا ہوں کالی کھاس۔ ابھی گزشتہ رات تو تمہیں اپنے نئے جسم کے متعلق بتایا تھا۔" اس نے جواباً کہا۔
کرنل کا نام سن کر آسیہ کا دماغ ایک دم چخ کر رہ گیا۔
دوسرے ہی لمحے وہ کرنل کو پہچان گئی رادھا کی ،، اسے شیام کمار کا نیا نام بھی بتایا تھا۔ اب وہ سارا گئی تھی۔ اسے یقین تھا شیام کمار نے اسے پھا لیے ہی یہ سارا چکر چلایا ہے۔
"ارے ہاں.... پہلا دن ہی یادگار بن گیا شیام کمار نے پرمسرت لہجے میں کہا۔ "جانے وقت میرے پہلو میں کون ہے؟"
"لنگور کے پہلو میں حور ہی ہو سکتی ہے۔" کالی نے ہنس کر کہا۔ "تم فوج میں بھی عیاشی کر رہے
"میں نہیں کر رہا۔ لیکن دس جوانوں کو کروا ہوں عیاشی۔" شیام کمار نے آسیہ کی طرف ا
"کیونکہ اس وقت مادھوری میرے پاس اتنی اور لاچار بیٹھی ہے کہ پہلے کبھی اس قدر نہ ہوئی تھی
"ارے..... وہ تمہارے پیچھے وہاں بھی پہنچ کالی داس کے لہجے میں شدید حیرت تھی۔
"پہنچی نہیں بلکہ باقاعدہ پلاننگ کر کے اسے آنے پر مجبور کیا ہے۔" شیام کمار ہنسا۔ "مزے یہ ہے کہ وہ اپنی تمام صلاحیتوں کے باوجود پہچان سکی۔ لیکن اب شاید پہچان گئی ہو ہماری وجہ سے۔ لیکن وہ حرکت کرنے سے معذور ہے۔ سن سکتی ہے بول نہیں سکتی۔ زبان بے کار ہونے سے وہ کوئی منتر پڑھنے سے بھی لاچار ہے۔ کیا ہوا اس وقت؟"
"نہیں..... کیا کوئی خاص بات ہے؟" طرف سے کالی داس کی چونکتی ہوئی آواز ابھری۔
"ارے یار..... اس سے زیادہ خاص بات ہو گی کہ اس دن تم تماشا دیکھنے سے محروم رہ گئے نوازش کی وجہ سے میرے آدمی ناکام ہو گئے تھے آج۔" شیام کمار ہنسا۔ "آج وہ نہ صرف اکیلی منتر پڑھنے سے بھی معذور ہے۔ اس لیے اس سے مزاحمت کا ایک فی صد بھی امکان نہیں

ے جسم کی تلاشی لینے کے لیے دس جوانوں کو ا ہے۔ تم بھی آکر یہ تماشا دیکھ لو۔"
ے مجھے کیا فائدہ ہو گا؟" کالی داس نے

ان ملے گی تمہاری پیاسی آتما کو۔"
ں میں لطف و تسکین کو کون سی بات ہے۔ میں شیام کمار۔"
ہے تمہاری عقل پر۔" شیام کمار ایک دم ارے پاگل کے تخم بے وقوف..... جب دس جوان مادھوری کا جسم نوچیں کھسوٹیں گے تو رہ نہیں آئے گا۔ تسکین کہیں ملے گی؟"
..... مجھے تو معاف ہی رکھو یار میں روحانی انے کی کوشش کرتا ہوں اور اسی سلسلے میں جا رہا ہوں۔"
ران.......؟ کیا چڑیا گھر میں جانوروں سے حاصل کرنے؟" شیام کمار ہنسا۔
گھر میں جانوروں سے نہیں احمق آدمی۔ وہاں ماتحت کے گھر جا رہا ہوں جہاں ایک چوہا جال میں پھنسا ہوا ہے۔"
ہما..... تو آج کل چوہوں کو پھانس رہے ہو۔" مار نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا۔ "کہیں ار مہم تو شروع نہیں کر دی تم نے؟"
ے کھامڑ..... میں اس چوہے کی بات کر رہا ں کی چوہیا کو تم نے پھانس رکھا ہے۔" کالی نے ہنستے ہوئے کہا۔
اوہ ... نوازش.....۔" شیام کمار بے اختیار اچھل پڑا۔ کے ذہن کو بھی زبردست جھٹکا لگا۔
ان اس وقت وہ کستورا کی گرفت میں ہے اور میں ماپا نچہ کرنے جا رہا ہوں۔ اسی لیے میں تمہارے ہاں آ سکتا۔"
پھر ٹھیک ہے۔ تم ادھر چوہے کو مارو اور مجھے خوشخبری سناؤ۔ میں ادھر چوہیا کا تاج دیکھتا ہوں۔" شیام کمار نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"ارے یار ..... ایسی خطرناک چوہیا کا تاج بھی خطرناک ہوتا ہے اسی لیے اس کا جلدی سے سر کچل ڈالو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں فوجی سے موچی میں تبدیل کر ڈالے۔"
"بے فکر رہو۔ اس بار چوہے دان بہت مضبوط ہے۔ وہ قیامت تک اس سے نہیں نکل سکتی۔" شیام کمار نے بڑے غرور سے کہا۔
"تم پہلے بھی اسی خوش فہمی میں مار کھاتے رہے ہو۔ بلکہ مجھے بھی ذلیل کراتے رہے۔" کالی داس کی آواز آئی۔ "اگر تم نے آج بھی چونچلوں میں وقت ضائع کیا تو شاید تمہیں پچھتانے کا موقع بھی نہ ملے۔ اوکے۔"
شیام کمار نے منہ بنایا اور موبائل آف کرتے ہوئے غصے سے بڑبڑایا۔ "الو کا پٹھا! گدھے کی دم۔ خود کو مجھ سے زیادہ ہوشیار اور عقل مند سمجھتا ہے۔ اگر اتنا ہی طاقت ور ہوتا تو سوامی نکر جی جیسے کمزور آدمی سے شکست نہ کھاتا۔"
اسی لمحے دروازہ کھلا اور وہ چونک کر دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔ کیپٹن دس بارہ سپاہیوں کے ہمراہ اندر آ رہا تھا۔ وہ سب غیر مسلح تھے۔ چند قدم آگے آ کر انہوں نے کرنل کو سیلوٹ کیا۔
"کیپٹن..... کیا تم نے انہیں بتا دیا ہے کہ انہیں کیا کرنا ہے۔" شیام کمار کا صوفے سے اٹھتے ہوئے آسیہ سے کندھا ٹکرا گیا اور وہ جھرجھری لے کر رہ گئی۔
"نو سر..... دوسرے سپاہیوں کے سامنے بتانا مناسب نہیں تھا۔" کیپٹن نے کہا۔
شیام کمار نے سر ہلایا۔ پھر سپاہیوں سے بولا۔ "یہ عورت را کی خطرناک ترین ایجنٹ ہے۔ ہماری انٹیلی جنس کی رپورٹ کے مطابق اس خوب صورت ناگن نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ کئی دھماکے کیے جن میں

ہمارے بے شمار شہری مارے گئے۔ ہماری بیٹیاں یتیم اور بہنیں بیوہ ہو گئیں اس لیے اس کے ساتھ جتنا بھی برا کیا جائے کم ہے۔ اسے بے لباس کر کے اس کے بدن کے انچ انچ کو ٹٹول کر حساس مقامات کی وہ مائیکرو فلم تلاش کرو جو اس کی جلد میں پوشیدہ ہے۔"

شیام کمار کا حکم سن کر کیپٹن آگے بڑھا اور آسیہ کے قریب آ کر ہاتھ بڑھایا۔ اچانک ہی صوفے کے عقب سے ایک قد آدم سیاہ جانور نے کیپٹن پر چھلانگ لگائی اور اس کے چہرے پر اپنے خونی پنجے مارتا ہوا دوسرے صوفے پر بیٹھے شیام کمار پر آ گرا۔ اس کے ساتھ ہی کمرے میں تاریکی پھیل گئی اور کیپٹن کی کرب ناک کراہوں اور شیام کمار کی اذیت ناک چیخوں سے کمرا گونجنے لگا۔

☆☆

نوازش نے بھی باہر کھڑے شخص کو دیکھا اور خوف سے اپنی جگہ ساکت ہو کر رہ گیا۔ وہ ایک دراز قامت شخص تھا جس کا چہرہ کسی جہنمی مخلوق کی طرح اتنا بھیانک تھا کہ خوف کی شدت سے ٹائیگر کی سانس رکنے لگی۔ وہ بھیانک چہرے والا عفریت نما شخص اندر آیا اور ایک ہاتھ پیچھے کر کے اس نے دروازہ بند کر دیا۔ نوازش نے ایک دم حرکت میں آ کر جیب سے ریوالور نکالا اور اس پر تان لیا۔

"ٹائیگر.... یہ کون ہے۔ کیا تم اسے جانتے ہو۔" اس نے صوفے سے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"نن.... نہیں۔" وہ ایک دم بوکھلا کر پیچھے ہٹتے ہوئے بولا اور نوازش کے پاس آ رکا۔

اس آدمی کی بھیانک صورت نے ٹائیگر پر لرزہ طاری کر دیا تھا۔ اس کی دونوں باچھیں جبڑوں تک چیری ہوئی تھیں جس کی وجہ سے نوکیلے اور لمبے دانت صاف دکھائی دے رہے تھے۔ ہونٹ موٹے اور کٹے پھٹے تھے۔ ناک کی جگہ دو سوراخ تھے۔ آنکھیں موٹی اور بے حد خوں خوار تھیں۔ آنکھوں کے ڈھیلے ابھرے ہوئے تھے جن سے درندگی جھانک رہی تھی چہرہ توے کی طرح سیاہ تھا اور پیشانی پر چھوٹا سا سینگ تھا جو کم از کم تین انچ لمبا اور ایک انچ موٹا تھا اس نے لمبا اوور کوٹ پہنا ہوا تھا جب کہ سر پر ماؤ رکھی ہوئی تھی جس میں اس کے بال چھپے ہوئے تھے

نوازش نے کبھی خواب میں بھی اتنا بھیانک دیکھا تھا۔ وہ دروازے کے پاس کھڑا قہر ناک نگاہوں سے ان دونوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"کون ہو تم؟" نوازش نے سخت لہجے میں پوچھا

"کستورا...." اس کے منہ سے کھرکھراتی ہوئی آواز خارج ہوئی۔

ساتھ ہی اس نے آگے قدم بڑھایا۔ نوازش غرایا۔ "خبردار.... اپنی جگہ کھڑے رہو۔ ورنہ گولی مار دوں گا۔"

"ہاہاہا...." اس نے بھیانک آواز میں قہقہہ لگایا "گولی مارو گے.... مار دو گولی۔"

اچانک نوازش کو خیال آیا کہ وہ کوئی ماورائی ہے اور شاید کالی داس نے اسے بھیجا ہے۔ تصدیق کے لیے اس نے کستورا کے چہرے کا نشانہ لیا اور فائر کر لیکن پھر بوکھلا گیا۔ ریوالور سے گولی برآمد نہیں ہوئی تھی۔ اس نے تیزی سے ریوالور کا چیمبر چیک کیا میں نئی گولیاں موجود تھیں۔ ٹائیگر بھی حیران تھا۔

"نوازش.... گولی چلاؤ۔" کستورا غرایا۔

"کیا تمہیں کالی داس نے بھیجا ہے؟" نوازش پریشان لہجے میں پوچھا۔

"ہاں.... میں اسی کے حکم پر تم دونوں کو فنا کر ہوں۔ کیونکہ میں اس کی غلام روح ہوں۔"

یہ سن کر ٹائیگر خوف سے کانپنے لگا۔ "تت.... روح ہو؟"

"تمہیں شک ہے غدار آدمی؟" کستورا نے گھورتے ہوئے کہا۔

نوازش نے ایک بار پھر ریوالور کا ٹریگر دبایا لیکن اس بھی اس سے گولی باہر نہ آئی۔ کستورا نے اس کی طرف دیکھا اور بولا۔

"تم ایک روح کو دنیاوی ہتھیاروں سے نہیں مار سکتے نوازش.... ریوالور پھینک دو۔"

"تم.... تم کیا چاہتے ہو؟" نوازش نے خوف زدہ لہجے میں پوچھا۔

"میں اپنے آقا کے حکم کی تعمیل کرنا چاہتا ہوں۔" کستورا آگے بڑھتے ہوئے غرایا۔

اس کے ساتھ ہی اس نے ٹائیگر پر پھونک ماری۔ دوسرے ہی لمحے ٹائیگر گھٹنوں تک فرش پر دھنس گیا۔ اس نے چیخنا چاہا لیکن دہشت سے اس کی زبان تالو سے چپک کر رہ گئی۔ نوازش نے گھبرا کر ٹائیگر کی طرف دیکھا۔ اسی لمحے اس کا بھی وہی انجام ہوا اور اس کی ٹانگیں بھی گھٹنوں تک فرش میں دھنس گئیں۔ نوازش نے بہت زور لگایا لیکن خود کو فرش سے نہ نکال سکا۔ کستورا آگے بڑھا اور صوفے پر بیٹھ گیا۔ وہ اب ان دونوں کی طرف سے بے نیاز دکھائی دے رہا تھا۔

نوازش نے ٹائیگر کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ خوف کی شدت سے پیلا زرد ہو چکا تھا اور وہ سردی لگے مریض کی طرح کانپ رہا تھا۔

"کستورا.... ہماری یہ حالت کب تک رہے گی۔" نوازش نے کستورا کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

"مہاراج کے آنے تک.... وہ آ کر فیصلہ کریں گے کہ کیا کرنا ہے۔" اس نے بھیانک انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

نوازش اس کی بات سن کر بے اختیار چونک پڑا۔ "وہ کب تک آئے گا؟"

"معلوم نہیں.... ہوسکتا ہے وہ پہنچنے ہی والے ہوں۔" کستورا نے کہا۔ "لیکن ان کے آنے تک میں یہاں موجود رہوں گا۔ اس لیے مجھ سے نجات کی امید مت رکھنا۔"

نوازش کچھ نہ بولا۔ وہ بری طرح بے بس ہو چکا تھا۔ کستورا کے سحر سے آزاد ہونا اس کے بس میں نہیں تھا۔ صرف آسیہ ہی اس کے سحر کا توڑ کر سکتی تھی۔ لیکن آسیہ کے فوری آنے کی بھی توقع نہیں تھی اسے۔ وہ جانتا تھا کہ آسیہ مکان حاصل کرنے میں مصروف ہوگی اور جب تک اسے پتا نہیں چلے گا کہ وہ مصیبت میں مبتلا ہے آسیہ نہیں آئے گی۔ اسے اطلاع دینے کے لیے اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر موبائل فون نکالا اور آسیہ کے موبائل کے نمبر ملائے۔

کئی لمحے گزر گئے مگر آسیہ نے کال وصول نہ کی۔ اس نے مایوس ہو کر موبائل آف کر دیا اور سوچنے لگا کہ آسیہ سے رابطہ کیوں قائم نہیں ہوا۔ چند منٹ بعد دروازہ کھلا اور ایک آدمی اندر آیا۔ اسے دیکھ کر ٹائیگر چونکا۔

"باس.... آپ؟" ٹائیگر کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"ہاں غدار کتے۔" وہ آدمی بولا۔ "میں تمہیں تمہاری غداری کی سزا دینے آیا ہوں۔"

نوازش سمجھ گیا کہ وہ کالی داس ہی ہے۔ ٹائیگر کے منہ سے جواباً ایک لفظ بھی نہ نکل سکا تھا۔ نوازش نے کالی داس کو گھورتے ہوئے کہا۔

"کالی داس.... تمہاری خیریت اسی میں ہے کہ ہمیں کستورا کے سحر سے آزاد کر دو۔ ورنہ...."

"دھمکی مت دو نوازش.... دھمکیوں کا زمانہ جا چکا ہے۔" کالی داس نے نخوت سے سر جھٹک کر کہا۔

"کیوں.... اب کون سا فرمان آ گیا ہے جو تم اتنے مغرور ہو رہے ہو؟" نوازش نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔

"تمہاری اور آسیہ کی بربادی کا زمانہ ہے۔" کالی داس ہنسا۔ "تم آج جس قدر بے بس ہو اس سے تمہیں

یقین کر لینا چاہیے کہ اب تم صرف چند منٹ کے مہمان ہو اس دنیا میں اور اس کے بعد.....“ اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

”اور اس کے بعد میں دوسری دنیا میں پہنچ جاؤں گا۔ یہی مطلب ہے نا تمہارا؟“ نوازش نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

”نہیں تو..... کس احمق نے کہا ہے کہ تم دوسری دنیا میں پہنچ جاؤں گے۔“ کالی داس نے منہ بنایا۔ ”نہیں پیارے دشمن..... تم اسی دنیا میں رہو گے۔ میں تمہیں دوسری دنیا میں ہرگز نہیں جانے دوں گا اور اپنے پاس ہی رکھوں گا۔ مگر اپنا غلام بنا کر۔“

”کیا مطلب؟“ نوازش نے اسے گھورا۔ ”تم اور مجھے غلام بناؤ گے؟“

”تمہیں نہیں، تمہاری روح کو غلام بناؤں گا اپنا۔“ کالی داس نے تیزی سے کہا۔ ”پھر اسے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے استعمال کروں گا۔“

”تم ایسا نہیں کر سکتے کالی داس۔“ نوازش غرایا۔

”کیوں نہیں کر سکتا۔ میرے ذہن میں جب کوئی منصوبہ جنم لیتا ہے تو میں فوراً اس پر کام شروع کر دیتا ہوں۔ تمہاری روح کو تابع کرنے کا خیال میرے ذہن میں آج ہی آیا ہے۔ یہ سنہری موقع میں ہاتھ سے نہیں جانے دوں گا۔ آج تو تمہیں مادھوری بھی نہیں بچا سکے گی۔“

”کیوں..... آج کیا وہ تمہاری قید میں ہے۔“ نوازش چونکا۔

”نہیں..... آج وہ فوج کی گرفت میں ہے اور فوج کی گرفت سے نکلنا آسان نہیں ہوتا۔ کیونکہ فوج نہ رشوت لیتی ہے اور نہ حسن کا نذرانہ قبول کرتی ہے۔“

”تم جھوٹ بکتے ہو۔“ نوازش نے غصے سے کہا۔ ”فوج بھلا اسے گرفت میں لے کر کیا کرے گی۔“

”وہ..... وہ تمہاری غیرت و عزت کو پامال کر رہی ہے اور تم پوچھتے ہو فوج کیا کرے گی۔“ کالی داس نے سر جھٹک کر کہا۔ ”ارے وہ مادھوری کا پرانا عاشق شیام کمار کرنل کے روپ میں اپنے دس بارہ جوانوں کے ذریعہ اس کی عزت پامال کر رہا ہے۔“

یہ سن کر نوازش کی ہڈیاں تک سلگ اٹھیں۔ اسے فوراً خیال آیا کہ آسیہ نے اس کی کال کیوں وصول نہیں کی تھی۔ یقیناً وہ فوج کی گرفت میں بے بس ہو گی اور شیام کمار انتقاماً اس کی عزت و آبرو کے پرزے اڑا رہا ہو گا۔ نوازش کے لیے یہ سب کچھ ناقابل برداشت تھا۔

”نہیں۔“ وہ غضب ناک آواز میں چیخا۔ ”تم جھوٹے مکار مجھے فریب میں مبتلا کر رہے ہو۔“

”بکومت.....“ کالی داس بھی غرایا۔ ”مجھے شیام کمار نے دعوت دی تھی کہ میں چھاؤنی آ کر آسیہ کی عزت لٹنے کا تماشا دیکھوں۔ لیکن میں اس غدار کو سزا دینے کے لیے بے تاب تھا۔ بہرحال تمہیں یقین نہیں تو میں ابھی شیام کمار سے تمہاری بات کرا دیتا ہوں۔“

اس نے خاموش ہو کر جیب سے موبائل فون نکالا اور اس پر نمبر ملا کر انتظار کرنے لگا۔ کئی لمحے گزر گئے لیکن رابطہ قائم نہ ہو سکا۔ اس نے حیران ہوتے ہوئے دوبارہ نمبر ملائے۔ لیکن اس بار بھی کوئی جواب نہ ملا بیل جا رہی تھی لیکن شیام کمار کال ریسیو نہیں کر رہا تھا کالی داس کے ذہن میں فوراً ہی ایک خدشے نے سر ابھارا اور اس نے موبائل جیب میں رکھ کر دوسری جیب سے آئینہ نکال لیا۔ ٹائیگر خوف زدہ نگاہوں سے کالی داس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ نوازش کی پریشانی سے بری حالت ہو رہی تھی۔ کستورا مؤدبانہ انداز میں کھڑا کالی داس کی طرف متوجہ تھا۔

کالی داس نے آئینے پر منتر پھونکا اور اس میں چندریکا کی کھوپڑی کا عکس دیکھ کر بولا۔ ”چندریکا..... شیام کمار میری کال کیوں نہیں سن رہا ہے؟“

”مہاراج..... اس کے پاس فون نہیں ہے۔

...کا کی کھوپڑی سے آواز آئی۔

...مگر چند منٹ پہلے تو تھا۔ ادھر آتے ہوئے راستے اس نے مجھے اپنے موبائل سے ہی کال کیا تھا۔“ ...الی داس نے کہا۔ ”پھر کہاں گیا اس کا موبائل۔“

”موبائل اس کے لباس کی جیب میں ہے ...اج۔“

”ہائیں..... تو کیا وہ بہرا ہو گیا ہے جو اسے گھنٹی نہیں ...دیتی۔ میں نے دو بار کال کیا ہے اسے۔ کیا اس ...نے لباس اتارا ہوا ہے؟“

”مہاراج..... لباس اس کے جسم پر تو ہے مگر وہ خود جسم ...سے جدا ہے۔“ چندریکا نے جواب دیا۔

”جسم سے جدا ہے؟“ کالی داس نے متحیرانہ لہجے ...دہرایا۔ ”کیوں..... کیا اس نے کرنل صدام کا جسم ...چھوڑ کر کوئی اور جسم اپنا لیا ہے؟“

”فی الحال وہ جسم کے بغیر ہی ہے مہاراج۔“ چندریکا ...کی کھوپڑی بولی۔

”عجیب بات ہے..... بہرحال تم بتاؤ۔ اس نے ...مادھوری کا کیا حشر کیا ہے تاکہ نوازش کو یقین آ جائے کہ ...میں نے غلط نہیں کہا۔“ کالی داس نے ناگواری سے کہا۔ ”...کیا فوجی جوانوں نے اس کا بدن پامال کر دیا ہے۔“

”نہیں مہاراج..... وہ بچ گئی ہے۔“ چندریکا نے کہا۔

...کالی داس بے اختیار اچھل پڑا۔ ”کیا مطلب..... ...تفصیل بتاؤ۔“

”مہاراج..... مادھوری نے فوجی کیپٹن کو مار ڈالا ہے ...شیام کمار کا جسم بھی ادھیڑ دیا ہے۔ وہ بہ مشکل اپنے ...سے نکل کر فرار ہوا ہے۔“

”اوہ.....“ کالی داس نے مضطربانہ لہجے میں کہا۔ ”اور..... اور مادھوری کہاں ہے؟ کیا فوجیوں نے اسے ...گرفتار نہیں کیا؟“

”جی ہاں..... انہوں نے مادھوری کے بے جان جسم ...گرفتار کیا ہے۔ مادھوری کی روح آزاد ہے۔“

”مگر..... مگر شیام تو کہہ رہا تھا کہ اس نے مادھوری کو بے بس کر رکھا ہے اور وہ زبان تک نہیں ہلا سکتی۔ پھر.....؟“

”مہاراج..... دراصل شیام کمار سے غلطی ہو گئی تھی۔ وہ مادھوری کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔ لیکن اٹھتے وقت اس کا کندھا مادھوری کے جسم سے ٹکرا گیا جس کی وجہ سے مادھوری پر اس کا سحر زائل ہو گیا تھا۔“

”خیر..... وہ تو بچ گئی..... لیکن نوازش نہیں بچ سکے گا۔“ کالی داس نے جبڑے بھینچتے ہوئے کہا۔

اس کے ساتھ ہی اس نے آئینے پر پھونک ماری اور آئینہ جیب میں رکھ لیا۔ اس نے غضب ناک نگاہوں سے نوازش کی طرف دیکھا۔ نوازش چندریکا سے اس کی گفتگو سننے کے بعد مطمئن ہو چکا تھا کہ آسیہ شیام کمار کی گرفت سے آزاد ہو گئی ہے۔

”کالی داس.....؟“ اس نے طنزیہ انداز سے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”میں نے کہا تھا نا کہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔“

”ہاں..... لیکن تمہاری موت جھوٹ نہیں ہو گی۔ پہلے میں اس غدار کو سزا دے دوں۔“ اس نے ٹائیگر کو گھورا۔ پھر وہ ایک دم غرایا۔ ”کستورا.....“

”حکم مہاراج۔“ کستورا نے تیزی سے کہا۔

”ٹائیگر کو چھت کے ساتھ الٹا لٹکا دو۔“ کالی داس نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

اس کا حکم سن کر کستورا نے کچھ پڑھ کر ٹائیگر کی طرف پھونک ماری۔ دوسرے ہی لمحے ٹائیگر کے گرد دھواں سا پھیل گیا اور وہ اس دھوئیں میں چھپ گیا۔ پھر وہ دھواں بلند ہونے لگا۔ چھت کے قریب پہنچ کر دھواں رکا۔ پھر منتشر ہو گیا۔ دوسرے ہی لمحے نوازش حیران رہ گیا۔ ٹائیگر بغیر کسی رسی یا زنجیر کے چھت کے ساتھ اس طرح لٹکا ہوا تھا جیسے کسی غیبی قوت نے اسے پیروں سے پکڑ کر لٹکا رکھا ہو۔ اس کے پاؤں چھت سے تین

فٹ نیچے آپس میں یوں ملے ہوئے تھے جیسے کسی نادیدہ رسی سے بندھے ہوئے ہوں۔ اس کا سر فرش سے تقریباً چار فٹ بلند تھا اور دونوں بازو بے جان انداز میں لٹک رہے تھے جب کہ آنکھیں بند تھیں۔

یقیناً وہ خوف کی شدت سے بے ہوش ہو چکا تھا۔ نوازش کو اس پر ترس آنے لگا۔ کالی داس اس کے قریب آیا اور اس کے سر کے بال پکڑ کر جھٹکا دیتے ہوئے غرایا۔

''ہاں.... اب بولو۔ تم نے میرے حکم کی تعمیل کرنے سے گریز کیوں کیا؟ میری نافرمانی کیوں کی؟''

ٹائیگر نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ واقعی بے ہوش تھا۔ نوازش کو کالی داس پر بہت غصہ آیا۔ اس نے غضب ناک لہجے میں کہا۔

''کالی داس..... یہ بے ہوش ہے۔ اسے چھوڑ دو۔ اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔''

''ہاہاہا۔'' کالی داس اس کی طرف دیکھ کر ہنسا۔ ''بے فکر رہو بادھوری کے یار۔ ابھی تمہارا بھی یہی حال کیا جائے گا۔ گھبراتے کیوں ہو۔''

پھر اس نے کستورا کی طرف دیکھ کر تحکمانہ لہجے میں کہا۔ ''کستورا۔ تمہارے ناخن کافی تیز اور نوکیلے ہیں۔ کبھی تم نے کسی ایسے قصاب کو دیکھا ہے جو کند چھری سے بکرے کی کھال اتارنے کی کوشش میں معروف ہو۔''

''ہاں مہاراج.... ایک بار دیکھا ہے کھال اترتے۔'' کستورا نے کہا۔

''بس تو تم اپنے ہاتھوں سے ٹائیگر کی کھال اتارو۔ اس کے بعد نوازش کا نمبر ہے۔''

کستورا دونوں ہاتھ دراز کیے آگے بڑھا۔ اس کے ہاتھوں کے ناخن ایک ایک انچ لمبے اور عقاب کے ناخنوں کی طرح مڑے ہوئے تھے۔ ٹائیگر کے پاس پہنچ کر وہ رکا۔ کالی داس کی نگاہیں اس پر مرکوز تھیں۔ وہ بڑی دلچسپی سے کستورا کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اسے اپنی طرف سے غافل پا کر نوازش نے آخری کوشش کے طور پر جیب سے ریوالور نکالا اور کالی داس کی کھوپڑی کا نشانہ لے کر فائر کر دیا۔ اسی لمحے کالی داس نے غیر ارادی طور پر چہرہ گھما کر نوازش کی طرف دیکھا اور بے آواز ریوالور کی گولی اس کی گردن کے آر پار ہو گئی۔

کالی داس کے حلق سے گھٹی گھٹی سی کرب ناک چیخ خارج ہوئی اور وہ لڑکھڑا کر فرش پر گر گیا۔ کستورا نے پلٹ کر کالی داس کی طرف دیکھا۔ کالی داس فرش پر تڑپتے ہوئے بہ مشکل بولا۔

''کس.... کستو.... را..... اس نابکار کو بھسم.... بھسم کر ڈالو۔''

''مہاراج..... اس کے گلے میں نقش والی تختی ہے۔ اس پر آگ اثر نہیں کرے گی۔'' کستورا نے مودبانہ لہجے میں کہا۔

''ارے نابکار۔ اسے فرش میں پورا..... پورا.. دفن.... کر دو نقش سمیت۔'' کالی داس تڑپتے ہوئے اٹک اٹک کر بولا۔

کستورا نے جلدی سے نوازش پر سحر پھونکا اور نوازش کا سینے تک جسم فرش میں سما گیا۔ اس سے اوپر نقش لٹک رہا تھا جس کی وجہ سے وہ پورا دفن نہ ہو سکا۔ کستورا نے کالی داس سے کچھ کہنا چاہا۔ مگر اسی لمحے دروازے کے پاس سے کوئی سیاہ جانور اڑتے ہوئے کستورا پر آ گرا کستورا چیخا اور ایک دم غائب ہو گیا۔

وہ جانور سیاہ رنگ کی قد آدم اور خوں خوار بلی تھی کستورا کے غائب ہوتے ہی بلی کالی داس کی طرف جھپٹی اور اسی لمحے کالی داس کے منہ سے آخری ہچکی خارج ہو گئی۔ بلی نے اس کی گردن جبڑوں کی گرفت میں لی اور چبانے لگی۔

نوازش حیرت سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ ایک دو لمحوں بعد ہی بلی نے کالی داس کی گردن چھوڑ دی اور ایک دم غائب ہو گئی۔

☆☆

...ٹ میں موجود نوجوان اور خوب صورت لڑکی تنہا تھی ...ٹ پانچویں منزل سے نیچے آ رہی تھی۔ مگر تھرڈ فلور ...ٹ اچانک رک گئی۔ اس کے ساتھ ہی لڑکی نے ...م اپنے دونوں ہاتھ گلے پر رکھ کر چیخنے کی کوشش کی ...اس کے حلق سے آواز نہ نکل سکی۔ نادیدہ ہاتھوں ...عقب سے اس کی گردن دبوچ رکھی تھی اور لڑکی کا ...ہا جا رہا تھا۔ چند لمحوں بعد ہی اس کا بے جان جسم ...ٹ کے فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ مگر صرف دو سیکنڈ کے ...تیسرے سیکنڈ پر اس کے جسم میں حرکت ہوئی اور ...بھل کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے تیزی سے لفٹ کا ...دروازہ کھولا اور باہر نکل آئی۔

...وئی نہ تھا۔ وہ سامنے والے فلیٹ کی طرف ...اس فلیٹ کا دروازہ بند تھا۔ اس نے دھکا دیا ...دہ کھل گیا اور وہ فلیٹ میں داخل ہو گئی۔ سامنے ...ش سینے تک فرش میں دھنسا ہوا نظر آ رہا تھا۔ ...کھ کر نوازش نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔ نہ ...لون تھی۔ اس نے نوازش کی حالت اور ٹائیگر کا ...م دیکھا لیکن حیرت انگیز طور پر اس کا چہرہ ہر قسم ...ات سے عاری رہا۔ اس پر نوازش کو اور بھی ...ہوئی۔ وہ سوچنے لگا کہ یقیناً وہ کوئی بے حس قسم کی ...۔ وہ ساکت نگاہوں سے نوازش کے سینے کی ...رہی تھی۔ نوازش نے سر جھکا کر اپنے سینے پر ...

...چانک ہی نوازش کا جسم خود بہ خود فرش سے نکل ...س نے حیرت سے لڑکی کی طرف دیکھا لیکن لڑکی ...طرف پشت کیے ٹائیگر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ...وں بعد ٹائیگر کا الٹا جسم ایک دم سیدھا ہوا اور فرش پر پہنچ کر دراز ہو گیا۔ تب نوازش کے ...پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ اسے پہچان گیا تھا۔ ...کی کی شکل اس کے لیے اجنبی تھی لیکن اسے یقین تھا اس کے بدن میں آسیہ ہی ہے۔

''مجھے ذرا دیر ہو گئی ڈیئر۔'' وہ نوازش کی طرف پلٹ کر مسکرائی۔

''نو پرابلم.... میں جانتا ہوں تم شیام کمار کے چنگل میں پھنسی ہوئی تھیں۔'' نوازش نے فرش پر پڑے کالی داس کے بے جان جسم پر نظر ڈالی۔ ''بہرحال تم ٹھیک وقت پر پہنچی ہو۔ دیر آید درست آید۔ میں سمجھ رہا تھا کہ شاید تم کستورا کے تعاقب میں گئی ہو۔''

''نہیں.... میں نے اسے جانے دیا۔ مجھے تمہاری فکر تھی کہ فرش میں دھنسنے سے تم بہت تکلیف میں ہو گے۔ ہاں تم درست حالت میں ہوتے تو میں کم از کم کالی داس کا پیچھا ضرور کرتی۔ ادھر میں نے اس پر حملہ کیا ادھر وہ جسم چھوڑ کر نکل بھاگا۔''

''یہ نیا جسم کہاں سے لیا؟'' نوازش نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''کیسا ہے؟'' ''سیکسی ہے نا؟'' آسیہ نے شوخ لہجے میں کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''زبردست۔'' نوازش کے بدن میں چنگاریاں سی پھوٹنے لگیں۔ ''تمہارا ہر روپ ہی قیامت خیز ہوتا ہے ڈارلنگ۔''

''مسکہ لگا رہے ہو ڈیئر۔'' وہ ہنس پڑی۔

''نہیں یار۔ رئیلی! کہو تو قسم کھاؤں۔'' نوازش نے اپنائیت سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''ارے..... ارے.... تم واقعی جذبات میں آ رہے ہو۔'' وہ تیزی سے بولی۔ ''یہاں سے چلنے کی فکر کرو۔ میں نے جس لڑکی کا جسم اختیار کیا ہے وہ لفٹ میں تھی اور شاید اوپر کے فلور پر رہتی تھی۔ نیچے اگر اس کے باپ یا بھائی نے مجھے تمہارے ساتھ دیکھ لیا تو مجھے مار دیں گے یا تمہیں.....''

''ٹائیگر کا کیا کریں۔ اس نے مجھ پر اعتماد کیا تھا۔'' نوازش نے ٹائیگر کے بے ہوش جسم کی طرف اشارہ

کیا۔ ''میں نے اسے ودمست بنایا ہے۔ بڑا جی دار آدی ہے۔ میری وجہ سے ہی کالی داس اس کی کھال اتروا رہا تھا اور میں نے اسے گولی ماردی تھی۔''

''کستورا پر تو گولی نے اثر نہیں کیا ہوگا۔'' آسیہ نے پوچھا۔

''گولی چلی ہی نہیں.... اس نے نہ جانے میرے ریوالور پر کوئی سحر پھونکا تھا کہ ٹریگر دبانے کے باوجود ریوالور سے گولی نہ نکلی۔''

''خیر.... پھر چلتے ہیں۔ ٹائیگر کو ہوش آجائے گا۔ پھر اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کریں گے۔ فی الحال تو ہمیں رہائش کا انتظام کرنا ہے۔''

''تو کیا تم نے ابھی تک انتظام نہیں کیا۔'' نوازش نے پوچھا۔

''کہاں۔'' وہ مسکرا دی۔ ''ایک پراپرٹی ڈیلر کے پاس گھر دیکھنے جا رہی تھی کہ شیام کمار کے ماتحت فوجیوں نے جاسوسی کے الزام میں پکڑ لیا اور ملیر چھاؤنی لے گئے جہاں وہ خبیث کرنل صدام بنا ہوا تھا۔'' وہ اختصار کے ساتھ سارا قصہ بیان کرنے لگی۔ وہ خاموش ہوئی ہی تھی کہ ٹائیگر کو ہوش آ گیا اور وہ آنکھیں کھول کر حیرت سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ پھر آسیہ کو دیکھ کر چونکتے ہوئے اٹھ بیٹھا۔

''ٹائیگر.... یہ میری وائف ہے۔'' نوازش نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کیا.... کیا.... یہ مر گیا ہے۔'' اس نے کالی داس کے بے جان جسم کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں.... اس جسم میں سے کالی داس کی روح نکل گئی ہے۔ اب وہ کوئی اور جسم اختیار کرلے گا۔'' نوازش بولا۔ ''بہرحال اب تم اسے ٹھکانے لگانے کا انتظام کرو۔ ہم ایک ضروری کام سے جا رہے ہیں۔ میں بعد میں فون پر تم سے بات کرلوں گا۔''

پھر نوازش اور آسیہ ٹائیگر کے فلیٹ سے نکل کر نیچے آئے جہاں نوازش کی کار کھڑی تھی۔ آسیہ اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی اور نوازش گلشن اقبال کی طرف کار دوڑانے لگا۔ چند منٹ بعد وہ گلشن پہنچ گئے۔ وہاں پراپرٹی ڈیلر اقبال نے ان کی پذیرائی۔ نوازش نے اس سے فرنشڈ مکان دکھانے کو کہا تو ڈیلر نے کہا

''جی ہاں۔ ایک بنگلہ ہے۔ صبح ایک خاتون نے ا... کی تھی اس کے لیے۔ لیکن وہ نہیں آئیں نہ دوبارہ... کیا۔ اب میں ان کا پابند نہیں ہوں۔ شاید ان کی قسمت میں نہیں تھا۔ ورنہ ایسے خوب صورت گھر تو مقدر والوں کو ملا کرتے ہیں۔''

نوازش نے آسیہ کی طرف دیکھا اور مسکرا دیا۔

☆☆

بنگلہ جدید طرز تعمیر کا حامل تھا اور فرنیچر سمیت ضروریات زندگی کی ہر شے وہاں موجود تھی۔ انہیں کھانے پینے کی اشیا کے سوا کچھ بھی نہ خریدنا پڑا۔ ا... کی معرفت ہی ایک چوکیدار اور گھر کا کام کاج کرنے والی ماسی کا انتظام کیا گیا تھا۔ اس وقت شام کے سات بج رہے تھے۔ وہ دونوں ڈرائنگ روم میں بیٹھے گپ... کر رہے تھے کہ ماسی ان کے لیے چائے بنا کر لے آئی۔ اس کا نام رانی تھا۔ عمر چوبیس پچیس برس کے قریب تھی۔ شادی کو تین برس گزر چکے تھے لیکن ا... سے محروم تھی۔ اس کا شوہر بھی محنت مزدوری کرتا تھا۔ وہ گلشن کی ایک کچی آبادی میں کرائے کے چھوٹے مکان میں رہتے تھے۔ رانی قریب کے دو بنگلوں میں بھی کام کرتی تھی۔

آسیہ نے اسے آمادہ کرلیا تھا کہ وہ دوسری جگہوں سے کام چھوڑ کر مستقل یہاں آجائے تو اسے تنخواہ دی جائے گی۔ رانی کو دوسرے دو گھروں سے ماہانہ پندرہ سو روپے ملتے تھے۔ لیکن جب آسیہ نے اسے چار ہزار روپے ماہانہ کی آفر کی تو وہ بے حد خوش ہوئی اور وہ اسی وقت پہلے دو گھروں کو جواب ا...

دوسرا ملازم چوکیدار ادھیڑ عمر کا پٹھان تھا۔ وہ فوج کا ریٹائرڈ سپاہی تھا۔ صحت اچھی تھی۔ اس کے بیوی بچے صوبہ سرحد کے کسی گاؤں میں رہتے تھے۔

''بیگم جی رات کے کھانے کے لیے کیا پکانا ہے؟'' رانی نے انہیں چائے پیش کرنے کے بعد آسیہ سے کہا۔

''کھانا ہم باہر کھائیں گے آج۔'' آسیہ نے جواب دیا۔ ''کیا تم کو گھر جانا ہے؟''

''ابھی تو نہیں' آٹھ بجے جاؤں گی۔ میرا شوہر مجھے لینے آئے گا۔'' رانی نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے۔ ہم باہر جا رہے ہیں۔ جب تمہارا شوہر آئے تو چلی جانا۔ مگر چوکیدار کو بتا کر جانا۔''

رانی سر ہلا کر کمرے سے نکل گئی۔ اس کے جانے کے بعد نوازش نے پوچھا۔ ''ڈارلنگ.... کہاں کا پروگرام ہے۔''

''نادرہ کو کالی داس کی گرفت سے آزاد کرانے کی کوشش کریں گے۔'' آسیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''میں ادھا سے میں معلوم کر چکی ہوں کہ کالی داس نے اسے کہاں چھپا رکھا ہے۔ تم جلدی سے تیار ہو جاؤ۔''

نوازش جلد ہی تیار ہو گیا۔ پھر آسیہ کے ہمراہ کار میں بیٹھ کر روانہ ہو گیا۔

☆☆

تیز رفتار کار ڈیفنس فیز ٹو کی ایک اسٹریٹ پر پہنچی اور کچھ ہی دیر میں بائیں ہاتھ کی ایک عمارت کے گیٹ پر رک گئی۔ گیٹ کے ساتھ لگی نیم پلیٹ پر بنگلے کا نام ''ڈوگر ہاؤس'' نظر آ رہا تھا۔ اس وقت جب کہ گیٹ بند تھا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے دراز قامت اور قوی الجثہ شخص نے ہارن بجایا اور چند لمحوں میں گیٹ کھل گیا۔ گیٹ کھولنے والا باوردی اور مسلح گارڈ تھا۔ اس نے دراز قامت شخص کو سلام کیا اور ایک طرف ہٹ گیا۔ کار اندر آئی اور برآمدے کے سامنے رک گئی۔ اسی لمحے عمارت کے اندر سے ایک خوب صورت اور جوان عورت برآمدے میں پہنچی اور رک کر مسکراتے ہوئے دراز قد شخص کو دیکھنے لگی جو انجن بند کر کے کار سے اتر آیا تھا۔ وہ برآمدے کی طرف بڑھا۔

''ہیلو ارشد....'' عورت نے اسے مخاطب کیا۔ ''خیریت تو ہے۔ آج تو تم بہت جلدی آ گئے ہو کورٹ سے۔''

''ہاں بیگم۔'' دراز قامت شخص نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''ایک دو کیس تھے مگر متعلقہ جج چھٹی پر تھا۔ اس لیے میرا وہاں بیٹھنا فضول تھا۔''

وہ بیگم کے ساتھ چلتے ہوئے ڈرائنگ روم میں آیا اور صوفے پر بیٹھ کر ٹائی کی گرہ ڈھیلی کرنے لگا۔ بیگم اس کے سامنے بیٹھ گئی۔

''کیا تم کہیں جانے والی ہو؟'' ارشد نے پوچھا۔

''ہاں.... خالہ کو دل کا دورہ پڑا ہے صبح۔ وہ ایک پرائیویٹ کلینک میں ایڈمٹ ہیں۔ خالو کا فون آیا تھا۔'' بیگم نے کہا۔ ''اب اتفاق سے تم آ ہی گئے ہو تو میرے ساتھ چلو۔''

''نہیں..... مجھے ایک اہم کیس کی تیاری کرنی ہے۔ پھر تین بجے سپریم کورٹ پہنچنا ہے۔'' ارشد بولا۔ ''تم چلی جاؤ۔''

''اچھا.... میں ملازمہ کو تمہارے لنچ کا کہے جاتی ہوں۔'' بیگم اٹھتی ہوئی بولی۔

''رہنے دو..... مجھے بالکل بھوک نہیں ہے۔ صرف چائے پیوں گا۔ تھوڑی دیر بعد۔'' وہ تیزی سے بولا۔

''ٹھیک ہے۔ میں شام تک لوٹ آؤں گی۔'' بیگم نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

پھر وہ دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ اس کے جانے کے بعد ارشد کچھ سوچنے لگا۔ دو تین منٹ بعد باہر سے کار اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی تو اس نے گہرا سانس لیا۔ پھر اس نے ملازمہ کو آواز دی۔ چند لمحوں بعد ایک ادھیڑ عمر ملازمہ اندر آئی۔

”میں مصروف ہوں۔ کوئی مجھے ڈسٹرب نہ کرے۔“ ارشد نے سخت لہجے میں کہا۔

”بہت بہتر صاحب۔“ ملازمہ نے کہا۔

وہ پلٹ کر کمرے سے نکل گئی۔ ارشد نے اٹھ کر دروازہ بند کیا۔ پھر کمرے سے اٹیچڈ اپنے اسٹڈی روم میں آیا اور ریوالونگ چیئر پر بیٹھ کر میز پر رکھے فون کا ریسیور اٹھا لیا۔ اس نے نمبر ملائے اور انتظار کرنے لگا۔

”ہیلو..... عامر اسپیکنگ۔“ سلسلہ ملنے پر آواز آئی۔

”کیا یہ نیشنل ٹریولنگ ایجنسی سے ہے؟“ اس نے پوچھا۔

”جی ہاں..... حکم فرمائیے۔“ دوسری طرف سے کہا گیا۔

”میں ارشد ڈوگر ایڈووکیٹ بات کر رہا ہوں۔“ اس نے بتایا۔ ”کیا آپ لندن کے لیے ویزے کا انتظام کر سکتے ہیں؟“

”جی ہاں..... ہو جائے گا۔ لیکن اس میں ایک ہفتہ لگ جائے گا۔“

”کیا جلدی نہیں ہو سکتا۔“ اس نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

”جلدی بھی ہو تو تب بھی کم از کم تین دن تو ضرور لگیں گے سر۔“ عامر نامی شخص کی آواز آئی۔ ”کیا پاسپورٹ تیار ہے۔“

”نہیں..... لیکن ارجنٹ بنوا لیا جائے گا۔“ ارشد بولا۔

”ٹھیک ہے۔ آپ جب پاسپورٹ ہمیں پہنچا دیں گے ہم اپنا کام شروع کر دیں گے۔“

اس کے ساتھ ہی اس نے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔ پھر جیب سے سگریٹ نکالا اور ایک سگریٹ سلگایا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔

”ہیلو..... ڈوگر بول رہا ہوں۔“ اس نے ریسیور اٹھا کر کہا۔

”انسپکٹر اسلم خان بول رہا ہوں وکیل صاحب۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”میرے کیس کا کیا بنا؟“

”کون سا کیس؟“ اس نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

”ارے..... بھول گئے آپ..... کمال ہے۔“ انسپکٹر نے حیرت سے کہا۔

”اوہ..... سوری انسپکٹر۔ میں کسی اور خیال میں تھا۔“ ارشد نے تیزی سے کہا۔ ”آپ بے فکر رہیں۔ جلد ہی آپ کو خوش خبری سناؤں گا۔“

”شکریہ ڈوگر صاحب..... میرے لائق کوئی خدمت۔“

”ہاں یاد آیا..... مجھے ایک ارجنٹ پاسپورٹ بنوانا ہے۔ آپ اس سلسلے میں میری کیا مدد کر سکتے ہیں؟ وہ تین دن میں بن جائے گا۔“

”آج کل ارجنٹ پاسپورٹ بھی ایک مہینے سے پہلے نہیں ملتے صاحب۔“ انسپکٹر نے ہنستے ہوئے کہا۔ ”بہرحال آپ کو دو تین دن میں چاہیے تو آپ کو اپنا نام بدلنا پڑے گا۔ میرے پاس چند پاسپورٹ ہیں جو بعض ملزموں سے لیے تھے۔ تصویر بھی تبدیل کرنا ہو گی۔“

”ٹھیک ہے۔ آپ کسی کے ذریعے مجھے بھجوا دیں۔“ ارشد نے کہا۔ ”او کے۔“

اس نے فون بند کیا اور سگریٹ کے کش لینے لگا۔ چند منٹ بعد اس کے موبائل فون کی گھنٹی بجی اور اس نے چونکتے ہوئے جیب سے موبائل نکال لیا۔

”ہیلو..... ڈوگر بول رہا ہوں۔“ اس نے موبائل آن کر کے کان سے لگاتے ہوئے کہا۔

”مجھے تو لگتا ہے تم وکیل ہو۔ یہ ڈوگر کیا وکالت کی کوئی ڈگری ہے؟“ دوسری طرف سے ایک اجنبی آواز سنائی دی۔

”میرا پورا نام رشید ڈوگر ہے۔“ اس نے غصے سے کہا۔ ”کون ہو تم؟“

”میں وہ ہوں جس سے تم جیسے وکیل مشورے لیا کرتے ہیں۔“ آواز آئی۔

اوہ..... کیسے مشورے؟ کیا تم کوئی بیرسٹر ہو؟“ ارشد نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

نہیں..... بیرسٹر نہیں۔ بیرومیٹر ہوں۔ دودھ کا پانی کا پانی کرنے والا۔“ ہنستی ہوئی آواز آئی۔

بکو مت..... تم میرا وقت ضائع کر رہے ہو مسٹر۔“ ا۔

کوئی بات نہیں۔ حساب رکھتے رہو۔ جتنا وقت ئع ہو گا اس کا پورا پورا معاوضہ دوں گا۔“

مگر تم ہو کون؟ کیا چاہتے ہو۔“ اس نے تلخ لہجے ہا پوچھا۔

ایک عورت کو قتل کرانا چاہتا ہوں۔ اس کے لیے لی اچھا سا مشورہ چاہیے۔“

سوری..... تم نے غلط جگہ پر فون کیا ہے مسٹر۔“ اس ٹلک انداز میں کہا۔ ”وکیل کا کام قتل کرانا نہیں، قتل بچانا ہوتا ہے۔“

اچھا..... تو پھر مجھے قتل ہونے سے بچا لو..... ورنہ میں ہیں قتل کر ڈالوں گا۔“ آواز آئی۔ ”کیوں کہ یہ سب ہماری وجہ سے ہو رہا ہے۔“

تمہاری بکواس میرے پلے نہیں پڑ رہی۔ اس لیے مد کر رہا ہوں۔“ ارشد نے غضب ناک ہو کر کہا۔

یک منٹ ٹھہرو..... کیا تم جاننا چاہتے ہو کہ ی اس وقت کہاں اور کیا کر رہی ہے۔“ تیزی پوچھا گیا۔

وہ..... تم کیسے مادھوری کو جانتے ہو؟“ وہ بے اچھل پڑا۔

ایسے کہ تم اور میں ایک کشتی کے سوار ہیں۔ اکٹھے دہ ساگر میں مرے تھے۔“ جواب دیا گیا۔

الی داس نے بے اختیار دانت پیس ڈالے۔ ”اوہ کمار..... ذلیل کتے ... اتنا سسپنس کیوں تے ہو ہر بار۔“

ئلس ہی پھیلایا ہے نا، برڈ فلو وائرس تو نہیں پھیلایا جو تمہاری مرغیوں کو بیمار کر ڈالے گا۔“ دوسری طرف سے شیام کمار نے ہنستے ہوئے کہا۔

”ہوں..... اس وقت کہاں ہو؟“ کالی داس بے اختیار مسکرایا۔

”تاج محل میں۔“ شیام کمار نے بتایا۔

”اوہ..... آگرہ کے تاج محل میں؟“ کالی داس چونکا۔

”ابے گھامڑ..... تاج محل ہوٹل میں۔“ شیام کمار نے غصے سے کہا۔ ”اس کا مطلب ہے کہ تم میری طرف سے غافل رہتے ہو۔ مجھے دیکھو کتنی جلدی تمہارا کھوج لگا لیا ہے۔“

”بس یار..... پریشانی میں خیال ہی نہیں آیا تمہارا۔“ ارشد نے مسکراتے ہوئے کہا جو کہ کالی داس ہی تھا۔

”کیسی پریشانی، کیا پاسپورٹ کی؟“ شیام کمار نے پوچھا۔

”ہائیں..... تمہیں کس نے بتایا؟“ کالی داس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

”بے وقوف روح..... تم نے خود ہی تو چند منٹ پہلے بتایا تھا جب میں نے اپنے کیس کے بارے میں پوچھا۔“

”اچھا..... تو وہ تم تھے۔“ کالی داس کو حیرت کا جھٹکا لگا۔

”اور کیا تمہارا باپ تھا۔“ شیام کمار کی ہنستی ہوئی آواز آئی۔ ”بہرحال۔ یہ بتاؤ پاسپورٹ کس کے لیے چاہیے۔“

”پھر بتاؤں گا۔ تم یہ بتاؤ کہ تاج محل میں کیا کر رہے ہو؟“

”مقبرہ بنا رہا ہوں مادھوری کا۔“ شیام کمار کا لہجہ ناگوار تھا۔ ”اس کی وجہ سے فوجی چھاؤنی سے بھاگنا پڑا۔“

”اچھا..... تم مقبرہ بنا لو تو مجھے بتانا۔“ کالی داس مسکرا دیا۔ ”اور کوئی بات ہے؟“

”سنو..... کیوں نہ ہم اکٹھے رہیں اور مل کر مادھوری سے دو دو ہاتھ کریں۔“ شیام کمار نے تیزی سے کہا۔

''گھر پر تو ممکن نہیں ہے۔ کوئی مشترکہ ٹھکانا بنانا پڑے گا جہاں سے ہم ایک نئے سرے سے اور خفیہ انداز میں کام کر سکیں۔''

''ٹھیک ہے۔ میں پروگرام بنا کر تمہیں اطلاع دیتا ہوں۔'' شیام کمار نے کہا۔ ''میری کال کا انتظار کرنا او کے۔''

اس کے ساتھ ہی سلسلہ منقطع ہو گیا۔ کالی داس نے بھی موبائل آف کیا اور شیام کمار کی تجویز پر غور کرنے لگا۔

☆☆

بنارس پہنچ کر نوازش نے آسیہ کی نشان دہی پر ایک گلی کے باہر کار روکی اور دونوں کار سے اتر کر گلی میں داخل ہو گئے۔ گلی زیادہ کشادہ نہ تھی اور اس میں ایک بلڈنگ کے نیچے نیلے رنگ کی سوزوکی مہران کھڑی تھی۔ وہی ان کی منزل تھی۔ وہ عمارت کے گیٹ پر نظر ڈالتے ہوئے آگے بڑھ گئے گیٹ بند تھا اور اس پر قفل پڑا ہوا تھا۔ اندر کسی قسم کی آبادی کے آثار معلوم نہ ہوتے تھے۔ گیٹ کے پاس نصب نیم پلیٹ پر ''بلوچ منزل'' لکھا تھا۔

''یہ عمارت تو خالی لگتی ہے۔'' نوازش قدم روکے بغیر آہستہ سے بولا۔

''نہیں...رادھا کی روح نے ''بلوچ منزل'' ہی بتایا تھا مجھے۔'' آسیہ نے کہا۔

''مگر اندر تو کوئی بھی معلوم نہیں ہوتا۔'' نوازش نے حیرت سے کہا۔

''ابھی پتا کرتی ہوں دوبارہ۔'' آسیہ نے کہا۔

چند قدم آگے جا کر وہ پلٹے اور گلی سے نکل آئے۔ آسیہ تنہا ہی کار میں جا بیٹھی اور رادھا کی روح کو طلب کرنے لگی۔ نوازش گلی کے نکڑ پر رک گیا تھا۔ دو تین منٹ بعد آسیہ نے نوازش کو اشارے سے قریب بلایا۔

''رادھا کا بیان ہے کہ تینوں آدمی اندر ہی ہیں۔ دو اوپر اور ایک تہ خانے میں۔ تم جا کر بیل دو۔ اگر کوئی ڈور انٹر کام پر بات کرے تو کہنا کہ تمہیں بلوچ کو کما صاحب کا ضروری پیغام دینا ہے جو صرف بلوچ لیے ہی ہے۔'' آسیہ نے سمجھایا۔

''اور اگر بلوچ نے خود دروازے پر آ کر بات کی پھر.....؟'' نوازش نے آہستہ سے پوچھا۔

''نہیں۔ اسے کالی داس نے سختی سے پابند کیا وہ تہ خانے سے ایک لمحہ کے لیے بھی باہر نہ آ دراصل کالی داس نے تہ خانے کے راستہ پر کنڈل کیا ہوا ہے اور اس میں کوئی روح یا ماورائی چیز دا نہیں ہو سکتی جب تک کہ کنڈل کو توڑا نہ جائے۔ ا اگر تہ خانے کے اندر کسی کا خون گرایا جائے چا معمولی زخمی ہونے پر خون نکل آئے تو کنڈل ٹو جائے گا اور میں تہ خانے میں داخل ہو سکوں گی۔''

نوازش نے اس کی بات سمجھ کر سر کو جنبش دی اور کر گلی میں داخل ہو گیا۔ عمارت کے گیٹ پر پہنچ کر ا نے بیل کا بٹن دبایا اور انتظار کرنے لگا۔

تقریباً نصف منٹ گزر گیا۔ لیکن کوئی جواب نہ ملا اس نے دوبارہ بیل بجائی۔ نصف منٹ اور گزر گیا۔ تیسری مرتبہ گھنٹی بجانا ہی چاہتا تھا کہ اچانک اندر کسی نے سخت لہجے میں پوچھا۔ ''کون ہے؟''

''ساگر۔'' نوازش نے فرضی نام بتایا۔ ''مجھے بلو سے ملنا ہے۔''

''یہاں کوئی بلوچ نہیں رہتا۔'' اندر سے جواب ملا

''تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہے احمق آدمی۔ باس نے بھیجا ہے۔'' نوازش غصے سے بولا۔

''باس.....کون باس.....؟'' محتاط آواز میں پوچھا

''تمہارا باپ جاوید کھتری۔'' نوازش غرایا۔ ''ابھی باس کو فون پر تمہاری شکایت کرتا ہوں۔''

جواب میں فوراً ہی کہا گیا۔ ''بکواس مت کرو۔ کیا پتا تم کون ہو۔ ایک منٹ انتظار کرو۔ میں بلو اطلاع دیتا ہوں۔ کیا کہتا ہے۔''

میں اس کے لیے باس کا اہم پیغام لایا ہوں جو تہ میں جا کر اسے دوں گا اور شام تک وہیں ں گا۔''

سری طرف خاموشی چھا گئی اور نوازش انتظار کرنے یا دو منٹ بعد اندر سے اسی آدمی کی آواز آئی۔ چابی باہر کھڑی سوزوکی کے انجن پر رکھی ہے۔ وہ قفل کھولو۔''

زش زیر لب مسکرایا اور سوزوکی کے قریب آ کر بونٹ اٹھایا۔ چابی ریڈی ایٹر پر رکھی تھی۔ اس نے چابی اٹھا کر بونٹ بند کیا۔ پھر گیٹ پر آ کر قفل کھولنے ان گیٹ کھولتے ہی اندر کھڑے شخص نے ریوالور ال اس کے سینے سے لگا دی۔ وہ شکل سے ہی غنڈہ ہوتا تھا۔

ہاتھ بلند کر لو۔ ورنہ فائر کر دوں گا۔'' اس نے غصیلی میں کہا۔

وازش نے اسے گھورتے ہوئے ہاتھ اٹھا دیے۔ آ ی نے نوازش کے پیچھے آ کر ایک ہاتھ سے گیٹ اسی لمحے سامنے برآمدے میں ایک شخص ستون سے برآمد ہوا۔ اس کے ہاتھ میں بھی ریوالور دبا جس کا رخ نوازش کی طرف تھا۔ اس کے چہرے مونچھیں تھیں۔

برآمدے میں چلو۔'' پہلے آدمی نے پیچھے سے کو ریوالور کی نال سے دھکیلا۔

کیا بے ہودگی ہے۔'' نوازش آگے بڑھتے لہجے سے بولا۔ ''میں باس سے تمہاری شکایت ں گا۔''

جب تک ہم تمہاری طرف سے مطمئن نہ ہو جائیں ں کریں گے۔'' مونچھوں والے نے درشت لہجے کہا۔

وازش ہاتھ اٹھائے برآمدے میں پہنچا تو مونچھوں نے راہ داری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''ادھر کمرے میں چلو۔''

وہ نوازش کے آگے آگے چلنے لگا۔ راہ داری کے پہلے کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ وہ تینوں کمرے میں داخل ہوئے۔ اندر ایک میز کے گرد چند خالی کرسیاں رکھی تھیں جب کہ میز پر شراب کی دو بوتلیں اور دو گلاس نظر آ رہے تھے۔ کمرے میں آ کر مونچھوں والا نوازش کی طرف دیکھنے لگا۔

''ہاں.....اب بتاؤ...تم کون ہو اور بلوچ کے لیے کیا پیغام لائے ہو؟''

''پیغام صرف اسُے ہی بتایا جا سکتا ہے۔'' نوازش نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ ''اور مجھے تہ خانے میں ڈیوٹی دینی ہے۔ تم بلوچ کو اوپر بلاؤ۔''

''ماڑو.... بلوچ کو فون کرو۔ ہو سکتا ہے وہ اسے جانتا ہو۔'' مونچھوں والے نے نوازش کے پیچھے کھڑے شخص سے کہا۔

ماڑو نامی شخص نے بائیں جانب ہٹ کر اپنی جیب سے موبائل فون نکالا اور اس پر نمبر ملانے لگا۔ مونچھوں والا نوازش پر نگاہیں جمائے کھڑا تھا۔ ماڑو نے رابطہ قائم ہونے پر بلوچ کو نوازش کے بارے میں بتایا۔ پھر دوسری طرف کی بات سن کر اس نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا۔

''ٹھیک ہے۔ تم فکر نہ کرو۔'' ماڑو نے کہا۔ ''ہم غافل نہیں ہیں۔''

پھر اس نے موبائل فون نوازش کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''لو...بات کرو۔''

نوازش نے ہاتھ نیچے کیے اور موبائل لے کر کان سے لگاتے ہوئے بولا۔ ''ہاں.... میں ساگر بات کر رہا ہوں بلوچ۔ تمہارا آدمی ماڑو بہت گھٹیا ہے۔''

''وہ تمہیں نہیں پہچانتے اور باس کا سخت حکم ہے کہ کسی اجنبی کو اندر نہ آنے دیا جائے۔'' دوسری طرف بلوچ نے خشک لہجے میں کہا۔ ''بہر حال میں اسے سمجھا دوں

گا۔تم کیا پیغام لائے ہو؟"

"ان دونوں کے سامنے میں نہیں بتا سکتا۔" نوازش بولا۔"تم خود اوپر آ جاؤ یا میں تہ خانے میں آ جاتا ہوں اور یہ بھی سن لو کہ نادرہ کی حفاظت کے لیے اب میں تمہارے ساتھ تہ خانے میں ہی رہوں گا۔ ہو سکتا ہے کچھ دیر بعد باس تمہیں کسی دوسرے اہم کام پر لگا دے۔"

"کون سا اہم کام۔" بلوچ کی چونکتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"یہ تو مجھے معلوم نہیں۔ باس نے کہا ہے کہ وہ تمہیں گھنٹے دو گھنٹے بعد کسی مہم پر بھیجنے کے لیے کال کرے گا۔"

"اچھا... فون جکھرانی کو دو۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

یقیناً جکھرانی دوسرے آدمی کا نام تھا۔ نوازش نے موبائل اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "جکھرانی... تم بات کرو۔"

مونچھوں والے شخص جکھرانی نے موبائل لے کر کان سے لگایا۔"ہاں... کیا بات ہے بلوچ۔"

دوسری طرف کی بات سن کر اس نے اثبات میں سر ہلایا۔"ٹھیک ہے۔ ماڑو کو بھیجتا ہوں۔"

اس نے موبائل آف کر کے ماڑو کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔"ساگر کو تہ خانے میں چھوڑ آؤ۔ موبائل بلوچ کو دیتے آنا۔"

"کیا اس کے پاس موبائل نہیں ہے؟" نوازش سرسری انداز میں پوچھا۔

"ہے تو سہی۔ مگر اس کی بیٹری ختم ہو گئی ہے۔" جکھرانی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آؤ..." ماڑو نے ریوالور جیب میں رکھتے ہوئے نوازش سے کہا۔

نوازش اس کے ساتھ کمرے سے باہر آیا اور راہ داری میں ایک طرف بڑھنے لگا۔ ماڑو تیسرے کمرے کے دروازے پر رکا اور دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہوا۔ اس کمرے کے بائیں گوشے میں ایک رکھی تھی جو خالی تھی۔ ماڑو میز کے قریب آیا اور میز کو ا طرف سے پکڑ کر کھینچنے لگا۔ میز کے ساتھ ہی قریب دیوار کا ایک حصہ بائیں جانب سرکتا چلا گیا۔ دیوار میں چار فٹ کشادہ اور چھ فٹ بلند خلا پیدا ہو گیا۔

"آؤ..." ماڑو میز چھوڑ کر خلا کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

اندر نیچے جانے کے لیے زینے بنے ہوئے تھے۔ ماڑو زینے اترنے لگا۔ نوازش نے پہلے زینے پر قدم رکھتے ہی جیب سے ریوالور نکالا اور پھر ایک دم ماڑو کی گردن کے گرد بازو لپیٹتے ہوئے ریوالور کا دستہ اس کی گدی پر رسید کر دیا۔ ماڑو کے حلق سے تیز کراہ خارج ہوئی اور وہ زینے پر لڑکھڑایا لیکن نوازش نے اسے گرنے نہ دیا۔ ماڑو اس کے بازو کی گرفت میں دبا بے ہوش ہو چکا تھا۔ نیچے زینوں کے اختتام پر کمروں کے دروازے نظر آ رہے تھے۔ مگر دونوں تھے۔ نوازش نے ماڑو کو تیسرے زینے پر لٹایا اور جیب سے نیل کٹر نکالا جس میں چھوٹا سا چاقو لگا ہوا تھا۔ اس نے چاقو اس کے شانے میں پیوست کر دیا۔ ایک وار سے کافی سارا خون خارج ہو کر زینے پر گرنے لگا تب نوازش اسے کھینچتے ہوئے واپس اوپر لایا اور خلا باہر میز کے پاس ڈال کر زینے اترنے لگا۔

نیچے پہنچ کر اس نے دروازوں کا جائزہ لیا۔ ایک دروازہ باہر سے بند تھا جب کہ دوسرا غیر مقفل تھا۔ یعنی بلوچ اسی کمرے میں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے ریوالور ہاتھ میں لے کر اس دروازے پر دباؤ ڈالا اور دروازہ کھل گیا۔ اندر ایک دراز قامت اور قوی الجثہ صوفے پر بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پر گھنی مونچھیں اور چھوٹی سی داڑھی تھی۔ قریب ہی ایک اسٹین گن رکھی تھی۔ نوازش نے ایک دم اندر قدم رکھتے ہوئے اس پر ریوالور تان لیا۔

بلوچ نے اس کی طرف دیکھا اور تیزی سے اسٹین گن کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ لیکن اسی لمحے گن اپنی جگہ سے بلند ہو کر چند قدم کے فاصلے پر جا پہنچی۔ بلوچ ایک دم گھبرا گیا۔ نوازش سمجھ گیا آسیہ کی روح اندر آ چکی ہے۔

☆☆

کالی داس نے کار گلی کے باہر روکی اور انجن بند کر کے اتر آیا۔ اس نے محتاط نگاہوں سے گلی میں جھانکا تو گلی ویران تھی۔ وہ مطمئن ہو کر آگے بڑھا اور گلی میں داخل ہو گیا۔ چند لمحوں بعد وہ ایک بنگلے کے گیٹ پر تھا۔ گیٹ اندر سے بند تھا۔ اس نے ایک منتر پڑھ کر گیٹ پر پھونکا اور گیٹ خود بہ خود کھل گیا۔ وہ اندر آیا اور گیٹ بند کر کے برآمدے کی طرف بڑھ گیا۔ عمارت پر سناٹا طاری تھا۔ برآمدے اور راہ داری میں کوئی ذی نفس موجود نہ تھا۔ وہ راہ داری کے پہلے کمرے کے سامنے پہنچا اور دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔ لیکن سامنے کا منظر دیکھ کر بے اختیار اچھل پڑا۔

میز کے پاس فرش پر ایک آدمی منہ کے بل پڑا تھا اور اس کے آس پاس فرش پر تازہ خون پھیلا ہوا تھا۔ اس نے جلدی سے بڑھ کر اس آدمی کو سیدھا کیا تو اسے ایک جھٹکا لگا۔ وہ آدمی مر چکا تھا اس کی شہ رگ پر دانتوں کے گہرے نشانات تھے جن سے اب بھی خون رس رہا تھا۔ شہ رگ اس طرح سے کٹی پھٹی تھی جیسے کسی خون خوار جانور نے چبا ڈالی ہو۔

اپنے آدمی کی لاش دیکھ کر کالی داس گھبرا گیا۔ اس نے تیزی سے کمرے کا جائزہ لیا۔ پھر دروازے کی طرف لپکا۔ اس کمرے سے نکل کر وہ آخری کمرے کی طرف بڑھنے لگا۔ وہاں پہنچ کر اس نے بند دروازے پر احتیاط سے دباؤ ڈالا۔ دروازہ اندر سے لاک نہ تھا لہٰذا کھل گیا۔ اس نے اندر کا جائزہ لیا۔ اندر کوئی نہ تھا۔ وہ کمرے میں داخل ہوا اور اس دیوار کی طرف گیا جس کے پاس میز رکھی تھی۔ قریب آ کر اس نے میز ایک جانب کھینچی تو دیوار میں تہ خانے کا راستہ نمودار ہو گیا۔

وہ آگے بڑھا اور تہ خانے کے زینے اترنے لگا۔ لیکن تیسرے چوتھے زینے پر خون کی لکیر دیکھ کر بے اختیار اچھل پڑا۔ اس کے دل میں ایک اندیشے نے جنم لیا۔ اس نے نیچے جھانکا۔ تہ خانے کے دونوں کمروں کے دروازے بند تھے۔ وہ تیزی سے زینے اتر کر نیچے پہنچا اور پہلے کمرے کے دروازے پر لات رسید کر دی۔ دروازہ دھڑام سے کھل گیا۔ وہ اندر آیا تو سامنے فرش پر ایک لاش دکھائی دی۔ وہ قریب آیا تو اس نے لاش کو پہچان لیا۔ وہ اس کا ماتحت بلوچ تھا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا تو صوفے کے پیچھے بھی ایک لاش نظر آ گئی۔ یہ ماڑو کی لاش تھی۔

اپنے تینوں آدمیوں کی لاشیں دیکھ کر کالی داس بوکھلا گیا۔ وہ اس کمرے سے نکلا اور دوسرے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر آیا مگر سامنے بیڈ خالی دیکھ کر وہ غیظ وغضب سے دیوانہ ہو گیا۔ نادرہ بیڈ پر نہیں تھی۔ اسے غائب پا کر سارا معاملہ اس کی سمجھ میں آ گیا اور غصے کی شدت سے اس کی آنکھیں آگ برسانے لگیں۔ اسے یقین تھا کہ آسیہ وہاں آئی تھی اور اسی نے بلوچ اور اس کے دونوں ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ نہ جانے اس نے حفاظتی کنڈل کو کیسے توڑا تھا۔ زینوں پر خون کس کا پھیلا ہوا تھا؟

آسیہ نادرہ کو لے جانے میں کامیاب ہو چکی تھی۔ اب اس کا وہاں رک کر وقت ضائع کرنا مناسب نہ تھا۔ چنانچہ وہ فوراً تہ خانے سے نکل آیا۔ بنگلے سے باہر آ کر وہ سڑک کی طرف چل دیا۔ اس کے دل و دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ گلی سے باہر آ کر وہ اپنی کار میں بیٹھا اور انجن اسٹارٹ کر کے چل پڑا۔ ساتھ ہی اس نے جیب سے آئینہ نکالا اور منتر پڑھ کر اس پر پھونکا۔ آئینہ روشن ہو گیا اور اس میں چندریکا کی

کھوپڑی کا عکس نظر آنے لگا۔
"کیا حکم ہے مہاراج؟" کھوپڑی سے چندریکا کی آواز خارج ہوئی۔
"چندریکا.... تم نے تو کہا تھا کہ بلوچ تہ خانے میں ہے؟" کالی داس نے غصے سے کہا۔
"مہاراج.... وہ تو اب بھی تہ خانے میں ہے۔" چندریکا کی کھوپڑی نے کہا۔
"لیکن وہاں تو اس کی لاش پڑی ہے کم بخت۔ نادرہ بھی غائب ہے۔" وہ غرایا۔
"ہاں مہاراج۔ آپ نے صرف یہ پوچھا تھا کہ بلوچ تہ خانے میں ہے یا باہر۔ یہ نہیں پوچھا تھا کہ وہ زندہ ہے یا مر چکا ہے۔ ورنہ میں یہ بھی بتا دیتی۔"
"نادرہ اب آسیہ کے قبضے میں ہے یا مر چکی ہے؟" اس نے سوال کیا۔
"وہ زندہ ہے مہاراج اور آسیہ کے گھر میں ہے۔" چندریکا نے جواب دیا۔
"آسیہ کا گھر.... یعنی گلشن اقبال میں جو اس نے آج ہی لیا ہے؟" کالی داس چونکا۔
"جی ہاں.... اسی بنگلے میں.... لیکن میں اندر کا حال نہیں بتا سکتی کہ وہ بنگلے کے کس کمرے میں ہے۔"
"کیوں.... کیا تم اندھی ہوگئی ہو چندریکا۔" وہ غصے سے بولا۔
"نہیں مہاراج۔" چندریکا کی آواز سنائی دی۔ "اصل میں آسیہ نے نادرہ کی حفاظت کے لیے اس بار بنگلے کی عمارت کے گرد ایسا مضبوط حصار قائم کیا ہے کہ اس کے اندر جھانکنا کسی روح کے لیے ممکن نہیں ہے نہ ہی میں حصار توڑنے کی طاقت رکھتی ہوں۔"
"اوہ...." کالی داس حیرت سے بولا۔ "کیا میں خود بھی اندر نہیں جا سکتا۔"
"آسیہ کی اجازت کے بغیر کوئی بھی اندر داخل نہیں ہو سکتا مہاراج۔ وہ خود اندر طلب کرے یا ساتھ لے جائے تو حصار سے گزر سکتا ہے۔"
"کیا نواز ش اور آسیہ بھی اس وقت گھر میں ہیں؟" کالی داس نے طویل سانس لیتے ہوئے آخری سوال کیا۔
"جی ہاں۔ وہ اندر ہی ہیں۔ مجھے اندر کا حال معلوم نہیں ہے۔" چندریکا نے جواب دیا۔
کالی داس نے آئینے پر پھونک مار کر آئینہ جیب میں رکھا اور کار کی رفتار میں اضافہ کرتا چلا گیا۔

☆☆

نادرہ کو ہوش آ گیا تھا۔ اس وقت وہ آسیہ اور نوازش کے بنگلے کے ایک کمرے میں بیڈ پر دراز تھی اور وہ دونوں اس کے قریب کرسیوں پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ نادرہ دو دن میں کافی کمزور ہوگئی تھی اس لیے آسیہ نے گھر آتے ہی اس کے لیے بہت سی طاقت کی دوائیں منگوائی تھیں نادرہ کی حالت کے پیش نظر نوازش ایک پرائیویٹ کلینک سے ڈاکٹر کو لے آیا تھا جس نے نادرہ کا چیک اپ کرنے کے بعد اس کے لیے دوائیں تجویز کی تھیں اور یہ بھی بتایا تھا کہ اسے نارمل طریقے سے ہوش میں آنے دیا جائے۔ انجکشن کے ذریعے ہوش میں لانے کی کوشش میں اس کا دماغ متاثر ہو سکتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے ڈاکٹر سے طے کر لیا کہ وہ روزانہ صبح و شام کے وہاں آ کر نادرہ کو دیکھے گا۔
آج صبح نادرہ کو ہوش آیا تھا اور آسیہ نے ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق اسے غذا کے طور پر سوپ بنا کر پلایا تھا جس سے اس میں کچھ توانائی آ گئی تھی اور وہ باتیں کرنے لگی تھی۔ ایک گھنٹہ پہلے آسیہ نے دلیا کھلایا تھا اور اب وہ لوگ ڈاکٹر کا انتظار کر رہے تھے جسے گیارہ بجے آنا تھا۔ گیارہ بجنے والے تھے۔ ڈاکٹر گیارہ بج کر پانچ منٹ پر آیا اور نادرہ کا معائنہ کرنے لگا۔
چند منٹ بعد وہ رخصت ہونے لگا تو نوازش اسے گیٹ تک چھوڑنے چلا آیا۔ ڈاکٹر کی گاڑی باہر کھڑی تھی گیٹ پر رک کر اس نے کہا۔
مریضہ کا دل کافی کمزور ہو چکا ہے۔ آپ اسے زیادہ سے زیادہ خوش رکھنے کی کوشش کریں۔ اگر آپ کے پاس وقت نہ ہو تو کسی ایسی عورت کا انتظام کریں جو ان کی دلجوئی کرنے کے لیے ہنسی مذاق کرے، لطیفے سنائے تاکہ یہ ہنستی مسکراتی رہے۔"
"بہتر.... کوشش کریں گے کہ ایسا انتظام ہو جائے۔" نوازش نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔
ڈاکٹر رخصت ہوگیا۔ نوازش واپس آیا تو آسیہ لیونگ روم میں آ چکی تھی۔ نوازش نے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے اسے ڈاکٹر کے مشورے سے آگاہ کیا۔
"اب ایسی ہنس مکھ عورت کہاں سے تلاش کی جائے۔" آسیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"اخبار میں اشتہار دے دیتے ہیں۔ کئی حاضر ہو جائیں گی۔" نوازش بولا۔
"گڈ آئیڈیا۔" آسیہ تیزی سے بولی۔ "تم ابھی شام کے کسی اخبار کو فون پر اشتہار دے دو۔"
"مگر شام کے اخبارات تو دوپہر کو ہی آ جاتے ہیں چھپ کر۔"
"ایک اخبار ایسا بھی ہے جو دو ایڈیشن شائع کرتا ہے۔ دوسرا ایڈیشن چار پانچ بجے شائع ہوتا ہے۔" وہ بولی۔
"ارے ہاں.... میں تو بھول ہی گیا تھا۔ "روزنامہ پیپلز" کا ایک ایڈیشن شام کو آتا ہے۔" نوازش نے آسیہ سے کہا۔
"بس تو ابھی فون کر کے اشتہار نوٹ کرا دو۔ شام تک کوئی نہ کوئی عورت ضرور آ جائے گی۔"
نوازش نے فون کا ریسیور اٹھایا اور روزنامہ پیپلز کے دفتر میں فون کرنے لگا۔
اسی شام سات بجے وہ دونوں چائے پی رہے تھے کہ فون کی گھنٹی بجی۔ نوازش نے پیالی میز پر رکھ کر فون کا ریسیور اٹھا لیا۔
"ہیلو.... کون....؟" اس نے پوچھا۔
"نوازش صاحب سے بات کرنی ہے۔" کسی عورت کی آواز سنائی دی۔
"میں بول رہا ہوں۔ فرمایئے۔" اس نے چونکتے ہوئے کہا۔
"روزنامہ پیپلز میں آپ کی طرف سے ایک اشتہار شائع ہوا ہے۔" آواز آئی۔ "میرا نام روبی ہے اور میں اپنی خدمات پیش کرنا چاہتی ہوں۔"
"رائٹ.... آپ اس وقت آ سکتی ہیں؟" نوازش نے پوچھا۔
"جی ہاں.... لیکن اشتہار میں آپ کے ایڈریس کے بجائے صرف فون نمبر لکھا ہے۔ ایڈریس بتا دیں۔ میں تھوڑی دیر میں پہنچ جاؤں گی۔"
نوازش نے اسے گھر کا پتا سمجھایا اور فون بند کر دیا۔ پھر آسیہ کو روبی کے بارے میں بتایا۔
"چلو اچھا ہوا آج ہی انتظام ہو گیا۔ اب ہم آزادی سے باہر جا کر اپنے دشمنوں سے نبٹ سکیں گے۔ ہماری غیر موجودگی میں نادرہ تنہا نہیں رہے گی۔"
"پھر بھی حفاظتی اقدامات تو کرنا ہی ہوں گے۔" نوازش بولا۔ "ایسا نہ ہو کہ......"
"بے فکر رہو۔ میں نے عمارت کے گرد حفاظتی حصار قائم کر دیا ہے۔ اب کوئی روح اس میں داخل نہ ہو سکے گی میری اجازت کے بغیر۔" آسیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "یا پھر جسے ہم میں سے کوئی اپنے ساتھ اندر لائے۔"
"یہ کیا بات ہوئی۔ ہم کسی روح کو اندر کیوں لائیں گے؟" نوازش نے چونکتے ہوئے کہا۔
"بھئی۔ صرف روح نہیں۔ ہر قسم کی ماورائی مخلوق۔" وہ تیزی سے بولی۔ "مثلاً میں کسی کو تمہاری نگرانی کے لیے مقرر کرتی ہوں جو تمہارے ساتھ ہر وقت موجود رہے یا

تمہارے حکم پر باہر آئے جائے۔"

یہ وضاحت سن کر نوازش مسکرا دیا۔ "نہیں..... میرے لیے تم کسی کو مقرر مت کرنا۔ ورنہ میں آزادی سے نقل وحرکت نہیں کرسکوں گا۔ ہر وقت ذہن پر یہ احساس طاری رہے گا کہ کوئی مجھے دیکھ رہا ہے یا میرے ساتھ چل رہا ہے۔"

"ارے..... ہاں..... میں نے تم سے کہا تھا کہ تمہیں طاقت ور بنانے کے لیے مجھے ایک جاپ کرنا ہوگا۔" آسیہ نے چونکتے ہوئے کہا۔

"ہاں.... کہا تو تھا۔" نوازش نے سر ہلایا۔ "پھر..... کیا پروگرام ہے۔"

آسیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "نادرہ کے لیے عورت کا انتظام ہوتے ہی ہم چل پڑیں گے۔"

"کیا آج ہی..... میں تیاری کرلوں؟" نوازش نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔ ذرا صبر کرو ڈیئر۔" وہ ہنس پڑی۔ "آج کی رات آرام کرو۔ ذرا اس عورت کی کارکردگی تو دیکھ لیں۔ کیا پتا وہ کیسی نکلے۔"

نوازش مسکراتے ہوئے بولا۔ "ہاں.... ہوسکتا ہے کل کسی دوسرے امیدوار کا انتخاب کرنا پڑ جائے۔"

وہ خاموش ہوا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے ایک عورت بول رہی تھی۔ وہ بھی اشتہار کے حوالے سے جاب کی خواہش مند تھی۔ نوازش نے آسیہ کو بتایا اور آسیہ نے کہا کہ پہلے روبی کو ٹرائی کرلیں اسے کل تک کے لیے ٹال دو۔"

"ٹھیک ہے محترمہ..... اب تو رات ہونے والی ہے۔" نوازش نے فون پر کہا۔ "آپ کل صبح فون کریں' آپ کو ایڈریس اور انٹرویو کا وقت بتا دیا جائے گا۔" یہ کہہ کر اس نے فون بند کردیا۔ اس کے دس منٹ بعد چوکی دار نے اندر آکر روبی کی آمد کی اطلاع دی۔

"ٹھیک ہے اسے بھیج دو۔" نوازش نے چوکی دار سے کہا۔

چوکی دار واپس چلا گیا۔ آسیہ بولی۔ "تم خود جاکر اسے لے آؤ۔ ورنہ وہ کسی دوسرے کمرے میں چلی جائے گی یا پھر باہر ہی رکی رہے گی۔" نوازش نے سر ہلایا اور اٹھ کر ڈرائنگ روم سے باہر نکل گیا۔

☆☆

روبی بائیس سال کی نوجوان لڑکی تھی۔ انٹر پاس کرنے کے بعد وہ اسٹیج ڈراموں میں مزاحیہ کردار ادا کرتی رہی۔ پھر دو سال پہلے شادی ہونے پر اداکاری چھوڑ دی۔ لیکن چند ماہ پہلے شوہر کا حادثے میں انتقال ہونے کے بعد سے بیوگی کے دن گزار رہی تھی۔ اس نے دوبارہ ڈراموں میں کام حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن دو سال کی غیر حاضری کے سبب اس کی ڈیمانڈ ختم ہوچکی تھی۔ اس نے بات چیت کے دوران آسیہ اور نوازش کو بار بار مسکرانے پر مجبور کردیا۔ انہوں نے روبی کو منتخب کرکے اسے اس کے کام سے آگاہ کیا۔

چھ ہزار روپے تنخواہ پر روبی نے آمادگی ظاہر کردی۔ آسیہ نے کہا۔ "تمہیں نادرہ کے پاس دن رات رہنا ہوگا۔ البتہ جس وقت ہم گھر پر ہوں گے تم اپنے گھر چند گھنٹے گزار آیا کرنا۔ باقی تمہاری ضروریات کی ہر شے تمہیں یہاں مل جائے گی۔"

"بہتر..... میں کل سے آؤں گی۔" روبی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہم چاہتے ہیں تم آج ہی یہاں رہنے لگو۔" آسیہ بولی۔

"سوری..... میں گھر والوں کو صرف یہ بتا کر آئی تھی کہ انٹرویو دے کر واپس آجاؤں گی۔" روبی نے معذرت کی۔

"ٹھیک ہے۔ میں صبح دس بجے تک تمہارا انتظار کروں گی۔ اگر تم نہ آنا چاہو یا تمہارے والدین نہ مانیں تو فون پر اطلاع ضرور دے دینا۔"

ہے میں گھر والوں سے اجازت لے کر ابھی جاؤں۔" روبی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

تو اچھی بات ہے۔" نوازش بولا۔ "تم بے شک ابھی آنا چاہو تو آجاؤ۔ تمہارے آنے کے بعد ہم میں گے۔"

ی چلی گئی۔ انہوں نے نو بجے تک اس کا انتظار پھر دونوں نے نادرہ کی خیریت دریافت کی اور یا کہ وہ کھانا کھانے باہر جارہے ہیں' گھنٹے بعد آئیں گے۔ وہ دونوں گیٹ پر پہنچے ہی تھے کہ گئی۔ اس کے پاس چھوٹا سا سوٹ کیس تھا۔ گویا کے لیے اپنا سامان لے آئی تھی۔ نوازش نے کر کار گیٹ کے پاس روکی تو آسیہ نے کہا۔

"م اسے نادرہ کے کمرے میں چھوڑ آؤ۔ اچھا ہوا۔ رے آنے تک نادرہ تنہا نہیں رہے گی۔"

ش کار سے اترا اور روبی کو نادرہ کے کمرے میں کر واپس آگیا۔ گھر سے نکل کر وہ حسن اسکوائر ہاں نوازش نے ایک ریسٹورنٹ کے سامنے کار اور دونوں اتر کر ریسٹورنٹ میں آبیٹھے۔ ویٹر کے پر نوازش نے کھانے کا آرڈر دیا۔ کھانے کے رٹ نے چائے طلب کرلی۔

ب جب کہ نادرہ کا مسئلہ ختم ہوچکا ہے' ہمیں اس ھے کی خبر لینی چاہیے۔" نوازش نے چائے کے آسیہ سے کہا۔

ہاں..... میں بھی یہی سوچ رہی ہوں۔" آسیہ "لیکن اس کا ٹھکانا جب تک پوشیدہ ہے ہم کچھ سکتے۔"

گر ہم کالی داس پر قابو پالیں تو اس پر تشدد کرکے سے کرشن کا ٹھکانا معلوم کرسکتے ہیں۔"

اس کے لیے طاقت کی ضرورت ہے ڈیئر۔" آسیہ مسکراتے ہوئے کہا۔ "کیونکہ میں تنہا ہوں اور کالی کے ساتھ شیام کمار بھی ہے۔ اسی لیے تو میں نے سوچا ہے کہ کالی دیوی سے کچھ اور شکتی بھی حاصل کروں اور تمہیں بھی ماورائی قوتیں منتقل کردوں۔ اس کے بغیر کامیابی مشکل ہے۔"

"شیام کمار کو ختم کردیا جائے تو کالی داس تنہا رہ جائے گا۔" نوازش نے کہا۔ "اس کے بارے میں معلوم کرو' میں آج ہی اس کی گردن ناپتا ہوں۔"

کھانا کھانے اور چائے پینے میں ایک گھنٹہ گزر گیا اور وہ اٹھ گئے۔ نوازش نے کاؤنٹر پر بل ادا کیا اور دونوں باہر آکر اپنی کار میں بیٹھ گئے۔

"اب کہاں چلیں؟" نوازش نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے آسیہ سے پوچھا جو عقبی نشست پر بیٹھی تھی۔

"ایک منٹ ٹھہرو..... میں ذرا رادھا سے بات کرلوں۔" آسیہ نے کہا۔

پھر اس نے رادھا کی روح کو طلب کیا اور اس سے شیام کمار کے بارے میں پوچھ گچھ کی۔ رادھا نے جواب میں جو کچھ بتایا اسے سن کر نوازش بے تاب ہوگیا۔

☆☆

تاج محل ہوٹل کے ایک کمرے میں شیام کمار بیٹھا شراب کے ہلکے ہلکے گھونٹ لیتے ہوئے کچھ سوچ رہا تھا۔ چند لمحوں بعد اس نے جیب سے سو روپے کا ایک نوٹ نکالا اور نوٹ کو اپنے سامنے میز پر سیدھا رکھ کر منہ ہی منہ میں کوئی عمل پڑھنے لگا۔ نصف منٹ بعد اس نے نوٹ پر پھونک ماری۔ دوسرے ہی لمحے نوٹ پر موجود تصویر حرکت کرنے لگی۔ تصویر کی شکل تبدیل ہوتی جارہی تھی۔ آن کی آن میں تصویر کا چہرہ انتہائی بھیانک ہوگیا۔

"کیا حکم ہے مہاراج۔" دفعتاً تصویر سے آواز ابھری۔

"اچھا نند۔" شیام کمار نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "مادھوری اس وقت کہاں اور کیا کررہی ہے؟"

"مہاراج۔ وہ ایک ریسٹورنٹ میں کھانا کھا رہی

ہے۔نیہ ریسٹورنٹ حسن اسکوائر پر واقع ہے۔" تصویر والے بھیانک چہرے نے جواب دیا۔
"کیا وہ تنہا ہے؟" اس نے چونکتے ہوئے پوچھا۔
"نہیں مہاراج..... نوازش بھی اس کے ہمراہ ہے۔" انبھاندا نے کہا۔
"کھانے کے بعد وہ کہاں جائیں گے؟" شیام کمار نے پوچھا۔
"فی الحال تو مادھوری کا ارادہ گھر جانے کا ہے۔" انبھاندا نے بتایا۔
"ٹھیک ہے۔اس کا تعاقب کرو۔جب وہ گھر پہنچ جائے تو مجھے مطلع کرنا۔گھر کے بجائے کسی دوسری طرف جائے تب بھی اس کے پیچھے لگے رہنا۔"
اس کے خاموش ہونے پر انبھاندا کی تصویر نوٹ سے غائب ہوگئی اور اس کی جگہ پھر وہی پہلی تصویر نظر آنے لگی۔شیام کمار نے نوٹ میز پر ہی رہنے دیا اور قریب پڑے فون کا ریسیور اٹھا کر روم سروس کو وہسکی کی ایک بوتل بھیجنے کی ہدایت کرنے کے بعد ریسیور رکھ دیا۔
تقریباً پانچ منٹ بعد دروازے پر دستک ہوئی۔اس نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا اور بلند آواز سے کہا۔"آجاؤ۔"
حسب توقع دروازہ کھول کر اندر آنے والا ویٹر ہی تھا۔جو اس کے لیے وہسکی لایا تھا۔وہ بوتل میز پر رکھ کر جانے لگا تو شیام کمار نے اسے روک لیا۔
"سنو..... دل بہلانے کے لیے کوئی پارٹنر مل جائے گا؟" اس نے پوچھا۔
"یس سر۔" ویٹر نے مودبانہ انداز میں جواب دیا۔
"ٹھیک ہے۔ایک گھنٹے بعد اسے لے آنا۔" شیام کمار نے آنکھ دبائی۔"مال ٹائٹ ہونا چاہیے۔فیس کی پروا مت کرنا۔تمہیں بھی اس کے برابر ملے گا۔" یہ سن کر ویٹر کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔وہ بولا۔
"آپ فکر مت کریں سر۔پندرہ سے اٹھارہ برس کا پارٹنر دستیاب ہے۔آپ کا دل خوش ہو جائے گا۔"
پلٹ کر کمرے سے نکل گیا۔چند لمحوں بعد موبائل کی طرف دیکھ کر اسے کوئی خیال آیا اور اس نے موبائل اٹھالیا۔نمبر ملا کر وہ انتظار کرنے لگا۔
"ہیلو ڈوگر بول رہا ہوں۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔"کیا کر رہے ہو؟"
"تم کیا کر رہے ہو؟" کالی داس کی ناگواری آئی۔
"میں..... میں کباب کا انتظار کر رہا ہوں۔ اکیلی شراب مزہ نہیں دیتی۔"
"بس..... یہی شراب اور کباب ہی کھاتے رہنا ایکشن مت لینا۔" کالی داس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔
"ایکشن لے تو رہا ہوں یار۔میرا غلام مادھوری کا تعاقب کر رہا ہے۔اس کی اطلاع ملنے پر فل ا... نوں گا۔"
"مادھوری کا تعاقب..... وہ کہاں جا رہی..." کالی داس نے چونکتی ہوئی آواز میں پوچھا۔
"شاید گھر جائے گی۔بہر حال ابھی اطلاع آنے والا ہے انبھاندا۔" شیام کمار بولا۔
"انبھاندا کون ہے؟" کالی داس نے حیرت سے سوال کیا۔
"میرا نیا مخبر..... جو بالکل صحیح خبر دیتا ہے۔" ... مسکرایا۔
"اچھا..... جب وہ اطلاع دے تو مجھے بتانا۔ ... مصروف ہوں۔"
"ٹھیک ہے۔میں بتا دوں گا فون پر۔" شیام نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔"سناؤ..... تمہارے بیٹے کرشن کا کیا حال ہے؟"
"نادرہ کی نرس تھی نا رضیہ۔" کالی داس کی ہنستی ہوئی آواز آئی۔
"ہاں..... ہاں..... کیا بھاگ گئی تمہاری قید سے ... چونکا۔
... یار..... ہے تو وہ ابھی میری قید ہے۔لیکن اس لونڈے نے اس سے عشق شروع کر دیا ہے۔"
"پھر تو وہ مزے میں ہے۔" شیام کمار ہنستے ہوئے بولا۔"اس میں اس کا قصور نہیں ہے۔تم جیسے ... ایسا ہی ہونا چاہیے۔"
"...اس مت کرو۔ابھی وہ اس قابل نہیں ہے کہ ... کے مکر و فریب کو سمجھ سکے۔"
"... تمہارا ہے۔تم نے رضیہ اور کرشن کو اکٹھے کیوں ... کو تیرے حوالے کر دیتے تو کیا حرج تھا۔"
"...ل اس لیے ان کو اکٹھے رکھا کہ کرشن مسلسل تنہائی ... طور پر اپ سیٹ نہ ہو جائے۔"
"... وہ رضیہ کے ساتھ سیٹ ہو گیا۔" شیام کمار ...
"تم اسے اپنے جیسا بنانا چاہتے تھے اس لیے ... کی حرکتوں پر کیوں کڑھتے ہو یار۔"
"اصل میں نوازش اور مادھوری سے مقابلے کے ... کی طاقت قائم رکھنا چاہتا ہوں۔" کالی داس ...
"... پھر اسے ایسی جگہ لے جاؤ' جہاں اسے کوئی لڑکی ... جائے۔" شیام کمار بولا۔"کسی جزیرے پر اسے ... کراچی سے قریب سمندر میں کئی ایسے چھوٹے ... جزیرے ہیں۔وہاں وہ دشمنوں سے بھی محفوظ ... گا۔"
"...بہت خوب..... تم نے اچھی تجویز دی ہے شیام ... میں جلد ہی اس پر عمل کروں گا۔اوکے۔" کالی ... نے کہا۔
... فون بند کر دیا۔شیام کمار نے بھی موبائل آف کر کے ... میں رکھ لیا۔اگلے لمحے میز پر رکھے نوٹ سے آواز ... اس نے چونک کر نوٹ کی طرف دیکھا تو نوٹ پر ... کی تصویر حرکت کر رہی تھی اور وہ کہہ رہا تھا۔
"...مہاراج..... مادھوری اپنے گھر میں داخل ہوگئی ہے۔"
یہ سن کر شیام کمار نے نوٹ پر پھونک ماری اور نوٹ اٹھا کر جیب میں رکھ لیا۔پھر وہ بے تابی سے ویٹر کا انتظار کرنے لگا۔چند منٹ بعد دروازے پر دستک ہوئی۔وہ سمجھ گیا ویٹر آیا ہوگا۔اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔"آجاؤ ویٹر....."
دروازہ کھلا اور ایک ویٹر اندر آ گیا۔وہ تنہا ہی تھا لیکن یہ وہ نہیں تھا جسے اس نے لڑکی لانے کو کہا تھا۔
"سر..... مجھے پہلے ویٹر نے بھیجا ہے۔" اس ویٹر نے آہستہ سے کہا۔
"اوہ....." شیام کمار چونکا۔"مگر وہ کیوں نہیں آیا۔ میں نے اسے ایک آرڈر دیا تھا۔"
"اس کی ڈیوٹی کا ٹائم ختم ہو گیا تھا چنانچہ وہ مجھے آپ کا آرڈر بتا کر چلا گیا۔" ویٹر بولا۔
"تو پھر تم یوں ہی منہ اٹھا کر کیوں آ گئے۔آرڈر پورا کر کے آتے۔" شیام کمار نے منہ بنایا۔
"اصل میں آپ کے آرڈر کی تعمیل سے پہلے آپ کی پسند معلوم کرنے آیا ہوں۔" ویٹر آگے بڑھتے ہوئے بولا۔"میں چند لڑکیوں کی تصویریں لایا ہوں۔آپ دیکھ کر پسند کرلیں کہ کسے پیش کروں۔"
اس نے شیام کمار کے پہلو میں آ کر جیب میں ہاتھ ڈالا جیسے تصویریں نکال رہا ہو۔لیکن اس کا ہاتھ جیب سے باہر آیا تو اس میں ریوالور چمک رہا تھا۔شیام کمار ریوالور دیکھ کر بے اختیار اچھل پڑا۔لیکن ویٹر نے فوراً ہی ریوالور کی نال اس کی کنپٹی سے لگا دی۔
"خبردار..... حرکت مت کرنا..... ورنہ فائر کر دوں گا۔" ویٹر غرایا۔
... بار اس کی آواز بدلی ہوئی تھی اور شیام کمار اس آواز کو پہچان کر اپنی جگہ پتھر کی طرح ساکت ہوتا چلا گیا۔

☆☆

نوازش کو چوراہے کے پاس ڈراپ کر کے آسیہ نے

کار موڑی اور گھر کی طرف چل دی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اگر نوازش اپنی مہم میں ناکام رہا تو اسے خود جانا پڑے گا۔ لیکن پہلے گھر کا چکر لگانا ضروری تھا کہ نادرہ پریشان نہ ہو۔ ڈاکٹر نے ہدایت کی تھی کہ اسے پریشانی سے بچایا جائے تاکہ اس کا دماغ نارمل رہے۔ بنگلے کے گیٹ پر اس نے کار روک کر ہارن دیا۔ چند لمحوں بعد چوکیدار نے گیٹ کھولا اور وہ کار اندر لے آئی۔ برآمدے کے سامنے کار روک کر وہ اتری اور برآمدے میں داخل ہوگئی۔ چند لمحوں بعد وہ نادرہ کے کمرے میں داخل ہوئی۔

نادرہ بیڈ پر موجود نہیں تھی۔ روبی بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ اسے حیرت ہوئی کہ وہ دونوں کہاں چلی گئیں۔ وہ انہیں دیکھنے کے لیے ڈرائنگ روم میں آئی لیکن وہ دونوں وہاں بھی نہیں تھیں۔ وہ پریشان ہوگئی۔ اس نے برآمدے میں آ کر چوکیدار کو بلایا۔

''بابا.... نادرہ اور دوسری لڑکی باہر تو نہیں گئیں؟'' اس کے قریب آنے پر آسیہ نے سوال کیا۔

''جی ہاں.... نادرہ بی بی پر دورہ پڑا تھا اور وہ بے ہوش ہوگئی تھیں۔ دوسری لڑکی اسے ٹیکسی میں ڈال کر ڈاکٹر کے پاس لے گئی ہے۔'' چوکیدار نے بتایا۔

''اوہ.....'' آسیہ نے حیرت سے کہا۔ ''وہ بے ہوش تھی تو اسے ٹیکسی میں کس نے ڈالا؟''

''میں نے ان کی مدد کی تھی۔ ٹیکسی برآمدے کے پاس لائی گئی تھی۔''

''اچھا.... روبی نے کچھ بتایا کہ کون سے ڈاکٹر کے پاس لے جا رہی ہے؟''

''اسی کے پاس لے گئی ہے جو آج صبح یہاں آیا تھا۔'' چوکیدار بولا۔ ''ڈاکٹر جمال۔''

''ٹھیک ہے۔'' آسیہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''میں فون پر معلوم کرتی ہوں۔''

وہ پلٹ کر اندر کو چل دی۔ ڈرائنگ روم میں آ کر اس نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے فون کا ریسیور اٹھایا جمال کے کلینک فون کرنے لگی۔

''ہیلو۔ ڈاکٹر جمال بول رہا ہوں۔'' سلسلہ آواز آئی۔

''میں آسیہ بول رہی ہوں ڈاکٹر.... اب طبیعت کیسی ہے؟'' آسیہ نے پوچھا۔

''یہ تو آپ بتائیے آسیہ صاحبہ۔'' ڈاکٹر نے کہا۔ ''میں یہاں بیٹھے بیٹھے مریض کی کیفیت سکتا ہوں۔''

''میں سمجھی نہیں ڈاکٹر۔'' وہ چونکی۔ ''کیا نادر نے ٹریٹمنٹ نہیں دیا۔ وہ آپ کے پاس بے حالت میں لائی گئی تھی۔''

''کیا؟'' ڈاکٹر کے لہجے میں حیرت تھی۔ ''مگر یہاں تو نہیں آئی۔''

''اوہ....؟'' آسیہ حیرت سے اچھل پڑی۔ ''واقعی؟''

''جی ہاں.... وہ یہاں آتی تو مجھے ضرور خبر ہوسکتا ہے اسے کسی دوسرے کلینک لے جایا گیا''

''خیر.... دیکھتی ہوں.... آپ کو خواہ مخواہ دی۔'' آسیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اس نے فون کا ریسیور رکھا اور سوچنے لگی کہ نادرہ کو کس ڈاکٹر کے پاس لے گئی ہوگی۔ اس چوکیدار سے ڈاکٹر جمال کا نام کیوں لیا جب کہ گئی ہی نہیں؟ شاید راستے میں کوئی اور کلینک دیکھ میں گئی ہو۔''

وہ کچھ دیر سوچتی رہی کہ نادرہ کی طبیعت تو اب تھی، پھر اسے کس قسم کا دورہ پڑا تھا کہ وہ بے ہوگئی۔ دفعتاً اسے خیال آیا کہ رادھا کی روح معلوم کیا جا سکتا ہے کہ وہ دونوں کس کلینک میں لیکن اس سے پہلے کہ وہ رادھا کو طلب کرتی، فو گھنٹی بجنے لگی۔

ہلو۔'' اس نے جلدی سے ریسیور اٹھا لیا۔

روبی بول رہی ہوں۔'' دوسری طرف سے روبی کی ابھری۔

''وہ.... روبی؟'' آسیہ نے گہرا سانس لیا۔ ''نادرہ کو کیا گیا ہے؟''

جی ہاں۔'' روبی نے جواب دیا۔

تم اسے ڈاکٹر جمال کے پاس کیوں نہیں لے ا۔ میں نے ابھی وہاں فون کر کے معلوم کیا تو اس بتایا کہ تم دونوں وہاں نہیں ہو۔''

دراصل راستے میں ایک کلینک کھلا نظر آیا تو وہیں لی۔ میں نے اسی لیے فون کیا ہے کہ آپ پریشان ں۔ میں اور نادرہ آج رات یہیں رہیں گے۔ نے نادرہ کو ایڈمٹ کر لیا ہے تاکہ رات کو پھر دورہ جائے۔'' روبی بولی۔ ''آپ کو اعتراض تو نہیں''

ٹھیک.... تم نے اچھا کیا۔'' آسیہ نے اطمینان کا لیتے ہوئے کہا۔ ''میں آ رہی ہوں۔ کلینک کا پتا

پ کا آنا ضروری نہیں ہے۔ میں جو ہوں۔'' نے کہا۔ ''کیا آپ کو شبہ ہے کہ میں اس کی اچھی ل نہیں کروں گی۔''

نہیں روبی.... مجھے تم پر اعتماد ہے۔'' آسیہ نے اتے ہوئے کہا۔ ''اسی لیے تو تمہیں اس کے پاس میں چھوڑ گئی تھی۔ مگر وہاں نادرہ محفوظ نہیں۔ اس کا دشمن اسے قتل کرنا چاہتا ہے اور.....؟''

آپ بے فکر رہیں۔ میں اس کی بہترین حفاظت کروں گی۔ صبح نو بجے اسے واپس گھر لے آؤں گی۔''

اچھا.... کلینک کا نام و پتا تو بتا دو۔'' آسیہ نے کہا۔

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو چکا تھا۔ اس ریسیور رکھا اور سوچنے لگی کہ روبی نے کلینک کا پتا سے کیوں گریز کیا؟ پھر وہ اس کی حفاظت کا دعوا کس بنیاد پر کر رہی ہے؟ کیا اس کے پاس کوئی ہتھیار ہے؟ کہیں کوئی گڑبڑ تو نہیں ہے؟ اس شبہ کی تصدیق کے لیے اس نے فوراً ہی رادھا کی روح کو طلب کر لیا۔

''رادھا.... روبی اور نادرہ کس کلینک میں ہیں۔ بتاؤ۔''

''وہ کسی کلینک میں نہیں ہیں شہزادی۔'' رادھا کی روح بولی۔

''اوہ...... پھر کہاں ہیں؟'' آسیہ بے اختیار چونکی۔

''معلوم نہیں.... البتہ وہ جگہ گلشن حدید میں واقع ہے۔'' رادھا نے جواب دیا۔

''کیا مطلب..... روبی اسے وہاں کیوں لے گئی؟'' آسیہ حیرت سے بولی۔

''روبی نہیں، اسے کالی داس لے گیا تھا۔'' رادھا نے بتایا۔

آسیہ بے اختیار اچھل پڑی۔ ''اوہ.... کالی داس.... مگر روبی نے ابھی فون پر بات کی ہے مجھ سے۔''

''روبی نہیں شہزادی۔ وہ کالی داس تھا جو آواز بدل کر بول رہا تھا۔ وہ روبی بنا ہوا تھا۔''

یہ سن کر آسیہ کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ اسے اپنی غلطی کا ایک دم احساس ہوگیا۔ کالی داس حصار کی وجہ سے اکیلا بنگلے میں نہیں آ سکتا تھا۔ دونوں بار وہ نوازش کے ہمراہ اندر آیا تھا اسی لیے حصار میں داخل ہونے پر اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔ یقیناً اسے اخبار میں نوازش کی طرف سے دیے گئے اشتہار کا پتا چل گیا تھا اور جب روبی انٹرویو کے بعد واپس گئی تو اس کا جسم اپنا کر وہ دوبارہ آیا تھا۔ مگر کیسے؟ وہ ایک بار پھر رادھا کی روح کو طلب کرنے لگی۔

☆☆

ویٹر کو پہچان کر چند لمحوں تک شیام کمار کے منہ سے کوئی آواز نہ نکلی اور وہ ساکت بیٹھا رہا۔ اس کے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ اسے قطعاً امید نہ تھی

ویٹر کے حلیے میں اندر آنے والا شخص نوازش ہوسکتا ہے ورنہ وہ پہلے ہی اسے غور سے دیکھ لیتا۔ چند لمحوں بعد اس نے اپنی جگہ پر پہلو بدلنے کی کوشش کی۔

"سنا نہیں تم نے....." ویٹر غرایا جو نوازش ہی تھا۔

"تم..... تم یہاں کیسے پہنچے نوازش.....؟" شیام کمار نے ہونٹ بھینچتے ہوئے کہا۔

"میرا مطلب ہے تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں نے ویٹر کو کسی چیز کا آرڈر دے رکھا ہے۔" وہ تیزی سے بولا۔

"بڑی آسانی سے۔" نوازش مسکرایا۔ "ویٹر مجھے زینوں پر مل گیا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کمرا نمبر اکتیس کہاں ہے تو وہ بولا کہ میں اسی کمرے میں جا رہا ہوں۔ میں نے اسے بتایا کہ اس میں میرا دوست ٹھہرا ہوا ہے اور میں اس کی دعوت پر آیا ہوں تو ویٹر نے بتایا کہ تم نے لڑکی طلب کی ہے۔ پھر میں نے اسے سو کا ایک نوٹ دکھا کر مزید پوچھ گچھ کی اور اوپر آ کر اسے بے ہوش کرنے کے بعد باتھ روم میں لے گیا جہاں میں نے اس کی یونیفارم اتار کر پہنی اور مصنوعی مونچھیں لگا لیں تاکہ تم فوری طور پر مجھے نہ پہچان سکو۔"

"ہوں۔ یہاں کیوں آئے ہو اکیلے؟" شیام کمار نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

"اکیلا نہیں، آسیہ بھی آئی ہے میرے ساتھ۔" نوازش نے بتایا۔

"جھوٹ مت بولو۔ مجھے ابھی ابھی میرے غلام نے بتایا ہے کہ آسیہ گھر پہنچ چکی ہے۔" شیام کمار غرایا۔

"میرے بارے میں تمہارے غلام نے نہیں بتایا کہ میں کہاں ہوں؟"

"نہیں..... میرے نزدیک تمہاری کوئی ویلیو نہیں ہے۔" شیام کمار نے ناگواری سے کہا۔ "اس لیے میں نے اس سے صرف آسیہ کے بارے میں پوچھا تھا۔"

"بس..... یہی تمہاری غلطی تمہیں لے ڈوبی اور میں تمہارا قصہ تمام کرنے آ گیا۔" نوازش ہنسا۔

"اوہ..... کیا تمہیں یقین ہے کہ تم مجھے ختم کر گے؟" شیام کمار نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

"کیوں نہیں۔" نوازش اس کی پشت کی طرف آ ہوئے بولا۔ "تم نے میری بیوی کے ساتھ کرنل روپ میں جو زیادتی کی ہے اور ملیر چھاؤنی میں ا فوجیوں کے سامنے جس طرح بے عزت کیا ہے، میں اس کا انتقام لینے آیا ہوں۔ مگر یہاں نہیں؟"

"پھر..... کہاں؟" شیام کمار چونکا۔ "کسی دوسری جگہ لے جاؤ گے مجھے؟"

"ہاں....." نوازش نے مختصراً جواب دیا۔

اس کے ساتھ ہی اس نے پھرتی سے ریوالور کا وار اس کے سر پر رسید کرتے ہوئے دوسرا ہاتھ اس کے منہ پر رکھ کر دبایا۔ نتیجے میں شیام کمار کے منہ سے نکلنے والی کرب ناک سی کراہ نوازش کے ہاتھ کے نیچے دب گئی اور شیام کمار کی آنکھیں بند ہوتی چلی گئیں۔ وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ لیکن نوازش نے اپنی تسلی کے لیے ایک بار پھر اس کے سر پر ضرب رسید کی۔ پھر اسے صوفے پر لٹا دیا۔ فارغ ہو کر اس نے دروازہ بند کیا اور جیب سے اپنا موبائل نکال کر آسیہ کو فون کرنے لگا۔

"ہیلو....." سلسلہ ملنے پر آسیہ کی آواز سنائی دی۔

"نوازش بول رہا ہوں ڈارلنگ۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اوہ..... کہاں سے؟" آسیہ نے پوچھا۔

"منہ سے..... اور کہاں سے بول سکتا ہوں۔" اس کے لہجے میں شوخی تھی۔ "لگتا ہے تمہارا ذہن حاضر نہیں ہے۔ ورنہ میں تمہیں بتا کر تو حسن اسکوائر پر تم سے جدا ہوا تھا۔"

"سوری..... واقعی میرا ذہن حاضر نہیں ہے۔ نابکار نے میرا دماغ اپ سیٹ کر کے رکھ دیا ہے۔"

"اوہ..... کس کی بات کر رہی ہو؟" نوازش چونکا۔

"کالی داس کی..... وہ ایک بار پھر کامیاب ہو گیا

آواز سنائی دی۔

"کیا مطلب؟ میں سمجھا نہیں آسیہ۔" اس نے ...ے پوچھا۔

"...درہ کو اغوا کرنے میں۔" آسیہ نے غصیلے لہجے ...

"...وہ..... کب..... کیسے.....؟" نوازش بے اختیار ...ا۔

"...ی غیر موجودگی میں..... جب ہم حسن اسکوائر ...ارہے تھے تو وہ نادرہ کو بے ہوش کر کے لے ..."

"...ے!" نوازش کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ "مگر ...کے پاس روبی بھی تو موجود تھی۔"

"ہاں..... اور روبی کے جسم میں کالی داس تھا۔" آسیہ ...ا اور تفصیل سے ساری بات بتا دی۔

"...حیرت ہے..... کیا حصار کے باوجود؟" نوازش ...پوچھنا چاہا۔

"...ہاں۔" آسیہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "...گھر چلتے وقت جب وہ روبی بن کر آیا تو تم اسے ...ے پاس چھوڑنے لے گئے۔ تمہاری وجہ سے وہ ...موظ رہا۔ تنہا اندر جاتا تو حصار توڑے بغیر کبھی ...ے میں داخل نہ ہوسکتا۔"

"...تو تم نے بری خبر سنائی ڈارلنگ۔" نوازش سٹپٹا کر ... حیرت ہے کہ انٹرویو کے وقت تم اسے نہ پہچان ...

...وقت اصل روبی آئی تھی۔ جب وہ گھر والوں ...اجازت لے کر دوبارہ ہمارے پاس آئی تو کالی ...داس کے پاس اسی وقت پہنچا تھا۔ اس نے روبی کو ...سے اترتے دیکھا تو فوراً چندریکا کی روح سے ...کے بارے میں معلومات حاصل کیں کہ کہیں روبی ...میں، میں تو نہیں ہوں۔ پھر اس نے روبی پر منتر ...کر اسے بے ہوش کیا اور وہ گیٹ سے دو قدم

پیچھے ہی گر گئی۔ تب اس نے روبی کو اپنی کار میں ڈال کر اس کا گلا دبایا اور اس کے مرنے پر اس کے جسم میں حلول کر کے گیٹ پر آ گیا۔"

نوازش کو نادرہ کے ہاتھ سے نکل جانے پر افسوس ہوا۔ اس نے پوچھا۔ "کیا اس کے ٹھکانے کا پتا چلا ہے؟"

"نہیں..... مگر تم سناؤ۔ تمہارے مشن کا کیا رہا؟" آسیہ نے سوال کیا۔

"کامیابی۔" نوازش نے جواب دیا۔ پھر تفصیل بتائی۔ "اب وہ بے ہوش پڑا ہے۔ کیا اس حالت میں اس کی روح کو فنا کیا جا سکتا ہے؟"

"نہیں..... اسے جلائے بغیر اس کی روح کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔" آسیہ بولی۔ "تم اسے یہاں لے آؤ۔ ہوسکتا ہے وہ کالی داس کے اس ٹھکانے سے واقف ہو جہاں نادرہ کو چھپایا گیا ہے اور عمارت کو پوشیدہ کر دیا گیا ہے۔"

"یہ تو کافی مشکل کام ہے آسیہ۔" نوازش نے سوچتے ہوئے کہا۔ "اتنے بڑے ہوٹل سے کسی بے ہوش آدمی کو کسی کی نگاہ میں آئے بغیر کیسے باہر لے جایا جا سکتا ہے۔"

"ایک ترکیب ہے..... اس پر کسی کو شک نہیں ہوگا۔ میرا انتظار کرو۔ میں پندرہ منٹ میں تمہارے پاس پہنچ رہی ہوں۔"

آسیہ نے ترکیب بتائی اور چند ہدایات دے کر فون بند کر دیا۔ نوازش نے بھی مسکراتے ہوئے موبائل آف کیا اور اٹھ کر باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔ اندر آ کر اس نے ویٹر کی یونیفارم اتار دی۔ نیچے اس کا اپنا لباس تھا۔ اس نے دوبارہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے میز پر رکھے فون کا ریسیور اٹھایا اور روم سروس کو چائے بھیجنے کی ہدایت کر کے ریسیور رکھ دیا۔ پھر شیام کمار کو اٹھایا اور بیڈ پر لٹا دیا۔ اس نے دروازے کا بولٹ گرایا اور صوفے پر بیٹھ گیا۔

چند منٹ بعد دستک ہوئی تو وہ اٹھ کر ٹہلتے ہوئے

بولا۔ ”کم ان......“

دروازہ کھلا اور ایک ویٹر چائے کی ٹرے اٹھائے اندر آیا۔ اس نے سلام کیا اور برتن میز پر رکھنے لگا۔

”سنو۔“ نوازش نے جیب سے پچاس روپے کا نوٹ نکال کر ویٹر کی طرف بڑھایا۔ ”میں اس سے ملنے آیا تھا۔ یہ میرا گہرا دوست ہے۔ مگر اسے تیز بخار ہوگیا ہے۔ تم اس کے لیے ڈسپرین کی دو ٹیبلٹ لے آؤ۔ میں اس کی تیمارداری کے لیے اسپتال سے نرس کو طلب کرتا ہوں۔“ ویٹر نوٹ لے کر جانے لگا تو نوازش نے کہا۔ ”ہاں..... باقی پیسے تم رکھ لینا۔ جلدی آؤ۔“

ویٹر تیزی سے دروازہ کھول کر باہر چلا گیا۔ پانچ منٹ سے بھی کم وقت میں وہ ٹیبلٹ لے آیا۔ نوازش نے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔

”میں نے اسپتال میں اپنے دوست ڈاکٹر کو فون کر دیا ہے۔ وہاں سے ایک نرس بھیجی جا رہی ہے۔ جونہی وہ ہال میں پہنچے اسے اوپر لے آنا۔“

ویٹر نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا اور باہر نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد نوازش چائے پینے لگا۔

تقریباً دس بارہ منٹ بعد دروازہ کھلا اور ویٹر کے ساتھ ایک نرس اندر آگئی۔ ویٹر واپس جانے لگا تو نوازش نے اسے روک لیا۔ ”ایک منٹ ٹھہرو..... میرا دوست شاید بے ہوش ہوگیا ہے۔“

نرس اس کی بات سن کر چونکی پھر بیڈ کے پاس جا کر شیام کمار کی کلائی پکڑی اور نبض چیک کرنے لگی۔ ویٹر کھڑا اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”انہیں تو انتہائی درجے کا بخار ہے جناب اور یہ بے ہوش ہیں۔“ نرس نے نوازش کی طرف پلٹ کر کہا۔

”اچھا..... یہ تو بڑی پرابلم ہوئی۔“ نوازش نے پریشان لہجے میں کہا۔ ”کیا کیا جائے؟“

”انہیں فوراً اسپتال لے چلیں۔ کہیں ان کی حالت مزید خراب نہ ہو جائے۔“ نرس نے کہا۔ ”گاڑی ہے آپ کے پاس؟“

”نہیں تو..... ٹیکسی کر لیتے ہیں۔“ نوازش نے کہا۔

پھر اس نے پچاس کا ایک اور نوٹ ویٹر کو دیتے ہوئے کہا۔ ”جلدی سے ٹیکسی کا انتظام کرو۔“

”رہنے دیں۔ میرے پاس گاڑی ہے ڈاکٹر صاحب کی۔ اسی میں لے چلتے ہیں۔“ نرس نے [illegible] سے کہا۔

”اچھا..... یہ نوٹ تمہاری ٹپ ہے۔“ نوازش بولا۔ ”ذرا مہربانی کر کے کسی ویٹر کو لے آؤ اور اسے اٹھا کر نیچے گاڑی تک پہنچا دو۔“

”سر جی..... میں فون کر کے بلا لیتا ہوں۔“ ویٹر نے نوٹ جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

اس نے آگے بڑھ کر فون کا ریسیور اٹھایا اور کاؤنٹر کلرک سے رابطہ قائم کر کے پہلے شیام کمار کے بیمار اور بے ہوشی کا بتایا پھر بولا۔ ”کسی کو اوپر بھیج دیں۔ مریض کو اٹھا کر نیچے لانا ہے۔“

تقریباً دو منٹ بعد ایک ویٹر اندر آیا۔ ان دونوں نے مل کر شیام کمار کو اٹھایا اور باہر کو چل دیے۔ نوازش اور نرس بھی ان کے پیچھے چل دیے۔ وہ لفٹ کے ذریعے نیچے گراؤنڈ فلور پر آئے۔ پھر ہال کے پہلو میں واقع راہداری سے گزر کر ہوٹل سے باہر نکل آئے۔ نرس نے بائیں جانب کھڑی اپنی کار کی طرف اشارہ کیا اور وہ اس طرف بڑھ گئے۔ نوازش نے عقبی دروازہ کھولا اور انہوں نے شیام کمار کو پچھلی نشست پر ڈال دیا۔ نرس نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔ نوازش نے دوسرے ویٹر کو بھی پچاس کا ایک نوٹ تھمایا اور فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ نرس نے انجن اسٹارٹ کر کے کار پارکنگ لاٹ سے نکالی اور ہوٹل کے خارجی گیٹ سے باہر سڑک پر آ کر رفتار میں اضافہ کر دیا۔ لیکن کار کا رخ جناح اسپتال کے بجائے گلشن اقبال کی طرف تھا اور نرس کے روپ میں آسیہ ڈرائیونگ کرتے ہوئے نوازش سے

جا گر رہی تھی۔

گلشن حدید کی ایک عمارت کے ڈرائنگ روم میں اس وقت ایک ادھیڑ عمر مگر صحت مند شخص بڑی بے تابی سے ٹہل رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں جلتا ہوا سگریٹ ختم ہونے والا تھا۔ چند لمحوں بعد اس نے رک کر سگریٹ کا آخری کش لیا۔ پھر میز کے پاس آ کر سگریٹ کا ٹکڑا ایش ٹرے میں مسلا اور صوفے پر بیٹھ کر فون کا ریسیور اٹھا لیا۔ اس نے نمبر ڈائل کیے۔ چند لمحوں میں ہی رابطہ ہوگیا۔

”ہیلو۔“ دوسری طرف سے ایک نسوانی آواز سنائی دی جو کسی نوجوان لڑکی کی معلوم ہوتی تھی۔

”کون بول رہا ہے؟“ اس نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

”آپ کون ہیں اور کس سے بات کرنی ہے۔“ پوچھا گیا۔ ساتھ ہی لڑکی کی سسکاری سنائی دی۔

”کیا تم رضیہ ہو؟“ اس نے تیزی سے سوال کیا۔

”ہاں..... مگر آپ کون ہیں؟“ لڑکی کے لہجے میں حیرت تھی۔ ”اف......!“

”تمہارے ساتھ کرشن ہے۔“ اس نے غصے سے کہا۔ ”ریسیور اسے دو۔“

”وہ تو سو رہا ہے۔ آپ کون ہیں اور اس سے کس سلسلے میں......!“

”شٹ اپ..... اس سے بات کراؤ میری۔ جلدی کرو۔“ وہ رضیہ کی بات کاٹتے ہوئے غرایا۔

ریسیور سے رضیہ کی خوف زدہ سی آواز آئی۔ ”کرشن۔ تم سے کوئی آدمی بات کرنا چاہتا ہے۔“

ایک دو لمحوں بعد کرشن کی آواز آئی۔ ”ہیلو..... یہ کسی رات کو کس کے پیٹ میں درد اٹھا ہے کہ دوسروں کے آرام کا بھی......؟“

”کیا بک رہے ہو حرام زادے۔“ وہ ایک دم دہاڑا۔ ”میں تمہارا باپ کالی داس بول رہا ہوں۔“

”اوہ..... ڈیڈ..... ڈی....“ دوسری طرف سے کرشن کی بوکھلاہٹ آمیز آواز سنائی دی۔

”کیا ہو رہا ہے؟“ اس نے غصے سے پوچھا۔

”کک..... کچھ..... کچھ نہیں ڈیڈی۔ کچھ بھی تو نہیں۔“ کرشن ہکلانے لگا۔

”بکومت......وہ تمہارے بیڈ پر کیا کر رہی ہے؟“ کالی داس اور بھی غضب ناک ہوگیا۔

”بیڈ پر؟“ کرشن کی گھبراہٹ آمیز آواز ابھری۔ ”نہیں تو ڈیڈی۔ وہ بیڈ پر تو نہیں ہے؟“

”تو کیا تمہاری گود میں بیٹھی ہے حرام زادی۔“ کالی داس دھاڑا۔

”نن..... نہیں..... ڈیڈی۔“ وہ صوفے پر بیٹھی میرا سر دبا رہی ہے۔ سر میں درد ہوگیا ہے۔“

”بکومت..... کیا اس کے دبانے سے سر کا درد ختم ہو گیا ہے؟“

”ہاں ڈیڈی۔ اس کے ہاتھوں میں بڑی تاثیر ہے۔ آپ بھی کبھی اس سے اپنا سر......!“ کرشن خوش معلوم ہو رہا تھا۔

”میرے جوتے میں بھی بڑی تاثیر ہے نانہجار۔“ کالی داس نے تیزی سے کرشن کی بات کاٹی۔ ”باز آ جاؤ عیاشی سے۔ ورنہ بہت ماروں گا۔“

”عیاشی نہیں ڈیڈی۔ میں تو اس سے پیار کر رہا ہوں۔“ کرشن کی آواز آئی۔

”پیار کے بچے......“

”ڈیڈی..... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ وہ مجھے بہت چاہتی ہے۔ کہہ رہی ہے گھومنے کے لیے باہر چلیں۔ میں نے کہا ہے ڈیڈی سے اجازت لے کر جائیں گے۔“

”خبردار...... اجازت نہیں ملے گی۔ ابھی تم بچے ہو۔“ کالی داس نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”اوہ..... مگر رضیہ تو کہتی ہے کہ میں بہت طاقت ور جوان ہوں۔ اتنی طاقت کا مظاہرہ اس نے پہلے کہیں نہیں دیکھا۔“ کرشن نے حیرت سے کہا۔

"اچھا.... تو تم نے حد پھلانگ لی اور طاقت کا مظاہرہ دکھا رہے ہو اسے......" کالی داس دانت پیستے ہوئے بولا۔ "بہت کمینے ہو تم۔"

"آپ ہی کا بیٹا ہوں نا۔" کرشن نے ہنس کر کہا۔ "رضیہ نے بتایا ہے کہ اسے آپ نے ہی اغوا کیا تھا سب سے پہلے۔ پھر آپ کے دوست........!"

"زبان کو لگام دو خبیث کے بچے۔" کالی داس دھاڑا۔ "وہ کتیا تمہیں میرے خلاف بھڑکاتی ہے۔ گمراہ کرتی ہے۔"

"نہیں ڈیڈی۔ وہ ایسی نہیں ہے۔" کرشن تیزی سے بولا۔ "اس نے تو مجھے حقیقت بتائی ہے۔"

"حقیقت تو میں اسے ایسی بتاؤں گا کہ اس کے بدن کی بوٹی بوٹی چیختی پھرے گی۔ تم فوراً اسے خود سے جدا کردو۔"

"وہ تو پہلے ہی جدا ہے۔ مجھ سے دور کھڑی ہے۔"

"کھڑی کے بچے...... میں ریسیور پر اس کی اور تمہاری مشترکہ سانسیں سن رہا ہوں۔ بہرحال اب وہ تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتی۔"

"رہ سکتی ہے ڈیڈی.... اس نے مجھے یقین دلایا ہے کہ وہ ساری عمر میرے ساتھ......"

"بکواس بند کروالو کے تخم۔" کالی داس اس کی بات کاٹتے ہوئے غرایا۔

اس کے ساتھ ہی اس نے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔ اس کی آنکھیں غصے کی شدت سے سرخ انگارہ ہو رہی تھیں۔ اس نے منتر پڑھ کر فرش کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا۔ دوسرے ہی لمحے فرش سے دھواں اٹھنے لگا اور اس دھوئیں سے ایک بھیانک چہرہ نمودار ہو گیا۔

"حکم ہے مہاراج۔" اس بھیانک چہرے نے مودبانہ لہجے میں پوچھا۔

"کستورا...... فوراً جاؤ اور نرس رضیہ کو کرشن کے کمرے کی چھت کے ساتھ الٹا لٹکا دو۔" کالی داس نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"بہت بہتر مہاراج۔" کستورا نے سر ہلایا۔ "اس کی کھال بھی اتارنی ہے؟"

"وہ کس لیے؟" کالی داس نے چونک کر پوچھا

"آپ نے نائیگر کے لیے بھی یہی حکم دیا تھا۔ سمجھا شاید رضیہ کی کھال بھی اتارنی ہے۔"

"بکو مت...... جتنا کہا جائے اتنا کام کیا کرو" کالی داس غرایا۔

"بہت بہتر مہاراج...... معافی چاہتا ہوں۔" خوف زدہ آواز میں بولا۔ "اور کوئی حکم ہے یا جاؤں۔"

"جاؤ..... میرے آنے تک وہیں رہنا۔" کالی نے کہا۔ "اور ہاں۔ کرشن کو اپنی شکل مت دکھانا۔ ڈر کر تم پر حملہ نہ کردے۔"

اس کے خاموش ہوتے ہی کستورا کا بھیانک دھوئیں میں غائب ہو گیا۔ پھر دھواں منتشر ہو گیا۔ داس نے میز پر رکھے سگریٹ کے پیکٹ سے سگریٹ نکالا اور سلگانے کے بعد اٹھ گیا۔ وہ دروا کے پاس آیا اور دروازے کی طرف انگلی سے ا کیا۔ دوسرے ہی لمحے دروازہ کھل گیا۔ وہ باہر آیا داری میں کوئی نہ تھا۔ وہ تیز قدموں سے چلا برآمدے میں پہنچا۔

احاطے کا گیٹ بند تھا اور وہاں دو مسلح چوکیدار تھے۔ برآمدے کے پاس ہی اس کی کار موجود تھی۔

"گیٹ کھولو۔" کالی داس نے کار کی طرف بڑ ہوئے بلند آواز سے کہا۔

ایک چوکیدار تیزی سے آگے بڑھا اور اس نے کھول دیا۔ کالی داس نے کار میں بیٹھ کر انجن اسٹا کیا اور کار کا رخ گیٹ کی طرف کردیا۔ گیٹ سے آ کر اس نے رفتار میں اضافہ کیا اور جیب سے ا نکال کر چندریکا کی روح کو طلب کرنے لگا۔

(جاری ہے)

بھولی صورت دل کے کھوٹے

اشتیاق فاطمہ عظمی

میں عموماً بھولی بھالی لڑکیوں سے اپنا یہی تعارف کرواتا تھا۔ انڈیا کے مشہور صنعت کار کا اکلوتا بیٹا.... اور ثبوت کے طور پر میں اپنے گلے میں دس تولے سونے کی چین کلائی میں قیمتی گھڑی اور انگلی میں ڈائمنڈ رنگ پہنے رکھتا۔

وہ ایک خوش شکل اور معصوم سی لڑکی تھی۔ اس کی عمر کا صحیح اندازہ نہیں ہوتا تھا۔ پہلے پہل وہ مجھے سولہ سترہ سال کی دوشیزہ لگی دوبارہ وہ تیس چوبیس برس کی دکھائی دی کبھی چھبیس ستائیس سال کی مجبور عورت بھی نظر آتی۔ مگر جو بھی تھی وہ ایک سڈول جسم اور معصوم سے چہرے والی بھولی اور بے وقوف سی لڑکی۔ اور میرے جیسوں کے لیے بھولی بھالی لڑکیاں ہی ٹھیک رہتی ہیں۔ نا پہلے ان پر کچھ خرچ کرنا پڑتا ہے اور نا بعد میں کوئی قضیہ کھڑا ہوتا ہے یعنی ہینگ لگے نہ پھٹکری اور رنگ بھی چوکھا۔ مگر بھولی لڑکیاں بھی کبھی کبھی دھوکا بھی دیتی ہیں یہ بات میں نے سنی تو تھی مگر اس کا یقین مجھے اس تجربے سے پہلے نا تھا۔ میں پچھلے چار سالوں سے بہنوں کی شادی کے لیے روپیہ کمانے کے لیے اس ملک میں آیا ہوا تھا۔ اور گزشتہ رات فلائٹ سے انڈیا کے لیے روانہ ہوا تھا مگر موسم کی خرابی کے باعث میرا جہاز چوبیس گھنٹوں کے لیے اس بل اسٹیشن کے ایئرپورٹ پر اتر گیا تھا اور ان چوبیس گھنٹوں میں سے لمحوں کو رنگین بنانے کے لیے میں نے اس بھولی حسینہ کا انتخاب کیا تھا۔ عام طور پر اس کے ساتھ ایک منحنی سی نانی سی بڑھیا ہوتی تھی۔ جو لاٹھی ٹیکتی تھوڑا سا لنگڑا کر اس کے پیچھے چلتی رہتی۔ میں نے بڑھیا کو کبھی غور سے دیکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی ظاہر ہے میری پوری توجہ اس پر جو تھی۔ آج کل صبح وہ مجھے اکیلی ٹہلتی ہوئی نظر آئی۔ آج اس نے ... سوٹ پہنا ہوا تھا۔ اور اس کی کھلی ہوئی سڈول ٹانگیں مجھے اپنی طرف بلا رہی تھیں۔ میں بے اختیار اس کی طرف کھنچتا چلا گیا۔

"سنیے۔" میں نے اسے صدا دی اور وہ یوں رک گئی جیسے اسے میری آواز کا ہی انتظار تھا۔

"مجھے وجے کہتے ہیں...... وجے ورما..... انڈیا کے مشہور صنعت کار اجے ورما کا اکلوتا بیٹا۔" میں نے پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان اپنا تعارف کروایا۔ میں اس کے پاس بھاگتا ہوا پہنچا تھا اس لیے میری سانس پھول گئی تھی۔ میں عموماً بھولی بھالی لڑکیوں سے اپنا یہی تعارف کرواتا تھا۔ انڈیا کے مشہور صنعت کار کا اکلوتا بیٹا... اور ثبوت کے طور پر میں اپنے گلے میں دس تولے سونے کی چین کلائی میں قیمتی گھڑی اور انگلی میں ڈائمنڈ رنگ پہنے رکھتا۔ تاکہ وہ بھولی حسینائیں میرے جھوٹ کو سچ مان سکیں۔

"اور آپ۔" میں نے اس کا چہرہ غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ قریب سے وہ اور زیادہ دل کش اور زیادہ بھولی بھالی لگ رہی تھی۔ اس نے انگلی سے اپنے ہونٹوں کو چھوا پھر نفی میں ہاتھ ہلایا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ بول نہیں سکتی۔ "اوہ۔" میں نے ملال سے اس کی طرف دیکھا۔ پھر سر جھٹک کر سوچا کہ اس طرح کے کاموں کے لیے بے زبان لڑکیاں تو زیادہ موزوں ہوتی ہیں۔ ہم دونوں ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ وہ بالکل خاموش تھی وہ گونگی تھی تو ظاہر ہے سن بھی نہ سکتی ہوگی اس ... بک بک بے کار ہے۔ میں نے پہلے اس کے ... ہاتھ رکھا پھر

دھیرے دھیرے ہاتھ پھسلا کر اس کی کمر تک لے گیا۔ اس نے کسی ردعمل کا اظہار نہ کیا اور خود ہی سمٹ کر مجھ سے آ لگی۔ میں اسے خود سے لگائے لگائے جھیل کی اترائی کی طرف چلا۔

یہ چھوٹی سی جھیل چاروں طرف سے پہاڑیوں سے گھری ہوئی تھی۔ بہت نیچے ڈھلوان میں جا کر پانی تھا اور پانی کے ساتھ ساتھ دور دور بینچیں لگی ہوئی تھیں۔ اوپر سے دیکھنے سے جھیل یا جھیل کے اطراف لگی بینچیں نظر نہ آتی تھیں اور اس قدرتی آڑ کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اکثر محبت کرنے والے ان بینچوں پر بیٹھے راز و نیاز میں معروف دکھائی دیتے تھے۔ میں اسے لیے ہوئے ایک کونے کی بینچ کی طرف بڑھا کیونکہ میرا ارادہ بوس و کنار سے آگے کا تھا۔ اس لیے میں نے آخری سرے کی بالکل الگ تھلگ بینچ کا انتخاب کیا تھا۔

میں جب سے یہاں آیا تھا اسی طرح بھولی بھالی لڑکیوں کو بہلا پھسلا کر اپنا کام چلا رہا تھا۔ بھلا ان کاموں پر خرچنے کے لیے میرے پاس پیسے کہاں تھے؟ پچھلے چار سالوں سے رات دن محنت کر کے میں کل پانچ ہزار ڈالرز جمع کر پایا تھا۔ جو اس وقت ہوٹل کے کمرے میں میرے سوٹ کیس میں موجود تھے ان ڈالرز سے میری بوڑھی ہوتی ہوئی دونوں بہنوں کا بیاہ ہونا تھا۔ اور میرے گلے میں پڑی دس تولے سونے کی چین' ان دس تولوں سے ان دونوں کی شادی کا زیور بنا تھا ایک ہاتھ میں قیمتی گھڑی بڑی کے پتی کے لیے اور انگلی میں ڈائمنڈ رنگ چھوٹی کے شوہر کے لیے تھی۔ اور اس وقت میں ہاتھ لہرا کر اور گلا کھجا کر یہ سب چیزیں اسے دکھا رہا تھا تاکہ وہ مجھ سے اور میری امارت سے متاثر ہو سکے۔

بینچ تک پہنچتے پہنچتے میرے ہاتھوں نے مزید پیش رفت شروع کر دی مگر اس کی طرف سے کوئی مداخلت نہ ہوئی تو اس سے میرے حوصلے اور بڑھ گئے۔ جذبے اور بھی جوان ہو گئے۔ بینچ پر پہنچتے ہی اس نے مجھے دھکیل کر بینچ پر گرایا اور چشم زدن میں ایک ننھا سا پستول نکال کر پسلیوں سے لگا دیا۔

"گلے کی چین گھڑی اور انگوٹھی میرے حوالے کر" اس نے غرائی ہوئی آواز میں حکم دیا۔ "اور اپنے کمرے کی چابی بھی۔"

میرے اوسان خطا ہو چکے تھے۔ میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھے جا رہا تھا۔

"جلدی کرو۔" اس نے پستول کی نوک میری پسلی میں چبھاتے ہوئے سختی سے کہا۔ "ورنہ۔"

میں نے اس کے لہجے سے اس کے ارادے کی سنگینی کو بھانپ کر جلدی سے چین انگوٹھی اور گھڑی اتار اس کے حوالے کر دی۔

"چابی بھی۔" وہ غرائی۔

"مگر چابی کیوں؟" میں جھنجھنایا۔

"ان ڈالرز کے لیے جو تمہارے سوٹ کیس میں ہیں بے بی۔" اس نے انگلی سے میرے گال کو چھوا۔

"مگر۔" میں نے احتجاج کی کوشش کی۔

"خاموش۔" اس نے کڑکتی آواز میں ڈانٹا۔ زیادہ اگر مگر کی' تو گولی مار کر اسی جھیل میں ڈبو دوں گی کسی کو پتا بھی نہیں چلے گا سمجھے۔"

اور میں فوراً سمجھ گیا میں نے خاموشی سے کمرے اور سوٹ کیس کی چابیاں اس کے حوالے کر دیں۔ جنہیں لیتے ہی اس نے اگلی بینچ پر بیٹھی اپنی ساتھی اسی منحوس بڑھیا کی طرف اچھال دیں۔ اور بڑھیا چابیاں کیچ کر کے اوپر کی طرف دوڑ پڑی۔

بس' اس کے بعد کی کہانی میں کیا سناؤں؟ آپ خود سمجھ سکتے ہیں۔ پچھلے کئی سالوں سے میں مسلسل محنت کر کے پیسے جوڑنے کی کوشش میں لگا ہوا ہوں۔ ہاں' ایک اور بات..... اب میں کسی بھی بھولی بھالی صورت والی لڑکی کی طرف بھولے سے بھی نہیں دیکھتا۔

☆☆☆

پناہ گاہ

ایک روز میں سات بجے پروفیسر بونزال کی رہائش گاہ پہنچا تو وہ کہیں گئے ہوئے تھے۔ میں
سے نیچے تجربہ گاہ میں آ گیا اور اپنے کام میں منہمک ہو گیا۔ اچانک کام کے دوران میری
چھوٹے سے رقعے پر پڑی۔ اس لیبارٹری میں میرے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ پہلے تو میں نے اس پر کوئی خاص توجہ نہ دی
ایسے ہی کوئی کاغذ کا ٹکڑا ہوگا، مگر میری ٹیبل پر عین میرے سامنے یہ رقعہ میری توجہ مبذول کروانے میں کامیاب
بہرطور میں نے رقعہ کھولا اور یہ دیکھ کر چونک گیا کہ وہ میرے ہی نام تھا۔ اب میں اسے بہ غور پڑھنے لگا۔ مسٹر افتخار.....!

تم میرے محسن ہو، اسی لیے میں یہ بات تم سے کہہ رہی ہوں۔ تم سے اسالٹ وائرس پر جو کام کروایا جا رہا
خود تمہاری ہی نہیں بلکہ بنی نوع انسان کی تباہی و بربادی کا موجب بنایا جانے والا ہے۔ فار گاڈ سیک
تجربے سے باز آ جاؤ، کیوں کہ اس میں خود تمہاری جان کو بھی خطرہ ہے۔ پلیز!...... اس خطرناک وائرس
فارمولے کو جلا ڈالو۔ اس تجربے سے باز آ جاؤ۔ بے شک تم اسے انسانیت کی بھلائی کی خاطر ا
کرنا چاہتے ہو، مگر جیسے ہی تم فارمولا تیار کر لو گے یہ تم سے چھین لیا جائے گا۔

تمہاری گم نام خیرخواہ!

میں یہ خط پڑھ کر دم بہ خود رہ گیا۔ خط کے مضمون سے اندازہ ہوتا تھا کہ یہ خط کسی لڑکی یا عورت
ہے مگر کس نے......؟ یہ میں نہیں جانتا تھا۔

میں عجیب کیفیت کا شکار ہونے لگا تھا۔ میری
سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ آخر میری اس گم نام ہم
درد نے کیوں مجھے اسالٹ وائرس کی تیاری سے
روکنے کی کوشش کی ہے، حالاں کہ جہاں تک میرا
خیال تھا کہ میں جس وائرس پر کام کر رہا تھا، وہ انسانی
زندگی کے لیے سر بہ سر بے ضرر تھا، تو پھر میری
گم نام ہم درد کو ان باتوں کا
علم کیسے ہوا کہ بعض نامعلوم
افراد اس کا غلط استعمال کرنے کی
ٹھانے ہوئے ہیں؟ کیا وہ ان کے کسی شیطانی اور
مذموم مقاصد سے آگاہ ہو چکی تھی......؟ مگر یہ عورت
یا لڑکی تھی کون......؟ میرے دماغ میں یک بہ یک
کئی سوالیہ نشان اُبھرے۔

اچانک مجھے دروازے کی سمت کسی کے قدموں
کی چاپ سنائی دی۔ میں چونک کر اٹھا۔ دروازے
کی طرف دبے پاؤں بڑھا۔ ذرا قریب پہنچا تو
سامنے نو وارد کو دیکھ کر بری طرح چونک گیا۔

میرے سامنے ایلیز کھڑی تھی۔ آنجہانی پروفیسر مالکم اسپرنجر کی بیٹی جواب بے چاری یتیم ہو چکی تھی تاہم اسے یہاں تجربے گاہ میں اچانک اور بغیر دستک دیے داخل ہوتے دیکھ کر میرے چونکنے کی وجہ یہ تھی کہ یہاں اوّل تو کسی کو داخل ہونے کی اجازت نہ تھی کیوں کہ یہاں خطرناک کیمیکل وغیرہ موجود تھے۔ میں خود چہرے پر بسا اوقات نقاب چڑھا لیا کرتا تھا۔ دوسرے یہ کہ اگر گھر کے کسی فرد کو رابطہ کرنا مقصود ہوتا تو اس کے لیے انٹرکام کی سہولت دی ہوئی تھی۔

بہر طور میں ایلیز کو دیکھ کر یک دم اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ چہرے سے مضطرب اور بے چین سی نظر آ رہی تھی۔ میں حیران پریشان نظروں سے اس کی طرف تکتا ہوا چند قدم آگے بڑھا تو وہ بھی میرے قریب آ گئی۔

”کیا ہوا ایلیز! خیریت؟ تم پریشان نظر آ رہی ہو۔“ میں نے قدرے الجھن آمیز پریشانی سے پوچھا۔

”ہاں۔“ وہ لڑکھڑاتی سی آواز میں بولی۔

”وہ...... ارادہ تو میرا سامنے آنے کا نہیں تھا مگر...... مگر میں تمہیں مصیبت میں پھنستا ہوا نہیں دیکھ سکتی۔“

میں اس کی بات پر بری طرح چونکا تھا اور پھر یک لخت میری نگاہوں کے سامنے وہ پراسرار خط گھوم گیا۔

”کیا مطلب؟ مس ایلیز! میں تمہاری بات کا مطلب نہیں سمجھا؟“

میں نے الجھ کر پوچھا۔ اس نے ایک نگاہ میرے چہرے پر ڈالی اور تذبذب کے ساتھ بولی۔

”تم نے وہ خط پڑھ لیا ہوگا جو یہاں تمہاری میز پر رکھا تھا۔“ میں نے وہ خط اسے دکھایا اور پوچھا۔

”یہ خط...... تم نے......؟“

میں نے دانستہ اپنا جملہ منقطع کیا۔

”ہاں۔“ اس نے یک دم اپنے سر کو اثبات میں ہلاتے ہوئے مختصراً کہا۔

”ہوں۔“ میں نے ایک گہری ہنکاری لی۔

”آؤ۔ ادھر بیٹھو اور مجھے ذرا تفصیل سے بتاؤ۔ کیا چکر ہے؟“ میں نے اسے ایک اسٹول نما چیئر پر بیٹھنے کو کہا اور پھر اس کے بیٹھتے ہی میں بھی اپنی کرسی پر براجمان ہو گیا۔

اب میری مستفسرانہ نظریں اس کے مضطرب چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ بلا تعویق بتانے لگی۔

”مسٹر افتخار! تم جس فارمولے پر کام کر رہے ہو اسے ادھورا چھوڑ دو، کیوں کہ اس کی تیاری نہ صرف تمہارے لیے بلکہ پوری انسانیت کے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے۔“

”بٹ وائے...... ایلیز! تم ایسا آخر کس Base پر کہہ رہی ہو۔“ میں نے اس بار واضح طور پر الجھن آمیز پریشانی سے پوچھا۔

اس نے ایک طویل سانس لی اور اسرار بھرے میں قدرے صراحت سے بولی۔

”مسٹر افتخار! کچھ روز پہلے میں نے محض اتفاقیہ پروفیسر بونزال کی گفتگو سن لی تھی۔ اس روز دو افراد ان سے ملاقات کرنے آئے تھے۔ وہ جس کمرے میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے، اس کے ساتھ ایک اسٹور نما چھوٹا سا کمرا بھی ملحق تھا۔ میں اتفاق سے وقت اسٹور میں پرانے اخبارات اور رسائل چھان رہی تھی کہ اچانک پروفیسر بونزال کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔ وہ ان سے ذرا دھیمی آواز میں باتیں کر رہے تھے۔

”مسٹر آرتھر افتخار! نے فارمولے پر کام شروع کیا ہے۔ وہ تیار ہوتے ہی میں وہ فارمولا چوری کر لوں گا اور تمہارے حوالے کر دوں گا، مگر میں پے ایڈوانس لوں گا اور ڈالرز کی صورت میں اور پورے دس کروڑ ڈالرز۔“

”وہ تو ٹھیک ہے مسٹر بونزال!“ اجنبی کی آواز ابھری۔

”مگر دس کروڑ ڈالرز بہت زیادہ ہیں، کیوں کہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ افتخار جس اسالٹ وائرس پر کام کر رہا ہے ہمیں اس پر مزید کام بھی کروانا پڑے گا، ورنہ تو وہ ہمارے لیے بالکل بے ضرر ہے۔“

”نہیں۔ رقم میں اتنی ہی لوں گا۔“ پروفیسر بونزال نے اٹل لہجے میں کہا تو دوسرا اجنبی بولا۔

”مسٹر بونزال! ہم اس فارمولے کو اپنے مقصد کے مطابق مزید اسٹیبلش کرنا چاہتے ہیں یعنی فارمولا تم سے حاصل کرنے کے بعد ہم اپنے سائنس دانوں کی ایک خفیہ ٹیم میں تمہیں بھی شریک کرنا ضروری سمجھتے ہیں ظاہر ہے اس کے لیے بھی ہمیں ایک خطیر رقم خرچ کرنا ہوگی۔“

”بے شک! اگر تم لوگ اس فارمولے کو اپنے مطلب کے مطابق اسے مزید اسٹیبلش کرنے کے لیے مجھے بھی ہائر کرنا چاہتے ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں مگر میں رقم کم نہیں کروں گا اور ہاں اس فارمولے پر مزید کام کرنے کے لیے میں الگ سے پانچ کروڑ ڈالر لوں گا اگر تم لوگوں کو یہ سودا منظور ہے تو ٹھیک ہے ورنہ مجھے پارٹیوں کی کمی نہیں۔“ پروفیسر بونزال نے حتمی لہجے میں کہا۔ اندر تھوڑی دیر خاموشی چھائی رہی۔“ ایلیز اتنا بتا کر لمحے بھر کو تھمی پھر کہنا شروع ہوئی۔

اسٹور کا ایک دروازہ چوں کہ اندر مذکورہ کمرے میں بھی کھلتا تھا اس لیے میں کان لگائے ان کی یہ ساری باتیں بہ غور سن رہی تھی۔ بالآخر وہ لوگ یہ سودا منظور کر کے چلے گئے۔ اس وقت تو مجھے ان کی گفتگو سے کسی خاص یا قابل ذکر بات کا پتا نہ چل سکا، کیوں کہ میں یہی سمجھ رہی تھی کہ شاید اس فارمولے کو یہ لوگ واقعی مزید کارآمد بنانا چاہتے ہیں لیکن ابھی دو روز پہلے ہی کا ذکر ہے کہ پروفیسر بونزال نے اپنے دو قریبی دوستوں پروفیسر جیری اور پروفیسر ڈونالڈ کو اپنے ہاں بلایا چوں کہ میرے دل میں اس دن سے کھد بد لگ چکی تھی اور اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ آخر پروفیسر بونزال تمہارے اس فارمولے کو مہنگے داموں کیوں فروخت کرنا چاہتے ہیں؟ لہٰذا جب میں نے ان تینوں کی ٹوہ لی تو مجھے اصل حقیقت کا پتا چلا۔“

ایلیز اتنا کہہ کر رکی تھی۔ اس بار اس کے توقف کا وقفہ خاصا طویل تھا۔ میرے اندر زبردست پکڑ دھکڑ مچی ہوئی تھی۔ میں بہ دستور اپنی نظریں اس کے چہرے پر مرکوز کیے بہ غور اس کی گفتگو سن رہا تھا۔ وہ دوبارہ کہنا شروع ہوئی۔

”اس بار مجھے پروفیسر بونزال کی گفتگو سے اصل بات کا پتا چلا جو انہوں نے کھل کر اپنے دوستوں جیری اور ڈونالڈ سے کی تھی۔

انہوں نے انہیں بتایا کہ وہ اسالٹ وائرس کو مہنگے داموں ایک انٹرنیشنل کروکر کے ہاتھوں فروخت کرنے کا ارادہ کر چکے ہیں اور ان سے معاوضہ بھی طے کر لیا ہے۔ اس پر پروفیسر جیری اور ڈونالڈ نے شدید حیرت کا اظہار کرتے ہوئے بونزال سے پوچھا کہ آخر اس بے ضرر سے فارمولے کو اتنے مہنگے داموں کیوں خریدا جا رہا ہے تو پروفیسر بونزال نے انہیں بتایا کہ انٹرنیشنل کروکر جس کا ایک انڈر ورلڈ ونگ ترقی یافتہ اور ترقی پذیر سپر پاورز ملکوں کے ساتھ خفیہ ڈیلنگ بھی کرتا ہے اور انہیں حریف ملکوں کے فوجی اور دفاعی رازوں اور دیگر کارآمد دستاویزات چوری کر کے ان کے حوالے کرتا ہے لہٰذا انہوں نے کسی ملک کے خفیہ افسروں سے ڈیلنگ کر رکھی ہے اور میرا خیال ہے کہ اسالٹ وائرس کے فارمولے کو اپنے مفادات میں ڈھالنے کے لیے ہی ان دونوں کے درمیان مزید کمٹمنٹ بھی ہوئی ہے جو مشترکہ طور پر اس فارمولے پر مزید کام کرنا چاہتے ہیں پھر پروفیسر ڈونالڈ کے اس سوال پر کہ آخر وہ اس فارمولے پر مزید کون سے خفیہ تجربات کرنا

چاہتے ہیں تو پروفیسر بونزال نے بتایا کہ وہ لوگ اس فارمولے کی تیاری کے بعد سب سے پہلے تو اسالٹ وائرس تیار کریں گے پھر اس پر مزید تجربات کر کے اسے بے ضرر سے ضرر رساں بنا دیں گے اور وہ اسالٹ وائرس جس کا اصل مقصد کیمیائی اور ایٹمی ہتھیاروں کو ناکارہ کرنا ہوگا اسے وہ اس قدر خطرناک بنا دیں گے کہ اس کی طاقت الٹا انسانوں کے خاتمے پر منتج ہوگی، یعنی وہ بے ضرر وائرس کیمیائی اور ایٹمی ہتھیاروں سے کئی گنا زیادہ خطرناک اور جان لیوا ہو جائے گا۔"

ایلیز یہ سنسنی خیز انکشافات کرنے کے بعد خاموش ہوگئی جب کہ میرا دماغ بری طرح سائیں سائیں کرنے لگا بلکہ میں تو چند ثانیے گنگ ہو کر ہی رہ گیا تھا۔ ایلیز ایک ایسی لڑکی تھی جس کی بات کو میں بہرکیف جھوٹ تصور نہیں کرسکتا تھا اور مجھے پورا یقین تھا کہ اس نے ابھی مجھے جس لرزہ خیز حقیقت سے آگاہ کیا تھا وہ بلاتشکیک و بلاستم تھی۔

"ایلیز! تم نے اس راز سے میرے علاوہ کسی دوسرے فرد کو تو آگاہ نہیں کیا ہے نا؟" میں نے چند ثانیے گم صم رہنے کے بعد کسی خیال کے تحت اس سے پوچھا۔

"ہرگز نہیں اور نہ ہی کرنے کا ارادہ ہی رکھتی ہوں۔" وہ اپنا سر نفی میں ہلاتے ہوئے بولی۔

"گڈ......!" میں نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔ پھر چند منٹ خاموشی کے بعد اس سے بولا۔

"ایلیز! تم نے مجھے پروفیسر بونزال کے مکروہ مقاصد سے آگاہ کر کے نہ صرف مجھ پر بلکہ پوری انسانیت پر احسان کیا ہے۔ تم واقعی ایک بہادر لڑکی اور ہم درد انسان ہو۔ مجھے یقین نہیں آرہا کہ پروفیسر بونزال اس قدر لالچی اور ننگِ انسانیت شخص بھی ہوسکتا ہے جو محض دولت کی خاطر پوری انسانیت کو ایک خطرناک جہنم کی آگ میں بھی جھونک سکتا ہے۔"

میرے لہجے میں بہ تدریج پروفیسر بونزال کے لیے نفرت کا زہر عود کر آنے لگا تھا۔ ایلیز ایک تلخ مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"مسٹر افتخار! دولت شے ہی ایسی ہے، ویسے مجھے حیرت ہے کہ آخر بونزال ایسا کیوں کرنا چاہتا ہے؟ کیا اسے اتنی سمجھ نہیں ہے کہ وہ جس فارمولے کو خطرناک اور جان لیوا بنانے والوں کے ہاتھوں فروخت کرنا چاہتا ہے اس کی آگ سے دیر بہ دیر وہ خود بھی نہ بچ پائے گا؟"

"حرص اور طمع کے مارے ہوئے لوگوں کے اندر بھلا ایسی دور اندیشانہ سوچ کہاں ہوتی ہے؟" میں نے تلخی سے کہا پھر اسے سمجھاتے ہوئے مزید بولا۔

"اچھا ایلیز! اب تم بالکل خاموش ہی رہنا، لیکن اگر تمہیں پروفیسر بونزال کی گفتگو کے بارے میں اسی طرح بہ آسانی موقع ملتا رہے تو تم سن گن لیتی رہنا۔ میں بھی اب محتاط رہوں گا۔" وہ بولی۔

"اب تم اس فارمولے کا کیا کرو گے؟ میرے تو خیال میں تمہیں اب اسے ادھورا ہی چھوڑ کر تلف کر دینا چاہیے۔"

میں اس کی بات پر گہری سوچ سے بولا۔

"وہ فارمولا تو اب اپنی تیاری کے آخری مرحلے میں ہے لیکن میں اپنی محنت ضائع بھی تو نہیں کرنا چاہتا بلکہ میں چاہتا ہوں کہ اسے انسانی خدمت کے طور پر استعمال میں لاؤں۔"

"تو کیا تم اسے ضائع نہیں کرو گے؟" ایلیز پریشان کن حیرت کے ساتھ بولی۔

"اس کے بارے میں بعد میں سوچوں گا۔ ہوسکتا ہے میں اسے تیار کرنے کے بعد پروفیسر بونزال کو ڈاج میں رکھوں اور اندر ہی اندر اسے انسانی خدمت کے لیے انتہائی رازداری اور خفیہ طریقے سے یہ کام انجام

دے ڈالوں۔" میں نے کہا۔ اچانک دروازے پر آہٹ ہوئی۔ میں چونک سا گیا۔ ایلیز بھی بے چاری پریشان سی نظر آنے لگی۔

"میرا خیال ہے پروفیسر بونزال ہوں گے۔" میں نے جلدی سے کہا۔

"ایلیز تم ایسا کرو جلدی سے چھپ جاؤ۔ میں نہیں چاہتا کہ تمہیں وہ یہاں میرے ساتھ دیکھیں...... ہری اپ!" میری بات پر وہ جلدی سے ایک آڑ کے پیچھے چھپ گئی۔

میرا اندازہ درست ثابت ہوا تھا۔ لیبارٹری کے اندر داخل ہونے والا شخص پروفیسر بونزال ہی تھا۔ میں نے اپنی سی کوشش کی تھی کہ میرے چہرے سے کسی قسم کی پریشانی کے تاثرات نہ ابھریں۔ لہٰذا میں نے فوراً چہرے پر ہلکی مسکراہٹ لاتے ہوئے پروفیسر بونزال کو دیکھا اور رسمی ہائے ہیلو کے بعد پوچھا۔

"انکل! کہاں تھے آپ!" وہ مسکرا کر بولے۔

"ہاں۔ میں ذرا جیری اور ڈونالڈ کے پاس چلا گیا تھا۔ کچھ ضروری ڈسکشن کرنا تھی۔ تم سناؤ، کہاں تک پہنچے؟ مجھے لگتا ہے کہ تمہارا فارمولا اب آخری مراحل ہی طے کر رہا ہوگا؟"

"جی ہاں۔ تقریباً" میں نے مختصراً جواب دیا۔

"گڈ! اندازاً ویسے کتنے روز کا کام ہوگا؟"

"کام تو چند مہینوں کا ہی باقی بچا ہے لیکن......"

"لیکن کیا......؟" وہ فوراً مستفسر ہوئے۔ جواباً میں دانستہ اپنے چہرے پر الجھن آمیز سوچوں کی شکنیں ڈالتے ہوئے بولا۔

"آخر میں ذرا ایک پرابلم ہو گیا ہے۔ بہرحال میں Solve کرلوں گا۔"

میں نے دیکھا وہ کچھ پریشان سا نظر آنے لگا۔ اس کے چہرے سے صاف عیاں ہو رہا تھا کہ انہیں فارمولے کے مکمل ہونے کی غیر معمولی عجلت تھی۔

"مجھ سے کوئی مدد چاہیے؟" بالآخر انہوں نے بہ غور میرے چہرے کی طرف دیکھ کر پوچھا تو میں جواباً ایک ہنکاری خارج کر کے بولا۔

"نہیں۔ میں خود ہی دیکھ لوں گا۔"

"ہوں۔ ٹھیک ہے۔" ابھی انہوں نے اتنا ہی کہا تھا کہ اچانک کسی کانچ کے گر کر ٹوٹنے کی آواز ابھری جو لیبارٹری کے خاموش ماحول میں دھماکے کی طرح گونجتی محسوس ہوئی۔ کانچ ٹوٹنے کی آواز اسی سمت سے آتی محسوس ہوئی تھی جہاں ایلیز چھپی ہوئی تھی۔ غالباً گھبراہٹ یا پریشانی میں اس سے کیمیکل کی کوئی بوتل گر کر ٹوٹ گئی تھی۔ پروفیسر بونزال نے چونک کر مذکورہ سمت دیکھا اور لپک کر آگے بڑھا تو میں نے دیکھا ایلیز سہمے ہوئے چہرے کے ساتھ آڑ سے برآمد ہوئی۔

"تم ادھر چھپی ہوئی کیا کر رہی تھیں؟" پروفیسر بونزال نے اس کی طرف گھورتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر ناگوار سے لہجے میں پوچھا۔

"وہ......وہ...... میں......" پریشانی اور گھبراہٹ کے مارے اس سے کچھ بولا ہی نہیں جا رہا تھا۔

"تمہیں پتا ہے یہاں کتنے خطرناک کیمیکل بکھرے ہوئے ہیں۔" پروفیسر بونزال نے درشت لہجے میں کہا اور پھر میری طرف دیکھ کر بولے۔ "افتخار! یہ یہاں کب آئی؟"

اس کے لہجے میں گہری تشکیک ہویدا تھی۔ میں بھی ان جان بن گیا اور بولا۔

"مجھے نہیں معلوم۔ یہ یہاں کب اور کیوں آئی تھی؟ میں تو اپنے کام میں منہمک تھا۔"

"ہوں۔" پروفیسر بونزال نے ایلیز کی طرف گھور کر ایک اسرار بھری طویل ہنکاری بھری۔

"ناؤ، یو گیٹ لاسٹ فرم ہیئر!" ایلیز لرزتی کانپتی باہر نکل گئی۔

"عجب پاگل لڑکی ہے یہ۔ بھلا یہ یہاں چھپی کیا

کر رہی تھی؟'' میں دانستہ تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے خودکلامی کے انداز میں بڑبڑایا۔

''یہ پاگل نہیں ہے مسٹر افتخار!'' پروفیسر بونزال گہری سوچ کے استغراق میں بولے۔

''یہ ضرور کسی مقصد کے لیے یہاں آئی ہوگی۔ ٹھہرو میں ابھی اس سے جاکر پوچھتا ہوں۔''

وہ یہ کہہ کر فوراً لیب سے باہر نکلتا چلا گیا۔ میں ہکا بکا اور پریشان سا کھڑا رہ گیا۔ میرا دل سائیں سائیں کرتی کنپٹیوں پر دھڑکنے لگا پھر میں بھی ہونٹ بھینچتا ہوا لیب سے باہر آ گیا۔ مسز بونزال اور ان کی بیٹی ماریہ کہیں باہر گئی ہوئی تھیں اور پروفیسر بونزال ایک کمرے میں ایلیز کی کلاس لے رہے تھے۔

''ہوں۔ تو گویا تم افتخار سے ملنا چاہتی تھیں؟'' جب میں وہاں پہنچا تو وہ صوفے پر بیٹھے اپنے سامنے کھڑی ڈری سہمی ایلیز کو گھورتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

میں سمجھ گیا ایلیز نے جھوٹ موٹ مجھ سے چھپ کر ملنے کا بہانہ تراشا تھا۔ میں بھی پروفیسر کے قریب صوفے پر بیٹھ گیا۔ مجھے ایلیز کی ہیئت کذائی پر ترس آ رہا تھا مگر میں اس کی حمایت میں بولنے سے کترا ہی رہا تھا چہ جائیکہ پروفیسر بونزال کو مجھ پر بھی کسی قسم کا شک نہ ہو جائے۔

''کیوں تم افتخار سے چوری کیوں ملنا چاہتی تھیں؟'' بالآخر پروفیسر بونزال نے پاٹ دار آواز میں ایلیز سے پوچھا۔

''مم...... میں یونہی ان سے باتیں کرنا چاہتی تھی۔ اکیلے بور ہو رہی تھی مگر انہیں کام میں مصروف دیکھ کر میں کشش و پنج میں مبتلا ہو گئی تھی۔ پھر آپ کو اندر داخل ہوتا پا کر میں چھپ گئی۔'' ایلیز نے سارا کچھ اپنے سر لے لیا حالاں کہ وہ ایک نیک کام کے سلسلے میں ہی مجھ سے ملنے آئی تھی مگر ایلیز نے دانستہ یہی تاثر دینے کی کوشش کی تھی گویا وہ مجھے پسند کرتی ہے۔ میں نے کن انکھیوں سے پروفیسر بونزال کی طرف دیکھا۔ مجھے محسوس ہوا جیسے وہ ایلیز کی باتوں میں آ گئے تھے مگر پھر بھی اس کی پیشانی پر تشکیک آمیز شکنوں کا جال سا پھیل گیا تھا۔

''دیکھو ایلیز! تم میرے مرحوم دوست پروفیسر جیری مالکم کی بیٹی ہو، اس لیے میں تمہیں کچھ نہیں کہہ رہا۔ تمہیں یہ عامیانہ رویہ زیب نہیں دیتا۔ بہرحال آئندہ محتاط رہنا۔ ایسا نہ ہو کہ پھر مجھے تمہیں یہاں سے نکالنا پڑ جائے۔'' پروفیسر بونزال نے سرد لہجے میں اسے متنبہ کرتے ہوئے کہا اور میں نے دیکھا، بے چاری ایلیز کا چہرہ احساسِ ذلت سے .... میں ایلیز کی حمایت میں کچھ بولنا نہیں چاہتا تھا ورنہ اس بے چاری کی قربانی ضائع چلی جاتی، اس لیے بہ ظاہر خاموش بیٹھا اندر ہی اندر اس کی ذہنی و دلی خفت پر کڑھتا رہا۔ ایلیز ہولے سے سوری کہہ کر کمرے سے نکل گئی۔

☆

ایلیز کی بروقت حکمتِ عملی سے بات آئی گئی ہو گئی تھی۔ جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے روزی اپنے باپ مائیکل ٹائیڈل کے گھر کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ آئی تھی اس لیے وہ پہلے چند روز تو پروفیسر بونزال کے ہاں رہی تھی پھر اس کے بعد اس نے یونی ورسٹی آف لیڈز کے کیمپس میں اپنی سنگل الاٹمنٹ کروالی تھی۔ یوں اب میں اور روزی اور قریب ہو گئے تھے۔

مائیکل ٹائیڈل والا قضیہ بہ ظاہر ٹھنڈا پڑ چکا تھا مگر میں مائیکل ٹائیڈل کی کینہ پرور فطرت سے بہ خوبی واقف تھا اور مجھے پورا یقین تھا کہ وہ اندر ہی اندر بہ ظاہر گونگا پانی بنے میرے خلاف ایک گرداب بنانے کی تگ و دو میں مصروفِ کار ہوگا، تاکہ مجھے پھنسا سکے۔ جب اسے عارضی طور پر معطل (Suspend) کر دیا گیا تھا تو اس نے مجھے دھمکی دیتے ہوئے کہا تھا کہ وہ لامحدود اپروچ کا مالک ہے اور بہت جلد وہ مجھے اپنی سازشوں کے نادیدہ تارِ عنکبوت ...نے والا تھا۔

...طور خطرات ہی فی زمانہ میری کمین گاہ تھی تو پھر ...ھلا ان گیدڑ بھبکیوں سے کیوں ڈرتا تاہم میں پہلے سے زیادہ محتاط رہنے لگا تھا۔

...ب جب کہ پروفیسر بونزال کے چہرے کا نقاب ...نے اتار دیا تھا تو مجھے ایک نئی الجھن آمیز پریشانی ...گھیر لیا تھا۔ روزی میری پہلی اور آخری محبت تھی اور ...نا کی دست راست اور ہمدرد بھی۔ میں نے اسے ...بھی بتا ڈالا تھا۔

...انی! میں تو کہتی ہوں اس فارمولے کو گولی مارو اور ...اپنی پڑھائی پر توجہ دو۔ ہمارا تھیسز مکمل ہونے ...ہے۔ چند مہینے تو رہ گئے ہیں پھر ہم سارے گھن ...ط پر لعنت بھیج کر پاکستان چلے جائیں گے۔'' ...ی نے کہا۔

...ارادہ تو میرا بھی یہی ہے لیکن روزی! میں اپنی ...ضائع نہیں کرنا چاہتا اور پھر اس فارمولے کو میں ...ی بھلائی کے لیے استعمال میں لانا چاہتا ہوں۔'' ...نے رسان سے کہا۔

...گرانی! یہ بھی تو سوچو کہ پروفیسر بونزال دولت ...لالچ میں اسے ان لوگوں میں فروخت کرنا چاہتا ...جو اس فارمولے کے ذریعے دنیا میں اپنی اجارہ ...اور مطلق العنانی کے لیے استعمال کرنے کا مذموم ...کیے ہوئے ہیں۔ تمہارا یہ فارمولا بجائے ...ے کے پوری دنیا کے انسانوں کے لیے وبال ...نہ بن جائے۔''

...زی نے سمجھانے کے انداز میں مجھ سے کہا اور میں ...ی بات کا مطلب اچھی طرح جانتا تھا۔

...روزی! مجھے کیا کرنا ہے، یہ میں اچھی طرح ...چکا ہوں۔ تم بے فکر رہو۔ مجھے اب پروفیسر ...ل کرانڈپ کی اصلیت کے بارے میں پتا چل ...ہے۔''

میں نے اٹل لہجے میں کہا اور روزی نے ایک ہنکاری خارج کر کے چپ سادھ لی۔ شاید وہ میری ضدی فطرت سے واقف تھی مگر میری ضد بے جان ہوتی تھی۔ میں اپنے اصولی موقف پر ڈٹا ہوا تھا۔

ادھر بعد میں مجھے پتا چلا کہ ایلیز نے خود ہی خاموشی کے ساتھ اپنی مرضی سے پروفیسر بونزال کے گھر کو خیر باد کہہ کر اپنی الگ رہائش اختیار کر لی تھی۔ اس نے اپنے آنجہانی باپ پروفیسر مالکم اسپرنجر کا آؤٹر لندن میں واقع بنگلہ فروخت کر کے شہر میں ساؤتھ اسٹریٹ پر ایک کرائے کا اپارٹمنٹ لے لیا تھا اور مقرر کردہ لگے بندھے اخراجات سے وہ پرسکون مگر تنہا زندگی گزار رہی تھی۔ میں ایک دن اس کے اپارٹمنٹ میں پہنچا۔ وہ اس وقت اپنے اپارٹمنٹ میں ہی موجود تھی۔ اپارٹمنٹ چھوٹا مگر اچھا اور سلیقے سے سجا ہوا تھا۔ دو کمرے اور ایک لاؤنج بھی تھا۔ ایلیز مجھے دیکھ کر خوش ہو گئی تھی۔

''تم نے اچھا کیا ایلیز! کہ پروفیسر بونزال کے پروں سے نکل آئیں۔'' میں نے ایک صوفے پر براجمان ہوتے ہوئے کہا۔

وہ میرے لیے لائم جوس بنا کر لے آئی اور میرے سامنے والے صوفے پر براجمان ہو گئی تھی۔

''مگر اب شاید میں پروفیسر بونزال کی پراسرار سرگرمیوں پر نظر نہ رکھ سکوں گی۔'' وہ متاسفانہ لہجے میں بولی تو میں نے کہا۔

''کوئی بات نہیں۔ تم نے مجھے اصل حقیقت سے تو آگاہ کر ہی دیا ہے۔ اب میں محتاط رہوں گا۔ یہ تمہارا ایک بہت بڑا کام ہے۔ آگے میں خود ہی سنبھال لوں گا۔'' وہ خاموشی سے جوس کے ہلکے ہلکے سِپ لینے لگی۔ میں مزید تھوڑی دیر وہاں بیٹھنے کے بعد لوٹا۔

میری کری سیڈا چوں کہ بالکل تباہ ہو چکی تھی اس لیے میں اب روزی کی بیوک استعمال کیا کرتا تھا۔ میں ڈرائیونگ پر بیٹھا اور جیسے ہی میں شاہراہ پر آیا تو اچانک

مجھے عقبی سیٹ پر کسی کی موجودگی کا احساس ہوا اور پھر اس سے پہلے کہ میں اپنا سر گھما کر عقب میں دیکھتا' اچانک میری گردن سے ایک سرد آہنی نال آ لگی اور ساتھ ہی ایک کرخت سرسراتی آواز ابھری۔

''کوئی غلط حرکت کیے بغیر میرے بتائے ہوئے پتے پر کار چلاتے رہو۔'' میرے ٹھٹکے ہوئے وجود میں یک لخت سنسنی دوڑتی چلی گئی۔

دھمکی دینے والے کا سفاک لہجہ بتا رہا تھا کہ اگر میں نے بلا چوں وچرا اس کی تنبیہ پر عمل نہ کیا تو وہ بے دریغ مجھے گولی مار دے گا۔ چنانچہ میں ایک پھنسی پھنسی سی ہنکاری خارج کر کے اس کے بتائے راستوں پر اپنی کار دوڑائے جا رہا تھا۔

میرے اندر زبردست ہل چل مچی ہوئی تھی۔ ابھی میں یہ تجزیہ کرنے سے قاصر ہی تھا کہ اس نامعلوم شخص کا تعلق راسکل کنگ سے تھا یا مائیکل ٹائیڈل کا کوئی فارورڈ گروپ......؟ مگر جب تقریباً نصف پون گھنٹے بعد میں نے اس کی آخری ہدایت پر عمل کرتے ہوئے کار کو ایک قدرے چوڑی اسٹریٹ میں موڑا تو مجھے یک لخت اندازہ ہوا کہ یہ نامعلوم شخص کس کا کارپرداز تھا۔

بالآخر میں نے کار راسکل کنگ کے نیوڈ گرل کلب کے سامنے روک دی۔ کلب کے گیٹ کی پیشانی پر عریاں لڑکی کا نیون سائن جگمگا رہا تھا۔ گیٹ کے اندر باہر لوگوں کی آرک جارک بھی نظر آتی تھی۔

اب میری غیرت یہ گوارا نہیں کر رہی تھی کہ میں راسکل کنگ کے ایک معمولی ہرکارے کے قابو میں آ کر ان کی قید میں چلا جاؤں۔ میں تو محض یہ جاننا چاہتا تھا کہ آیا اس ہرکارے کا تعلق کس سے ہے، جواب مجھے پتا چل چکا تھا۔

''نیچے اترو۔'' معاً ہرکارے نے غرا کر کہا اور میں اپنی طرف کا دروازہ کھولے باہر اترا تو وہ بھی عقبی نشست کا دروازہ کھولے باہر اترنے لگا تو میں نے موقع لیتے ہوئے بجلی کی سی پھرتی کے ساتھ دروا[ز]ے دار لات ماری۔ نتیجتاً ہرکارے کے ہاتھ سے پستول چھوٹ گیا بلکہ وہ خود بھی دوبارہ اندر کی لڑھک گیا۔ میں نے بہ سرعت اسے جھپٹ دونوں ٹانگوں سے پکڑ کر باہر گھسیٹ لیا۔ ا[س] میرے چہرے پر لات رسید کرنے کی کوشش کی اسے اب کہاں موقع دینے والا تھا لہٰذا اسے باہر کر میں نے سڑک پر پٹخا تو باہر موجود لوگوں م[یں] مچ گئی۔ گیٹ پر متعین دیگر بدمعاش نما کار[ندے] طرف لپکے مگر میں کار میں دوبارہ سوار ہوا ا[ور] اسٹارٹ کر کے ایک جھٹکے سے آگے بڑھا لی۔ [تب] کار کی چھت پر دھمک سنائی دی۔ میں سمجھ گ[یا] ہرکارے نے اپنی کارپردازی دکھانے کی ٹھا[نی] تھی۔ فائرنگ انہوں نے اس لیے نہیں کی تھی کہ افراتفری مچ جاتی۔

بہرطور میں کار دوڑائے جا رہا تھا اور زگ زیگ میں اسے لہرانے بھی لگا۔ پھر گلی سے نکلتے ہی میں دانستہ کار کو موڑتے ہوئے بریک لگا دیے۔ کار زور سے چرچرائے اور پھر میں نے ایک وجود کو چھت سے ملے بونٹ پر اور بعد میں سڑک پر دیکھا۔ میں نے یک دم بریک پیڈل سے ہٹائے اور ایکسیلریٹر دبا دیا۔ اثنائے راہ وہ ہرکا[رہ] میرے خطرناک اور جان لیوا عزائم کا اندازہ [کر] سڑک پر لیٹے لیٹے پھرتی سے کنارے ہو گیا۔ زناٹے کے ساتھ اس کے قریب سے گزرتی چل[ی] اسے اگر ذرا بھی دیر ہو جاتی تو وہ یقیناً میری کا[ر کے] نیچے آ کر کچلا جاتا، مگر پھر دوسرے ہی لمحے سماعتوں میں تلے اوپر دو تین گولیاں چلنے کی دھما[کے دار] آوازیں ابھریں اور ساتھ ہی ایک کان پھاڑ دھ[ماکا] اور میری کار ایک طرف کو جھک گئی۔ میں نے

اپنے دانت بھینچ لیے۔ اس بدبخت ہرکارے [نے میر]ی کار کا ٹائر برسٹ کر ڈالا تھا۔ میں نے کار [روک د]ی۔ اپنے خاص ہتھیاروں سے تو میں اب ہر [وقت] لیس رہنے لگا تھا اس لیے اعشاریہ اڑتالیس [کا ر]یوالور نکالے میں کار سے بہ احتیاط اترا تو مجھ پر [گو]لیاں داغی جانے لگیں۔ کار کے شیشے چھنا کے سے [کر]چیوں میں بکھر گئے۔ میں جلدی سے کار کی [آڑ مي]ں ہو گیا۔ وہ ہرکارہ اپنے پستول میں نیا میگزین [لگانے] میں مصروف تھا۔ میں نے اس کا نشانہ لے کر [ٹ]ھوک دیا۔ گولی نہ جانے اسے کہاں لگی تھی کہ وہ [ا]ک چیخ مار کر سڑک پر ڈھیر ہو گیا۔ ٹھیک اسی وقت [دو] گاڑیاں میرے دائیں بائیں ابھر کر آ کھڑی [ہوئیں]۔ میں پلٹا تو ان کے اندر سے راسکل کنگ کے ہرکارے اتر کر مجھے گھیرے میں لے چکے تھے۔ [جن] کی تعداد پندرہ سولہ سے کم نہ تھی۔

['']تمہارا کھیل فنش ہو گیا...... مسٹر افتخار! ریوالور دو۔''

[ا]ک گرانڈیل ہرکارے نے اپنی گن مجھ پر تانتے [ہوئ]ے غرا کر کہا اور میں نے ایک گہری سانس لے کر [ریوالو]ر سڑک پر پھینک دیا۔ اس نے اپنے دو ساتھیوں [کو زخ]می ہرکارے کو سنبھالنے کا حکم دیا اور پھر مجھے پکڑ کر [گاڑی] میں بٹھا دیا۔ میرے اندر سائیں سائیں ہو رہی [تھی]۔ وہ مجھے نیوڈ کلب کے عقبی گیراج نما گیٹ سے لے آئے پھر مجھے دھکے دیتے ہوئے نیچے ایک [تہ خانے]ے میں لے آئے۔

[ی]ہ ایک شاہانہ طرز کا آرام دہ کمرا تھا۔ سامنے سبز [صوفے] پر میں نے دو اشخاص کو دیکھا اور میری کنپٹیوں [میں سنس]ناہٹیں ہونے لگیں۔ ایک تو راسکل کنگ تھا جب [کہ دو]سرا میرے بھائی کا قاتل سوانو تھا۔ وہ اب تیزی [سے ص]حت یاب ہوتا نظر آ رہا تھا۔ دو نیم عریاں آرٹش [حسی]نائیں انہیں پیگ سرو کر رہی تھیں۔

''آؤ...... آؤ...... افتاخار! (افتخار) بیٹھو۔'' راسکل کنگ نشے میں ٹن ہو رہا تھا اور کم وبیش یہی حال سوانو کا بھی تھا مگر راسکل کنگ کے لہجے میں بلا کا زعم آمیز گھمنڈ اور رعونت تھی۔ سوانو البتہ میری طرف بڑی کینہ توز نظروں سے گھور رہا تھا۔ میں خاموشی سے اس کے سامنے والے صوفے پر براجمان ہو گیا۔

''ہمیں تمہاری دشمنی پر فخر ہے مسٹر افتاخار! (افتخار)'' راسکل کنگ شراب کا ایک گھونٹ بھر کر میری طرف دیکھتے ہوئے اسرار بھرے لہجے میں بولا۔

''لیکن چیف! میرا جی چاہتا ہے اس حرام......''

''سوانو! اپنی زبان کو لگام دو...... ورنہ......'' میں نے یک دم اپنی جگہ سے کھڑے ہوتے ہوئے غصے سے اس کی بات کاٹی۔ سوانو کو مجھ سے شاید اس جملے کی توقع نہ تھی۔ وہ بھی طیش کے عالم میں اٹھ کھڑا ہوا اور اس سے پہلے کہ وہ پھاڑ کھانے والے درندے کی طرح مجھ پر جھپٹتا راسکل کنگ نے ہاتھ کے اشارے سے اسے بیٹھنے کو کہا اور ساتھ ہی مجھے بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو خونی نظروں سے گھورتے ہوئے آمنے سامنے کے صوفوں پر بیٹھ گئے۔

''میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں افتخار......!'' وہ غصے سے دانت پیس کر بولا تو جواباً میں بھی ترکی بہ ترکی اسے گھورتے ہوئے خوں ناک لہجے میں بولا۔

''تم مجھے چھوڑو نہ چھوڑو...... مگر میں تم سے اپنے بھائی عالم خان کے قتل کا انتقام ضرور لوں گا۔''

''ڈیٹس انف...... سوانو!'' اس بار راسکل کنگ نے دہاڑ کر اسے سرزنش کی اور سوانو تلملا کر رہ گیا۔ کیسٹ والا معاملہ طشت از بام ہوتے ہی اب سوانو بھی پولیس کی زد میں آ چکا تھا۔

''چیف! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ اس کتے کو کیوں ڈھیل دے رہے ہیں؟'' بالآخر سوانو نے اپنے گرو گھنٹال سے تلملا کر کہا تو میں دھاڑ کر دوبارہ اسے

متنبہ کرتے ہوئے بولا۔
"سفید سور! میں کہتا ہوں زبان کو لگام دے۔"
"خاموش رہو تم!" اس بار راسکل کنگ نے مجھے گھورتے ہوئے تنبیہ کی۔
"اپنے اس کتے سے کہو کہ یہ اپنی زبان کو لگام دے کر رکھے۔"
"چیف! بہت ہو گیا۔ اسے فوراً گولی مار دو۔" اس بار سوانو نے معاندانہ جوش سے کہا۔
"نہیں سوانو! موت تو اس کے لیے معمولی سزا ہوگی۔ میں اسے ذہنی موت ماروں گا اور تماشا دیکھوں گا۔" راسکل کنگ نے میری طرف گھورتے ہوئے انتہائی زہر خند لہجے میں سوانو سے کہا۔ پھر مجھے مخاطب کر کے بولا۔ "افتخار! تم نے مجھے بہت دق کیا ہے۔ بولو، تمہارا اب کیا حشر کیا جائے؟" یہاں میں نے اپنے طیش پر قابو پاتے ہوئے مصلحتاً مفاہمانہ لہجے میں کہا۔
"راسکل! میری تم سے دشمنی نہ پہلے کبھی تھی نہ ہے مگر تم نے سوانو کے کہنے پر مجھے لندن بدر کرنے کی فضول کوششیں کی۔ مجھے آج بھی حیرت ہوتی ہے اس بات پر کہ تم جیسا انڈر ورلڈ ڈان اپنی سطح سے اتنا گر کیوں گیا ہے؟ تم اپنے آپ سے پوچھو۔ کیا یہ بات تمہارے شایانِ شان تھی کہ تم بلا دشمنی کے سوانو کے کہنے پر مجھے لندن سے بے دخل ہونے کی دھمکی دیتے۔" میں نے اس کی مجرمانہ نفسیات پر بڑی استادی کے ساتھ حملہ کیا تھا۔ سوانو نے پھر درمیان میں بھونکنے کی کوشش کی تو راسکل کنگ نے ہاتھ کے اشارے سے اسے اپنی تھوتھنی بند رکھنے کو کہا پھر میری طرف عجیب نظروں سے گھورتے ہوئے بولا۔
"تمہاری اسی بہادری نے مجھے بہت قائل کر رکھا ہے اور راسکل کنگ اپنے بہادر دشمنوں کی قدر کرتا ہے۔"
"کاش تم میرے بارے میں بار بار دشمنی کا لفظ استعمال کرنے کی بجائے دوست کا لفظ استعمال کرتے تو مجھے بے حد خوشی ہوتی۔" اس کی مجرمانہ غیرت پر خاطر خواہ نفسیاتی ضرب لگاتے ہوئے میں نے مکاری سے کہا تو میں نے دیکھا کہ راسکل کنگ کے چہرے پر پہلی بار ایک دوستانہ رنگ سا آ کر گزر گیا۔
"تم نے ایف بی آئی کے مائیکل ٹائیڈل کو بھی بڑی زک پہنچائی ہے۔ تمہاری اس خوبی اور بہادری نے مجھے تمہارے بارے میں بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر ڈالا ہے۔ اس کا لہجہ بہ تدریج دوستانہ ہوتے پا کر میں نے پھر پینترا بدلا۔
"میں اپنی قدر دانی پر تمہارا مشکور ہوں۔ دراصل بہادر لوگ ہی بہادروں کی قدر کرنا جانتے ہیں مسٹر کنگ!"
"تمہاری کیا اب مائیکل ٹائیڈل سے دشمنی ختم ہو گئی یا......" راسکل کنگ نے اچانک مجھ سے پوچھا تو میں اس کے لہجے سے فوراً بھانپ گیا کہ وہ بھی اپنے دل میں مائیکل ٹائیڈل کے خلاف بڑی دیرینہ عناد رکھتا ہے لہٰذا میں نے فوراً بیدار مغزی سے کام لے کر کہا۔
"دشمنی تو اب میری شروع ہوئی ہے مسٹر کنگ! جب تک میں مائیکل ٹائیڈل کو رسوا نہ کر دوں چین سے نہیں بیٹھوں گا۔"
"ہوں...... مگر تم اس کا کیسے مقابلہ کر سکتے ہو؟ وہ تو اتنے بڑے محکمے کا چیف ہے۔" راسکل کنگ نے کھوجنے کے انداز میں مجھ سے سوال کیا تو میں نے جواباً اپنے ہونٹوں پر استہزائیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔
"اس کی کمزوری میرے ہاتھ میں ہے۔ تم نے دیکھا نہیں تھا کہ میں نے اسے زک پہنچائی تھی کہ وہ Suspend ہونے کے بعد Terminate ہوتے ہوتے رہ گیا۔
"ہاں۔ مجھے معلوم ہے۔" راسکل کنگ نے پہلو

ل کر اثبات میں سر ہلایا۔ ادھر رذیل صفت سوانو میرے اور راسکل کنگ کے درمیان ہونے والی دوستانہ گفتگو سے بے چین دکھائی دے رہا تھا۔
"کیسی کمزوری؟" راسکل کنگ نے پوچھا۔
"اس کی بیٹی روزی! جو اپنے باپ کے کالے کرتوتوں سے واقف ہے۔" میں نے کہا۔
"ایگزیکٹلی رائٹ!" راسکل کنگ جیسے چٹخارا مار کر بولا۔ "میں سمجھ گیا تھا کہ تم اس کی بیٹی روزی کو اس کے خلاف ہتھیار بنا کر استعمال کرنا چاہتے ہو۔" وہ بولا۔
"ہاں، مگر مجھ سے جلد بازی میں غلطی ہو گئی۔" میں نے قدرے متاسفانہ لہجے میں کہا۔ "دراصل میں مائیکل ٹائیڈل کے خلاف ایسا مضبوط جال بننا چاہ رہا ہوں کہ وہ اس بار خود کو نہیں بچا پائے گا، لیکن میں تمہاری وجہ کی دشمنی میں الجھ کر رہ گیا ہوں۔" میں نے آخر میں مکارانہ شکوہ کیا۔
"مجھے افسوس ہے کہ میرے ہاتھوں تمہارے کئی آدمی مارے گئے لیکن تم ذرا فراخ دلی سے سوچو تو میں تمہیں بے قصور نظر آؤں گا، کیوں کہ تم نے محض سوانو کے کہنے پر مجھے لندن سے بے دخل ہونے کی دھمکی دے ڈالی، حالاں کہ تم شاید نہیں جانتے کہ سوانو روزی کے حصول کے سلسلے میں تمہیں ایک فضول کام میں الجھانے کی کوششیں کر رہا تھا۔ میں روزی کو اس کے باپ کے خلاف استعمال کرنا چاہتا تھا جب کہ یہ بے وقوف اسے اپنانا چاہتا ہے۔ کیا پورے لندن میں ایک حسین لڑکی صرف روزی ہی رہ گئی ہے۔" میری باتیں رفتہ رفتہ راسکل کنگ کے دماغ میں گھر کرنے لگی تھیں۔ اپنے ذکر پر سوانو نے دانت بھینچ کر مجھ سے کہا۔
"یو شٹ اپ!...... بکواس بند کرو اپنی۔" پھر وہ راسکل کنگ سے بولا۔
"چیف! یہ بہت خطرناک حد تک چالاک شخص ہے۔ اس کی باتوں میں مت آؤ۔ اسے فوراً گولی مار دو۔" میں استہزائیہ لہجے میں بولا۔
"اگر تمہارے چیف کو میری باتوں سے ذرا بھی چالاکی کی بو آ رہی ہے تو بے شک میں حاضر ہوں مگر تم محض اپنی محدود اور خود غرضانہ سوچ کی وجہ سے مائیکل ٹائیڈل کا کام آسان کر رہے ہو۔ اب جب کہ ایف بی آئی اور پولیس ڈیپارٹمنٹ کی نظروں میں تمہاری مجرمانہ حیثیت کھل کر سامنے آ گئی ہے تو تمہاری روزی کو حاصل کرنے کی سوچ سر بہ سر فضول ہی ہوگی۔"
سوانو نے جواباً دانت پیس کر کوئی سخت بات کہنا چاہی تو راسکل کنگ نے اسے گھور کر دیکھا۔ سوانو اندر ہی اندر تلملا کر خاموش ہو گیا پھر راسکل کنگ اس بار متانت بھرے لہجے میں مجھ سے بولا۔
"اس میں کوئی شک نہیں کہ تم نے ہمارے بہت سے آدمیوں کو بے دردی سے ہلاک کیا ہے۔ مجھے اس کا افسوس ہے لیکن اگر تم اس کا ازالہ کر دو تو پھر نہ صرف میں تمہیں معاف کر دوں گا بلکہ تمہاری طرف دوستانہ ہاتھ بھی بڑھاؤں گا۔"
"مجھے تم سے دوستی کرنے کی خوشی ہوگی مگر میں اس کا کیا ازالہ کر سکتا ہوں...... مسٹر راسکل کنگ!" میں نے اس بار مکارانہ فروتنی سے کہا۔
وہ چند ثانیے خاموش رہا پھر چوکس انداز میں کمرے میں اپنے مسلح ہرکاروں کو مخصوص اشارہ کیا۔ وہ لوگ سب سر جھکائے خاموشی سے نکلتے چلے گئے۔ ان سب کے کمرے سے نکلتے ہی راسکل کنگ نے وہاں موجود ان دونوں نیم عریاں آرٹش گوریوں کو بھی باہر جانے کا اشارہ کیا۔ اب کمرے میں ہم تین باقی رہ گئے تھے۔ میں، راسکل کنگ اور سوانو۔
"افتخار......!" ذرا دیر کی اسرار بھری خاموشی کے بعد راسکل کنگ نے گمبھیر لہجے میں مجھے مخاطب کیا۔
"مائیکل ٹائیڈل نے ہمارا بھی جینا دوبھر کر رکھا ہے

اوراس نے نہ صرف ہمارے کئی نائٹ کلبوں اور قمار خانوں کے لائسنس منسوخ کرڈالے ہیں، بلکہ ہمارے بہت سے اہم ساتھیوں کو بھی گرفتار کر کے لے گیا تھا، جن کا آج تک کچھ نہیں پتا چل سکا۔'' وہ لمحے بھر کو رکا پھر بولا۔

''یہی نہیں، اس رذیل مائیکل ٹائیڈل نے میرے چھوٹے بھائی ٹیڈ کو بھی گرفتار کر کے کسی نامعلوم مقام پر منتقل کردیا ہے۔ تم اگر کسی طرح میرے بھائی ٹیڈ کو مائیکل ٹائیڈل کے شکنجے سے چھڑالاؤ یا صرف یہ پتا چلانے کی کوشش کرو کہ اسے کہاں قید رکھا ہے تو سمجھو تم نے میری دوستی کا حق ادا کردیا۔''

''میں تمہاری بات سمجھ گیا۔'' اس کی بات مکمل ہوتے ہی میں نے فوراً کہا۔

''میں کوشش کروں گا تمہارا یہ اہم کام کرنے کی، بلکہ مجھے یقین ہے کہ میں اپنی سی اس کوشش میں ضرور کامیاب بھی رہوں گا۔''

''ایکسیلینٹ!'' میرے پراعتماد اور مضبوط لہجے پر اس نے توصیفی لہجے میں کہا مگر پھر دوسرے ہی لمحے اکھنڈ متانت سے میری طرف گھورتے ہوئے بولا۔

''ایک بات کا خیال رکھنا۔ تم اس سے پہلے بھی مجھے ڈاج دے چکے ہو اور اس کا خمیازہ تم نے اپنے چھوٹے بھائی عالم خان کی موت کی صورت میں بھگتنا پڑا تھا۔ اگرچہ میرا ارادہ تمہارے بھائی کا قتل کرنا نہیں بلکہ اسے یرغمال بنا کر تمہیں جھکانا چاہتا تھا، لیکن سوانو نے اپنی عادت کے مطابق عجلت پسندی سے کام لیا اور......''

اس نے ماحول میں کشیدگی طاری ہوتے کے خیال سے دانستہ اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا، مگر اس کے لفظوں نے میرے سینے کے سلگتے ہوئے آتش فشاں کو دوبارہ بھڑکا دیا تھا لہٰذا میں راسکل کنگ کے قریب ہی بیٹھے غصے اور بے بسی کے مارے سوانو کو خوں رنگ نظروں سے گھورتے ہوئے راسکل کنگ سے بولا۔

''مسٹر کنگ! سوانو اور میرے درمیان تمہارا کیا فیصلہ ہے؟''

''ہاں۔ یہ فیصلہ بھی مجھے ہی کرنا پڑے گا۔'' وہ بولا پھر وہ سوانو کو مخاطب کر کے بولا۔

''سوانو! چوں کہ تم نے میری ہدایت کے باوجود عالم خان کا قتل کرڈالا تھا، اس طرح تم دوسرے جرم کا ارتکاب کر کے میرے مجرم ہوئے، لیکن میں تمہیں اتنی رعایت دوں گا کہ......'' کہہ کر وہ میری طرف دیکھ کر بولا۔ ''تم دونوں کے درمیان انڈرگراؤنڈ ''پٹ فائٹنگ'' کا مقابلہ ہوا اور تم دونوں ''پٹ فائٹنگ'' کے اصول سے اچھی طرح واقف ہو کہ یہ ایک طرح کی دعوت ''مبارزت'' ہوتی ہے جس میں دونوں حریفوں میں سے ایک کو یقینی موت سے ہمکنار ہونا پڑتا ہے۔''

''مجھے منظور ہے...... چیف مجھے منظور ہے۔'' سوانو یک دم جوش بھری عناد سے بولا۔ میں نے دیکھا اس کی آنکھوں میں ایکا ایکی سفاکانہ چمک اتر آئی تھی۔ گویا اسے مجھ پر بڑا زبردست ادھار تھا اور وہ مجھ سے فری اسٹائل پٹ لڑنے کے لیے بے چین ہورہا تھا۔ اس کا مطلب تھا یہ چھچھوندر مجھے اتنا ہی تر نوالہ سمجھے ہوئے تھا۔

''لیکن مجھے منظور نہیں ہے۔'' میں نے پاٹ دار آواز میں کہا اور سوانو سے زیادہ راسکل کنگ بری طرح چونکا تھا۔ اسے شاید مجھ سے اس بزدلی کی توقع نہ تھی۔

''کیوں...... مسٹر افتخار! کیوں کیا تم سوانو سے ڈرتے ہو؟'' اس کے لہجے میں انتہا درجے کی الجھن آمیز پریشانی تھی۔ میں اس کی بات پر ایک استہزائیہ نظر سوانو پر ڈالتے ہوئے حقارت سے بولا۔

''بھلا میں اس چھچھوندر سے کیوں ڈرنے لگا، مگر میرے انکار کی وجہ کچھ اور ہے مسٹر راسکل کنگ!''

''کون سی وجہ؟''

''وجہ یہ کہ سوانو زخمی رہ چکا ہے اور میں اتنا بزدل نہیں ہوں کہ کمزور دشمن سے دو بہ دو مقابل کروں۔'' میں نے گہری متانت سے کہا۔

''گڈ! اب میں تمہاری بات سمجھا، مگر پھر اب کیا ہو؟'' اس نے مجھ سے پوچھا۔

''اس کا آسان حل یہ ہے کہ پٹ فائٹنگ کے دوران سوانو کو غیر آتشیں دھاتی ہتھیار ملنا چاہیے جب کہ میں نہتا اس سے مقابلہ کروں گا۔'' میری بات پر سوانو کی آنکھوں کی سفاکانہ چمک مزید گہری ہوگئی جب کہ راسکل کنگ الجھ کر رہ گیا، جیسے اسے میری اس تجویز پر عار محسوس ہورہی ہو۔ میں جانتا تھا کہ راسکل کنگ کے مفاد میں میرا ہار کر مرنا نہ تھا۔

''مگر تم سے یہ ناانصافی ہے۔''

''یہ ناانصافی نہیں ہے مسٹر راسکل کنگ!'' میں نے گہری متانت اور پراعتماد لہجے میں کہا۔ ''بلکہ اس طرح میرے اور سوانو کے درمیان طاقت کا توازن برقرار رہے گا۔''

''تم اوور کانفیڈنس کا شکار ہورہے ہو۔ مسٹر افتخار!'' راسکل کنگ نے جیسے مجھے خبردار کیا۔

''یہی ایک طریقہ ہے، اگر منظور ہے تو ٹھیک ورنہ پھر......'' میں نے انکاریہ انداز میں دانستہ اپنا جملہ ادھورا چھوڑا تو راسکل کنگ لمحے بھر کی پرسوچ خاموشی کے بعد ایک گہری ہنکاری بھرتے ہوئے بولا۔

''اچھا ٹھیک ہے جیسی تمہاری مرضی۔''

☆

''پٹ فائٹنگ'' کی ابتدا امریکا کے انڈرگراؤنڈ ورلڈ سے شروع ہوئی تھی۔ یہ ایک غیر قانونی فری اسٹائل لڑائی تھی، جس میں ایک حریف کو یقینی طور پر موت کے گھاٹ اتارنا پڑتا ہے۔ اس کی مختصر تاریخ رے برڈی کے دور سے تعلق رکھتی ہے۔ رے برڈی انڈر ورلڈ مافیا کا بے تاج بادشاہ تھا۔ اس کے گروہ میں اگر کسی کی آپس میں جانی دشمنی ہوجاتی تھی تو وہ فوراً پٹ فائٹنگ کا حکم صادر کردیا کرتا تھا۔ یہ پی ڈی ڈی کی ایک ... تھی، مگر ڈوئل کی تاریخ خاصی پرانی تھی۔

رے برڈی کا درحقیقت پٹ فائٹنگ کا مقابلہ کروانا ایک طرح سے دونوں فریقوں کے لیے سزا کا بھی درجہ رکھتا تھا۔ ظاہر ہے دونوں فریقین میں سے کسی ایک کو ہلاک ہونا پڑتا تھا اس لیے ان پر نفسیاتی خوف بھی طاری ہوجایا کرتا تھا اور یوں وہ آپس میں لڑنے جھگڑنے سے اعراض واجتناب ہی برتا کرتے تھے۔ بہرطور بعد میں پٹ فائٹنگ شائقین کے لیے رفتہ رفتہ ایک سنسنی خیز کھیل بن کر رہ گئی۔ بعد میں یہ موت کا کھیل امریکا سے لندن، جاپان، ساؤتھ افریقہ، آئرلینڈ اور دیگر یورپی ممالک میں زہر کی طرح سرایت کرتا چلا گیا۔ اس پروگرام میں شریک ہونا بھی جرم تھا۔ اگرچہ میں چوری چھپے پٹ فائٹنگ کے دو تین کھیل دیکھ چکا تھا اور میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے تھے، پھر میں نے اس لغو اور جان لیوا موت کے کھیل پر لعنت بھیج دی تھی۔

لیکن آج جب کہ میں اپنے چھوٹے بھائی عالم خان کے قاتل سوانو کے سامنے تھا تو مجھے پٹ فائٹنگ کی افادیت کا احساس ہوا، مگر اس کا ہرگز ہرگز یہ مطلب نہ تھا کہ میں پٹ فائٹنگ جیسے خوں ناک کھیل کے حق میں تھا۔ درحقیقت پولیس ڈیپارٹمنٹ میرے بھائی عالم خان کے بے گناہ قتل پر جانب داری اور تساہل سے کام لے رہی تھی اور میں یہ بھی اچھی طرح جانتا تھا کہ سوانو کو چوں کہ راسکل کنگ جیسے انڈر ورلڈ ڈان کی آشیرباد حاصل تھی اس لیے جب تک سوانو اپنے گرو گھنٹال راسکل کنگ کے پردوں میں چھپا بیٹھا تھا پولیس اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھی، اس لیے اب مجھے اپنے بھائی کے قاتل سوانو کو جہنم واصل کرنے کا اچھا موقع ہاتھ لگا تھا۔

☆

پٹ فائٹنگ کا انتظام وانصرام کلب کے زیرزمین ایک وسیع ہال میں کیا گیا اور میں یہ دیکھ کر ششدر رہ

گیا۔ شائقین کی بیشتر تعداد اسے دیکھنے کے لیے جوق در جوق آرہی تھی۔ وہ لوگ باقاعدہ ٹکٹ خرید رہے تھے۔

وسط میں پٹ فائٹنگ کی جان لیوا لڑائی کے لیے خاصا بڑا حصہ چھوڑ رکھا تھا اور اس کے چاروں طرف شائقین کے بیٹھنے کا بندوبست کیا گیا تھا۔ درمیان میں تقریباً بارہ فٹ اونچا آہنی تاروں کا جال سا ایستادہ کر رکھا تھا۔

راسکل کنگ نے میرے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا تھا کہ شائقین کے لیے یہ مقابلہ انوکھی نوعیت کا تھا جس میں سوانو جیسے تربیت یافتہ پٹ فائٹر کے مقابلے میں میرے جیسا ایک ایشیائی نوجوان تھا، کیوں کہ راسکل کنگ مجھے سوانو کے بارے میں یہ حقیقت پہلے ہی بتا چکا تھا کہ وہ رذیل اور حد درجہ سفاک انسان متواتر نو بار یہ مبارزت پٹ فائٹنگ جیت چکا تھا یعنی نو افراد کو بڑی سفاکی کے ساتھ موت کے گھاٹ اتار چکا تھا۔

گویا "اکھاڑے" میں اترتے ہی جانے کیوں پہلی بار مجھے اپنے وجود میں موت کی سی سنسناہٹ کا احساس ہونے لگا مگر میں نے فوراً اپنے اعصاب پر قابو پالیا۔ پنڈال میں نیم تاریکی کا سا سماں تھا لیکن اکھاڑے میں اسپاٹ لائٹس روشن تھیں۔ ہم دونوں کو میدان میں اتار دیا گیا تھا۔ ہال میں تالیوں اور Cat Calling کا بے پناہ ہم چج ابھرا۔ وہ سب سوانو کی حوصلہ افزائی کر رہے تھے۔ گویا پٹ فائٹنگ کی دنیا میں سوانو بہت بڑا لڑاکا رہا ہو اور اس میں شبہ بھی نہ تھا کہ سوانو اس میدان کا پرانا کھلاڑی رہ چکا تھا جب کہ میں اس کے مقابلے میں نوآموز تھا، مگر صرف "پٹ فائٹنگ" کے میدان میں نوآموز، ورنہ تو میں بھی بڑے بڑے تربیت یافتہ خطرناک دشمنوں کو ناکوں چنے چبوا چکا تھا اور اس میں سوانو بھی شامل تھا۔

اسی لمحے ہال میں ایک چھناکے دار آواز ابھری اور میں نے دیکھا کہ سوانو کے قریب ایک smooth طرز کی تلوار اور دوسرا دو دھار چھرا آپڑا، جسے سوانو نے فوراً اٹھا لیا۔ اب وہ بڑی کینہ توز اور خون آشام نظروں سے میری طرف گھور رہا تھا۔ دو دھاتی ہتھیاروں کے پھل تیز اسپاٹ لائٹ میں چمک رہے تھے۔

میں نے محسوس کیا تھا کہ سوانو کو دھاتی ہتھیار دینے کا میرا فیصلہ درست تھا کیوں کہ اس کے قدموں میں تھوڑی سی لڑکھڑاہٹ تھی۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو پچھاڑ کھانے والے زخمی درندوں کی طرح گھورے جا رہے تھے۔ ہال میں موجود لوگوں کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔ یہ ایک موت کا میدان تھا، جہاں موت کا کھیل کھیلا جا رہا تھا۔ یقینی موت کا...... دونوں میں سے ایک کو لازماً مرنا تھا۔

میں اور سوانو ایک دوسرے کے گویا ازلی جانی دشمن تھے۔ وہ مجھے ہلاک کرنے کے لیے بے چین تھا اور میں اسے موت کے گھاٹ اتارنے کے لیے بے تاب۔ دفعتاً ہال میں "ریڈی" کی گونجیلی آواز ابھری اور سوانو لپک کر تلوار اور چھرا اپنے دونوں ہاتھوں میں تولے بجلی کی طرح میری طرف لپکا۔ میں محتاط انداز میں ایک طرف ہو گیا۔ وہ آگے نکل جانے کی بجائے یک دم جم گیا۔ ہم دونوں ایک لمحے خوں خوار نظروں سے ایک دوسرے کے چہروں کو گھورتے رہے۔ پھر اس کے بعد سوانو نے مارشل آرٹ کے انداز میں ایک جست بھری اور ساتھ ہی بہ یک وقت تلوار اور چھرا لہراتا ہوا آسمانی بجلی کی طرح مجھ پر کڑکا۔ میں نے فوراً جھکائی دی اور اس نے اپنا وار خالی جاتے دیکھ کر چھرا میری طرف پھینکا۔ "شپاشپ" کی سنسناتی آواز کے ساتھ چھرا میری طرف لپکا، مگر میں فرش پر لٹو کی طرح گھوم گیا۔ چھرا میرے چہرے سے چند ایک انچ کے فاصلے پر شائیں کی آواز سے نکل گیا۔ سوانو کا یہ بہت حد تک

خطرناک وار تھا، کیوں کہ جس اسٹائل سے اس نے چھرا میری طرف پھینکا تھا وہ چشم زدن میں میرا سر قلم کر سکتا تھا۔ اپنا یہ بھی وار خالی جاتے دیکھ کر سوانو جھنجھلاہٹ میں مبتلا ہو گیا اور یہی میں چاہتا تھا کہ اس کی ہوشیاری اور محتاطی جھنجھلاہٹ کی زد میں آجائے چنانچہ وہ تلوار سونت کر میری طرف بڑھا۔ میں چند قدم پیچھے ہٹ گیا اور آہنی جنگلے سے پشت ٹکا دی اور ساتھ ہی چہرے پر خوف اور گھبراہٹ کے آثار بھی طاری کر لیے۔ سوانو میری بے بسی والی اداکاری پر سفاکی کے ساتھ مسکرایا اور تلوار کا ایک بھرپور وار مجھ پر کیا۔ میں نیچے جھک گیا۔ تلوار آہنی جنگلے سے ٹکرائی اور چنگاریاں سی اڑیں۔ میں نے جھکتے ہی سوئپ کیا اور سوانو دھڑام سے نیچے آرہا۔ ہال میں ایک پر جوش شور ابھرا۔ اب میں سوانو کو موقع دینا نہیں چاہتا تھا۔ وہ کم بخت بلا کا لڑاکا ہی نہیں تلوار بازی میں بھی ماہر تھا۔ میں چیتے کی طرح غرا کر اس پر جھپٹا اور اس کی تلوار چھیننے کی کوشش کی۔ اس نے فرش سے اٹھنے کی کوشش کی بجائے تلوار لہرا دی۔ یہاں میں اپنے جوش آمیز زعم میں مار کھا گیا اور اس کی تلوار نے میرے بائیں بازو پر بے رحم چرکا لگا دیا۔ اذیت کی ایک سنسناتی لہر میرے پورے وجود میں دوڑ گئی۔ اگر میں اپنے زخم کو پکڑ کر بیٹھ جاتا تو مار کھا جاتا لہٰذا میں نے ایک لمحہ بھی اس کی پروا نہ کی اور سوانو کے چہرے پر لات رسید کر دی۔ اس کے حلق سے اوغ کی بدہیت آواز ابھری اور میں نے اسے موقع دیے بغیر دوسری لات اس کے تلوار والے ہاتھ پر رسید کر دی۔ نتیجتاً تلوار بھی اس کے ہاتھ سے نکلتی چلی گئی۔ وہ اب بالکل نہتا ہو گیا تھا۔ میں نے اسے گریبان سے پکڑ کر اٹھایا تو اس رذیل نے اپنے سر کی ٹکر میری ناک پر جڑ دی۔ میری آنکھوں کے آگے تارے ناچ گئے۔ پھر جب تک میں سنبھلا اس نے اپنا گھٹنا میرے پیٹ پر رسید کر دیا۔ میں دہری تکلیف کے باعث رکوع کے بل جھکا تو اس نے دوبارہ اپنے گھٹنے کی ضرب میری مضروب ناک پر رسید کر دی۔ ابھی پہلے والی ضرب سے ہی نہیں سنبھل سکا تھا کہ میرے ذہن میں تاریکی چھانے لگی۔ سوانو کی متوقع جیت پر ہال میں جوش و خوشی سے چیخم دھاڑ مچ گئی۔ گویا شائقین سوانو سے توقع رکھے ہوئے تھے کہ وہ اس پٹ فائٹنگ میں اپنے دسویں شکار یعنی مجھے چت کر ڈالے۔

سوانو اب مجھے ایک لمحے کے لیے بھی موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ اس نے مجھے فرش پر گرا لیا اور پھر میرے پیٹ اور کمر کے گرد اپنی دونوں ٹانگوں کی قینچی پھنسا لی۔ یوں میرا اوپر کا تنفس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ میں سخت اذیت محسوس کرنے لگا۔ وہ اپنی دونوں ٹانگوں کی قینچی سے میرا پیٹ دبائے جا رہا تھا۔ میرے دونوں ہاتھ آزاد تھے مگر اس کے لیگ لاک نے جیسے میرے وجود کی ساری طاقت سلب کر لی اور میرا سانس تک لینا دوبھر ہو رہا تھا۔ میرا سر ناک پر لگنے والی پے در پے ضربات کے باعث اب تک چکرا رہا تھا۔ مجھے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے میں ہوش و حواس سے بیگانہ ہوتا جا رہا ہوں۔ میرا بے ہوش ہونا موت کے مترادف تھا۔ پھر اچانک میری ڈوبتی آنکھوں میں اپنے چھوٹے بھائی عالم خان کا چہرہ ابھرا، جو مجھ سے شکوہ کر رہا تھا۔ "اداسائیں! کیا تم میرے قاتل کو زندہ چھوڑ دو گے۔ تم تو ایسے موقعے کے منتظر تھے کہ میرا قاتل اور تمہارا دشمن تمہارے دوبدو ہو۔"

اچانک میں جیسے ہوش میں آگیا۔ میں نے اپنے ہونٹ دانتوں تلے بھینچے اور پھر اپنے شکست خوردہ سے وجود کی رہی سہی قوت کو جیسے اپنے دونوں بازوؤں پر منتقل کر کے میں نے دونوں ہتھیلیاں فرش پر جمائیں اور کھڑا ہونے کی کوشش کرنے لگا۔

سوانو اپنی دونوں ٹانگوں کا شکنجہ میرے پیٹ اور کمر کے گرد بہ دستور کسے ہوئے تھا اور دباتا جا رہا تھا جب کہ میں سوانو پر ایک خطرناک داؤ آزمانے کے پر تول

رہا تھا، لیکن اس داؤ کو آزمانے کے لیے مجھے دانتوں تلے پسینہ آ رہا تھا، مگر میں نے ہمت نہ ہاری اور بالآخر انتہائی کوشش اور مضبوط قوت ارادی کے باعث میں اپنی دونوں ٹانگوں پر کھڑا ہو گیا۔ اب سوانو کی پوزیشن یہ تھی کہ وہ سر کے بل ہو چکا تھا۔ میں نے فوراً ہی اپنی دونوں ٹانگوں پر گول گھومنا شروع کر دیا۔ یوں سوانو بھی چکرانے لگا۔ میرے گول گھومنے کی رفتار بہ تدریج تیز ہونے لگی اور پھر میں نے گول گھومتے آہنی جنگلے کے ساتھ سوانو کو ٹکرا دیا۔ سوانو کے حلق سے دل خراش چیخ نکلی اور پورے ہال کو سانپ سونگھ گیا۔

سوانو کا سر آہنی جنگلے سے ٹکرایا تھا۔ وہ چت کر کے گرا۔ شکنجہ ٹوٹ چکا تھا۔ میں چند ثانیے جنگلے کا سہارا لیے نڈھال سا کھڑا گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ میری ناک سے خون بہہ کر چہرے کو وحشتِ لہو رنگ بنا رہا تھا اور یہی حال سوانو کا بھی تھا۔ اس کا سر اور پیشانی پھٹ گئی تھی۔ سرخ اور گاڑھے خون کے باعث اس کا چہرہ وحشت انگیز نظر آ رہا تھا۔ پھر میری طرح اس نے بس اپنی چوٹ پر قابو پایا اور جنگلے کا سہارا لیتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ ہم دونوں ایک بار پھر ہال کے وسط میں آ کر دوبہ دو ہو گئے۔ ہال میں پھر شور ابھرا۔ بیشتر شائقین سوانو کو ہلا شیری دے رہے تھے۔ کچھ چلا چلا کر میری ہمت بھی بڑھا رہے تھے۔

سوانو غرا کر میری طرف لپکا۔ اس بار میں نے جھکائی دینے یا پرے ہٹنے کی بالکل سعی نہ کی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اب میری طرح بالکل نہتا ہو چکا تھا۔ وہ جیسے ہی زخمی درندے کی طرح غراتا ہوا مجھ پر جھپٹا میں بھی اس پر جھپٹ پڑا۔

ہم دونوں اب نڈھال ہونے کے قریب ہو گئے تھے۔ سوانو کے لیے یہ بات باعثِ ذلت تھی کہ وہ دھاتی ہتھیاروں کے باوجود مجھے ابھی تک زیر نہیں کر سکا تھا۔ بہرطور ہم دونوں گتھم گتھا ہو گئے اور ایک دوسرے کو پچھاڑنے کی سر توڑ کوششیں کرنے لگے۔

اس میں کوئی شک نہ تھا کہ سوانو غضب کا لڑاکے باز شخص تھا، مگر میں بھی اپنی جگہ ایک بھرپور ماسٹر فائٹر تھا۔

ایک موقع پر سوانو نے اپنے دونوں ہاتھ فرش پر ٹکائے اور پشت کو کمان کی صورت موڑ کر اس نے اپنی دونوں ٹانگوں کا وہی پرانا داؤ میری گردن پر آزمایا اور مجھے نیچے گرا دیا۔ اس کا یہ داؤ مجھے پل بھر میں بے بس اور یقینی موت سے ہم کنار کر سکتا تھا اس لیے میں نے گرتے ہی سنبھالا لیا۔ ابھی اس کا نیک لاک میری گردن پر مضبوطی سے گرفت نہیں جما پایا تھا لہٰذا میں نے بجلی کی طرح تڑپ کر اپنی ایک ٹانگ سکیڑ کر اس کی ناف سے نیچے نازک مقام پر جڑ دی۔ اس کے حلق سے بیل جیسی خوف ناک ڈکراہٹ ابھری، پھر جیسے ہی اس کی دونوں ٹانگوں کی گرفت میری گردن پر کمزور پڑی میں نے فوراً اسے اپنے دونوں ہاتھوں سے مضبوطی کے ساتھ پکڑ لیا اور اسے گول چکر دینے لگا۔ ہال میں شور ابھرا۔ سوانو کا وجود کسی کھلونے کی طرح سر کے بل گول چکر کھا رہا تھا۔ وہ بالکل بے بس ہو چکا تھا۔ ایک آخری زوردار چکر دے کر میں نے اس کی دونوں ٹانگیں چھوڑ دیں۔ وہ ہوا میں اڑتا ہوا دائرہ نما آہنی جنگلے سے ٹکرایا۔ اس کے حلق سے ابھرنے والی چیخ بہت بھیانک تھی۔

مجھ پر وحشیانہ جنون طاری ہو گیا تھا۔ میں غراتا ہوا پھر اس کی طرف جھپٹا اور اس کی ایک ٹانگ پکڑ کر کمر کے بل موڑنے لگا۔ میری وحشتِ لہو رنگ آنکھوں کے سامنے میرے چھوٹے بھائی عالم خان کا چہرہ بار بار گردش کرنے لگا۔ سوانو پیٹ کے بل پڑا چیخیں مار رہا تھا۔ میں اس کی ٹانگ پر اپنے پورے وجود کا وزن ڈالے جا رہا تھا۔ اچانک زبردست کڑاکے کی آواز ابھری اور سوانو کے حلق سے جگر پاش چیخ خارج ہو گئی۔

"سوانو!...... تم نے میرے معصوم بھائی عالم خان کے علاوہ پروفیسر مالکم کا بے گناہ خون کیا...... اب

تڑپ تڑپ کر مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔" میں وحشتِ خون رنگ لہجے میں اس سے غرا کر بولا۔ وہ بھی بلا کا سخت جان ثابت ہوا تھا۔ اس نے اپنی روح فرسا اذیت کو بھلا کر دوسری ٹانگ میری پنڈلیوں پر رسید کر دی۔ میں دھڑام سے نیچے گرا۔ وہ میرے اوپر آ گیا۔ اس کی ایک ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ چکی تھی مگر اس نے میرے سینے پر سوار ہوتے ہی اپنے دونوں ہاتھوں سے میری گردن دبوچ لی۔ اس میں اب بھی بلا کی طاقت تھی۔ اپنی گردن پر اس کے ہاتھوں کی گرفت مجھے یوں محسوس ہونے لگی جیسے وہ آہنی شکنجہ ہو۔ مجھے اپنا دم گھٹتا محسوس ہونے لگا۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے اس کی کلائیاں پکڑ لیں اور اس کے ہاتھوں کا شکنجہ کھولنے کی کوششیں کرنے لگا۔ وہ پہلے ہی ٹانگ کی ہڈی ٹوٹنے سے بلبلایا ہوا تھا مگر باوجود اس کے مجھے بڑی طاقت صرف کرنا پڑ رہی تھی۔ زور آزمائی کے دوران میں پسینے میں نہا گیا، مگر بالآخر اس کے دونوں ہاتھوں کا شکنجہ کھولنے میں کامیاب بھی ہو گیا اور پھر میں نے اسے بڑی زور سے دوسری طرف اچھال دیا۔ اب میں اس کے اوپر تھا اور اس کی گردن دبوچ رہا تھا۔ یہاں تک کہ اس کی آنکھیں باہر ابل پڑیں اور پھر اس نے ایک جھٹکا لیا پھر ٹھنڈا ٹھار ہو گیا۔

پورا ہال تالیوں کے شور سے گونج اٹھا۔ میں ایک طرف کھڑا اجری طرح ہانپ رہا تھا۔

☆

سوانو کو اپنے ہاتھوں سے جہنم واصل کرنے کے بعد جیسے میں خود کو ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگا تھا۔ جان ٹائیڈل کے بعد میرے بھائی کے ایک اور قاتل سوانو کا بھی قصہ پاک ہو چکا تھا۔ باقی رہا راسکل کنگ!...... اس پر ابھی میرا ادھار باقی تھا۔

اگرچہ وہ براہ راست میرے بھائی کے قتل میں ملوث نہ تھا لیکن بہرحال اس نے ہی میرے بھائی عالم خان کو اغوا کرنے میں سوانو کی سپورٹ لی تھی۔ میرے بھائی عالم خان کے قتل کے سلسلے میں تین اشخاص ملوث تھے۔ سوانو، جان ٹائیڈل اور راسکل کنگ۔ دو کو تو میں نے جہنم واصل کر دیا تھا اب باقی راسکل کنگ بچا تھا، مگر قتل کا اصل مجرم سوانو ہی تھا۔ بہرطور راسکل کنگ نے مجھے فتح پر مبارک باد دی۔

میں اس کے ہمراہ ایک کمرۂ خاص میں آ گیا جہاں میری ہلکی پھلکی تیمارداری کرنے والی تین عدد گوری چڑیاں موجود تھیں۔ میں ایک آرام دہ کاؤچ پر لیٹا آنکھیں موندے اپنی "اوور ہالنگ" کراتا رہا تھا۔

☆

میں لیڈز یونی ورسٹی کیمپس پہنچا تو روزی میرے کمرے میں موجود تھی۔ (کمرے کی ایک ڈپلی کیٹ چابی میں نے اسے دے رکھی تھی)

وہ مرہم پٹیاں دیکھ کر یک دم پریشان ہو گئی اور فوراً متوحش لہجے میں بولی۔

"اف! ی...... ی...... یہ کیا ہوا۔ کس نے تمہیں مارا۔ ت...... تم ٹھیک تو ہو ناں؟"

اس کا مشرقی لڑکیوں کی طرح پریشان ہونا میرے دل کو بھا گیا۔ میں مسکراتے ہوئے اس سے بولا۔

"سوانو نے مارا تھا مجھے۔"

"او...... مائی گاڈ!" وہ مزید ہراساں ہو گئی۔

"زیادہ چوٹ تو نہیں آئی تمہیں؟"

"دیکھ لو۔ تمہارے سامنے ہوں۔ As it is" میں نے چہکتے ہوئے کہا۔

"اوہو۔ اف! ایک تو تم کسی معاملے میں سنجیدہ ہی نہیں ہو کر دیتے۔" وہ جھلا کر بولی تو مجھے پھر شرارت سوجھی۔

"کم از کم تم سے شادی کے معاملے میں تو ضرور سنجیدہ ہوں۔"

وہ ایک بار پھر مشرقی عورتوں کی طرح شرما گئی۔ بے

اختیار اس کے سرخ بھرے بھرے گداز لبوں پر حیا آمیز مسکراہٹ دوڑ گئی۔ مجھے اس کا یہ مشرقی انداز بہت اچھا لگتا تھا۔
میں اپنی راکنگ چیئر پر بیٹھ گیا اور بالآخر اسے ساری روداد بتا دی، جسے سن کر وہ ایک لمحے کو بت بنی میری طرف تکتی رہ گئی۔
”کک...... کیا...... تم نے اس موذی سوانو کو ختم کر ڈالا؟ وہ غیر یقینی انداز میں خوشی سے بولی تو میں نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔
”ہاں...... نہ صرف یہ بلکہ میں راسکل کنگ سے بھی دوستی کر آیا ہوں۔“
”تمہیں کم از کم راسکل کنگ جیسے انڈر ورلڈ گینگسٹر سے دوستی نہیں کرنا چاہیے تھی۔ وہ ایک نمبر کا بدمعاش اور چیٹر ہے۔“ وہ پرتشویش لہجے میں بولی۔
”تم کیا اپنے انی کو کم گینگسٹر سمجھتی ہو؟“ میں نے شوخ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔
”ہاں، کیوں کہ تم ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ انسان ہو اور وہ ایک پورے گروہ کا بگ چیف ہے۔“ وہ بولی۔
”اوکم آن...... روزی! ناؤ اگنور دس ٹاپک!“ میں اس کے گرد ایک جال بننا چاہتا ہوں۔ وہ ایک ہاتھی ہے اور میں اپنے آپ کو اس کی نظروں میں چیونٹی ظاہر کر کے اسے ہلاک کرنا چاہتا ہوں۔“
”کیا تم بھول گئے انی! کہ تم نے پہلے بھی اسی طرح راسکل کنگ جیسے سفاک انسان کو ڈاج دینے کی کوشش کی تھی اور بعد میں اس کا انجام تمہارے چھوٹے بھائی عالم خان کی لاش کی صورت میں ہوا تھا۔“ روزی نے بڑی بے رحم حقیقت سے مجھے آگاہ کیا۔
”ہاں، لیکن اس بار صورت حال ذرا مختلف ہے۔“ میں نے پرسوچ لہجے میں کہا۔ ”وہ دراصل مجھ سے ایک انتہائی اہم کام لینا چاہتا ہے۔ اس بار ہم دونوں کے ڈانڈے ملتے جلتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا دشمن مشترک ہے۔“ یہ کہہ کر میں نے روزی کو اصل بات سے آگاہ کر دیا۔ وہ پہلے تو چند ثانیے گم صم سی رہی پھر میرے چہرے پر اپنی نگاہیں مرکوز کیے ہوئے اسرار بھرے لہجے میں بولی۔
”کیا تم دونوں مل کر میرے پاپا کو ہلاک کرنا چاہتے ہو؟“
روزی کے اس بھید بھرے لہجے پر میں نے چونک کر اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ بلاشبہ وہ ایک ذہین و فطین لڑکی تھی۔
”ہاں...... مگر ہم تمہارے پاپا کو ہلاک کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ صرف راسکل کنگ کے چھوٹے بھائی ٹیڈ کو اس کی قید سے آزاد کروانا چاہتے ہیں اور بس......“
”ٹیڈ اگر راسکل کنگ کا چھوٹا بھائی ہے تو کیا...... تم سمجھتے ہو کہ وہ ایک شریف انسان ہوگا، جو تم نے اسے ایف بی آئی کی قید سے چھڑانے کا فیصلہ کیا؟“ روزی کے لہجے میں جانے کیوں مجھے طنز کی ہلکی کاٹ سی محسوس ہوئی تھی۔
"I Know That" میں نے کہا۔ ”میں درحقیقت تمہارے پاپا مسٹر مائیکل ٹائیڈل کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانا چاہتا ہوں اور راسکل کنگ کو ڈاج دے کر اسے تحفتاً تمہارے پاپا کو دینا چاہتا ہوں۔“ میں نے کہا۔
روزی لاکھ اپنے باپ سے متنفر سہی مگر بہرحال وہ اس کی بیٹی تھی اور مائیکل اس کا باپ۔
”مگر پاپا تمہارا یہ قیمتی تحفہ قبول کرنے کے باوجود تمہاری طرف ہرگز دوستی کا ہاتھ نہیں بڑھائیں گے، کیوں کہ میں ان کی فطرت سے اچھی طرح آگاہ ہوں۔“ روزی بالکل سپاٹ لہجے میں بولی۔
”پاپا کے دل و دماغ میں تمہارے خلاف غضب کا کینہ بھرا ہوا ہے۔ وہ کسی صورت بھی تمہاری طرف

...نہیں بڑھائیں گے، الٹا تم دھر لیے جاؤ

”......اب یہ گورکھ دھندہ چھوڑ دو۔ ہماری ...م ہونے میں تھوڑا ہی عرصہ باقی بچا ہے۔ ...الی مکمل کرتے ہی پاکستان چلے چلیں ...ہیں۔“
...ختی لہجے میں اس کی روایتی ضد آمیز تندی ...لی تھی۔
”تم درست کہتی ہو۔“ میں نے غیر مرئی نقطے پر ...یں مرکوز کرتے ہوئے پرخیال لہجے میں کہا۔

☆

...نے روزی کو ابھی ”اسالٹ وائرس“ کے ...لے اور پروفیسر بونزال کے خطرناک عزائم کے ...ں نہیں بتایا تھا البتہ ایلیز کے مشورے کے ...میں نے سردست یہی بہتر سمجھا تھا کہ اسالٹ کے منصوبے کو ادھورا ہی چھوڑ دوں گا۔ یہ ان میں جان بوجھ کر خود کو ایک نئے کھڑاگ میں ...کے مترادف ہوگا۔
...ی پڑھائی ختم ہونے والی تھی اور مجھے اس سال ...امتحان پاس کرنا تھا، کیوں کہ میری اسکالرشپ ...میں نے جو بانڈ بھرا تھا اس کی مدت بھی ختم ...الی تھی اور اس میں توسیع بھی ممکن نہ تھی۔ چہ ...میں آگے اپنے ذاتی خرچ پر پڑھائی جاری ...مگر میں اسکالرشپ کے بانڈ کی مدت کے ...ہی اپنی تعلیم مکمل کرنا چاہتا تھا، ورنہ میرے تعلیمی ...سے اسکالرشپ کی مہر مٹ سکتی تھی۔
...حال راسکل کنگ کے چھوٹے بھائی برو تو ٹیڈ کو ...ٹائیڈل کی قید سے چھڑانے والا معاملہ...... وہ ...ی کر سکتا تھا۔ میں نے اب اپنی تمام تر توجہ اپنی ...پر مرکوز کر دی تھی۔
...میں نے پروفیسر بونزال کے ہاں بھی جانا چھوڑ دیا تھا اور میں جس اسالٹ وائرس کے فارمولے پر کام کر رہا تھا اور اب تک جتنا کام مکمل ہو چکا تھا اس کی ایک فلاپی بنا کر باقی سارے کاغذی فارمولے تلف کر چکا تھا۔ اسالٹ وائرس کے فارمولے کا تقریباً پچھتر فی صد کام مکمل ہو چکا تھا۔
جب کہ ادھر راسکل کنگ بھی متواتر مجھ سے رابطے کیے جا رہا تھا کہ میں نے اس کے کام کو کس حد تک آگے بڑھایا تھا۔ میں اسے بھی بڑی خوب صورتی کے ساتھ ٹالتا جا رہا تھا، البتہ پروفیسر بونزال کراؤ اپ تو جیسے ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑ گئے تھے۔ ایک روز سیدھا میرے کیمپس میں آ دھمکے۔
”تمہیں اچانک کیا سوجھی انی اکہ تم اپنے فارمولے کو آخر میں ادھورا چھوڑ کر یوں آرام سے بیٹھ گئے ہو؟“ وہ چھوٹتے ہی بولے۔ اس وقت روزی وہاں موجود نہ تھی۔ وہ اپنے روم میں تھی۔ یوں بھی اگر وہ وہاں ہوتی تو پروفیسر بونزال فارمولے کی بات اس کے سامنے کبھی نہ چھیڑتا۔ اب میرا پروفیسر بونزال جیسے گرگ باراں دیدہ و جہاں دیدہ شخص کو مطمئن کرنا لازمی تھا لہٰذا محتاط لہجہ اختیار کرتے ہوئے بولا۔
”سر!...... اس کی ایک اہم وجہ ہے؟“
”واٹس میٹر......؟“
”سر!...... درحقیقت میرا تھیسس آخری مراحل پر آچکا ہے۔ اس کے ساتھ ... بانڈ کی مدت بھی پوری ہونے والی ہے، اسی لیے میں چاہتا ہوں کہ آخری امتحان میں کامیاب ہو کر رہوں۔“
”بانڈ سے کیا ہوتا ہے؟ تم ایک بہت بڑے لینڈ لارڈ کے بیٹے ہو، اپنے ذاتی خرچ پر بھی تعلیم جاری رکھ سکتے ہو۔“
”نہیں سر!“ میں نے پرمتانت سے کہا۔
”اسکالرشپ کا لیبل میرے تعلیمی کیریئر کے لیے باعثِ فخر ہوگا۔“

"یہ تم بچوں والی بات کرنے لگے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تمھیں اپنے ادھورے فارمولے پر فوراً کام شروع کر دینا چاہیے۔"

مجھے پروفیسر بونزال کی خود غرضی پر غصہ تو بہت آیا، مگر میں پی گیا۔ اسے کیا معلوم تھا کہ میں اس کی مکروہ اصلیت سے واقف ہو چکا تھا۔

"سوری سر میں پہلے اپنے فائنل تھیسس پر کام ختم کروں گا، اس کے بعد ہی فارمولے کا بقیہ اور ادھورا کام شروع کروں گا۔" میں نے اسے ٹالنے کی غرض سے کہا تو وہ چند ثانیے میری طرف عجیب پراسرار نظروں سے دیکھتا رہا، جیسے میرا اندر بھانپنے کی کوشش کر رہا ہو۔ اس کے بعد وہ ایک گہری ہمکاری خارج کر کے بولا۔

"اچھا ٹھیک ہے لیکن...... تم نے تو تجربہ گاہ سے اپنے ادھورے فارمولے کے کاغذات ہی سمیٹ لیے ہیں۔ میں چاہتا ہوں جب تک تم اپنی تعلیم سے فارغ ہو لو...... میں تم سے Hint لے کر اس فارمولے کو مکمل کرنے کی کوششیں کرتا رہوں۔"

اس کی مکاری پر میں اندر ہی اندر کھول اٹھا، مگر میں اپنے لہجے اور انداز واطوار سے کسی طور پر بھی برہمی کا اظہار نہیں کرنا چاہتا تھا۔ بہ صورت دیگر وہ شاطر انسان میری طرف سے تشکیک میں مبتلا ہو کر میرے لیے پریشانی کھڑی کر سکتا تھا، لہٰذا میں نے کھلے دل سے مسکراتے ہوئے رضامندی ظاہر کر دی اور کہا کہ میں کسی وقت اسالٹ وائرس کے ادھورے فارمولے کی تھیوریز لے کر ان کے ہاں حاضر ہو جاؤں گا۔

وہ متذبذب کیفیات کے ساتھ وہاں سے رخصت ہو گیا۔ اس کے جاتے ہی میرے ہونٹوں پر استہزائیہ مسکراہٹ نمودار ہو گئی۔ دراصل میں اسے غلط سلط تھیوری دینا چاہتا تھا جسے تا قیامت اس کے فرشتے بھی مکمل نہیں کر سکتے تھے۔

حالات بہ ظاہر معمول پر آ چکے تھے۔ ... اور سوانو کا ٹنٹا نکل چکا تھا۔ راسکل کنگ ... دوستانہ مراسم قائم کر چکا تھا۔ مائیکل ٹائیڈل اپنے زخم چاٹ رہا تھا۔ پروفیسر بونزال کو میں ... رکھ چکا تھا۔ حالات کے کسی حد تک معمول پر ... میں خود کو کافی فریش اور ہلکا پھلکا محسوس کر ...

ایک روز راسکل کنگ نے موبائل پر ... رابطہ کیا۔

"افتخار! فوراً میرے پاس پہنچو۔" اس کی آ... ہوئی تھی۔ مجھے اس کا اچانک بلاوا اچنبھے ...

"ٹھیک ہے، میں آ جاؤں گا۔" میں نے ... دیا۔ ذرا دیر بعد میں اس کے نیوڈ کلب میں ... ساتھ کمرۂ خاص میں موجود تھا۔ اس کے چہ... از حد پریشانی مترشح تھی۔

"افتخار! تم نے میرے بھائی ٹیڈ کی بازیابی میں اب تک کیا کیا ہے؟" وہ چھوٹتے ہی بولا۔

"میں نے روزی کو اس کے باپ مائیکل ٹا... پیچھے لگا رکھا ہے۔" میں نے محتاط لہجے میں درو... سے کام لیا۔

"پھر اس نے کوئی خبر دی؟" وہ بہ غور اپنی... میرے چہرے پر مرکوز کرتے ہوئے مستفسر ہوا۔

"ہاں۔" میں نے بلا توقف کہا۔ اس کے ... سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے اپنے بھائی ٹیڈ کے ... میں کوئی پریشان کن اطلاع ملی تھی، اسی لیے میں... اپنے ذہنِ طباع سے کام لیتے ہوئے خاصے ... لہجے میں کہا۔

"کوئی اچھی خبر نہیں ہے؟" وہ میری بات پر ...

"کیا خبر ہے؟ کچھ بتاؤ تو۔ آخر اسے رکھا گیا ہے؟"

"وہ ایف بی آئی کے ٹارچر سیل میں تھا، اب ... ایف بی آئی کے تھرڈ ونگ کے حوالے کر دیا ہے ...

...والے کرنے کا مطلب موت کے حوالے ..."

...ر......" وہ چیخا۔ میرا اندھیرے میں چھوڑا ...لے پر لگا تھا۔

...ہی یہی اطلاع ملی ہے۔ ٹیڈ کو ڈیتھ چیمبر کے ...نے والا ہے۔"

...! ایک گہری سانس لی۔ وہ اپنی بات جاری ...لے خاصے سخت لہجے میں دوبارہ مجھ سے بولا۔

...تم نے مجھے اس کی اطلاع کیوں نہیں دی؟" ...ما کر لیتے؟" میں نے کہا۔ "جب کہ میں خود ...انے کے لیے کوشاں رہا ہوں۔ بائی دی وے، ...اطلاع ملی ہے؟"

...نے چالاکی سے مگر بہ ظاہر بے پروانہ انداز میں ...

...نے بھی یہی اطلاع ملی ہے وہ ابھی تک ایف بی ...لوکل کمانڈ سیل میں ہے۔"

...ملاہٹ آمیز بوکھلاہٹ اور پریشانی نے اس کی ...اوف کر ڈالی تھی۔ وہ میرے اندھیرے میں ...ے ہوئے تیر کو میری معلومات پر محمول کرتے ...ود ہی میرا راستہ آسان بنا رہا تھا ورنہ اگر وہ ...چند ایسے سوالات کر کے میرا جھوٹ پکڑ سکتا تھا ...ے جوابات بہرحال میرے پاس نہ تھے۔ چنانچہ ...ی بڑی مکاری کے ساتھ اس کی فراہم کردہ ...ے کے سہارے بولا۔

...س چاہتا تھا کہ روزی کے ذریعے ایک ڈراما ...ا اور اس کے توسط سے لوکل کمانڈ سیل والوں تک ...ماصل کر کے ٹیڈ کو بازیاب کروالوں۔"

...یا واقعی......؟" راسکل کنگ کے چہرے پر پہلی ...ا کے تاثرات ا... رہے تھے۔

...اں۔"

...پھر... تو پھر تم ہاتھ پر ہاتھ دھرے کیوں بیٹھے ہو؟ میرے بھائی کے لیے کچھ کرتے کیوں نہیں؟" وہ عجلت آمیز بے قراری سے بولا۔

"جب تک ٹیڈ مائیکل ٹائیڈل کی کسٹڈی میں تھا تو میں تنہا یہ کام کر سکتا تھا مگر اب اس کے اچانک اور درونِ خانہ فیصلے پر خود میں بھی پریشان ہو گیا تھا، مگر خیر میرے ذہن میں ایک پلاننگ تو ہے۔" میں چالاکی سے کچھ سوچتا بن کر بولا۔

"کیسی پلاننگ؟"

"مجھے کچھ تربیت یافتہ اور مسلح آدمی چاہییں۔"

"لے جاؤ، لے جاؤ۔ میرے سارے آدمی لے جاؤ، مگر میرے بھائی کو کسی طرح بچا لو۔ میں اسے کسی دوسرے ملک بھجوا دوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ مجھے نو افراد درکار ہیں جس میں ایک دو افراد تالا کھولنے کے بھی ماہر ہونے چاہییں۔"

"تمھیں مل جائیں گے۔" وہ جلدی سے بولا۔ "مگر تم یہ مہم کب سے شروع کرو گے؟"

"آج سے ہی۔" میں نے اس کی مرضی بھانپ کر کہا۔

"گڈ!" وہ میری توقع کے عین مطابق خوش ہو گیا۔

"تو پھر ڈن ہوا یہ پروگرام۔" میں نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"میں آج رات بارہ بجے یہاں آؤں گا۔ میری ٹیم کو بالکل تیار ہونا چاہیے۔"

"تم بے فکر رہو۔ بس تم آنے کی کرنا۔" وہ کھڑے ہو کر مجھ سے مصافحہ کرتے ہوئے بولا۔

میں واپس آ گیا۔

☆

اب میں ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتا تھا۔ میرا لائحہ عمل یہ تھا کہ سب سے پہلے ٹیڈ کو بازیاب کروا کر راسکل کنگ کا مکمل اعتماد حاصل کر لوں۔ اس کے بعد میں راسکل کنگ کے خلاف بڑی گہری چال چلنے والا تھا

کہ اس کے فرشتوں کو بھی علم نہ ہوگا، کیوں کہ مجھے معلوم تھا کہ میرے بھائی عالم خان کے قتل کا ماسٹر مائنڈ یہی مردود شخص تھا جو اب اپنے بھائی کے لیے پریشان ہو رہا تھا۔ میں جانتا تھا کہ اس کا بھائی ٹیڈ بھی اس کی طرح جرائم پیشہ شخص تھا اور میں دونوں بھائیوں کو کسی صورت میں بھی معاف نہیں کرنا چاہتا تھا۔

میں اس حقیقت سے بہ خوبی واقف تھا کہ ٹیڈ کو ایف بی آئی کے لوکل کمانڈ سیل کے قبضے سے چھڑانا معمولی بات نہ تھی۔ یوں تو میں نے یہ سوچ رکھا تھا کہ راسکل کنگ کو ٹالتا رہوں اور اپنی تعلیم مکمل ہوتے ہی روزی کے ساتھ واپس اپنے وطن چلا جاؤں، کیوں کہ وہاں مجھے اپنے بابا جانی کی بھی فکر ستا رہی تھی۔ سعید رضا احتشام میری غیر موجودگی میں ہماری حویلی پر دانت نکوسے حملے کے لیے بے چین ہو رہا ہوگا۔ یوں تو اگرچہ میرے بابا جانی اب منسٹر بن چکے تھے اور ان کی پارٹی مسندِ اقتدار پر فروکش تھی جو بہر حال سعید رضا احتشام کے لیے دوسری بڑی شکست تھی۔ وہ کم بخت اب ناکامی اور پرانی دشمنی کے باعث کسی بھی وقت گل کھلا سکتا تھا لہٰذا مجھے وہاں کی بھی فکر تھی، لیکن ٹیڈ کا پھڈا بیچ میں پڑنے سے مجھے ایک بار پھر اس دلدل میں آہستہ ہونا پڑ رہا تھا۔ یوں بھی میں نے راسکل کنگ سے آخری حساب چکتا تو کرنا ہی تھا اس لیے میں نے سوچا اگر لگے ہاتھوں مجھے اس کا موقع مل رہا ہے تو اس سے فائدہ اٹھا لینا چاہیے۔

میں رات بارہ بجنے سے چند منٹ پہلے ہی اپنے ذاتی ہتھیاروں سے لیس راسکل کنگ کے نیوڈ کلب پہنچ گیا۔ وہ مجھے سر تا پا تیار اور فٹ فاٹ پا کر خوش ہو گیا۔ میں اس کے نو مسلح افراد میں تھا۔ ہمیں ایک سٹیشن ویگن دے دی گئی مگر میں نے دو تیز رفتار کاروں کا مطالبہ کیا اور فوراً ہی مطالبہ پورا کر دیا گیا۔ میں راسکل کنگ کے نو افراد کو لے کر روانہ ہو گیا۔

L.C.S ونگ کی عمارت رابری کے علا تھی۔ وہاں سخت پہرہ تھا۔ حالات ایک (جنگ کے متقاضی تھے۔ میری ذرا سی لغزش مجھے ڈالتی اور ایسے میں جب کہ میں اپنا تعلیمی کیر کر کے ہمیشہ کے لیے لندن سے کوچ کر جانے وا بہر طور میں نے اللہ کا نام لیا اور مطلوبہ عمارت خاصی دور میں نے کار روک دی پھر اپنے نو ساتھیو تفصیلی ہدایت دینے لگا۔

میں نے سب سے پہلے نو افراد کو تین نفر میں تقسیم اور تین نفری ٹیم میں ایک کو ٹیم لیڈر بنایا۔ میرے دو افراد تھے جو ہر قسم کا ڈھیٹ تالا کھولنے کے ماہر دو گروپوں میں سے ایک کو میں نے محض یہ ہد دے کر روانہ کر دیا کہ وہ عمارت کے مرکزی دروا کے قریب سے گزرتے ہوئے شرابیوں کے اندا ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے گزریں گے۔ جیسے ہی مرکزی گیٹ کے محافظ ان کی طرف متوجہ ہ تو دوسرا گروپ ان پر خاموش حملہ کر کے محافظو موت کی نیند سلا دے۔ اس کے بعد دونوں گرو عمارت کے دائیں بائیں پھیل کر ذرا فاصلے پر مو بند ہو کر عمارت پر بے دریغ فائرنگ کر ڈالیں گے او از کم نصف گھنٹے تک فائرنگ کرنے کے بعد پیچھے چلے جائیں گے۔ مقصد عمارت کے اندر باہر مو پہرے داروں کو اپنے پیچھے لگانا تھا۔ اس کے بعد جہاں چاہتے فرار ہو جاتے۔ کاروں کی نمبر پلیٹس جعلی تھیں۔

یہ ہدایات دے کر میں نے دونوں گروپس کو اپنی ا پرازیاں نبھانے کے لیے روانہ کر دیا۔ L.C.S یہ عمارت Rawhery کے قدرے نواح میں تھی جو کے چہار اطراف سرسبز گھنا جنگل تھا۔ میں نے دونو گروپس کو روانہ کرنے کے بعد ذرا فاصلے سے انفرا ویژن دوربین سے عمارت کا جائزہ لیا۔ عمارت

اور خاصے وسیع رقبے پر پھیلی ہوئی تھی۔ دیواریں اس قدر بلند تھیں کہ انہیں اڑ کر ہی پھلانگا جا سکتا تھا۔ وہ بھی اس صورت میں کہ اندر باہر موجود وقت چوکی مسلح پہرے داروں کی نظروں میں آئے ،ورنہ وہ گولیوں سے چھلنی کر کے رکھ ڈالتے۔

اب میں منتظر تھا کہ کب گروپ اے اور بی اپنا کام جاتے ہیں۔ معاً مجھے شور شرابے کی آواز سنائی دی۔ میں چوکس ہو کر بیٹھ گیا۔ گروپ اے نے اپنا کام دکھانا شروع کر دیا تھا۔ اب گروپ بی کی باری تھی۔ میں بدستور اپنی آنکھوں سے انفراریڈ دوربین لگائے صورت حال کا جائزہ لے رہا تھا۔ میں نے دیکھا۔ گروپ اے کے تینوں ارکان نے شرابیوں کی طرح لڑکھڑاتے ہوئے عمارت کے مین گیٹ کے قریب آپس میں لڑنا جھگڑنا شروع کر دیا۔ جالی دار احاطے کے آہنی گیٹ کے داہنی جانب بنے گارڈ کیبن سے چار مسلح افراد مخصوص چست وردیوں میں نمودار ہوئے۔ ان کی طرف بڑھے اور ان کے ساتھ الجھ گئے۔ دفعتاً گروپ اے ایک طرف تاریکی سے ابھرا اور پھر اے اور بی گروپ نے نہایت ہوشیاری اور قابل داد پھرتی کے ساتھ ان چاروں مسلح افراد کو خاموشی سے موت کی نیند سلا دیا۔ سرچ لائٹ گردش کر رہی تھی۔ وہ خود کو اس کی زد سے نہ بچا پائے۔ لائٹ پڑتے ہی سناٹے دار تاریک ماحول میں گولیوں کی بوچھاڑ ابھری۔ دو افراد کی دل خراش چیخیں گونجیں اور باقی چار بے دریغ فائرنگ کرتے ہوئے منصوبے کے مطابق عمارت کے دائیں بائیں دو دو حصوں میں بٹ کر دوڑے۔

عمارت کے اندر باہر بھگدڑ سی مچ گئی۔ ہم تینوں نے اپنی گنیں نکال کر ہاتھوں میں پکڑ لی تھیں۔

''ولیٹس گو......!'' میں نے اپنے دونوں ساتھیوں سے کہا اور پھر ہم تینوں جھکے جھکے اور نہایت احتیاط کے ساتھ عمارت کے مین گیٹ کی طرف دوڑے۔ گیٹ ظاہر ہے کھلا ہوا تھا۔ ہم تینوں اندر داخل ہو گئے۔ عمارت کا مرکزی دروازہ ہمارے سامنے تھا مگر میں ابھی عجلت آمیزی سے کام نہیں لینا چاہتا تھا۔ دفعتاً مجھے میدانی احاطے کی پختہ روش پر بھاری بوٹوں کی دھمک سنائی دی۔ ہم تینوں یک دم خالی کیبن کی دیوار سے ملحقہ ایک پتلی گلی میں داخل ہو گئے۔ میری پلاننگ اب تک کامیاب جا رہی تھی۔ آن کی آن میں عمارت سے کئی مسلح باوردی لوگ گنیں سنبھالے باہر کو دوڑے تھے۔ پھر چند لمحے گرد و پیش کی اچھی طرح سن گن لینے کے بعد ہم تینوں باہر نکلے اور سیدھے عمارت کے اندرونی مرکزی دروازے کی طرف بڑھے۔ میرے عمارت پر اچانک فائرنگ کرنے کے منصوبے کی کامیابی کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ مسلح باوردی افراد بوکھلاہٹ اور پریشانی کا شکار ہو کر دروازہ کھول کے نکل دوڑے تھے لہٰذا میں اپنے دونوں ساتھیوں کو لے کر اندر داخل ہوا۔ اندر ٹیوب لائٹس اور مرکری کے بلب روشن تھے اور دائیں بائیں پتلی پتلی راہ داریوں کی بھول بھلیاں سی پھیلی ہوئی تھیں۔ مجھے اندر ہی دوڑتے قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ اچانک تین مسلح باوردی افراد سامنے سے ابھرے۔ ''فائر'' میں چیخا اور ساتھ ہی فرش پر گر گیا۔ ہم پر گولیوں کی بوچھار ماری گئی۔ ہمارا ایک ساتھی خوں ناک گولیوں کی زد میں آ کر لرزہ خیز چیخ کے ساتھ گرا۔ ہم دونوں نے فرش پر گرتے ہی اپنی گنوں کے دہانے کھول دیے۔ وہ تینوں باوردی مسلح اہلکار جگر پاش چیخیں مار کر لہرائے اور زمیں بوس ہوتے چلے گئے۔ ہم دونوں اٹھ کر دوڑے۔ دفعتاً عقب سے گولیوں کی تڑتڑاہٹ ابھری۔ میں تو پھرتی کے ساتھ دائیں جانب کی راہ داری میں مڑ گیا مگر پھر بھی ایک گولی میرے بائیں بازو کا گوشت پھاڑتی ہوئی نکل گئی جب کہ میرا آخری بدنصیب ساتھی گولیوں کی خوں ناک تڑاتڑی کی زد میں آ کر ڈھے گیا۔ میرے زخمی

بازو سے خون جاری ہو گیا۔

عقب میں دوڑتے قدموں کی آواز قریب آنے لگی۔ میں نے یہ چالاکی کی کہ آگے بھاگنے کی بجائے اپنی گن کا رخ سامنے موڑ دیا اور پھر جیسے ہی وہ دونوں حملہ آور اپنی جھونک میں میرے سامنے آئے تو میں نے لبلبی دبا دی۔ دونوں تیورا کر گرے اور ٹھنڈے پڑ گئے۔ میرے ذہن میں اچانک ایک خیال آیا۔ پھر میں نے فوراً ایک مردہ اہلکار کی وردی پہن لی اور اس کی کیپ بھی۔ اب بادی النظر میں میں بھی ایف بی آئی کا ایک اہلکار نظر آ رہا تھا۔ میرا دل بے تحاشا دھڑدھڑا رہا تھا۔ اعصاب تن کر جیسے مضبوط حوصلوں کی چٹان بن گئے۔

میں آگے بڑھا۔ اچانک سامنے سے ایک باوردی اہلکار آتا دکھائی دیا۔ میں نے کیپ دانستہ چہرے پر ذرا جھکا دی۔ انداز ایسا ہی رکھا جیسے میں بڑی جنگ کر کے آ رہا ہوں۔ مجھے اپنا بھی ہوش نہیں رہا تھا۔ وہ قریب آیا تو میں نے اس سے کہا۔

''ٹیڈ نامی قیدی کو فوراً گولی مار دو۔ ابھی ابھی مجھے حکم ملا ہے۔ جلدی کرو۔ ہری اپ! دشمن نے اسے آزاد کرانے کے لیے بھاری تعداد میں حملہ کر دیا ہے۔''

میری بات ہی ایسی تھی کہ وہ یقین کر گیا اور واپس دوڑا۔ میں بھی اس کے عقب میں دوڑا۔ پھر مختلف راہ داریوں سے ہوتا ہوا ایک بارک کے دروازے کے سامنے رک گیا۔ میں دعا مانگ رہا تھا کہ میری یہ چال کامیاب جائے اور کوئی دوسرا اہل کار یہاں نہ آ جائے۔ بہرطور اس اہلکار نے فوراً اسکینر پر اپنے فنگر پرنٹ دیے پھر دروازے کی آہنی چوکھٹ پر نصب ڈیجیٹل نمبروں کو پنچ کیا۔ موٹا بھاری فولادی دروازہ ہلکی گڑگڑاہٹ کے ساتھ سلائیڈ ہوتا چلا گیا۔ سامنے ایک چھوٹے قد مگر گٹھی ہوئی جسامت کا نڈھال سا شخص ایک آئرن اسٹول پر بیٹھا تھا۔ اس اہل کار نے جیسے ہی اپنی گن سے اس کا نشانہ لیا۔ میں سمجھ گیا۔ یہی راسکل کنگ کا چھوٹا بھائی ٹیڈ ہے۔ چنانچہ میں نے اپنی گن کی نال اس کی کمر سے لگا کر ٹریگر دبا دیا۔ ایک دھماکا ہوا اور وہ بغیر آواز نکالے ڈھیر ہو گیا۔

''آؤ جلدی کرو۔'' میں نے حیران پریشان ٹیڈ سے کہا۔ مجھے وردی میں دیکھ کر وہ مجھے بھی پہلے اہل کار سمجھا تھا، مگر پھر میں نے اسے مختصراً اپنے بارے میں بتایا تو اس کے ستے ہوئے چہرے پر بشاشت آ گئی۔

''ادھر ایک خفیہ راستہ باہر کو جاتا ہے۔'' وہ میرے ساتھ دوڑتے ہوئے ہانپتی آواز میں بولا اور پھر میں اس کے بتائے ہوئے راستے پر ہولیا۔ تھوڑی سی جوکھم کے بعد ہم عمارت سے باہر گھنے تاریک جنگل میں تھے۔ تاریک جنگل کے ایک قدرے محفوظ گوشے میں پہنچ کر میں نے اپنے ساتھیوں سے موبائل پر رابطہ کرنے کی کوشش کی تو صرف دو افراد سے رابطہ ممکن ہو سکا۔ گویا باقی سات کام آ چکے تھے۔ میں نے انہیں مشن کے مکمل ہونے کی خوش خبری سنائی اور کار لانے کا کہا۔ کاریں ہم نے محفوظ گوشے میں کھڑی کر رکھی تھیں۔ ذرا دیر بعد وہ دونوں ایک کار میں میری بتائی ہوئی نشان دہی کے مطابق ہمیں لینے آن پہنچے۔ اس کے بعد ہم اس میں سوار ہوئے اور راسکل کنگ کے نیوڈ کلب کی طرف روانہ ہو گئے۔

ٹیڈ تو مجھے حیرت آمیز نظروں سے بت بنا تکے جا رہا تھا۔ اسے جیسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں اسے ایف بی آئی کے ایک خطرناک ونگ سے چھڑا لایا تھا۔ میں کلب پہنچا تو راسکل کنگ اپنے بھائی ٹیڈ سے دیوانہ وار لپٹ گیا۔ اس کے بعد راسکل کنگ نے مجھے بھی اپنے گلے سے لگا لیا۔ وہ بہت خوش نظر آ رہا تھا، جیسے میرا غلام بن گیا۔ اس نے فوراً زبردست جشن کے اہتمام کا حکم دیا تو میں نے سنجیدگی سے کہا۔

''مسٹر کنگ! یہ وقت جشن منانے کا نہیں ہے۔ اپنے

ھائی ٹیڈ کو فوراً پہلے ملک سے باہر بھیجنے کا بندوبست کرو۔'' اس کے چھوٹے بھائی ٹیڈ نے بھی میری بات کی حمایت کی۔ راسکل کنگ بھی راضی ہو گیا۔ میں نے اس کے بھائی کو بازیاب کروا کر جیسے اسے خرید لیا تھا، تاہم وہ بولا۔

''افتخار! میں اتنے عرصے بعد بھائی سے ملا ہوں۔ ارادہ اسے دیکھ تو لوں جی بھر کر۔''

بلاشبہ وہ اپنے بھائی سے بہت محبت کرتا تھا۔ میں دل میں کھول اٹھا اور جی میں آئی کہ اس سے کہہ ڈالوں۔ ''ذلیل انسان! میں بھی تو اپنے چھوٹے بھائی عالم خان سے ایسی ہی محبت کرتا تھا، مگر تو نے اس بے گناہ کو بے دردی کے ساتھ سوانو کے ہاتھوں مروا دیا۔''

''بہرطور میں نے پہلے سے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کہا۔

''مسٹر کنگ! ٹیڈ کو یہاں زیادہ دیر رکھنا خطرے سے خالی نہیں۔ کالی بھیڑیں ہر جگہ موجود ہوتی ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی تمہارا برگشتہ آدمی غداری کر بیٹھے اور......''

میں نے باقی جملے کا مطلب اس کی سمجھ داری پر چھوڑتے ہوئے دانستہ اپنا جملہ ادھورا چھوڑا تو وہ بڑے رعونت آمیز لہجے میں سینہ پھلا کر بولا۔

''میرے سارے آدمی وفادار ہیں۔ کسی میں ایسی جرأت نہیں۔''

میرا کام ہو چکا تھا۔ میں خاموشی سے واپس گیا، پھر منصوبے کے مطابق سب سے پہلے ایک کال بوتھ پر چند پنس ڈال کر میں نے مائیکل ٹائیڈل کو راسکل کنگ کے کسی برگشتہ آدمی کی طرف سے ایک گم نام کال کر کے بتایا کہ ''ٹیڈ کو چھڑانے والا اس کا بھائی راسکل کنگ اور ساتھی تھے۔ وہ سب اس وقت ساؤتھ اسٹریٹ کے نیوڈ کلب میں موجود ہیں لہٰذا وقت ضائع کیے بغیر فوراً چھاپا مارا جائے ورنہ ٹیڈ کو ملک سے باہر فرار کروا دیا جائے گا۔'' یہ گم نام اطلاع دینے کے بعد میں واپس اپنے کیمپس آ گیا۔

میں جانتا تھا کہ ٹیڈ کے سلسلے میں مائیکل ٹائیڈل کو اب تک مطلع کیا جا چکا ہوگا۔ اب میں تصور ہی تصور میں ایک خون ریز تماشے کو دیکھ رہا تھا۔

☆

اگلے ہی دن ایوننگ اسپیشل کے اخبارات سنسنی خیز سرخیوں سے بھرے ہوئے تھے۔ میرا ڈبل کراس منصوبہ بھرپور طریقے سے کامیاب ہوا تھا۔ اخبارات میں سب سے پہلے ٹیڈ کے خون ریز معرکے کے بعد فرار کی داستان کے ساتھ ایف بی آئی والوں کا فوراً بعد راسکل کنگ کے نیوڈ کلب میں چھاپے کی کہانی تفصیلاً درج تھی اور اس چھاپے کے دوران راسکل کنگ کے بیشتر ہرکارے مارے گئے تھے اور ٹیڈ بھی ایف بی آئی والوں کے ہاتھوں بعد ازاں مارا گیا تھا جب کہ راسکل کنگ شدید زخمی حالت میں فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اپنی اس کامیابی پر مجھے اپنے وجود میں سنسنی خیزی کا احساس ہوا۔ راسکل کنگ کو اس بار میں نے بڑی زبردست زک پہنچائی تھی۔ وہ بھی اس طرح کہ اس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہو پایا تھا کہ یہ میری حرکت تھی اور نہ ہی راسکل کنگ کا میری طرف دھیان جا سکتا تھا کیوں کہ میں اپنی جان جوکھم میں ڈال کر ٹیڈ کو ایف بی آئی کے چنگل سے چھڑا کر لایا تھا اور پھر چوں کہ میں پہلے ہی منصوبے کے تحت نفسیاتی طور پر راسکل کنگ کے ذہن میں خطرہ بٹھا چکا تھا کہ وہ کالی بھیڑوں سے ہوشیار رہے اور جلد سے جلد اپنے بھائی ٹیڈ کو ملک سے باہر بھیجنے کی کوشش کرے اس لیے لامحالہ اس کا دھیان اپنے ہی کسی برگشتہ ساتھی کی طرف ضرور گیا ہوگا، جس نے اس کی پیٹھ میں خنجر گھونپا ہوگا۔

میں تصور ہی تصور میں راسکل کنگ کو غم و غصے سے نڈھال دیکھ کر مسرور ہو رہا تھا۔ اس دوران پروفیسر یونزال نے فوراً دوبارہ مجھ سے بالمشافہ رابطہ کر کے مجھ

سے اسالٹ وائرس کے ادھورے فارمولے دینے کا تقاضا کیا۔ میں پہلے ہی اصل کی بجائے نقل فارمولا تیار کرچکا تھا جو محض کاغذی لکیروں پر ہی مشتمل تھا۔ میں نے اسے دے دیا۔

☆

وقت نے ایک اور زقند بھری اور میں نے اپنا تھیسس مکمل کرلیا اور میں بھی اپنا کام نمٹا چکا تھا۔ تعلیم مکمل ہوتے ہی ہم نے فوراً پاکستان کوچ کرنے کا پروگرام بنایا لیکن اس سلسلے میں میں نے ہوشیاری کا دامن نہ چھوڑا تھا، کیوں میں جانتا تھا کہ روزی کا کینہ پرور باپ مائیکل ٹائیڈل ہم پر نظر رکھے ہوئے ہوگا اور وہ ہم دونوں کے لندن سے کوچ کرنے پر روڑے اٹکانے کی کوشش کرے گا لہٰذا میں نے اسے ڈاج دینے کے لیے ایک کام یہ کیا کہ یونی ورسٹی آف لندن میں ہم دونوں نے نوکری کی درخواست دے ڈالی اور مائیکل ٹائیڈل کو میں نے روزی کے ذریعے جاب بسفارش کے لیے کہا۔ ایسا میں نے جان بوجھ کر کیا تھا تا کہ مائیکل ٹائیڈل اس بات سے اندھیرے میں رہے کہ ہم ابھی پاکستان جانا نہیں چاہتے تھے اور ادھر ہی اپنا مستقبل بنانا چاہتے تھے۔ بے شک دونوں باپ بیٹی کے درمیان ناراضگی تھی مگر بہرحال یہ باپ بیٹی کا معاملہ تھا۔ مائیکل نے میری توقع کے عین مطابق اپنی بیٹی سے مذکورہ یونی ورسٹی میں جاب دلانے کا وعدہ کرلیا۔ میں بس اتنا ہی چاہتا تھا۔ حالات تیزی کے ساتھ کروٹیں بدل رہے تھے۔ تب اچانک مجھے جمعہ خان نے پاکستان سے ٹیلی فونک اطلاع دی کہ وہاں بابا جانی کی پارٹی کو مسندِ اقتدار سے سبک دوش کردیا چکا ہے اور اسمبلیاں توڑ دی گئی ہیں۔

میں یہ سن کر سناٹے میں آ گیا۔ اس نے مزید ملکی سیاسی فضا کے بارے میں بتایا کہ اب شنید ہے کہ نوے دن کے اندر اندر ہونے والے عام انتخابات میں سعید رضا احتشام کی پارٹی عنانِ اقتدار سنبھالے گی نیز بابا جانی کو سعید رضا احتشام نے یہ دھمکی بھی دی ہے کہ اب وہ متوقع اقتدار عنان سنبھالتے ہی بابا جانی اور مجھ سے گن گن کر بدلے لے گا۔

''سائیں مٹھا! آپ کا اب واپس ملک لوٹنا انتہائی ضروری ہوگیا ہے۔''

ان ساری باتوں کی مختصراً آگاہی دینے کے بعد جمعہ خان اپنے مخصوص لہجے میں بولا۔ اس کے لہجے سے پریشانی اور تشویش مترشح ہورہی تھی۔ میں نے اسے تسلی دینے کے ساتھ یہ خوش خبری بھی سنائی کہ میں عن قریب پہنچنے والا ہوں۔

ادھر میں تیزی کے ساتھ مگر نہایت رازداری سے روزی کا پاسپورٹ اور ویزا تیار کروانے لگا مگر سب سے پہلے ہم جاب لے کر جوائننگ کرنا چاہتے تھے تا کہ مائیکل ٹائیڈل کے دل و دماغ میں رہا سہا شک بھی دور ہوجائے۔ میری توقع کے عین مطابق اس نے تیزی کے ساتھ ہماری سفارش پر عمل درآمد کروایا تھا اور بالآخر ہمیں مطلوبہ یونی ورسٹی میں جاب مل گئی۔ میں جانتا تھا کہ شاطر مائیکل ٹائیڈل نے مجھ سے دیرینہ مخاصمت کے باوجود پہلی فرصت میں کام کیا ہوگا، کیوں کہ وہ کسی طور بھی نہیں چاہتا ہوگا کہ ہم دونوں پاکستان روانہ ہوں۔ یوں میں نے روزی کے ذریعے اپنے تاثرات اس تک پہنچانے کی یوں کوشش کی کہ مجھے لندن کی فضا راس آ چکی تھی اور اب میں ادھر ہی رہنا چاہتا تھا، کیوں کہ میرا یہاں رہنا مائیکل ٹائیڈل کے مفاد میں تھا۔ یوں وہ مجھے رفتہ رفتہ اپنی سازشوں کے تار عنکبوت میں جکڑ سکتا تھا۔

بہرطور میں نے اور روزی نے مذکورہ یونی ورسٹی (یونی ورسٹی آف لندن) کی بہ طور پروفیسرز کے جوائن کرلی، لیکن جب حکومتِ پاکستان کو لندن یونی ورسٹی کی طرف سے بانڈ ریٹرن کرنے کا وقت آیا تو

میں اس پر دستخط کیے بغیر ہفتے بھر کی رخصت پر چلا گیا جب کہ روزی کو میں نے دانستہ چھٹیاں لینے سے روکے رکھا تھا۔

اثنائے راہ ہمارے تمام سفری ڈاکومنٹس تیار ہوچکے تھے۔ بالآخر ہم دونوں ایک روز ہیتھرو ایئرپورٹ لندن سے بہ ذریعہ فلائٹ پاکستان کی طرف پرواز کر گئے۔

روزی جہاز کی کھڑکی والی سائیڈ پر سیٹ کی پشت گاہ سے سر ٹکائے خاموش بیٹھی تھی۔ وہ نیچے لندن کی جگمگاتی ٹمٹماتی نقطوں جیسی روشنیوں کو تکے جا رہی تھی۔ میں نے اسے اچانک خاموش پاکر اس کے چہرے کی طرف دیکھا تو جیسے میرا دل بھینچ گیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی موٹی موٹی لکیریں شہابی گالوں پر بہ رہی تھیں۔

''روزی......!'' میں نے ہولے سے مگر محبت بھری حلاوت سے اسے پکارا۔

''ہوں۔'' وہ بہ دستور کھڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے دھیرے سے بولی۔

''کیا اداس ہورہی ہو؟'' میں نے پوچھا۔ وہ خاموش رہی۔ میں سمجھ گیا تھا اپنا ملک جہاں وہ پیدا ہوئی، پلی بڑھی، اب اسے ہمیشہ کے لیے وداع کرنے پر اسے دکھ ہورہا تھا۔ اس کے سوگوار چہرے پر یک تک ایک آزردہ سی خاموشی طاری تھی۔ اس نے میری بات کا جواب نہیں دیا تھا۔ میں نے پیار سے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ اس نے میرے سینے پر سر رکھ دیا اور بچوں کی طرح رونے لگی۔

''او کم آن روزی! میں تمہارا دکھ سمجھ رہا ہوں۔'' میں نے محبت سے اس کے سنہری بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے ملائمت سے کہا۔ ''میں تمہارا دکھ سمجھ رہا ہوں، لیکن میرا تم سے یہ وعدہ ہے کہ تم جب بھی مجھے کہو گی میں پاکستان سے لندن تمہیں تمہارے ممی پاپا سے ملوانے کے لیے لاتا رہوں گا۔ اب تو خوش۔ چلو اب مسکرا دو۔'' میں نے اس کے آنسو پونچھے وہ ہولے سے مسکرا دی۔

سفر جاری تھا۔ روزی اور میں کافی دیر تک آپس میں باتیں کرتے رہے اور مستقبل کے خوش آئند خواب فردا کی تعبیریں بنتے رہے اور پھر ہم دونوں نے اپنی چیئرز ایزی کرلیں تو روزی اپنا سر میرے سینے پر رکھے رکھے سو گئی۔ میں پیار سے اس کے ریشمی بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگا۔ وہ بالکل حسین گڑیا کی طرح لگ رہی تھی۔ جہاز کی لائٹیں تقریباً آف تھیں۔ مدھم روشنی میں جہاز کا ماحول بہت خواب ناک لگ رہا تھا۔ خوش اندام اور بااخلاق ایئر ہوسٹس نے ہمیں صاف ستھرے اور گرم لحاف لا دیے تھے۔ جہاز اپنی منزل کی جانب محوِ پرواز تھا۔

☆

لندن سے کراچی تک کا ہوائی سفر تقریباً اٹھارہ گھنٹے پر محیط تھا۔ وقفے وقفے سے اناؤنسمنٹ کے ذریعے مسافروں کو بتایا جا رہا تھا کہ ان کا جہاز اس وقت روم پر سے گزر رہا تھا، پھر قاہرہ، اس کے بعد بحرین۔ بالآخر عرب کی طرف سے فضائی موڑ کے بعد ہمارا جہاز پاکستانی فضائی حدود میں داخل ہوگیا تھا۔ لندن کا وقت پاکستان کے وقت سے چار گھنٹے پیچھے تھا۔

بہرطور میں اور روزی کراچی ایئرپورٹ پر اترے اور کسٹم اور امیگریشن کے کاؤنٹرز سے ہوتے ہوئے باہر آئے تو جمعہ خان کو میں نے باچھیں پھیلائے دیکھا۔ اس نے فوراً اپنے ہاتھ ہلا دیے، پھر میرے ساتھ ایک گوری میم (روزی) کو دیکھ کر اس کی باچھیں مزید کانوں کی لووں تک پھیل گئیں۔

''یہ کون ہے؟ دوست ہے تمہارا؟'' روزی نے جمعہ خان کو دیکھ کر مجھ سے پوچھا اور میں مسکرا کر بولا۔

''ہاں۔ دوست ہے...... میرا جگری اور جاں نثار۔'' اتنے میں وہ ہمارے قریب آ گیا۔ اس کے ہونٹ

اب حیرت سے سکڑ گئے تھے۔ وہ پہلے مجھ سے لپٹ گیا پھر ہاتھ ملایا۔ روزی نے جب مسکرا کر مصافحے کے لیے جمعہ خان کی طرف ہاتھ بڑھایا تو جمعہ خان بھونچکا رہ گیا، مگر میرے کھنکھارنے پر اس نے ہاتھ ملانے کی بجائے روایتی انداز میں اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

''ہمارے ہاں عورتوں سے مصافحہ نہیں کیا جاتا۔ چلو۔''

''یہ کون پری ہے سائیں مٹھا!'' جمعہ خان نے مجھ سے سندھی زبان میں پوچھا۔

''ابے یہ تیری ہونے والی بھابھی ہے۔''

''اچھا سائیں! ماشاء اللہ بہت کھوب صورت ہے۔''

وہ یہ کہہ کر روزی سے مخاطب ہوا۔

''سلام بھاجائی! (بھابھی)''

''یہ کیا کہہ رہا ہے؟'' روزی نے اپنی مادری زبان میں مجھ سے پوچھا تو میں ہولے سے ہنس کر بولا۔

''یہ تمہیں اپنی مادری سندھی زبان میں سلام کہہ رہا ہے۔''

''او...... اچھا، اچھا۔''

وہ تنہا گوٹھ (کندھ کوٹ) سے مجھے لینے آیا تھا۔ بائی روڈ، اپنی پجیرو میں۔

''اب کہاں کے ارادے ہیں؟'' میں نے روزی سمیت سیٹ پر براجمان ہوتے ہوئے جمعہ خان سے پوچھا۔

''سائیں مٹھا! ستارہ مینشن۔''

میرے لبوں پر عجیب سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''سائیں مٹھا! مجھے بڑی خوشی ہوئی اب تو آپ واپس فرنگیوں کے ملک میں نہیں جائیں گے ناں۔''

وہ گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

''نہیں۔ اب میں ہمیشہ کے لیے پاکستان آیا ہوں۔''

وہ خوشی سے اپنا سر دھننے لگا۔

''ستارہ مینشن میں چھوٹی اماں (کلثوم فاطمہ، فلمی نام ستارہ) ہوں گی۔'' میں نے کسی خیال کے تحت پوچھا۔

''ہاؤ سائیں! پر دونوں ماں بیٹی کے چہروں سے لگ رہا تھا کہ وہ آپ کے آنے سے خوش نہیں ہیں۔'' وہ بولا۔ میرے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ کھل گئی۔ ان کے حوالے سے کچھ تلخ یادیں تازہ ہو گئی تھیں۔

''اچھا۔'' میں نے ہولے سے کہا۔

''سائیں مٹھا! پر میں نے آتے ہی آپ کے لیے کمرا تیار کروانے کا حکم دے ڈالا تھا۔ وہ میرا مطلب ہے سائیں وڈے (بابا جانی) کے حکم سے۔''

''ہوں۔ پھر وہ دونوں ماں بیٹیاں منہ پھلا رہی ہوں گی۔''

''ہاؤ سائیں! جب میں وہاں پہنچا تھا تو دونوں ماں بیٹیوں نے اس طرح مجھے گھور کر دیکھا تھا جیسے میری بوٹیاں کھا جائیں گی۔ وہ تو اچھا ہوا کہ اپڑیں مان وارے وڈے (بابا جانی) نے پہلے سے گوٹھ سے انہیں فون کر کے بتا دیا تھا ورنہ تو شاید مجھے یہ دونوں گھسنے ہی نہ دیتیں۔'' وہ بولا۔

مجھے طیش آنے لگا۔ میں جان بوجھ کر دونوں حرافہ ماں بیٹی کو ذہنی طور پر دق کیا کرتا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا جب میری اماں جانی اور ادی سلمٰی یہاں بہ غرض علاج رہنے کے لیے آئی تھیں تو ان ماں بیٹی نے انہیں رہنے کے لیے اسٹور والا کمرا دے دیا تھا۔ بعد میں میرے آنے سے میں نے ان دونوں کی اکڑفوں ہوا کر ڈالی تھی اور بابا جانی سے بھی ان دونوں کو ڈانٹ پلوائی تھی۔

مجھے وہ وقت بھی یاد تھا جب میری اماں جانی اور ادی سلمٰی سعید رضا احتشام کی بربریت کا نشانہ بننے کے بعد دنیا سدھار گئی تھیں تو ستارہ نے گویا پرانا ادھار چکاتے ہوئے مجھے کراچی سے خاص طور پر گوٹھ (حویلی) فون کر کے بہ ظاہر تعزیت کرتے ہوئے طنزاً کہا تھا۔ ''چچ، چچ...... مجھے بڑا دکھ ہوا۔ اپنی منجھلی سوتن (اماں جانی) اور پیاری نند (ادی سلمٰی) کے مرنے کا۔ اب حویلی بھی تم کو کاٹنے کو دوڑتی ہوگی۔ اکیلے جو رہ گئے ہو۔ اتنی بڑی حویلی میں۔''

اس نے کلمۂ رنج میں زہریلا طنز کیا تھا اور پھر دوبارہ کاٹ دار زہر میں بجھے تضحیک آمیز لہجے میں بولی تھی ''ویسے اگر تمہارا تنہائی میں دل گھبرائے تو تمہارے لیے میرے ''ستارہ مینشن'' کے دروازے آں نہیں...... اوپر والی منزل کے صرف اسٹور روم کا دروازہ کھلا ہے۔'' طنز اور زہر میں بجھے ہوئے یہ الفاظ مجھے آج بھی یاد تھے۔

''میں آ رہا ہوں...... ستارہ بیگم! اب اچھی طرح تمہاری خبر لوں گا۔'' غصے کی شدت سے میں بڑبڑایا تو روزی بولی۔

''آں۔ تم نے مجھ سے کچھ کہا۔''

''نہیں۔'' یہ کہہ کر میں نے جمعہ خان سے پوچھا۔

''جمعہ خان! گوٹھ میں تو سب خیریت ہے ناں۔ بابا جانی، بڑی اماں (الماس خانم)، بھائی حیات اللہ سب ٹھیک تو ہیں ناں؟''

''ہاؤ سائیں! سب ٹھیک ہیں پر وہ سائیں وڈے بہت پریشان ہیں۔'' وہ جواباً بولا۔

''ہاں۔ جب تک وہ سیاست میں رہیں گے پریشان ہی رہیں گے۔'' میں نے ہولے سے کہا پھر پوچھا۔ ''یہ بتاؤ وہ کہاں ہیں اب۔''

''سائیں مٹھا! وہ اسلام آباد گئے ہوئے ہیں۔ ان کی حکومت ختم ہونے کے بعد ان کی پارٹی نے فوری طور پر ہنگامی اجلاس طلب کیا تھا۔ ویسے انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ ایک دو روز بعد گوٹھ آ جائیں گے اور میں آپ لوگوں کو بھی وہیں لے کر پہنچوں۔''

''ہوں۔'' میں نے ایک طویل اور پرسوچ ہنکاری بھری۔ گھنٹے بھر بعد ہم ستارہ مینشن میں تھے۔

دونوں ماں بیٹی مجھے دیکھ کر ناک بھوں چڑھانے لگیں۔ پھر ایک انگریز لڑکی یعنی روزی کو میرے ساتھ دیکھ کر ان کے بشروں پر ناگوار سی استہزائیہ مسکراہٹیں ابھریں۔

''لو پتا نہیں کس فرنگن کو بغل میں دبا کر لے آیا ہے، لندن سے۔''

ستارہ (کلثوم فاطمہ) کی نائیکہ مارکہ ماں تارہ بیگم نے معنی خیز لہجے میں اپنی لاڈلی بیٹی کو ٹہوکے مارتے ہوئے کہا۔ دونوں کی زہر میں بجھی ہوئی نظریں روزی کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

''تم کو اس سے مطلب؟'' میں نے خار کھائے ہوئے لہجے میں انہیں گھورا۔

''ہاں، ہاں، ہمیں کیوں مطلب ہونے لگا۔'' ستارہ ہاتھ نچا کر بولی۔

''میں ادھر ذرا تفریحی پروگرام کرتی ہوں تو تمہیں برا لگتا ہے۔ اب جو تم خود اتنے گورے چٹے پروگرام کے ساتھ یہاں رنگ رلیاں مناؤ گے وہ کس کھاتے میں جائے گا۔'' میں اس کے زہریلے طنزیہ لہجے پر ہتھے سے اکھڑ گیا۔

''اپنی زبان کو لگام دے اے عورت! اور اپنی اوقات میں رہ کر بات کرو۔'' وہ جواباً ترکی بہ ترکی بولی۔

''افتخار صاحب! جب میں آپ کو اپنے گھر میں آنا پسند نہیں کرتی ہوں تو تم کیوں ادھر آتے ہو؟'' وہ ہونٹ چبا کر جھنجلائے ہوئے بولی۔ مجھے اس کی بے بس اور جھنجلاہٹ پر مزہ آ گیا اور میں اسے مزید تاؤ دلانے والے انداز میں بولا۔

''اول تو مجھے تمہاری پسند یا ناپسند سے رتی برابر بھی کوئی دلچسپی نہیں ہے خاتون! رہی بات اس گھر کی تو یہ ہوا میں پہلے بھی تمہارے کھوکھلے دماغ سے نکال چکا ہوں کہ یہ گھر تمہارے باپ کا نہیں، میرے باپ کا ہے۔ اینڈ ناؤ یو بی آف!'' میں نے آنکھیں نکالتے

ہوئے کہا اور دونوں غصے سے پاؤں پٹختی ہونٹ کاٹتی چلی گئیں۔

میں نے اسی وقت ملازموں کے ذریعے تین عدد کمرے تیار کرنے کو کہا۔ میرا ارادہ فی الحال چند روز ادھر ہی رہ کر ان دونوں حرافہ ماں بیٹیوں کا دل جلانے کا تھا۔ ویسے بھی میں روزی کو کراچی کی سیر کروانا چاہتا تھا، ورنہ سیدھا گوٹھ جا کر بے چاری گھبرا جاتی کہ کہاں صحرا اور جنگل میں آ گئی ہے۔ یوں بھی جب تک بابا جانی اسلام آباد سے واپس گوٹھ نہیں آ جاتے۔ میں گوٹھ (حویلی) نہیں جانا چاہتا تھا۔

ادھر میرے آنے سے دونوں ماں بیٹی کا سکون لٹ چکا تھا، پھر روزی کے حسن کے آگے ستارہ کی مصنوعی چمک دمک اور میک اپ زدہ حسن ماند پڑنے لگا تھا۔ وہ روزی کی طرف سے بری طرح حسد میں مبتلا ہو گئی تھی مگر ان میں دم مارنے کی ہمت نہ تھی کیوں کہ میری سرکش فطرت اور غصہ ور طبیعت سے بہ خوبی واقف تھیں۔ روزی نے ان دونوں کے بارے میں مجھ سے پوچھا تو میں نے اسے انگلش میں سب کچھ بتا دیا۔ وہ حیران رہ گئی اور بولی۔

”حیرت ہے انی! تمہارے ڈیڈ نے اکٹھی تین تین شادیاں کر رکھی ہیں۔ کیا تینوں خوش ہیں؟“ میں مسکرا کر بولا۔

”یہ لمبی بحث ہے۔ آہستہ آہستہ اس ماحول میں رہو گی تو خود ہی سمجھ جاؤ گی۔“

میں نے اسے پھر اپنی اماں جانی اور ادی سلمٰی کی جانکاہ موت کے بارے میں بھی بتایا پھر اسے اپنے خاندان کے ازلی دشمن سعید رضا احتشام کی خوں ناک عداوت کے بارے میں بتایا۔ اسے یہ سن کر بہت رنج ہوا۔ بہر طور میں اسے سیر کرانے کی غرض سے باہر لے گیا۔ جمعہ خان بھی ساتھ تھا۔ گاڑی میں چلا رہا تھا۔ جمعہ خان میرے برابر والی سیٹ پر براجمان تھا جب کہ روزی عقبی سیٹ میں کھڑکی کے قریب باہر کراچی شہر کا بڑی دلچسپی کے ساتھ نظارہ کر رہی تھی۔ جمعہ خان نے مجھ سے کہا۔

”سائیں! بھاجائی کو سندھی بھی سکھاؤ ناں۔“ میں مسکرایا مگر مصنوعی غصے سے بولا۔

”کیوں؟ تو نے اس کے ساتھ کیا باتیں کرنی ہیں؟“ وہ بے چارہ گھبرا گیا۔ جلدی خفیف ہو کر بولا۔

”نن..... نہیں...... سائیں مٹھا! میں تو بس ایسے ہی کہہ رہا تھا۔“ اس کی بوکھلاہٹ پر مجھے بے اختیار ہنسی آ گئی۔

ہم سہ پہر سے رات گئے تک کراچی کے مختلف معروف تفریحی گاہوں کی سیر کرتے رہے۔ روزی کو کراچی بہت پسند آیا تھا۔ میں نے اسے بتایا کہ کراچی پاکستان کا ہی نہیں بلکہ بین الاقوامی نوعیت کا شہر ہے۔ اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہاں بحیرۂ عرب جیسا ٹھاٹھیں مارتا میلوں دراز سمندر ہے جو بارہ مہینے ہلکورے لیتا رہتا ہے جب کہ دیگر ممالک کے سمندر سال کے چھ مہینے برفاب بنے رہتے ہیں، نیز ابھی تو تم نے ہمارے پیارے ملک پاکستان کا صرف ایک ہی شہر دیکھا ہے، یہاں تو اور بھی بڑے بڑے اور خوب صورت شہر ہیں، پھر میں نے اسے سب سے پہلے سندھ کے بڑے بڑے شہروں کے متعلق بتایا، جن میں کراچی سمیت حیدر آباد، نواب شاہ، دادو، سیہون، لاڑکانہ، سکھر اور جیکب آباد کا بتایا، جو ایشیا کا انتہائی گرم ترین شہر ہے۔ اس کے بعد میں نے اسے صوبہ بلوچستان کے بڑے شہر کوئٹہ، سبی اور چمن کے نام اور ان کی جغرافیائی حیثیت آب وہوا کے بارے میں بتایا پھر بالترتیب سرحد اور پنجاب زندہ دلان شہر لاہور کے بارے میں بتایا کہ جس کے بارے میں یہ کہاوت مشہور ہے کہ جس نے لاہور نہیں دیکھا، وہ پیدا ہی نہیں ہوا۔ پھر شمالی علاقہ جات، مری، اسلام آباد، پنڈی وغیرہ

ے میں بتایا تو اس کے دل میں بے اختیار ان ت شہروں کو دیکھنے اور سیر کرنے کی خواہش یں نے اس سے وعدہ کیا کہ میں اسے ضرور ، پہلے پورے پاکستان کی سیر کرواؤں گا۔

یں تو بارہ مہینے اندھیرا چھایا رہتا تھا۔ وہاں ب جیسی نعمت کو ترسا کرتے تھے۔ یہاں جب ی کڑی دھوپ دیکھی اور پھر ساحلِ سمندر تو اس نے مجھ سے ”سن باتھ“ لینے کی خواہش کا تو میں نے اسے ڈانٹ دیا۔

مجمع لگاؤ گی یہاں۔ ویسے ہی سب لوگ تمہیں کر دیکھ رہے ہیں۔“

مگر شوخی سے بولی۔

یہ تو میں بھی دیکھ کر حیران ہو رہی ہوں۔ پنے حسن کا یہاں آ کر پتا چلا ہے۔ یہ لوگ اگر چلے جائیں تو......؟“

بس اب اتنے بھی ہلکے نہیں ہیں یہاں کے چھے برے ہر جگہ ہوتے ہیں۔ یہاں تو تمہیں ان والے لوگ بھی ملیں گے جن کے دم سے ہی یہ دنیا قائم ہے۔“

متاثر کن انداز میں اپنا سر ہلانے لگی۔ سیر کے جمعہ خان کی کھوپڑی میں جانے کیا سمائی کہ اس کباب میں ہڈی تصور کرتے ہوئے وہاں جانا چاہا مگر میں نے اسے روک رکھا۔

ٹے کے بعد ہم گھر آ گئے۔ روزی تھکی ہوئی اپنے کمرے میں جا کر سو گئی۔ جمعہ خان اور کمرے میں آ گئے۔ رات کے گیارہ بجے کا فون کی گھنٹی بجی۔ ایک ایکسٹینشن ہمارے میں بھی موجود تھا۔ بیل دو بار بجنے کے بعد ہو گئی۔ شاید دوسرے کمرے میں موجود ستارہ ور اٹھا لیا تھا یہاں زیادہ تر فون اس کے ہی ۔ میرے جی میں جانے کیا آئی کہ میں نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا۔

دوسری طرف سے کوئی پروڈیوسر ستارہ سے باتیں کر رہا تھا۔ وہ کھرکھراتی آواز میں بولا۔

”کیا ہوا میڈم! آپ نے اپنے سائیں جی سے اجازت لے لی؟“

میرے کان یک دم کھڑے ہو گئے۔ میں اب خاموشی کے ساتھ ان کی گفتگو سن رہا تھا۔

”ارے میاں صاحب! اس بڈھے نے تو مجھے رہی سہی سیریلز اور فلمیں ہی بڑی مشکلوں کے ساتھ مکمل کرنے کی اجازت دی تھی۔“

ستارہ کی ناگوار آواز ابھری اور میرا خون کھول اٹھا۔ بابا جانی کو ایسے لقب سے پکارنے پر مجھے ستارہ پر بہت طیش آنے لگا، تاہم گفتگو ضروری نوعیت کی تھی اس لیے میں ضبط سے کام لے کر سنتا رہا۔ وہ کہہ رہی تھی۔

”نئے کام کے لیے تو وہ مجھے ہرگز ہرگز اجازت نہیں دیں گے۔“

”سوچ لیں میڈم! یہ بہت بڑے بجٹ کی فلم ہے اور بین الاقوامی معیار کی بھی۔ آپ کا ستارہ یک دم بلندیوں کو چھولے گا۔ آپ ایک کوشش تو کر کے دیکھیں، آخر کو آپ سائیں جی کی سب سے چھوٹی اور لاڈلی بیگم ہیں۔ آپ سے تو وہ بہت محبت کرتے ہیں۔“

چند ثانیے سوچنے کے بعد ستارہ کی افسردہ سی آواز ابھری۔

”میں نے اجازت لینے کی کوشش کی تھی میاں صاحب!“

”اچھا پھر کیا کہا سائیں جی نے۔“ دوسری طرف سے اس گھاگ پروڈیوسر کی پرامید آواز ابھری۔

”وہی ڈھاک کے تین پات۔ انہوں نے بہت بری طرح سے مجھے نہ صرف جھڑک دیا تھا بلکہ آئندہ اس موضوع پر پھر کبھی بات کرنے سے بھی سختی سے منع کر دیا۔“

”ہوں۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ مجھے حیرت ہے، آپ نے ایسے تنگ نظر بڈھے سے آخر کیا سوچ کر شادی کی تھی؟“

مجھے اس کمینے پروڈیوسر کے اپنے بابا سائیں کے اس برے ریمارکس پر بہت غصہ آیا، مگر ابھی میں احتیاط کا دامن چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ یہ بہت ضروری تھا۔ اس حرافہ عورت کے عزائم جاننے کے لیے۔

”کیا کروں میاں صاحب! میں تو بہت بری طرح پھنس گئی ہوں۔ میں نے سوچا تھا کہ اس بڈھے کو شادی کے بعد اپنی زلف کا اسیر بنا کر منا لوں گی، لیکن......“ اس کی بیزار کن آواز ابھری۔

”یہ تو آپ نے بے وقوفی کی۔ یہ کام آپ کو اس وقت کرنا چاہیے تھا جب وہ آپ پر بری طرح فریفتہ ہوگیا تھا۔ اس سے آپ شادی سے پہلے ہی یہ لکھوا لیتیں کہ آپ فلمی دنیا نہیں چھوڑیں گی۔“

”بس میاں صاحب! غلطی ہوگئی۔ اس کی دولت نے مجھے اندھا کر دیا تھا۔“

”تو کتنی دولت مل گئی آپ کو اس بڈھے سے شادی کرنے کے بعد۔“ پروڈیوسر کی طنزیہ آواز ابھری۔

”کرلیں طنز میاں صاحب! آپ کو حق حاصل ہے۔ برے وقت میں تو دوست ہی کام آتے ہیں مگر آپ......“

ستارہ کے لہجے میں پیشہ وارانہ مکاری تھی، چنانچہ دوسری طرف سے فوراً ردعمل ظاہر ہوا۔

”سوری...... سوری...... میڈم! درحقیقت میں تو آپ کے فائدے کے لیے ہی کہہ رہا تھا، ویسے اگر آپ اس بڈھے سے چھٹکارا کیوں نہیں پا لیتیں...... ہمیشہ کے لیے۔“

”ہاں سوچا تو اب میں نے ایسا ہی ہے۔“

”تو بس ٹھیک ہے پھر، آپ اس سے دوٹوک لہجے میں بات کرلیں، ورنہ طلاق کا مطالبہ کرلیں۔“ کھاگ

پروڈیوسر کے مشورے پر ستارہ چند ثانیے پرسوچ خاموشی میں مستغرق رہنے کے بعد لہجے میں ہمکاری خارج کرتے ہوئے بولی۔

”ہاں۔ سوچا تو اب میں نے یہی ہے، مگر مجھے طلاق کسی صورت میں بھی نہ دے گا۔“

”تو کوئی بات نہیں، تم عدالت کے ذریعے لو۔“

”یہ بھی تو میں نہیں کرسکتی ناں۔ بس کیا بتاؤں صاحب! میں بہت بری پھنسی ہوں۔ اس بڈھے نے مجھے جیسے سونے کے پنجرے میں قید کر دیا ہے۔ ساری آزادیاں سلب کرلی ہیں، جی چاہتا ہے خودکشی کرلوں۔“ وہ یہ کہہ کر رونے لگی۔

”ارے ارے میڈم! خود کو سنبھالیے۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ آپ ہمارا قیمتی سرمایہ ہیں، آپ کو ہم اس طرح ضائع نہیں جانے دیں گے۔ آپ ایسا کریں مجھے ملاقات کا وقت دیں۔ میں خان صاحب کو بھی ساتھ لے کر آجاتا ہوں۔ پھر مل کر اس مسئلے کے بارے میں سوچ کر کسی حتمی فیصلے تک پہنچنے کی کوشش کریں گے۔“

”میاں صاحب! آپ کی بڑی مہربانی۔ اب میری امیدیں آپ ہی کے ساتھ وابستہ ہیں۔ پلیز ضرور کریں، ورنہ میں گھٹ گھٹ کر دم دے ڈالوں گی۔“ وہ روہانسے لہجے میں بولی۔

”ٹھیک ہے میں اور خان صاحب کل شام آپ کے ہاں پہنچ رہے ہیں۔“ اس نے کہا تو ستارہ استفہام آمیز پریشانی سے فوراً بولی۔

”میاں صاحب! بات دراصل یہ ہے کہ بڈھے کا چھوٹا بیٹا افتخار آج کل ادھر ہے۔ کم بخت نے بھی مجھے ذہنی طور پر پریشان کر رکھا ہے۔ چلا جائے گا دو ایک روز میں اپنے گوٹھ پھر تفصیل سے باتیں کرلیں گے۔“

...معاف کرنا، اگر اس طرح آپ ڈرتی رہیں تو کبھی اس قید سے آزاد نہ ہو سکیں گی۔“ وہ ...گی سے بولا۔ ”اسے بھلا تمہارے معاملات ...دازی کی کیوں کر جرأت ہونے لگی۔ ہم کل ...رہے ہیں۔ آپ مجھ پر بھروسا کریں۔“

”...ٹھیک ہے میاں صاحب! لیکن وہ بہت سر... خیر، آپ نے صحیح کہا، یوں خوف زدہ رہنے ...ہے میں اب آخری قدم اٹھاتی ہوں۔“

”...مانی! بس تو ہم کل شام چھ بجے آپ کے دولت ...ں حاضر ہو رہے ہیں۔“

...ناطر پروڈیوسر نے مکاری سے فدویانہ لہجے میں ...ہ سلسلہ منقطع ہوگیا۔ میں نے احتیاط کی تھی کہ ...ریسیور رکھے ورنہ اگر میں عجلت پسندی سے کام ...ں سے پہلے ریسیور رکھ دیتا تو میرے ریسیور ...ہلکی سی بھی کلک اسے چوکنا کرسکتی تھی پھر اس ...یور رکھنے کی کلک سننے کے بعد میں نے بھی ...کے ساتھ ریسیور رکھ دیا۔

...غیظ سے میرا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ ستارہ کے ...جان کر مجھے اب اس پر بری طرح طیش آ رہا تھا۔ ...کے ساتھ اس کے دم چھلے پروڈیوسر (میاں ...ب) پر بھی میں غصے سے کھول رہا تھا۔ مجھے بابا ...غصہ آنے لگا کہ جانے ان کے دماغ میں اس عمر ...سائی کہ ایک نوعمر جوان لڑکی سے تیسری شادی ...نے تھے اور وہ بھی ایسی لڑکی جو فلمی دنیا کا ستارہ ...ایسی لڑکیاں چراغ خانہ کبھی نہیں بنتیں۔ ہاں شمع ...ضرور بنتی ہیں۔ میرے جی میں تو آئی کہ ابھی ...تارہ کا منہ نوچ لوں، لیکن میں سمجھ رہا تھا کہ اس ...ادہ قصور بابا جانی کا ہوگا۔ ”تو کیا مجھے بابا جانی کو ...حقیقت سے آگاہ کر دینا چاہیے تھا یا پھر...... ...ان کے مزید عزائم کے بارے میں اچھی طرح ...ری کے بعد کوئی ایسا قدم اٹھانا چاہیے تھا۔“ میں سوچنے لگا اور مجھے اپنا دوسرا خیال زیادہ مناسب لگا۔

”سائیں مٹھا! کیا ہوا......؟ خیریت تو ہے؟“ مجھے اندر ہی اندر کھولتا سلگتا پا کر جمعہ خان نے مجھ سے پوچھا۔

”ہاں۔ خیریت ہی ہے۔“ میں نے ہولے سے کہا۔ وہ دوبارہ کچھ نہ بولا۔ وہ شاید سمجھ گیا تھا کہ میں ذاتی نوعیت کے معاملات میں اس سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔

☆

اب میری کوشش یہ تھی کہ کسی طرح ان لوگوں کی کل شام میں ہونے والی ملاقات کی ٹوہ لوں۔ دیکھوں ذرا یہ لوگ کیا ارادے رکھتے ہیں۔ اس کے بعد ہی بابا جانی سے میری گفتگو وزن رکھ سکتی تھی، چنانچہ میں نے ستارہ کا کام مزید سہل کرنے کی خاطر فوری طور پر ایک پروگرام ترتیب دیا۔

درحقیقت میں چاہتا تھا کہ جس وقت ان لوگوں یعنی ستارہ، پروڈیوسر میاں صاحب اور الف خان وغیرہ کی جب آپس میں خفیہ میٹنگ شروع ہو تو میں انہیں آپس میں گفتگو کرنے کا مکمل کر موقع دوں۔ اس طرح میں ان کے عزائم سے زیادہ سے زیادہ آگاہی حاصل کرسکتا تھا۔

چنانچہ اگلے دن شام پانچ بجے کے قریب ہم یعنی میں، روزی اور جمعہ خان نے دوبارہ باہر سیر کے لیے جانے کا پروگرام بنایا اور ہلکی پھلکی تیاریوں میں مصروف ہوگئے۔

ستارہ دل ہی دل میں خوش ہو رہی تھی۔ ہم بروقت باہر جا رہے تھے۔ یوں وہ بڑی آسانی کے ساتھ خفیہ میٹنگ کا انعقاد کرسکتی تھی۔ میں نے بھی یہی تاثر دیا تھا کہ میں ان کی خفیہ میٹنگ کے انعقاد سے بے خبر سر ناواقف ہوں۔

جب ہماری روانگی کا وقت آیا تو ستارہ اپنے کمرے

میں موجود تھی اور دیگر نوکر چاکروں کو میں نے بہانے سے ادھر ادھر کھسکا دیا تھا۔ میں نے جمعہ خان سے کہا۔

"جمعہ خان! اب تم ایسا کرو جلدی سے روزی کو لے کر بہ غرض سیر باہر نکل جاؤ۔ دو تین گھنٹے سے پہلے مت آنا۔" وہ بے چارہ یک دم گھبرا کر بولا۔

"وسس...... سائیں مٹھا! آ...... آپ...... نہیں جائیں گے؟"

"نہیں۔ میں ادھر ہی رہوں گا مگر اس طرح کہ ستارہ اور اس کی ماں کو میری یہاں موجودگی کا علم نہ ہو۔"

"مم...... مگر کیوں سائیں!"

"کیوں کو گولی مار...... جو کہہ رہا ہوں، وہ کرو۔"

"پپ...... پر...... سائیں! نہ روزی میری زبان سمجھتی ہے نہ میں اس کی...... ہم دونوں بھلا......"

میں نے اسے گھورا تو وہ جلدی سے سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "اچھا اچھا سائیں مٹھا ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔"

پھر میں نے روزی کو مختصراً چند باتوں سے آگاہ کیا اور انہیں روانہ کر دیا۔ خود میں گھر میں ہی موجود رہا مگر اس طرح کہ ستارہ کو میں نے ذرا بھی شبہ نہیں ہونے دیا تھا کہ میں گھر ہی میں موجود تھا۔ چنانچہ میں اپنے کمرے میں ہونے کی بجائے اس کے دروازے کو انٹر لاک کر کے میں اندر ہی کسی خفیہ اور محفوظ گوشے میں گھات لگا کر بیٹھا رہا۔ ستارہ اور اس کی ماں نے احتیاطاً اچھی طرح پھر کر گھر دیکھ ڈالا پھر مطمئن ہونے کے بعد ستارہ نے ٹیلی فون پر اس پروڈیوسر میاں صاحب سے رابطہ کر کے اسے پہنچنے کا کہا۔

گھنٹے کے بعد باہر گاڑی رکنے کی آواز سنائی دی۔ میں راہ داری میں گھات لگائے موجود تھا۔ پھر میں نے دو عدد بھاری بھرکم اشخاص کو اندر داخل ہوتے دیکھا۔ وہ دونوں بیش قیمت سوٹ میں ملبوس تھے۔ دونوں کے قد و قامت گٹھی ہوئی جسامت کے تھے۔ عمریں پینتالیس کے قریب رہی ہوں گی۔ ایک سانولا تھا جب کہ دوسرے کا رنگ الٹے توے کی طرح کالا گنجا بھی تھا جب کہ سانولے کے سر اور مونچھوں بال گہرے سیاہ تھے۔ صاف لگ رہا تھا اس نے ا کو وسمہ کیا ہوا تھا۔ میں سمجھ گیا۔ ان میں سے ایک خبیث پروڈیوسر میاں صاحب اور دوسرا الف ہوگا۔ ستارہ نے مسکرا کر ان کا استقبال کیا تھا۔ پ ڈرائنگ روم میں ہی براجمان ہو گئے۔

☆

ذرا دیر تک یہ لوگ آپس میں رسمی گفتگو کرتے اور اس دوران پینے پلانے کا بھی شغل جاری رہا۔ شراب کو دیکھ کر غصے سے سلگ اٹھا اور غیرت کی آ میں جلنے لگا مگر میرا ضبط و تحمل اختیار کرنا بھی ضروری

"ہاں، میڈم ستارہ! پھر آپ نے کیا سوچا؟ سائن کر رہی ہیں یا پھر ہم کسی دوسری ہیروئن کا د کھنکھنائیں۔"

ادھر ادھر کی باتوں کے بعد بالآخر میاں صاحب اچانک ستارہ سے پوچھا تو ستارہ کے جواب دینے پہلے اس کی نائیکہ ٹائپ ماں تارا نے اپنے مخصو بازاری انداز میں ہاتھ نچا کر اس سے کہا۔

"اجی میاں صاحب! میری بٹیا ستارہ کے ہو ہوئے بھلا آپ کو کسی دوسری ہیروئن کا در کھنکھٹانے کی کیا ضرورت ہے اور ویسے بھی ستارہ مقابلے کی دوسری ہیروئن کہاں ہے؟"

"وہ تو ٹھیک ہے مگر......" پروڈیوسر (میاں صا نے کہنا چاہا تو اس بار ستارہ اس کی بات کاٹ کر یک بولی۔

"میاں صاحب! یہ آپ کیسی غیروں والی با کرنے لگے۔ میں نے تو آپ کو یہاں بلایا ہی ا لیے تھا کہ آپ کوئی راستہ مجھے بجھائیں گے۔"

"میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔" ستارہ ولارانہ ادائے شکوہ کناں پر پروڈیوسر (میا

صاحب) نے ذرا مسکرا کر معذرت چاہی، تو اس کے ساتھ بیٹھا گنجے سر والا کالا بھجنگ الف خان بھی اسے ٹوکتے ہوئے بولا۔

"ہاں بھئی میاں صاحب! ستارہ خود مشکل کا شکار ہے، اس کی ہم مدد نہیں کریں گے تو اور کون کرے گا؟"

دونوں ماں بیٹیاں الف خان کی طرف ممنون نگاہوں سے تکنے لگیں۔

"مجھے اس کا پورا احساس ہے خان صاحب!" بالآخر پروڈیوسر نے الف خان کی طرف دیکھ کر کہا پھر مزید بولا۔

"دراصل میں جو فلم بنا رہا ہوں ایک تو وہ بڑے بجٹ کی فلم ہے۔ دوسرے میں نے اسکرپٹ اور سچویشنز کے مطابق نغمات بھی لکھوا لیے ہیں۔ الغرض میرا اب تک لاکھوں روپیہ خرچ ہو چکا ہے اس لیے میں جلد از جلد فلم شروع کر کے مکمل کرنا چاہتا ہوں۔ زیادہ دیر میرے لیے پیشہ ورانہ گھاٹے کا سبب بنے گی۔ رہی بات آپ کی مدد کرنے کی تو میں نے خان صاحب (الف خان) سے بھی مشورہ لیا ہے لہٰذا اب یہی صورت ہو سکتی ہے کہ آپ اپنے شوہر سائیں جی سے عدالت کے ذریعے خلع لے لیں۔"

"لیکن میاں صاحب! خلع لینے کی صورت میں مجھے حق مہر میں ملنے والے دس لاکھ اور اس عالی شان کوٹھی سے بھی ہاتھ دھونے پڑیں گے۔" ستارہ کے لہجے میں حد درجے حرص و طمع تھا۔ جواباً میاں صاحب نے الف خان کی طرف دیکھا اور ایک گہری ہنکاری خارج کرتے ہوئے بولا۔

"خان صاحب! اب آپ ہی ہمیں بتائیں کہ میڈم کو اس مشکل سے کس طرح نکالا جا سکتا ہے۔ میں اسی لیے آپ کو ساتھ لایا تھا اور پہلے سے آپ کو میڈم کی مجبوری سے متعلق آگاہ بھی کر چکا تھا۔" اس کی بات پر دونوں ماں بیٹی کی امید بھری نگاہیں گنجے الف خان کے چہرے پر جم سی گئیں۔ الف خان نے ایک خاص انداز سے ستارہ کے چہرے پر نظریں جما کر سرسراتے لہجے میں کہا۔

"میڈم ستارہ! اپنے شوہر سے جان چھڑانے کا تو بس ایک ہی طریقہ مجھے سجھائی دیتا ہے کہ آپ اس بڈھے کھوسٹ کو زہر دے کر ختم کر دیں۔"

الف خان کے اس سفاکانہ مشورے پر ستارہ کے چہرے پر ایک لمحے کو سراسیمگی کے آثار پھیل گئے جب کہ اس کی نائیکہ مارکہ ماں تارہ بیگم کی آنکھوں میں ایک خاص چمک نمودار ہوئی تھی اور اس کالے گنجے الف خان کے منہ سے اپنے بابا جانی کے خلاف اس سفاک مشورے پر میری رگوں میں خون جلتے سلگتے لاوے کی طرح اچھالیں مارنے لگا۔ ایک لمحے کو تو میرے جی میں آئی کہ ابھی اور اسی وقت اس کالے بھجنگ رذیل الف خان کی گردن دبا دوں مگر میں نے بہ مشکل اپنے غیظ پر قابو پائے رکھا۔

"مم...... مگر...... مجھ میں...... کسی کو قتل کرنے کی ہمت نہیں ہے اور وہ...... بھی سائیں جی جیسی بھاری بھرکم شخصیت کا قتل...... اس کا ایک منہ چڑھا بیٹا افتخار تو میری جان ہی نہیں چھوڑے گا۔" لمحے بھر کی سراسیمہ خاموشی پر ستارہ نے خوف زدہ سے لہجے میں کہا۔

"یہ زحمت آپ کیوں کرنے لگیں بھلا؟" الف خان نے مکروہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا پھر اس کی ماں تارہ بیگم کی طرف دیکھ کر بولا۔ "آپ کی والدہ مجھے اس معاملے میں دلیر نظر آتی ہیں۔"

اس کی ترغیب دلانے والی بات پر میں نے دیکھا تارا بیگم نے مکروہ چہرے پر معنی خیز مسکراہٹ ابھری۔

"لل...... لیکن...... افتخار!" ستارہ کی آواز میں اس بار دبا دبا خوف تھا۔

"اس کی آپ فکر نہ کریں۔ وہ آپ کا بال بھی بیکا نہیں کر سکے گا۔"

اس مرتبہ پروڈیوسر میاں صاحب نے اسے ہمت دلائی۔ پھر اس سے پہلے کہ ستارہ کچھ کہتی اس کی ماں نے اسے ٹوکتے ہوئے کہا۔

''اری بٹیا! خان بالکل درست کہہ رہے ہیں۔ اس بڈھے سے جان چھڑانے کا یہی ایک طریقہ ہے۔ اب تو اس کی حکومت بھی چلی گئی ہے۔ دوبارہ اس کے جیتنے کی بھی امید نہیں۔ اس طرح تم اس کی جائدادوں کی بھی مالک بن جاؤ گی۔ تم بے فکر رہو۔ میں یہ کام کروں گی۔''

''جائدادوں کو گولی مارو بس میری کسی طرح اس سے جان چھوٹ جائے۔ میں خود بہت کما لوں گی۔ میں تو اب بری طرح اس بڈھے سے شادی کر کے پچھتا رہی ہوں۔'' ستارہ روہانسی ہونے لگی۔

''بس تو پھر میڈم! آپ بے غم ہو جائیں...... مگر زہر دینے والا کام آپ سے بہتر اور کوئی نہیں کرسکتا۔'' الف خان بولا اور سب اس کی طرف استفہامیہ طلب نظروں سے تکنے لگے۔ وہ مزید بولا۔ ''اب دیکھو نا...... آپ کے شوہر زیادہ تر آپ کے ساتھ نہیں رہتے اور پھر اسے آہستہ آہستہ زہر دینے کی کوشش ہونی چاہیے۔ یعنی سلو پوائزننگ اور اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ اپنے شوہر کے ساتھ ان کی کوٹھ والی حویلی میں رہیں۔''

''نا بابا نا...... وہاں تو اور بھی میرا دم گھٹ جائے گا۔'' ستارہ کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے بولی۔

''خان صاحب! میرا تو خیال ہے ادھر ہی جب وہ کبھی آئے تو اسے ایک ہی مرتبہ بہت سارا زہر دے کر ختم کر دیا جائے۔ تارا بیگم نے حتمی لہجے میں کہا تو بالآخر سب لوگ اس بات پر متفق ہو گئے۔ سریع الاثر زہر لانے کا کام الف خان نے لے لیا تھا۔ مجھے وہ ستارہ پر کچھ زیادہ ہی ریجھتا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ ان خبیثوں کے اپنے بابا جانی کے متعلق یہ خطرناک عزائم جان کر میرے تن بدن میں آگ سی لگ گئی تھی، مگر میں ایسا کام کرنا چاہتا تھا کہ یہ چاروں قانون کے شکنجے میں جکڑ دیے جائیں، کیوں کہ میں بہرحال ان کے عزائم سے واقف ہو چکا تھا اسی لیے میں اب سوچ سمجھ کر ہی کوئی قدم اٹھانا چاہتا تھا۔

☆

اب میرا یہاں ستارہ مینشن میں رہنا اور بھی ضروری ہو گیا تھا۔ میں اس بات پر شش و پنج کا شکار ہونے لگا تھا کہ کیا اس کریہہ حقیقت سے بابا جانی کو آگاہ کر دوں؟ یا پھر خود ہی سانپ کے بانبی سے نکلنے کا انتظار کر کے اس کا پھن کچل دوں۔ مجھے اپنا دوسرا خیال زیادہ بہتر لگا، کیوں کہ میں بابا جانی کی غصے دار طبیعت سے بہ خوبی واقف تھا۔ وہ تو یہ سنتے ہی آگ بگولا ہو جاتے اور جب کہ میں ان شیطانوں کو رنگے ہاتھوں قانون کے شکنجے میں جکڑنا چاہتا تھا۔ ایک خیال میرے دامن میں یہ بھی آیا تھا کہ اگر میں بابا جانی کو کھل کر دوسرے طریقے سے یہ سمجھانے کی کوشش کروں کہ وہ اپنی بیوی ستارہ کو بلا دیر طلاق دے ڈالیں......تو...... اس تو کے آگے میں بے بس ہو گیا۔ بابا جانی کی غیرت یہ کبھی گوارا نہیں کرے گی کہ وہ اپنی نوجوان بیوی کو طلاق دے کر آزاد کر دیں اور وہ بعد میں گل چھرے اڑاتی پھرے یا بابا جانی کے نام سے مطلقہ کہلائے۔

بالآخر میں نے یہی فیصلہ کیا کہ مجھے بہرطور چوکنا رہنے کی ضرورت ہے۔ روزی اور جمعہ خان سیر سپاٹے کے بعد واپس آئے تو جمعہ خان کا منہ سوجا ہوا تھا۔ مجھے ان حالات میں بھی ہنسی آ گئی۔ میں نے اس سے کچھ پوچھنے کی کوشش کی مگر وہ اداس بندر کی طرح منہ پھلائے چپکا بیٹھا رہا بلکہ مجھ سے بھی خفا نظر آنے لگا تھا۔ میں نے روزی سے پوچھا۔

''کیا بات ہے روزی! اس بندر کا منہ کیوں سوجا ہوا ہے؟''

وہ بھی بری طرح اپنی ہنسی دبائے ہوئے تھی۔ اس

کوشش میں اس کے چہرے کی سرخ و سپید رنگت مزید گہری ہو رہی تھی۔ وہ شاید جمعہ خان کی موجودگی میں کھل کر ہنسنے سے اجتناب برت رہی تھی۔ چہ جائے کہ یہ اداس گوریلا مزید ناراض نہ ہو جائے۔

''آخر ہوا کیا......؟ بتاؤ تو سہی روزی! کیا تم نے اسے ڈانٹ دیا ہے؟''

میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا تو روزی نے بہ مشکل اپنی ہنسی ضبط کرتے ہوئے بتایا۔

''انی! تمہارا یہ باڈی گارڈ تین چار مرتبہ خون خرابا کرتے کرتے رہ گیا ہے۔''

''کیا......؟'' مجھے تشویش ہونے لگی۔

''ہاں۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ جو بھی مجھے گھور گھور کر دیکھ رہا تھا یہ اس کی آنکھیں نکال دے۔ تین جگہوں پر تو اس نے کئی افراد کو مار مار کر نڈھال بھی کر ڈالا۔ وہ تو میں نے اسے روکا۔ اب بتاؤ بھلا یہ بھی کوئی بات ہوئی؟ ہم دیکھنے والوں کو تو نہیں روک سکتے ناں؟'' میں نے اس کی بات پر ایک گہری سانس لی اور بولا۔

''ہاں مگر جمعہ خان کا معاملہ ذرا مختلف ہے۔ وہ مجھ پر سچے جاں نثار ساتھی کی طرح جان چھڑکتا ہے۔ ظاہر ہے وہ اب تمہیں میری بیوی اور اپنی Sister inlaw (بھابی) سمجھنے لگا ہے۔''

''مگر انی......!''

''بس رہنے دو۔ اس موضوع کو، تم نہیں سمجھو گی۔'' میں نے اس کی بات کاٹی اور مسکرا کر بولا۔

''میں ذرا اس اداس لنگور کی بھی خبر لے لوں۔ پھر میں روزی کو اس کے کمرے میں چھوڑ کر جمعہ خان کے کمرے میں آیا۔ اس کا منہ ابھی تک سوجا ہوا تھا۔

''کیا ہوا یار! اتنی ناراضگی...... اپنے سائیں مٹھا کے ساتھ؟'' میں نے ہلکا شکوہ کیا۔ وہ میری طرف دیکھ کر بولا۔

''سائیں مٹھا! آ...... آپ بس...... بھاجائی (بھابی) سے کہیں کہ وہ...... وہ برقع پہننا شروع کر دے...... یا پھر میرے ساتھ نہ جایا کرے؟''

''ابے وہ تیرے ساتھ کہاں جاتی ہے؟'' میں نے کہا۔

''بس سائیں! ٹھیک ہے۔ آپ دونوں ہی گھومنے چلے جانا، اگر آئندہ میں بھی ساتھ چلا تو میں کسی کا خون کر ڈالوں گا۔''

''اچھا بابا ٹھیک ہے۔ چلو اب منہ سیدھا کرو۔ بالکل پچکے ہوئے پپیتے کی طرح ہو رہا ہے۔''

وہ بہ مشکل مسکرایا۔ اس کے بعد میں گہری سنجیدگی کے ساتھ اس سے بولا۔

''جمعہ خان! ایک بہت گمبھیر مسئلہ آن کھڑا ہوا ہے؟'' مجھے یک دم گہری متانت میں پا کر اس کا بخار اتر گیا اور وہ جلدی سے متفکر لہجے میں بولا۔

''کیا ہوا سائیں مٹھا! خیر تو ہے ناں؟''

''بابا جانی کی جان خطرے میں ہے۔''

''کک...... کیا......؟'' اس کی آنکھیں پھیل گئیں اور وہ تشویش آمیز بے چینی سے بولا۔

''کیا ہوا سائیں! کچھ تو بتاؤ؟''

میں نے اسے ستارہ وغیرہ کی سازش سے آگاہ کر دیا جسے سن کر چند ثانیے کے لیے وہ بھی ہکا بکا رہ گیا مگر پھر دوسرے ہی لمحے اس کی آنکھوں سے غیظ آلودہ چنگاریاں پھوٹنے لگیں۔

''سائیں! پھر تو اس خطرناک عورت کا فوراً گلا دبوچ لینا چاہیے اور ان دونوں خبیث پروڈیوسروں کا بھی۔ آپ مجھے حکم کرو سائیں! ویسے ہی کافی عرصے سے مارا ماری نہیں ہوئی ہے۔''

''ابھی اس کا وقت نہیں آیا ورنہ یہ نیک کام میں پہلے ہی انجام دے چکا ہوتا۔'' میں نے گمبھیر لہجے میں کہا اور اسے اپنے لائحہ عمل کے متعلق بتایا۔

"پرسائیں! ایسا نہ ہو کہ......"

"میں نے ہر طرح سے سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے جمعہ خان!" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "وقت آنے دو، میں بابا جانی سے ذرا بات کرلوں۔"

یہ کہہ کر میں نے موبائل پر بابا جانی کا نمبر پنچ کیا۔ بیل جاری تھی پھر اچانک دوسری طرف سے بابا جانی کی بجائے کسی اور کی آواز ابھری۔

"ہیلو۔"

بابا جانی کے موبائل پر اجنبی آواز سن کر میں بری طرح چونکا تھا تاہم بولا۔ "ہیلو! بابا جانی سے بات کرنی ہے۔ آپ کون ہیں؟ یہ تو میرے بابا جانی کا موبائل نمبر ہے۔"

"او ویری نائس...... تم افتخار ہی ہو ناں۔ ان کے فرزندار جمند!"

ایک سنسناتی ہوئی آواز ابھری اور میرے وجود میں دور تک چیختے ہوئے سناٹے اترتے چلے گئے۔ یہ آواز...... یہ آواز میں کیسے بھول سکتا تھا۔ یہ آواز تو میرے اس دیرینہ دشمن کی تھی جس نے میری اماں جانی اور بہن سلمٰی کا بڑی سفاکی کے ساتھ قتل کیا ہے۔

"اوہ...... لگتا ہے تم مجھے اب پہچانے ہو؟" میری طویل خاموشی پر اس کی سرسراتی استہزائیہ آواز ابھری۔

"ہاں۔ ذلیل کتے! یہ میں ہی ہوں تیری موت!...... افتخار علی خان!" میں دانت بھینچ کر غیظ آلود لہجے میں غرایا۔

"ناں...... ناں...... اتنا غصہ ٹھیک نہیں...... افتخار علی خان!" دوسری طرف سے اس کی زہریلی آواز ابھری۔ "تم سے تو میں خود دو دو ہاتھ کرنے کے لیے بے چین ہوں۔ ہاں تم نے یہ نہیں پوچھا اپنے گہرے اور پرانے دوست سے کہ تمہارے بابا جانی کا موبائل میرے پاس کیسے آیا؟" اس نے جیسے مجھے یاد دلایا۔ غیظ و غضب میں یہ بھول گیا تھا اس نے یاد دلایا تو مجھے تشویش نے جکڑ لیا۔ اندیشناک وسوسوں کے سنپولے یک لخت ہی میرے سینے میں کلبلانے لگے۔

"جلدی بتاؤ...... بابا جانی کا یہ موبائل تمہارے پاس کیسے آیا؟"

"ہاں۔ یہ موبائل ہی نہیں بلکہ تمہارے بابا جانی بھی ہمارے قبضے میں ہیں۔"

"ذلیل...... کتے...... کمینے...... میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" میرے اندر کا آتش فشاں ایک دم ہی پھٹ پڑا۔

"افتخار! اپنی زبان کو لگام دو...... ایسا نہ ہو کہ میں موبائل بند کردوں اور پھر......" اس نے غرا کر تہدیدی انداز میں دانستہ اپنا جملہ ادھورا چھوڑا تھا۔

"دیکھو سعید رضا احتشام!" میں نے اپنی آتش غیظ پر بہ مشکل قابو پاتے ہوئے دانت بھینچ کر بولا۔

"تم پر پہلے ہی میری اماں جانی اور میری بہن کے خون کا قرض چڑھا ہوا ہے اگر میرے بابا جانی کا تم نے ذرا بال بھی بیکا کیا تو یاد رکھنا سب سے پہلے میں تمہارے خاندان کو تمہاری آنکھوں کے سامنے بے دردی سے ادھیڑ کر رکھ دوں گا۔ اس کے بعد تم......"

"گیدڑ بھبکیوں کی بجائے کام کی بات کرلیں تو زیادہ بہتر ہے۔ تم ضرور مجھ سے ملنے کے لیے بے تاب ہو رہے ہوگے؟" وہ رکا تو میں غیظ آلود لہجے میں بولا۔

"بولتے رہو میں سن رہا ہوں۔"

"میرے آدمی تمہیں لینے آجائیں گے۔ تم بھی کیا یاد کرو گے کہ کسی بہادر دشمن کے ساتھ پالا پڑا ہے۔" اس کے لہجے میں غرور تھا۔ "تم کہاں ہو؟ اپنا پتا بتاؤ۔"

میں نے ستارہ مینشن کا پتا بتا دیا اور اس کے بارے میں پوچھا۔

"میں بھی گھوڑ مارا ادھر کسی ویران گوشے میں ہوں...... آ کر دیکھ لینا۔"

"میری بابا جانی سے بات کراؤ۔"

"ضرور...... ضرور۔"

"ہیلو...... پٹ افتخار!"

"بابا...... بابا جانی!" ان کی لرزتی آواز سن کر جیسے میرا دل کسی نے مٹھی میں بھینچ لیا ہو۔

"پٹ افتخار! تو ادھر مت آنا...... مت آنا ادھر۔" وہ بے چین ہو کر بولے۔ میں نے کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ اچانک سعید رضا احتشام کی آواز ابھری۔

"یقین آگیا اب...... میرے آدمیوں کا انتظار کرو۔" یہ کہہ کر اس نے موبائل آف کردیا۔

میں نے غضبناک ہو کر اپنا موبائل دیوار پر دے مارا۔ میری آنکھوں سے غیظ و انتقام کی چنگاریاں بھی پھوٹنے لگیں۔ میری سماعتیں سائیں سائیں کرنے لگیں۔ یہی سبب تھا کہ جمعہ خان کے بار بار مضطربانہ انداز میں پوچھنے پر میں نے اس کی طرف توجہ نہ دی۔ میں غصے سے مٹھیاں بار بار بھینچ رہا تھا۔

"آخر جمعہ خان رو دیا اور اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر مجھ سے بولا۔

"سائیں مٹھا! آپ کو اللہ کا واسطہ، کچھ تو بتاؤ...... ہوا ہے؟ میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا۔"

"جمعہ خان! بابا جانی کی زندگی بھی خطرے میں ہے۔" میں نے مرتعش آواز میں کہا۔

"سائیں! میں سر لڑا دوں گا...... اس کتے احتشام کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ ویسے سائیں وڈا بھوتار تو خیریت سے ہے ناں؟"

"جمعہ خان!" میں نے کہا۔

"میری بات غور سے سنو۔" وہ ہمہ تن گوش بر آواز ہوگیا۔

☆

ٹھیک رات دس بجے دو افراد ستارہ مینشن آئے۔ دونوں میرے لیے اجنبی تھے۔ ان کے چہروں پر روبوٹ جیسی بے حسی طاری تھی۔ وہ ایک لمبی سیاہ کار میں آئے تھے۔

"چلیں ہمارے ساتھ۔" ایک نے بے تاثر آواز سے کہا۔ میں جان گیا۔ یہ سعید رضا احتشام کے بھیجے ہوئے کارپرداز تھے جو مجھے لینے آئے تھے۔ میں بلا تامل ان کے ساتھ ہولیا۔ مجھے ڈرائیونگ سیٹ کے برابر والی نشست پر بٹھایا گیا تھا۔ وہ ان دونوں میں سے ایک نے اسٹیئرنگ سنبھالا جب کہ دوسرا عقبی نشست پر براجمان ہوگیا۔ کار ایک جھٹکے سے آگے بڑھی۔

کار کے شیشے بلائنڈڈ تھے۔ کار کے روانہ ہوتے ہی عقبی سیٹ پر بیٹھے شخص نے میری آنکھوں پر پٹی باندھ دی۔ میں دل میں سوچنے لگا کہ کیا سعید رضا احتشام جیسا گھاگ اور مکار آدمی اتنا ہی بے وقوف تھا یا پھر اسے اپنی طاقت کا کچھ زیادہ ہی گھمنڈ تھا کہ وہ اس طرح اپنے دو آدمی بھیج کر اپنی کمین گاہ میں مجھے اپنے لیے موت کا فرشتہ بنا کر بلوا رہا تھا؟ میں نے پٹی باندھنے کے دوران کوئی مزاحمت نہ کی تھی البتہ میں نے ان دونوں سے چند سوال ضرور کیے تھے مگر جواب ندارد۔ انہیں شاید مجھ سے کسی بھی نوعیت کی گفتگو کرنے یا سننے کی اجازت نہیں دی گئی تھی اور میرے ہر سوال پر انہوں نے خاموش رہنے پر ہی اکتفا کیا تھا۔ ناچار میں نے بھی پھر چپ سادھ لی۔ کار خاصی تیز رفتاری کے ساتھ دوڑ رہی تھی۔ میرے اندر زبردست پکڑ دھکڑ مچی ہوئی تھی۔ میری ہدایت کے مطابق جمعہ خان ضرور ان کے تعاقب میں لگ گیا ہوگا۔ اب مجھے یہی دھڑکا لگا ہوا تھا کہ کہیں سعید رضا احتشام کے ان دونوں روبوٹ کی شکل کارپردازوں کو اپنے تعاقب کا شبہ نہ ہوجائے کیوں کہ میں جانتا تھا کہ سعید رضا احتشام نے اپنے ان دونوں ہرکاروں کو خاص طور پر اپنے تعاقب سے محتاط رہنے کی ہدایت ضرور دے رکھی ہوگی۔ بہر طور مجھے

جمعہ خان کی کارکردگی پر بھی پورا بھروسا تھا۔

"میرا خیال ہے ہمارا تعاقب کیا جارہا ہے؟" میری عقبی سیٹ پر براجمان ایک گماشتے نے اپنے ساتھی سے کہا اور اس کی آواز دھماکے کی طرح میری سماعتوں پر پہنچی تھی اور ذہن سنسنانے لگا تھا۔

"تم غیر محسوس طور پر نظر رکھو۔ میں اسے ٹریپ کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔" میرے برابر ڈرائیونگ سیٹ پر اسٹیئرنگ سنبھالے اس کے دوسرے ساتھی نے کہا۔

یہ دونوں ایک دوسرے کا نام لینے سے کترا رہے تھے اور ان کے لہجوں میں ایک عجیب طرح کا سپاٹ پن بھی تھا یعنی چونکنے کے انداز سے یکسر عاری، جیسے انہیں ان سارے عوامل کی توقع پر حتیٰ کہ انہوں نے مجھ سے بھی یہ اگلوانے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ آیا یہ میری کسی چالاکی یا ہوشیاری کا دخل تھا۔

"اس کے دونوں ہاتھوں کو پشت کی طرف باندھ دو۔ میں نے متعاقب گاڑی کو ٹریس کرلیا ہے۔" ڈرائیور کی غیر تاثر آواز ابھری اور میں اپنی جگہ سن ہوکر رہ گیا۔

میرے عقب میں براجمان اس کے ساتھی نے ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر میرے دونوں ہاتھ پشت کی سمت موڑ کر باندھ دیے۔ اب میں نے محسوس کیا تھا کہ کار کو اپنی منزل کی راہ سے ہٹا کر دانستہ ادھر ادھر گھمایا جارہا تھا، بلکہ متعاقب کو ڈاج دینا یا پھر گھیرنا ہی ہوسکتا تھا۔ مجھے جمعہ خان کی نااہلی پر سخت غصہ آنے لگا۔ کم بخت نے میرا جال توڑ کر رکھ دیا تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ اپنی جان بھی خطرے میں ڈال دی۔

"میرا خیال ہے اسے چیف صاحب کے حکم کے مطابق موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔" عقبی سیٹ والے نے کہا۔ لہجہ بہ دستور سپاٹ اور غیر تاثر ہی تھا۔

"ہاں، اسی لیے میں لاتعلق بنا تعاقب کرنے والے کو چل دینے کی بجائے کسی ویرانے میں لے جاکر ختم کرنے کا ارادہ کیے ہوئے ہوں۔" اسٹیئرنگ سنبھالے ہوئے ساتھی نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ اب تو مجھے واقعی جمعہ خان کی طرف سے تشویش ہونے لگی۔ کم بختوں نے میرے دونوں ہاتھ بھی باندھ دیے تھے۔ مجھے اندازہ تھا کہ سعید رضا احتشام کے مجھے لانے کے لیے بھیجے ہوئے یہ دونوں گماشتے معمولی کارپرداز نہ تھے بلکہ تربیت یافتہ تھے اور جمعہ خان میرے خیال کے مطابق ان کے سامنے طفلِ مکتب ہی تھا۔

"گاڑی غائب ہوگئی ہے۔" اچانک ڈرائیونگ سیٹ والے ساتھی نے کہا اور میرے اندر طمانیت کی لہر دوڑ گئی۔

"ہاں۔ مجھے بھی وہ گاڑی نہیں نظر آرہی..... اسے شاید اس بات کا شبہ ہوگیا ہے کہ ہمیں اپنے تعاقب کا علم ہوگیا ہے۔"

"تاہم پھر بھی تم محتاط رہو، میں کار اب منزل کی طرف موڑ رہا ہوں۔"

میں نے دل ہی دل میں جمعہ خان کی ہوشیاری کی داد دی مگر مجھے اب اس بات کی فکر ستانے لگی کہ کہیں جمعہ خان بھٹک نہ جائے؟ بہرطور میں اپنی جگہ ساکت اور خاموش بیٹھا رہا تھا۔ کار کی اسپیڈ اب ایک بار پھر بڑھادی گئی تھی۔

پھر لگ بھگ کوئی ڈیڑھ گھنٹے بعد کار کی رفتار بہ تدریج آہستہ ہونے لگی اور پھر اس نے ایک تیزی سے موڑ کاٹا اور ایک جھٹکے سے رک گئی۔

مجھے نیچے اتارا گیا۔ ایک نے میرا بازو دبوچ لیا۔ میرے قدم پختہ روش پر ٹکے ہوئے تھے جس سے مجھے یہ اندازہ لگانے میں چنداں دیر نہ لگی کہ میں اس وقت کسی کوٹھی کے فرش پر چل رہا تھا پھر مجھے غالباً ایک کمرے میں لایا گیا اور صوفے پر بٹھادیا گیا۔ اس کے بعد میری آنکھوں سے پٹی اتار دی گئی جب کہ ہاتھوں کو ویسے ہی بندھا رہنے دیا گیا تھا۔

آنکھوں سے پٹی اترتے ہی چند لمحے تو میری آنکھوں کے سامنے ترمرے سے ناچتے نظر آئے پھر جب میں نے دو تین بار اپنی آنکھوں کو مسلا تو رفتہ رفتہ کچھ دیکھنے کے قابل ہوگیا۔

یہ ایک مستطیل کمرا تھا۔ آرام دہ اور خاصا کشادہ۔ میرے سامنے دو افراد براجمان تھے۔ ان میں ایک سعید رضا احتشام تھا جب کہ دوسرا اس کا مقرب خاص راجو راکٹ تھا۔ باقی کم و بیش دس بارہ مسلح افراد صوفوں کے عقب میں نیم دائرے کی صورت بالکل چوکنا کھڑے تھے۔ ان سب کی نظریں مجھ پر ہی مرکوز تھیں۔

اپنے ازلی دشمن سعید رضا احتشام کو بالکل قریب دیکھ کر میرا دماغ مثل آتش فشاں کے ابلنے لگا اور بالکل غیر ارادی عمل کے تحت میں اپنے ہاتھوں کے جکڑ بند کھولنے کی کوششیں کرنے لگا۔

"بابا جانی کدھر ہیں؟" میں نے قہر آلود نظروں سے سعید رضا احتشام کو گھورتے ہوئے پوچھا۔ میری آواز غراہٹ سے مشابہ تھی۔

"دھیرج..... دھیرج..... افتخار علی خان! اتنی جلدی بھی کیا ہے۔ بے فکر رہو۔ وہ جہاں بھی ہیں بالکل خیریت کے ساتھ ہیں۔" رضا احتشام نے استہزائیہ لہجے میں کہا اور میں ہونٹ چبا کر رہ گیا۔

"جناب! یہ بہت خطرناک شخص ہے اس کا ابھی اور اسی وقت بلا دیر خاتمہ کرڈالو۔" راجو راکٹ نے میری طرف خوں ناک نظروں سے گھورتے ہوئے سفاک لہجے میں کہا۔ اس کے لقمہ دینے کے انداز سے عیاں تھا کہ وہ رضا احتشام کا بہت زیادہ قریبی دست راست تھا اور مجھ سے بری طرح خائف بھی نظر آرہا تھا۔

"تم نے مجھے بہت دق کیا افتخار علی خان!" رضا احتشام اپنے خاص گماشتے راجو راکٹ کی بات نظر انداز کرتے ہوئے مجھے مخاطب کرکے غراہٹ آمیز لہجے میں بولا۔

"تم نے میرے بہت قیمتی آدمی بے دردی کے ساتھ قتل کردیے۔ ان میں شاہ نواز بھی شامل تھا اور راجو راکٹ تو تمہارے ہاتھوں بال بال مرتے بچا۔ تم نے شاہ نواز کو موت کے گھاٹ اتار کے میرا ایک بازو کاٹ ڈالا اور میں تمہارا بازو کاٹوں گا۔"

اس کے سرسراتے لہجے میں چھپی سفاکی سے میں مرعوب ہوئے بغیر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔

"اور تم نے میری اماں جانی اور بہن کا بے گناہ قتل کیا۔ وہ کس کھاتے میں جاتا ہے۔"

"وہ میرا حق تھا۔" وہ چیخا اور مجھے اس کی ڈھٹائی آمیز سفاکی پر بے تحاشا طیش آیا، "کیوں کہ تمہارے بابا جانی نے میرا حق چھین لیا تھا اور اب بھی باز نہیں آرہا۔ بہ دستور میرے مقابلے میں دوبارہ الیکشن لڑنے کے لیے تازہ دم ہوکر کھڑا ہوگیا ہے۔"

"مجھے بابا جانی سے ملواؤ" میں نے اپنے اندر کے غیظ ناک ابال پر قابو پاتے ہوئے اس کی طرف گھور کر کہا تو وہ بولا۔

"ہم نے اس سے ایک کمٹمنٹ کرنی ہے اگر وہ ہماری ڈیل پر عمل کرتا ہے تو تمہیں چھوڑ دیا جائے گا پھر یوں سمجھو ہماری تمہاری ازلی دشمنی ختم۔"

میں نے دل میں کہا۔ "رضا احتشام! تمہیں بڑی خوش فہمی ہے۔ دشمنی تو اب شروع ہوئی ہے۔"

وہ مزید بولا۔ "میں اب زیادہ خون خرابا نہیں کرنا چاہتا۔ اسے میری ایک سیاسی مجبوری سمجھ لو۔"

"مجھے کم از کم ایک بار بابا جانی سے مل تو لینے دو۔" میں نے التجا کی۔

اس نے اپنے ایک گماشتے کو مخصوص اشارہ کیا۔ ذرا دیر گزری دو مسلح گماشتے بابا جان کو لے کر وہاں نمودار

ہوئے۔ وہ مجھے دیکھ کر اور میں انہیں دیکھ کر بری طرح دل مسوس کر رہ گیا۔ مجھے وہاں ان کے درمیان رسن بستہ حالت میں پا کر بابا جانی کے چہرے پر شدید دکھ کے آثار نمودار ہوئے تھے۔ ان کی حالت بہت شکستہ ہو رہی تھی۔ وہ کمزور بھی نظر آ رہے تھے۔

"بابا جانی!"

"بیٹ افتخار!"

میں بے اختیار اٹھنے لگا مگر مجھے بٹھا دیا گیا۔ رضا احتشام نے چٹکی بجائی۔ بابا جانی کو واپس لے جایا گیا۔ میرے اندر رضا احتشام کے لیے غیظ و غضب کا طوفان سر اٹھانے لگا۔ نفرت کی سرخ آندھی میری جلتی آنکھوں میں اتر آئی۔ پھر اس سے پہلے کہ میں بابا جانی سے کچھ کہتا رضا احتشام اٹھ کر وہاں سے چلا گیا۔

لگ بھگ نصف گھنٹے بعد اس کی واپسی ہوئی۔ میں نے بہ غور اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ وہ خاصا مسرور نظر آ رہا تھا۔ پھر صوفے پر براجمان ہو کر مجھ سے اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے مکاری سے بولا۔

"لو بھئی افتخار علی خان! ہماری تمہارے بابا جانی کے ساتھ صلح ہو گئی ہے۔ تمہیں بھی اس بات کی مبارک باد دیتا ہوں کہ تمہارے بابا جانی سے ہماری ڈیلنگ کامیاب ثابت ہوئی۔"

مجھے اس کی خوشی اور مکروہ لہجہ بہت زہر لگا تاہم میں اصل بات جاننے کی غرض سے اپنے اندر کے طیش ناک ابال پر بہ مشکل قابو پاتے ہوئے بولا۔

"آخر کیا بات ہوئی ہے...... بابا جانی سے؟"

"تمہارے بابا جانی کے اب سارے کس بل نکل چکے ہیں۔ وہ اب تمہیں بھی کھونا نہیں چاہتے۔" وہ کہنے لگا۔ "انہوں نے آئندہ ہونے والے عام انتخابات میں نہ صرف میرے مقابلے میں میدان چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا ہے بلکہ سیاست کے میدان ہی سے ہمیشہ کے لیے کنارہ کش ہونے کا بھی وعدہ کیا ہے۔"

مجھے اس کی بات سن کر صرف اس حد تک خوشی ہوئی تھی کہ بالآخر بابا جانی نے ہمیشہ کے لیے سیاست کو خیر باد کرنے مصمم فیصلہ کر لیا تھا لیکن رضا احتشام کی اس خطرناک خوش فہمی پر مجھے حیرت ہو رہی تھی۔ وہ یہ کیوں بھول رہا تھا کہ میں اپنی اماں جانی اور بہن سلمٰی کے قاتل کو معاف کر دوں گا۔ اگر وہ بھول رہا تھا تو یہ میرے لیے مفید تھا۔ بہر طور میں نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اگر تمہاری بابا جانی سے واقعی یہ ڈیلنگ کامیاب رہی ہے تو اس کی مجھے بھی خوشی ہے کیوں کہ میں خود بھی یہی چاہتا تھا بابا جانی سیاست چھوڑ کر اپنی جاگیروں میں واپس چلے جائیں تو پھر اب ہمارے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے۔ ہم دونوں باپ بیٹے واپس جا سکتے ہیں؟" میری بات پر رضا احتشام کے چہرے پر اسرار بھری مسکراہٹ ابھری اور پھر وہ بہ غور میرے چہرے پر اپنی نظریں مرکوز کرتے ہوئے بولا۔

"الیکشن تک اور تمہارے بابا جانی کے میدان سیاست چھوڑنے کے اعلان تک تم ادھر ہی رہو گے۔"

میں اس کی بات پر عجیب سی الجھن کا شکار ہو گیا۔ وہ میری الجھن کو سمجھتے ہوئے مسکرا کر بولا۔

"آہ...... نہیں...... تم یہاں میرے پاس قیدی کی حیثیت سے نہیں رہو گے۔ بس یوں سمجھو یہاں تم اے کلاس اے کیٹیگری کی حیثیت سے اور بالکل عزت و احترام سے رہو گے مگر یہ مشروط پیش کش ہو گی کہ تم یہاں سے بھاگنے کی کوشش نہ کرو۔"

میں نے دل میں کہا۔ "اے خبیث انسان! میں تو خود بھی چاہتا ہوں کہ ادھر رہ کر تیرے جیسے خونی قاتل کی گردن مروڑ کر یہاں سے نکلوں۔" میں نے پوچھا۔

"میرے بابا جانی!"

"انہیں میں نے اس وعدے کے ساتھ چھوڑ دیا ہے کہ وہ جس قدر جلد ہم سے کیے گئے معاہدے کو عملی

جامہ پہنائیں گے اتنی ہی جلدی ان کے بیٹے یعنی تمہیں زندہ سلامت چھوڑ دیا جائے گا۔" میں اس کی بات پر دہل گیا۔ میرا ذہن سائیں سائیں کرنے لگا۔

"ک...... کیا...... کیا...... تم نے بابا جانی کو چھوڑ دیا؟"

"ہاں...... کیوں؟ تمہیں اس کی خوشی نہیں ہوئی؟"

رضا احتشام نے قدرے چونک کر پوچھا۔ ادھر میرے دماغ میں ستارہ اور اس کے خبیث پروڈیوسر میاں صاحب اور الف خان کی زہریلی سازش کے وہ گھناؤنے الفاظ چکرانے لگے۔ میں بری طرح پریشان ہو گیا۔ یہ علاقہ کراچی کا ہی تھا اور ظاہر ہے بابا جانی یہاں سے جانے کے بعد ہو سکتا ہے اپنی کوٹھی "ستارہ مینشن" کا رخ کرتے اور پھر......" اس سے آگے کا تصور بھی میرے لیے سوہانِ روح تھا کیوں کہ ستارہ اس خبیث پروڈیوسر الف خان کی ترغیب کے مطابق بابا جانی کو زہر دینے کی سازش پر عمل پیرا ہو سکتی تھی۔ مجھے شدید مضطربانہ حالت میں مبتلا دیکھ کر اس نے پوچھا۔

"کیوں...... کیا بات ہے؟ تم پریشان کیوں نظر آنے لگے؟"

میں شدید تذبذب کا شکار ہو گیا اور سوچنے لگا اسے کیا بتاؤں...... کہ بابا جانی کو ان کی تیسری بیوی ستارہ نے زہر دے کر ہلاک کرنے کا فیصلہ کر رکھا ہے؟ پھر میں نے سوچا کہ اسے بتانے میں عار نہیں۔ اب تو یہ خود سمجھ رہا تھا کہ ہمارے درمیان معاہدہ طے پا چکا ہے۔ ویسے بھی بابا جانی کی جان سے بڑھ کر اور کوئی اہم بات نہ تھی۔ میں نے اس سے صرف اتنا کہا۔

"ر...... رر...... رضا احتشام! وہ میرے بابا جانی کی زندگی خطرے میں ہے۔"

اپنے بابا جانی کی جان کو خطرے میں پا کر میرے جیسے مضبوط اعصاب کے مالک شخص کی بھی زبان لڑکھڑا گئی۔ وہ قدرے چونک کر اپنی نظریں سکیڑ کر میری طرف گھورنے لگا۔ اسے کسی عجیب سوچ میں غلطاں پا کر میں جلدی سے اس کی منت کرتے ہوئے بولا۔

"رضا احتشام! وہ...... مجھے جانے دو...... مجھے جانے دو پلیز...... بابا جانی کو اس بات کا بالکل علم نہیں کہ اس کا ایک دشمن گھات لگائے بیٹھا ہے ان کی۔"

"تم میری قید سے آزاد ہونے کے لیے یہ بچوں والی چال نہیں چل سکتے...... افتخار علی خان!" وہ گمبھیر لہجے میں بولا۔ میرے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو گئیں۔

"نہیں نہیں۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں...... رضا! مجھے چھوڑ دو یا پھر...... یا پھر اگر تم اسے میری چال سمجھ رہے ہو تو پلیز خدا کے لیے میرے بابا جانی کو اپنے آدمیوں کے ذریعے دوبارہ یہاں بلوا لو۔ ان سے کہہ دینا کہ میں ان سے ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"ہرگز نہیں۔ یہ میرے اصول کے خلاف ہے۔" وہ اٹل لہجے میں بولا۔

"معاہدے کو عملی جامہ پہنانے سے پہلے پہل تم دونوں باپ بیٹے کی ملاقات تو کیا ایک دوسرے سے بات بھی نہیں کروا سکتا۔"

"رضا احتشام! میری بات کا یقین کرو۔ میرے بابا جانی کی جان خطرے میں ہے۔" میں فرطِ غم و غصے سے پاگل ہو کر چلایا۔

"آہستہ بولو۔" اس نے گھور کر سخت لہجے میں مجھ سے کہا پھر پوچھا۔

"ویسے تمہارے بابا جانی کو کس دشمن سے اپنی جان کا خطرہ ہے؟" مجھے اس سے اس سوال کی توقع تھی مگر میں اسے ابھی بتانا نہیں چاہتا تھا، بولا۔

"دیکھو رضا احتشام! میں نے تم سے کہا ناں تم مجھے بے شک نہ چھوڑو مگر بابا جانی کو کسی طرح یہاں بلا لو پھر میرا ان سے موبائل پر رابطہ کرواؤ...... میں خود......"

''ہا، ہا، ہا......'' اس نے اچانک ایک طویل شیطانی قہقہہ بلند کر کے میری بات کاٹ دی۔ میں دم بخود نظروں سے اس خبیث کا چہرہ تکنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں بڑی سفاک چمک نمودار ہوئی اور پھر مکروہ لہجے میں بولا۔

''یہ تو اور بھی اچھا ہوگیا یعنی ادھر...... باپ (بابا جانی) اپنے کسی نادیدہ دشمنی کا شکار ہوگا اور ادھر بیٹا (میں) میرے ہاتھوں بھیانک موت سے دوچار ہوگا۔ قسمت نے تو میرا کام اور بھی آسان کردیا...... ہا، ہا، ہا......''

میرا دماغ جلنے لگا۔ اس کے اندر کا اصل خبیث درندہ نما انسان بیدار ہوگیا تھا۔

''ذلیل دھوکے باز میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔'' میں پاگل جنونیوں کی طرح چلایا اور اپنی جگہ سے اٹھنے کی کوشش کی۔

''لے جاؤ اسے...... بند کردو، تھرڈ کلاس کیٹیگری میں۔'' رضا احتشام نفرت سے ہونٹ سکیڑ کر تحکمانہ لہجے میں بولا اور پھر اس کے چار ہرکاروں نے مجھے دبوچ لیا۔ میرے منہ سے مغلظات کا طوفان امڈ پڑا مگر میں بے بس تھا۔ میرا بس نہیں چل رہا تھا کہ رضا احتشام کی بوٹیاں نوچ لوں۔ مجھے ایک کمرے میں لے جاکر پھینک دیا گیا۔

☆

میرے دل ودماغ کی اس وقت جو کیفیات ہو رہی تھیں وہ صرف اور صرف میں ہی جانتا تھا۔ بابا جانی کی طرف سے میرے سینے میں اندیشوں اور وسوسوں کے سنپولے کلبلا رہے تھے۔ میں ستارہ کی خونی سازش سے واقف تھا۔ وہ تو بابا جانی کے ستارہ مینشن میں آنے کی منتظر تھی تاکہ انہیں زہر دے کر ہلاک کر سکے جب کہ بابا جانی اس سازش سے لاعلم تھے انہیں کیا معلوم تھا ان کی نوخیز بیوی ستارہ ایک ناگن کی صورت میں ان کی وہاں منتظر تھی۔

میرے اندر زبردست آندھیاں چل رہی تھیں۔ رضا احتشام کے عزائم سے میں پہلے ہی واقف تھا۔ وہ تو چاہتا ہی یہ تھا کہ ہم باپ بیٹوں کو بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار دے۔ اب اسے اچھی طرح یہ گل کھلانے کا موقع ہاتھ آیا تو تو اس کے خونی عزائم بھی کھل کر سامنے آگئے تھے جس کا صاف مطلب تھا کہ وہ معاہدہ کھلا دھوکا تھا۔

مجھے بابا جانی کی جان کی طرف سے بری طرح تشویش لاحق تھی۔ میرا بس نہیں چل رہا تھا کہ میں در ودیوار توڑتا ہوا ستارہ مینشن جا پہنچوں اور بابا جانی کو اس ناگن (ستارہ) کی زہریلی سازش سے آگاہ کر ڈالوں۔ مجھے بری طرح پچھتاوا بھی ہونے لگا کہ کاش میں اس وقت ہی ستارہ کا گلا دبوچ لیتا جب وہ اس خبیث پروڈیوسر الف خان کے ساتھ مل کر یہ خونی سازش تیار کر رہی تھی۔

''میرے خدا! اب میں کیا کروں؟'' میں پاگل سا ہوگیا۔ میرا جی چاہا دیواروں سے سر ٹکرا دوں۔ اچانک میرے ذہن میں ایک جھماکا ہوا۔

''جمعہ خان......! یہ نام اچانک ہی میرے ذہن میں ابھرا تھا اور پھر میرے اندر کی بے چینی اور مضطرب الحالی کو قرار سا ملنے لگا۔

''ہاں۔ جمعہ خان اس سازش سے واقف تھا۔ وہ ضرور بابا جانی کو ستارہ کی اس سازش سے آگاہ کر سکتا تھا۔'' میں نے امید بھرے دل کے ساتھ سوچا، مگر ایک بار پھر میرے دل ودماغ میں تشویش آمیز وحشتیں سر اٹھانے لگیں۔ پتا نہیں جمعہ خان کہاں تھا۔ اپنے تعاقب کا شک ہوتے ہی وہ کدھر غائب ہوگیا تھا؟ کیا خبر اس کے ملنے سے پہلے ہی بابا جانی ستارہ مینشن پہنچ کر ستارہ کی خونی سازش کا شکار ہو سکتے تھے۔ میں شدید اعصاب زدگی کا شکار ہو رہا تھا۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کروں؟ میرے اندر وحشت کی آندھیاں اٹھنے لگیں اور میں زور زور سے چلانے لگا۔

''رضا احتشام! کتے...... مجھے آزاد کردے۔ میرے بابا جانی کو اگر کچھ ہوگیا تو میں تجھے کتے کی موت ماروں گا۔'' میں بے بسی سے چیخنے چلانے لگا لیکن کسی نے بھی توجہ نہ دی۔ مجھے یوں لگا جیسے اگر میں زیادہ دیر تک اس ہیجانی کیفیات کا شکار رہا تو میرا نروس بریک ڈاؤن ہو جائے گا۔ میرا دم پھولنے لگا تھا اور میں بری طرح ہانپ رہا تھا۔ اچانک میرے دماغ میں اندھیارے اترنے لگے۔ ذہن میں تاریکی سی چھانے لگی اور پھر مجھے کچھ ہوش نہ رہا۔ شاید میں جنونانہ کیفیات کی زدگی کا شکار ہو کر بے ہوش ہو چکا تھا۔

☆

دوبارہ ہوش آیا تو مجھے اپنے اعصاب ذرا پرسکون محسوس ہوئے لیکن میری پریشانی اور تشویش بجائے کم ہونے کے اس میں اضافہ ہی ہوا چلا جا رہا تھا اور میں تصور میں بابا جانی کو اس حسین ناگن ستارہ کے ہاتھوں سے دودھ کا وہ گلاس پیتے ہوئے دیکھ رہا تھا جس میں اس حرافہ عورت نے زہر ملایا ہوا تھا۔

میرے اعصاب ایک بار پھر شل ہونے لگے تو میں نے اس بار وحشتوں کے بے لگام گھوڑے کی باگ تھامی اور خرد کا دامن پکڑا۔ مجھے آرام وسکون کے ساتھ ان نازک اور انتہائی حالات کا مقابلہ کرنا تھا۔ یوں ہیجانی اور جنونی کیفیات میں مبتلا ہونا الٹا نقصان کا ہی باعث ہوتا۔ چنانچہ میں نے خود کو ذرا پرسکون کرتے ہوئے چند گہرے سانس لیے اور حالات پر غور کرنے لگا۔ میرا یہاں سے نکلنا اشد ضروری تھا۔

میں نے کمرے کا بغور جائزہ لیا۔ کمرا زیادہ بڑا نہ تھا۔ دس بائی بارہ کا تھا۔ کوئی کھڑکی نہ تھی۔ روشن دان خاصی بلندی پر تھا۔ وہ بھی چار بائی چھ کا جس کے آہنی چوکٹے پر فولادی سلاخیں نصب تھیں۔ بادی النظر میں مجھے یہ کمرا اسٹور نما ہی معلوم ہو رہا تھا۔ میں نے دروازے کا جائزہ لیا۔ وہ بند تھا بالکل سپاٹ۔ سب سے پہلے مجھے اپنے دونوں ہاتھوں کی بندشیں کھولنے کا سبب پیدا کرنا تھا۔ میں نے ادھر ادھر کسی تیز دھار شے کی تلاش میں نظریں دوڑائیں مگر یہ کمرا میرے علاوہ ہر شے سے عاری تھا۔ اچانک میری نظر کمرے کے بند دروازے کے آہنی لیور پر پڑی جس کے نیچے کی فولادی پلیٹ کسی وجہ کے باعث ذرا اکھڑی ہوئی تھی اور ایک تیز دھار سا فولادی ٹکڑا ابھرا ہوا تھا۔ میں جلدی سے آگے بڑھا چوں کہ میرے دونوں ہاتھ پشت کی سمت پر بندھے ہوئے تھے اسی لیے میں نے پشت کی سمت گھوم کر نائیلون کی رسیوں کو ابھرنے ہوئے فولادی ٹکڑے پر رگڑنے لگا۔ اس کوشش میں میرے ہاتھوں کی دونوں کلائیاں بھی زخمی ہوگئیں مگر میں نے اس کی مطلق پروا نہ کی اور اپنی سی کوشش میں لگا رہا۔

معاً دروازے کے دوسری طرف قدموں کی آہٹ ابھری۔ میرا دل اچھل کر حلق میں آن اٹکا۔ میں ایک لمحے کو بے حس وحرکت کھڑا رہ گیا۔ پھر باہر تالا کھولنے کی کھڑبڑ ابھری۔ میں لپک کر جلدی سے اپنی جگہ تکی دیوار سے پشت ٹکائے بیٹھ گیا۔

دو گن مین اندر داخل ہوئے۔ ایک ہاتھ میں ٹرے تھی جس میں سینڈوچ اور کولڈ بائٹل تھی۔ ایک نے میرے ہاتھ کھولے دوسرا مجھ پر رائفل تانے چوکنا کھڑا رہا۔ پہلے والے نے میری پشت کی طرف بندھے ہوئے ہاتھ کھول کر سامنے کے رخ پر دوبارہ باندھ دیے۔ میں مایوس ہوگیا۔ پھر وہ سیدھے کھڑے ہو کر بولا۔

''اب تم...... یہ کھا سکتے ہو۔''

میں نے کچھ کہنا چاہا مگر وہ دونوں چلے گئے اور دروازہ باہر سے لاک کردیا پھر ان کے جاتے ہوئے قدموں کی آواز ابھری۔ میری بھوک پیاس اڑ چکی

تھی۔ میں نے ٹرے کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہ کیا اور مقصد کی تکمیل کی خاطر جلدی سے اٹھا۔ اب ہمانے کی طرف بندھی ہوئی کلائیوں سے مجھے ذرا آسانی ہو گئی تھی۔ یہ تو شکر تھا کہ نیم اندھیرے کے باعث انہیں رسی کے رگڑاؤ کا اندازہ نہ ہو سکا تھا۔ میں نے دوبارہ اپنی کوشش شروع کر دی۔ رسی کم بخت نائیلون کی تھی اور پھلواں بھی اس لیے مجھے اسے لوہے کے ٹکڑے پر رگڑنے میں خاصی طاقت صرف کرنا پڑ رہی تھی اور اس پر مستزاد اس جاں گسل کوشش میں میری دونوں کلائیاں بھی چھل گئی تھیں۔

اچانک مجھے دروازے کے باہر دوبارہ گڑبڑ کا احساس ہوا۔ میں بری طرح چونکا اور ہونٹ بھینچتا ہوا دوبارہ اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گیا۔ معاً دروازہ کھلا۔ ایک رسن بستہ شخص کو اندر دھکیل کر باہر سے دروازہ دوبارہ بند کر دیا گیا۔

میں اس نو وارد قیدی کو دیکھ کر بری طرح چونکا اور میرے دل کی دھڑکنیں دھڑ دھڑانے لگیں۔ یہ جمعہ خان تھا۔ اس کے بھی دونوں ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ وہ مجھے پہچان کر دم بہ خود رہ گیا۔

''جمعہ خان! تت...... تم......؟'' میرے منہ سے لرزیدہ الفاظ برآمد ہوئے۔

''تم ان کے ہتھے کس طرح چڑھ گئے؟'' میرے سوال پر جمعہ خان کے چہرے پر خفت کے آثار نمودار ہوئے اور اس نے جواب دیے بغیر خاموشی سے اپنا سر جھکا لیا۔ میں دانت بھینچ کر اس سے بولا۔ ''جمعہ خان!...... جمعہ خان! تمہیں ان کے ہتھے نہیں چڑھنا چاہیے تھا۔ یہ...... یہ...... بہت برا ہوا...... بہت برا ہوا یہ جمعہ خان...... تم...... تم......''

''سس...... سائیں! وہ...... مجھے معاف کر دو...... میں نے تو بہت کوشش کی کہ آپ......''

''تمہیں نہیں پتا جمعہ خان! یہ کتنا برا ہوا۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کفِ افسوس ملتے ہوئے کہا اور اسے حقیقت سے آگاہ کر دیا۔ اس نے جب یہ سنا تو بابا جانی کو رضا احتشام نے ایک معاہدے کے تحت چھوڑ دیا ہے۔ نیز اب وہ بھی یہ جان کر کہ بابا جانی کی زندگی کو زبردست خطرہ لاحق ہے تو اس رذیل نے شیطانی قہقہوں کے ساتھ بابا جانی کو خطرے سے آگاہ کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اب تو جمعہ خان کا چہرہ بھی دھواں دھواں ہو گیا اور وہ کپکپاتی ہوئی روہانسی آواز میں بولا۔

''سس...... سائیں! یہ تو واقعی بہت برا ہو گیا۔''

''شٹ...... شٹ۔'' میں بے بسی اور جھنجھلاہٹ سے بڑبڑایا اور پھر اس سے پہلے کہ میں ایک بار پھر جنون اور ہیجانی کیفیات اور اعصاب زدگی کا شکار ہوتا میں نے رسیاں توڑنے کی پھر دوبارہ کوشش شروع کر دی۔

ایک ایک پل اندیشہ ناک لمحات کی دھمک دیتے ہوئے جیسے بھاری سل کی طرح گزر رہا تھا۔ میرے لیے ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ اس وقت رات کا آخری پہر ہی ہو گا اور میرے اندازے کے مطابق بابا جانی ستارہ مینشن پہنچ گئے ہوں گے۔ میں تصور میں انہیں ستارہ جیسی ناگن کے ہاتھوں زہر ملا دودھ کا گلاس پیتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

میرے سینے میں بے تحاشا دھکڑ پکڑ جاری تھی۔ رگوں میں خون کی گردش تیز تر ہونے لگی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے سینے میں بری طرح دھڑکتا ہوا دل پنجر توڑ کر باہر آن گرے گا۔ میں یہی دعا مانگ رہا تھا کہ کوئی انہونی ہو جائے...... کچھ...... ہاں کچھ ایسا ہو جائے کہ بابا جانی ستارہ مینشن نہ جائیں مگر پھر وہ کہاں جا سکتے تھے اور کوئی جگہ بھی فروکش ہونے کی نہ تھی۔ ان کی بستر نگاری کراچی تھی۔

ادھر یہ تھی کہ مسلسل ایک دو گھنٹوں تک کی کوشش کے باوجود صرف ذرا ہی سی ادھڑی تھی۔ میں پسینے سے شرابور ہو گیا تھا۔ جمعہ خان اور میں باری باری اس کوشش پیہم میں مصروف تھے بلکہ اب تو وہ لوہے کا ذرا سا ٹکڑا بھی لیور کی آہنی پلیٹ سے ڈھیلا ہو کر بار بار سرک جا رہا تھا۔ اس کے اب اپنی جگہ جمے نہ رہنے سے ہمیں دوگنی چوگنی کوشش کرنا پڑ رہی تھی۔ مجھ پر اس قدر جھنجھلاہٹ آمیز طیش سوار ہوا کہ میں پاگلوں اور جنونیوں کی طرح دروازے کو ٹھوکریں مارنے لگا۔ مجھ پر ایک بار پھر وحشتوں اور پاگل پنے کا دورہ پڑ گیا تھا۔ جمعہ خان میری حالتِ زار دیکھ کر رونے لگا۔

میں رضا احتشام کو گالیاں دینے لگا۔ اسے پکارنے لگا۔ اسے دھمکیاں دینے لگا۔ اچانک دروازہ کھلنے کی آواز ابھری۔ میں نے سرسراتی سرگوشی میں جمعہ خان سے کہا۔

''جمعہ خان! اب نہیں تو کبھی نہیں۔ آج اپنی جان کی پروا نہیں کرنی ہے۔''

''سائیں میں سمجھ گیا۔'' وہ جوش سے بولا۔

دروازہ کھلا وہی دو گن بردار اندر داخل ہوئے۔ عقب میں دروازہ بند کیا پھر ہماری طرف گھورنے لگے۔ ایک نے درشت لہجے میں پوچھا۔

''یہ کیا شور مچا رکھا ہے؟''

''میں لہجے میں خوف سموتے ہوئے کپکپاتی آواز میں بولا۔

''وہ...... وہ...... اوپر...... سس...... سانپ......''

انہوں نے غیر ارادی طور پر سر اٹھا کر چھت کی سمت دیکھا اور پھر بہ یک وقت میری اور جمعہ خان کی لاتیں حرکت میں آئیں اور دونوں ہرکاروں کے ہاتھوں سے گنیں نکل گئیں۔ میرے اور جمعہ خان کے چوں کہ دونوں ہاتھ آگے کی طرف بندھے ہوئے تھے اس لیے ہم دونوں نے بہ یک وقت اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیانی خلا میں ان کی گردن دبوچ لی۔

رگیدتے ہوئے انہیں چاروں شانے چت گرنے پر مجبور کر دیا۔ اب ہماری پوری کوشش دونوں کا گلا دبوچنے کی تھی۔ میں اپنے پورے وجود کی طاقت جیسے دونوں ہاتھوں پر مجتمع کر کے مدمقابل کی گردن دبوچ رہا تھا۔ مجھ پر ویسے ہی جنون غالب تھا اس لیے میں نے پل بھر میں اپنے مدمقابل کی گردن دبوچ کر اسے ختم کر دیا۔ اس کی آنکھیں باہر کو ابل گئیں پھر ذرا دیر بعد جمعہ خان نے اپنے مدمقابل کو پچھاڑ کر رکھ دیا۔

دونوں کو جہنم واصل کرنے کے بعد ہم بری طرح ہانپنے لگے۔ پھر میں نے جمعہ خان سے ہرکاروں کی لاشوں کی تلاشی لینے کو کہا۔ جلد ہی ایک کی جیب سے خنجر برآمد ہو گیا ہم نے ایک دوسرے کی مدد سے اپنی کلائیوں کی رسیاں کاٹیں پھر جیسے ہی مردہ ہرکاروں کی گنوں پر قبضہ جمایا باہر راہداری میں دوڑتے قدموں کی آواز سنی۔

''جمعہ خان! جو بھی نظر آئے گولیوں سے بھون کر رکھ دو۔''

میں نے وحشتِ لہو رنگ لہجے میں غرا کر کہا اور پھر دروازے کی طرف بڑھے۔ پھر اس کے دروازے سے نکلا۔ سامنے دو گن برداروں کو دیکھتے ہی میں نے ٹریگر دبا دیا۔ گولیوں کی سمع خراش تڑتڑاہٹ ابھری اور دونوں ہرکارے چیخیں مارتے ہوئے زمیں بوس ہوتے چلے گئے۔ اس کے بعد ہم دونوں راہداری میں آ گئے۔ یہ راہداری مختصر تھی۔ کوٹھی میں یک دم سناٹا چھا گیا۔ اس غیر معمولی اور غیر متوقع خاموشی پر مجھے حیرت ہوئی مگر دوسرے ہی لمحے ایک خیال کوڑیالے ناگ کی طرح میرے دماغ میں کلبلایا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ دشمن نے ہماری خطرناکی کو بھانپتے ہوئے ہماری گھات میں چھپے بیٹھے ہوں۔

''جمعہ خان! احتیاط سے آگے بڑھو۔ دشمن بہت خطرناک چال چلنا چاہتا ہے۔'' یہ کہہ کر ہم گرد و پیش

میں نظریں دوڑاتے آگے بڑھے۔ پھر ایک کمرے سے گزر کر ہم جیسے ہی وسیع برآمدے میں پہنچے ہم پر دو طرفہ گولیوں کے برسٹ داغ دیے گئے۔ میں چشم زدن میں ایک بڑے سنگی ستون کی آڑ میں ہوگیا۔ جمعہ خان نے بھی میری تقلید کرتے ہوئے غیر معمولی پھرتی کا مظاہرہ کیا تھا۔

پھر جس سمت سے ہم پر فائرنگ داغی گئی تھی ہم نے اس سمت اپنی گنوں کے آہنی دہانے کھول دیے۔ کئی چیخیں ہماری سماعت سے ٹکرائیں اور پھر سب سے پہلے میں اپنے دائیں بائیں اندھا دھند فائرنگ کرتا ہوا نکلا اور سیدھا گیٹ کی طرف دوڑا۔ جمعہ خان بھی میری تقلید کرتا ہوا بڑھا۔ ہم دونوں گیٹ سے باہر تاریکی میں نکلے اور ایک طرف کو دوڑتے چلے گئے، اگر بابا جانی والا مسئلہ نہ ہوتا تو میں یہاں بڑا خون خرابا کر کے نکلتا اور سعید رضا احتشام اور راجو راکٹ کو کتے کی موت مارتا مگر مجھے پل کے پل ستارہ مینشن پہنچنا تھا۔

میرے حساب سے وقت گزر چکا تھا اور میرے دل و دماغ میں ہزاروں قسم کے اندیش ناک وسوسے جنم لے رہے تھے۔ میرا بس نہیں چل رہا تھا کہ میں اڑ کر ستارہ مینشن جا پہنچوں۔ میری خوں ناک فطرت کو ہی حد نگاہ رکھتے ہوئے شاید رضا احتشام کہیں کھولی میں جا دبکا تھا اور ہم دونوں کو دانستہ نکلنے دیا تھا۔

اب مشرق کی سمت سے پو پھٹنے لگی تھی۔ صبح کاذب کا اجالا پھیلنے لگا تھا۔ میں دیوانہ وار دوڑتا چلا جا رہا تھا۔ یہ ایک پوش علاقہ تھا مگر ابھی تک مجھے اندازہ نہ ہو سکا تھا کہ کراچی کا یہ کون سا علاقہ تھا اور نہ ہی مجھے یہ پتا لگانے کا ہوش تھا بلکہ مجھے تو جمعہ خان کا بھی ہوش نہ تھا۔ میں بس بھاگا چلا جا رہا تھا۔ آگے جا کر میں نے گن بھی پھینک دی تھی۔ مین شاہراہ پر آیا تو مجھے اس علاقے کا ادراک ہوا۔ اکا دکا ٹیکسیاں چل رہی تھیں۔ یہ بھی وہ تھیں جو کینٹ اسٹیشن سے صبح سویرے آنے والی ٹرین کے مسافروں سے بھری ہوئی تھیں۔ میں بے چینی سے خالی ٹیکسی کا منتظر تھا۔ جمعہ خان بہ دستور میرا سایہ بنا ہوا تھا۔

میں شدید مضطرب الحال ہو رہا تھا پھر اچانک ایک ٹیکسی نے کہیں قریب ہی سواری اتاری اور خود ہی ہمیں مطلوبہ سواری بھانپ کر ہارن دیتا ہوا ہمارے قریب آ گیا۔ میں اور جمعہ خان غڑاپ سے اس میں جا سوار ہوئے اور میں نے ٹیکسی ڈرائیور کو اجرت خاص دینے کا وعدہ کرتے ہوئے اسے ستارہ مینشن کا پتا بتا کر ٹیکسی کو تیز رفتار سے بھگانے کا کہا۔ ستارہ مینشن کا راستہ یہاں سے ایک گھنٹے کی مسافت پر تھا۔

ٹیکسی تیز رفتاری سے دوڑنے لگی مگر پرانے ماڈل کی وجہ سے اس کی فل اسپیڈ اسی سے زیادہ نہ تھی۔ میں بے چینی سے ہاتھ ملنے لگا۔ ٹیکسی ڈرائیور نے فل ایکسیلیریٹر دبا رکھا تھا۔

''اڑے بابا! تیز دوڑاؤ...... تیز دوڑاؤ۔'' میں نے شدید مضطربانہ انداز میں کہا۔ ٹیکسی ڈرائیور میرے لہجے کا اندازہ کرتے ہوئے بولا۔

''سائیں جی! اس سے زیادہ نہیں بھاگ سکتی۔'' میں بے بسی سے ہونٹ کاٹ کر رہ گیا۔ پھر یہ ایک گھنٹہ ایک صدی کے مصداق تمام ہوا۔ ستارہ مینشن کے سامنے ٹیکسی رکی اور میں اسے کرایہ دے کر سیدھا گیٹ کی طرف دوڑا۔ میرے دل و دماغ میں بری طرح سائیں سائیں ہو رہی تھی اور دل جیسے رک رک کر دھڑکنے لگا تھا۔ مجھے اپنے اعصاب مضمحل پڑتے محسوس ہو رہے تھے۔ اندیشوں اور وسوسوں کی یلغار سے مجھے اپنا دماغ ماؤف ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔

ستارہ مینشن پر ویرانی کا راج تھا۔ میں نے گیٹ کے قریب پہنچ کر شدید مضطربانہ انداز میں کال بیل بجائی اور اس وقت تک انگلی نہ ہٹائی جب تک گیٹ مین نے دروازہ نہ کھول دیا۔ وہ چڑھے ہوئے تیوروں

کے ساتھ باہر نکلا مگر مجھ پر نگاہ پڑتے ہی یک دم مؤدب ہوگیا۔

میں یہی دعا مانگنے لگا کہ کاش بابا جانی ادھر نہ آئے ہوئے ہوں۔ کاش! یہ چوکیدار میرے سوال پر مجھے یہ مژدہ جانفزا سنا دے کہ بابا جانی تو ادھر آئے ہی نہیں۔ میں نے بہ مشکل تھوک نگل کر اس سے ہانپتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''بابا جانی تو نہیں آئے یہاں۔'' میری دھڑکتی نظریں اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں اور بے چینی سے منتظر تھیں کہ وہ انکار میں سر ہلا دے۔

''جی سائیں! صاحب جی تو کل رات ہی اچانک یہاں آ پہنچے تھے۔'' اس نے جواب دیا اور مجھے اپنا دل ڈوبتا محسوس ہونے لگا۔ میں اندر دوڑا۔

''کاش! اس ناگن (ستارہ) نے ابھی اپنی زہریلی سازش کو عملی جامہ نہیں پہنایا ہو؟ یہ ضروری تو نہیں تھا کہ بابا جانی کل رات آئے اور اس نے کل رات ہی انہیں زہر دے دیا ہو؟'' میں یہ دعائیں مانگتا ہوا اندر داخل ہوا۔ اندر سناٹا طاری تھا۔

میں پاگلوں کی طرح ''بابا جانی!...... بابا جانی!'' پکارتا ہوا ان کے بیڈ روم کی طرف بڑھا اور تمام اخلاقیات کو بالائے طاق رکھتا ہوا ان کے بیڈ روم کی طرف بڑھا۔ اس اثنا میں نوکر چاکر بھی بیدار ہو چکے تھے پھر اس سے پہلے کہ میں بیڈ روم کے دروازے پر دستک دیتا دروازہ یک دم کھلا۔ سامنے مجھے اس ناگن ستارہ کا چہرہ دکھائی دیا۔ وہ شاید شور سن کر بیدار ہوئی تھی اور اس کے جسم پر شب خوابی کا لباس نظر آ رہا تھا۔ میں نے پل کے پل محسوس کیا کہ مجھے اچانک اپنے سامنے دیکھ کر اس کے چہرے پر یک دم گہری تشویش اور سراسیمگی کے آثار طاری ہو گئے تھے۔ میرا دل یکبارگی کسی اندیش ناک خیال سے بری طرح دھڑکا۔ میں نے انگار برساتی آنکھوں سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا اور پھر غراہٹ آمیز آواز کے ساتھ اس کی گردن دبوچتا ہوا اندر داخل ہوا۔ اس کے حلق سے گھٹی گھٹی چیخ نکل گئی۔ ایک نوکر نے اپنی بی بی جی کی نمک حلالی نبھانے کی کوشش کی جسے جمعہ خان نے ایک زور دار تھپڑ کے ساتھ زمین پر لٹا دیا۔ ستارہ بری طرح وحشت زدہ نظر آ رہی تھی۔ میں اندر داخل ہوا اور بیڈ کی طرف دیکھا۔

بابا جانی بیڈ پر بے سدھ لیٹے ہوئے تھے۔ میرے اندر ہول ناک خیالات کوڑیالے ناگوں کی طرح پھن کاڑھنے لگے۔

''بابا جانی!...... بابا جانی!......'' میں انہیں پکارتا ہوا ان کی جانب بڑھا...... انہیں بری طرح جھنجھوڑ کر جگانے لگا۔ اچانک میری نظر بابا جانی کے چہرے پر پڑی۔ ان کی باچھوں سے مجھے خون کی ایک پتلی لکیر بہتی نظر آئی اور میں ساکت ہوگیا۔ مجھے یوں لگا جیسے میرے وجود سے روح نکل کر عالم ارواح کی طرف پرواز کر گئی ہو۔ ناگن اپنا کام کر چکی تھی۔ وہ میرے بابا جانی کو ڈس چکی تھی۔ زہر نے اپنا کام دکھا دیا تھا۔ ستارہ کی زہریلی سازش کامیاب ہو چکی تھی۔ رضا احتشام نے میرے خاندان کو ختم کرنے کا جو مذموم عزم کر رکھا تھا وہ پورا ہو چکا تھا۔

ایکا ایکی مجھے یوں لگا جیسے میرے اردگرد ان گنت آتش فشاں پہاڑ لاوا اگل رہے ہوں۔ چاروں طرف سرخ آندھیاں چل رہی ہوں......اور......اور مجھے ایسا لگا جیسے میرے اندر کا اعلیٰ تعلیم یافتہ شخص دم توڑ رہا ہو اور ایک نیا انسان ابھر رہا ہو۔ ایسا انسان جو سراپا آگ تھا...... آتش فشاں تھا...... ایک طوفان تھا...... جس نے لندن کے انڈر ورلڈ بدمعاشوں کو ناکوں چنے چبا دیے تھے...... جس نے ایف بی آئی کے بدطینت ڈائریکٹر مائیکل ٹائیڈل سمیت ان کا ناک میں دم کر ڈالا تھا۔

میں نے دم بہ خود کیفیات میں بابا جانی کا معائنہ کیا۔ وہ ختم ہو چکے تھے۔ حاجی اللہ ورایو خان بالآخر اپنے دیدہ و نادیدہ دشمنوں کی سازشوں کا شکار ہو چکا تھا اور مجھے وہ یتیم کر چکے تھے۔ حاجی اللہ ورایو خان کی کہانی ختم ہو چکی تھی مگر اس کے بیٹے افتخار علی خان کی کہانی اب شروع ہوئی تھی۔

جمعہ خان بھی سکتے میں آ گیا تھا۔ دیگر نوکر چاکر گھبرائے ہوئے وہاں آ چکے تھے۔ ستارہ کی ماں تارا بیگم بھی آ چکی تھی۔ میں نے پلٹ کر وحشتِ لہو رنگ نظروں سے ستارہ کی طرف دیکھا۔ اس کا رنگ زرد پڑ چکا تھا۔ تارہ کی بھی بڑی پتلی حالت ہو رہی تھی۔ ستارہ مینشن میں کہرام مچ گیا۔

''دودھ کا وہ خالی گلاس کدھر ہے...... ناگن!...... جس میں تو نے میری بابا جانی کو زہر ملا کر دیا تھا۔'' میں نے ستارہ کی طرف دیکھ کر ایک ایک لفظ چبا کر کہا۔ دونوں ماں بیٹیوں کے چہرے دھواں دھواں ہو گئے۔

''ی...... ی...... یہ...... یہ تم......''

''تو خاموش رہ بازاری عورت!'' میں نے حلق کے بل دھاڑ کر تارا بیگم کو خوں ناک نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔ ستارہ کے سان و گمان میں بھی نہ تھا کہ میں اس سے ایسا غیر متوقع سوال بھی پوچھ سکتا ہوں۔ وہ مجھے یوں پھٹی پھٹی آنکھوں سے تکے جا رہی تھی جیسے میں کوئی جادوگر تھا۔ کوئی ماورائی مخلوق تھا۔ اس کے لب کپکپا رہے تھے مگر آواز برآمد نہیں ہو پا رہی تھی۔

''میں پوچھتا ہوں...... وہ گلاس کدھر ہے؟''

میں نے اس کا گلا دبوچ لیا۔ وہ غش کھا کر گر گئی۔ تارا بیگم میری بچی کہہ کر اسے سنبھالنے لگی۔ میں نے نوکروں کو اس کمرے میں اکٹھا کر لیا۔

''مجھے دودھ کا وہ گلاس چاہیے...... ورنہ تم سب لوگوں کو پولیس کے حوالے کر ڈالوں گا۔''

نوکر بری طرح بدحواس ہو رہے تھے۔ میں نے ستارہ کے چہرے پر تھپڑوں کی بارش کر دی۔ وہ مکار فوراً ہوش میں آ گئی۔ اس کی ماں ڈھٹائی سے روتے ہوئے بولی۔

''یہ ظلم ہے...... میں تمہیں پولیس کے حوالے کر دوں گی۔ میری پھول سی بچی پر تم نے ہاتھ......''

ابھی اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ میں نے اس کی موٹی گردن دبوچ لی۔ میں نے جمعہ خان کو پولیس کو اطلاع کرنے کا کہا۔

چشم زدن میں پولیس آن پہنچی۔ میں نے انسپکٹر سے اپنا تعارف کروایا۔ اس نے روزی کے سوائے سب کو موبائل میں ڈالا اور تھانے لے گئے۔ میں نے بوجھل دل کے ساتھ یہ جانکاہ اطلاع گوٹھ حویلی میں پہنچائی۔ بابا جانی کی لاش بائی ایئر لے کر میں خود گوٹھ پہنچا۔ روزی اور جمعہ خان میرے ساتھ تھے۔ حویلی میں کہرام مچ گیا۔

حاجی اللہ ورایو خان کا قتل معمولی بات نہ تھی مگر یہ دنیا ہے...... یہاں نہ جانے ایسی کتنی شخصیات قتل ہو گئیں۔ ماتم ہوا...... اور پھر وہی روز و شب ترے مرے......

بابا جانی کی آخری رسوم کی ادائیگی کے بعد میں واپس کراچی آ گیا۔ انسپکٹر نواز کو قتل کی تفتیش پر مامور کیا گیا تھا مگر کافی تلاش بسیار اور کوشش کے باوجود کوئی ایسا ثبوت نہ ملا جو ستارہ اور اس کی ماں تارا بیگم کو مجرم ثابت کرتا، البتہ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق یہ بات ضرور ثابت ہو چکی تھی کہ بابا جانی کی موت زہر خوانی سے واقع ہوئی تھی اور انہیں یہ زہر دودھ میں ملا کر دیا گیا تھا۔ وقت رات نو اور دس بجے کے درمیان تھا۔ نوکر چاکر رہا ہو چکے تھے مگر ستارہ اور تارا بیگم کو لیڈیز پولیس تھانے منتقل کر دیا جا چکا تھا۔ میں نے اس ایف آئی آر میں پروڈیوسر میاں صاحب اور الف خان کے نام بھی درج کرا لیے تھے۔ عدالت میں مقدمہ بازی کی مہم شروع ہو گئی۔ میں نے بھی شہر کے سب سے اچھے اور چوٹی کے وکیل کو ہائر کیا تھا۔

جج نے کیس کی روداد اور میری کہانی سن کر مجھ سے سب سے پہلا سوال یہ کیا تھا کہ ''اگر میں اس سازش سے واقف ہو چکا تھا تو میں نے پہلے ہی پولیس کو کیوں نہ بتا دیا؟'' ستارہ کے وکیل صفائی نے بھی یہی نکتہ اٹھا کر میرے کیس کو کمزور اور اپنی موکلہ ستارہ کے کیس کو مضبوط کرنے کی کوشش کی۔

اگرچہ میں نے جج صاحب سے بھی کہا تھا کہ میں مجرموں کو رنگے ہاتھوں گرفتار کروانا چاہتا تھا مگر ستارہ کے وکیل نے میری بات رد کرتے ہوئے جج سے کہا کہ

''یور آنر! کوئی بیٹا اپنے باپ کی زندگی کو خطرے میں ڈالنے کا رسک نہیں لیتا۔ یہ جھوٹ بول رہا ہے۔ یہ سرے سے ایسی کسی سازش سے واقف ہی نہ تھا۔ دراصل وہ ستارا کو پسند ہی نہیں کرتا تھا کیوں کہ ستارا اس کی ماں پر سوکن بن کر آئی تھی۔''

الغرض چرب زبان وکیل نے ایسی ایسی گھمیریاں دیں کہ اچھا بھلا سیدھا سجاؤ کیس ملغوبہ بن کر رہ گیا اور پھر یوں وہ دن میرے لیے ایک بدترین دن ثابت ہوا جب میرے بابا جانی کے قاتلوں کو عدالت نے باعزت بری کر دیا۔

میں ستارا مینشن پہنچا تو ستارا، اس کی ماں تارا بیگم، پروڈیوسر میاں صاحب اور الف خان وہاں جشن رہائی منا رہے تھے۔ میں خوں ناک نظروں سے ایک ایک کے چہروں کو گھورے جا رہا تھا۔ ان سب کے چہروں پر مکروہ مسکراہٹیں اور وہ دونوں ماں بیٹیاں ستارا اور تارا بیگم تو خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھیں۔

''چلو مسٹر! اب یہاں سے چلتے پھرتے نظر آؤ کیوں کہ اب یہ کوٹھی میری ملکیت ہے۔'' ستارا نے زہریلے لہجے میں مجھ سے کہا۔ اس کے لہجے میں کوٹ کوٹ کر رعونت اور تضحیک آمیزی تھی۔

''ہاں...... ستارا...... تم ٹھیک کہتی ہو۔'' میں اپنے اندر کے ابال پر بہ مشکل قابو پاتے ہوئے بولا۔ پھر ان چاروں سازشی عناصر کے چہروں پر باری باری نظریں ڈالتے ہوئے مزید کہا۔ ''تم چاروں جی بھر کر خوشیاں منا لو کیوں کہ اس کے بعد تم لوگوں کو اپنے اوپر ماتم کرنے کا بھی موقع نہیں مل سکے گا۔'' میں نے کہا۔ ستارا اور تارا بیگم کے چہروں پر خوشی کے امڈتے ہوئے تاثرات چشم زدن میں فرو ہو گئے۔

☆

اتنے طوفان اور آندھیاں گزرنے کے باوجود معمولات لگے بندھے اوقات میں بیتنے لگے۔ میں اور روزی چوں کہ کراچی میں ہی بہ طور ریسرچ اسکالر یونی ورسٹی جوائن کر چکے تھے اور وہیں ہماری رہائش بھی تھی۔ جمعہ خان میرے ہمراہ تھا۔ میں نے اور روزی نے سادہ سی تقریب میں شادی کر لی تھی۔

میں نے خود کو پرسکون کرنے اور نئے سرے سے، نئے ولولے اور جوش...... عقل و خرد سے اپنے دشمنوں کو کیفر کردار تک پہنچانے کی منصوبہ بندی کرنے کے لیے چار چھ ماہ تک بالکل خاموشی اختیار کر لی۔ یہ بھی میری ایک مصلحت تھی۔ میں چاہتا تھا ذرا حالات پر وقت کی دھول جم جائے مگر میں جانتا تھا کہ میرے دشمن میری اس طویل خاموشی کو کسی بڑے طوفان سے ہی تعبیر کیے اپنی اپنی کمین گاہوں میں کھٹک لیے دبکے بیٹھے ہوں گے۔

روزی حیران تھی کہ میں یوں اچانک کیوں کر خاموش ہو کر بیٹھ رہا تھا؟ وہ مجھے جانتی تھی میں اپنے دشمنوں کو ذرا بھی موقع دیے بغیر ان کا صفایا کر دیا کرتا تھا، مگر جمعہ خان کو میری اس طویل خاموشی پر ذرا بھی حیرت نہ تھی، کیوں کہ وہ مجھے اچھی طرح جانتا تھا۔

وہ جانتا تھا کہ میرے لیے دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتارنا ذرا بھی مشکل نہ تھا۔ جمعہ خان جانتا تھا کہ میں بہ ظاہر خاموش ہوں مگر میرے اندر دشمنوں سے انتقام لینے کی ایک ایسی منصوبہ بندی جنم لے رہی ہے جو اپنے بدترین، دشمنوں کو موت سے بڑھ کر سزا سے دوچار

کرنے والی تھی۔ ایک ایسی انوکھی سزا ایسا انوکھا انتقام کہ دشمن اپنی آنکھوں سے اپنی موت کا منظر دیکھے اور بار بار جی کر بار بار مرے حتیٰ کہ خود ہی میرے سامنے ہاتھ جوڑ کر اپنی موت کی مجھ سے بھیک مانگنے پر مجبور ہو جائے۔

☆

"جمعہ خان! حرکت میں آ جاؤ۔"

ایک روز میں نے اس سے بڑے سرسراتے ہوئے لہجے میں کہا۔ اس کی یک دم آنکھیں چمکنے لگیں۔

"اللہ سائیں کا شکر ہے...... آپ بولے تو سہی۔ حکم کرو سائیں مٹھا! میں اپنے خون کی گرمی نکالنے کے لیے بہت بری طرح بے چین ہوں۔" اس کے جاں نثارانہ لہجے میں انتقام کا سمندر موجزن تھا۔

"مجھے دو روز کے اندر اندر پروڈیوسر میاں صاحب کے بارے میں معلومات درکار ہیں۔ ہر قسم کی معلومات سمجھ رہے ہو ناں؟" میں نے کہا۔

"حاضر سائیں! سمجھ رہا ہوں۔ آپ بے فکر ہو جائیں۔"

"اور...... الف خان کے بارے میں بھی؟"

"ہاؤ سائیں! یہ کام بھی ہو جائے گا...... اور حکم؟"

"بس...... پہلے یہ کام کر کے مجھے بتاؤ۔" میں نے گمبھیر سنجیدگی سے کہا۔

"ٹھیک ہے سائیں!" اس نے سر ہلایا۔

دو دن بعد جمعہ خان نے مجھے سب سے پہلے میاں جی کے بارے میں تفصیلاً اور سوالاً جواباً معلومات بہم پہنچائیں۔

"اس کا اصل ٹھکانا؟" میں نے پوچھا۔

"وہ کلفٹن کے ایک بنگلے میں رہتا ہے۔" جمعہ خان جواباً بولا۔

"اس کے بیوی بچے؟"

"پہلی بیوی وفات پا چکی ہے۔ دوسری زینت کے نام سے حیات ہے۔ اس سے دو بچے ہیں۔ بڑا لڑکا کسی کالج میں پڑھتا ہے۔ لڑکی میٹرک میں۔"

"آگے پاس اور کوئی عزیز رشتے دار؟"

"کسی سے کوئی تعلق نہیں۔"

"گھر آنے جانے کے معمولات؟"

"فلم کے سلسلے میں وہ راتوں کو دیر سے گھر آتا ہے۔ عموماً دو بجے تک آ جاتا ہے۔"

"اس کا دفتر؟"

"اس کا بڑا شاندار اسٹوڈیو۔"

"تعریف نہیں جمعہ خان...... تعریف نہیں...... صرف کام کی بات!"

"ب...... ب...... برابر سائیں...... برابر...... اس کا دفتر بھی کلفٹن میں ہی ایک کثیر المنزلہ عمارت میں ہے، لیکن آج کل فلم کی شوٹنگ وغیرہ کے سلسلے میں وہ ساحلِ سمندر کے قریب رہتا ہے۔"

"جگہ کا نام؟"

"سینڈز پٹ۔"

"کل...... کب اور کہاں ملے گا؟"

"صبح دس بجے کے بعد وہیں سینڈز پٹ کے ہٹ میں۔"

"کل ہم نے نکلنا ہے۔"

"برابر سائیں!"

"ایک بات کا خاص خیال رہے۔"

"جی سائیں!"

"اپنے ساتھ کوئی ہتھیار حتیٰ کہ چاقو تک بھی نہیں لے کر جانا ہے۔"

"ٹھیک ہے سائیں!" وہ میری اس بات پر ذرا متحیر تو ہوا تھا مگر اس میں کچھ پوچھنے کا حوصلہ نہ ہو سکا۔ اگلے روز صبح دس بجے میں اور جمعہ خان اپنی نئی زیرو میٹر کار میں سینڈز پٹ کی طرف روانہ ہو چکے تھے۔

☆

ساحلِ سمندر پر شوٹنگ جاری تھی۔ دیگر شائقین بھی یہ شوٹنگ دیکھنے میں محو تھے۔ پروڈیوسر میاں جی اپنے کام میں منہمک تھا اور ڈائریکٹر ہیڈ عبداللہ تل نظر آ رہا تھا۔ فلم کی ہیروئن ستارا تھی۔ ایک ہیرو بھی تھا۔ دونوں پر سچویشن کے مطابق ایک گانا فلمایا جا رہا تھا۔ میری آنکھیں جلنے لگیں، مگر میں بالکل سپاٹ چہرے کے ساتھ کار سے اترا۔

شوٹنگ کے دوران سب سے پہلے ستارا کی نگاہ مجھ پر پڑی اور اس کے چہرے کی رنگت یک دم پیلی پڑ گئی۔ میں نے دانستہ سگریٹ سلگائی اور شائقین کے ساتھ مل کر کھڑا بہ ظاہر شوٹنگ دیکھ رہا تھا مگر درحقیقت میں ستارا کو ہی گھورے جا رہا تھا۔ میری نظروں کی خوں ناک چمک کو محسوس کر کے اس کی طبیعت خراب ہو گئی۔ اس کا دھیان شوٹنگ سے ہٹ گیا۔ سب پریشان ہو گئے۔ پیک اپ کر دیا گیا۔ وہ سیدھی میاں جی کے پاس پہنچی اور میں نے دیکھا اس نے اس کے کان میں کچھ کہا۔

میاں جی نے میری طرف چونک کر دیکھا۔ میں اور جمعہ خان بہ ظاہر بے پروا اور چہل قدمی کے انداز میں ہجوم سے ذرا پرے ہو کر کھڑے ہو گئے۔ اچانک میرے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ رقصاں ہو گئی کیوں کہ میری توقع کے عین مطابق میاں جی دانت پیستا ہوا میری طرف ہی بڑھا چلا آ رہا تھا۔

"تم اگر سمجھتے ہو کہ اس طرح ستارا کو اپنی جھلک دکھا کر خوف زدہ کر دو گے تو یہ تمہاری بھول ہے...... مسٹر افتخار علی خان!" وہ میرے قریب آ کر مجھ سے دانت بھینچ کر بولا۔

"جمعہ خان نے میری ہدایت کے عین مطابق ایک ہوائی مکالمہ اچھالا۔

"زہر کو زہر کاٹتا ہے...... زہر سے مارا ہے تو زہر سے ہی مرو گے۔" میاں جی نے گھور کر جمعہ خان کی طرف دیکھا۔

"میاں جی! عن قریب تمہاری حسین و جمیل بیوی زینت تمہیں دودھ میں زہر ملا کر دینے والی ہے۔" میں نے اسرار بھرے لہجے میں اس سے کہا۔ ایک لمحے کو اس کے چہرے پر ان جانے خوف کا ارتعاش سا ابھرا مگر پھر دوسرے ہی لمحے اپنے نادیدہ خوف پر قابو پاتے ہوئے نفرت انگیز لہجے میں بولا۔

"بکواس بند کرو اپنی اور دفع ہو جاؤ۔"

"نا، نا، نا...... میاں جی! میں تو تمہاری اتنے بڑے بجٹ والی فلم کی شوٹنگ دیکھنے آیا ہوں۔ بھلا میں بے چارہ اکیلا تمہارا کیا بگاڑ لوں گا؟"

میں نے اسرار بھری بے نیازی سے کہا اور سگریٹ کا طویل کش لے کر دھواں فضا میں اگلا اور دوبارہ بولا۔

"اور ہاں بس تم ذرا ایک بات کا خیال رکھنا کہ کھانے پینے کی ذرا ذرا سی اشیا کو بھی دیکھ بھال کے کھانا کیوں کہ تمہیں تو معلوم ہی ہو گا میں ایک فارن ریٹرن سائنٹسٹ ہوں بڑے ہی عجیب و غریب اور سریع الاثر کیمیکل زہروں کی قسمیں ہیں میرے پاس۔ کم بخت پتا بھی نہیں لگنے دیتے کہ معدے میں زہر پہنچا ہے یا کھانا۔"

"تم مجھے دھمکی دے رہے ہو؟" وہ بولا۔ میں نے دیکھا اس کی پیشانی پر ننھی ننھی بوندیں چمکنے لگی تھیں۔

"نا بابا نا...... دھمکی دینا تو بزدلوں کا کام ہے۔ میں تو بے چارہ ایک ایسا بہادر شخص ہوں جو اپنے دشمنوں کو نہ بھولتا ہے اور نہ ہی معاف کرتا ہے۔" یہ کہہ کر میں کار کی طرف بڑھ گیا۔ جمعہ خان میرے ساتھ تھا۔ میں نے کار آگے بڑھا دی۔ میاں جی کو میں نے گم صم کھڑے پایا تھا۔ میں نے بھی کھڑکی سے ہاتھ ہلا کر اسے بائی کیا۔

"واہ سائیں مٹھا! آپ نے تو میاں جی کا سکون ہی چھین لیا۔ اب تو وہ بڑا وہمی بن جائے گا۔" سڑک پر آتے ہی کار کی میں نے رفتار بڑھائی تو جمعہ خان نے چہک کر مجھ سے کہا۔

"ہاں، کیوں کہ وہ اچھی طرح جان گیا ہے یہ بات

کہ میں ان کی سازش سے واقف ہو چکا ہوں۔" میں نے زہریلی مسکراہٹ سے کہا۔

"جمعہ خان! اب تمہیں اپنا کام بہت ہوشیاری سے کرنا ہے۔"

"آپ بے فکر رہیں سائیں!" وہ جوش سے بھرپور لہجے میں بولا۔

تقریباً دو کلومیٹر کے بعد میں نے کار ایک ویرانے میں اتار دی۔ اس اثنا میں جمعہ خان میری ہدایت کے مطابق اپنا حلیہ بدل چکا تھا۔ اس نے کپڑے بھی بدل لیے تھے جو وہ ساتھ لایا تھا۔ چہرے پر نقلی گھنی داڑھی اور مونچھیں سجا کر بولا۔

"چلو سائیں! میں تیار ہوں۔" میں نے فوراً کار دوبارہ واپس موڑی اور پھر شوٹنگ کے مقام سے تھوڑی دور اسے اتار کر میں واپس روانہ ہو گیا۔

سینڈز پٹ کے علاقے سے نکل کر جب شہری حدود شروع ہوئی تو میں نے کار ایک ریسٹورنٹ کے پارکنگ ایریا میں روک دی اور نیچے اتر آیا۔ مجھے چائے اور کچھ کھانے کی طلب ہو رہی تھی۔ اندر ایئر کنڈیشن ہال میں جا بیٹھا۔

تھوڑی دیر بعد ویٹر بوتل کے جن کی طرح نازل ہوا۔ میں نے اسے چائے اور ایک چکن برگر لانے کا کہا۔ معاً میرے موبائل کی بیل گنگنائی۔ میں نے موبائل نکال کر سب سے پہلے اس کی اسکرین پر آنے والی کال کا نمبر دیکھا اور بے اختیار مسکرا دیا۔ یہ میری جانِ جاناں بیوی روزی کی کال تھی۔

"ہیلو روزی! خیریت تو ہے؟" میں نے کان سے موبائل لگا کر پوچھا۔

"آپ کے بغیر کہاں خیریت...... کہاں ہیں آپ؟" وہ محبت بھری حلاوت سے بولی۔

"بس کوئی دم میں پہنچنے ہی والا ہوں۔ اس وقت ریسٹورنٹ میں بیٹھا ہوں۔" میں نے جواب دیا پھر ادھر ادھر کی گفتگو کے بعد ہم نے ایک دوسرے کو محبت بھرے انداز میں خدا حافظ کہا۔ اثنائے راہ ویٹر چائے اور برگر رکھ گیا تھا۔

میں برگر کھانے میں مشغول ہو گیا۔ پھر چائے پینے لگا۔ میرا ارادہ یہاں سے سیدھا خیابان سوسائٹی کی طرف جانے کا تھا جہاں میرے ازلی اور بدترین دشمن سعید رضا احتشام کی رہائش گاہ تھی۔

اچانک ایک مترنم آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔

"ہیلو! کیا میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں؟" میں نے چونک کر سر اٹھایا۔ میرے سامنے ایک جوان لڑکی کھڑی تھی۔ اس نے بہت گاڑھا میک اپ کر رکھا تھا۔ رنگت ذرا دبتی ہوئی تھی۔ عمر بیس بائیس کے درمیان رہی ہوگی۔ اس نے خاصا چست لون کا پھول دار لباس پہن رکھا تھا۔ ہاتھ میں پرس بھی تھا۔ پہلی ہی نظر میں تاڑ گیا تھا میں کہ اس دوشیزہ کا تعلق کس قبیل سے تھا۔

"جی تشریف رکھیے۔" میں نے مختصراً کہا۔

"تھینک یو!" وہ مسکراتی نگاہوں سے میرے چہرے کی طرف دیکھ کر شائستہ لہجے میں بولی پھر ادھر ادھر نظریں دوڑاتی ہوئی ایک کرسی کھسکا کر اپنی کمر کو خاص انداز سے خم دے بیٹھی تو میری نظر اس کی قمیص کے غیر معمولی طویل چاک پر پڑی جہاں سے پلین رنگت کی شلوار نیفے تک سے جھلک دیتی نظر آ رہی تھی۔ وہ بلاشبہ متناسب اور گداز جسم کی مالک تھی۔

"دراصل یہاں اور کوئی ٹیبل خالی نہ تھی اس لیے......" اس نے عذر پیش کرنا چاہا تو میں اخلاقاً مسکراتے ہوئے بولا۔

"نہیں۔ کوئی بات نہیں۔ آپ یہاں آرام سے بیٹھ سکتی ہیں۔" اس نے ایک خاص اور گہری نگاہوں سے میری آنکھوں میں جھانکا پھر ویٹر کو اشارے سے بلایا۔

"میرے لیے ایک ویجی ٹیبل برگر اور کوک لے آؤ۔" ویٹر اثبات میں سر ہلا کر چلا گیا۔

"کیا میں آپ سے باتیں کر سکتی ہوں؟" اس نے خاص انداز سے پوچھا۔

"جی ہاں......ضرور۔" میں نے کہا۔

"آپ کیا کرتے ہیں؟" اس نے پوچھا۔ میں جن حالات سے گزر رہا تھا اسے مدِ نگاہ رکھتے ہوئے مجھے اپنے سائے سے محتاط ہو کر رہنا پڑتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کی آمد اور اس کے سوال پر میرے ذہن میں کھٹک سی پیدا ہوئی تھی۔ لہٰذا میں نے محتاط ہونا زیادہ بہتر سمجھا۔

"میں ایک دکان دار ہوں۔"

"آپ کا نام؟"

"سہیل احمد!" میں نے اپنا نام غلط بتایا۔

"آپ میرے سوالوں پر برا تو نہیں منا رہے؟"

"نہیں۔ اب ذرا آپ اپنے بارے میں مجھے بتا دیں۔"

"ضرور......" وہ مسکرائی پھر معنی خیز انداز میں اضافہ کیا۔

"مگر یہاں نہیں...... میرے فلیٹ میں...... جو زیادہ دور نہیں...... چلو گے؟"

میرا خیال درست ثابت ہوا۔ وہ ایک کال گرل تھی۔ موبائل کال گرل۔ پہلے تو میرے جی میں آئی کہ میں اسے مہذبانہ انداز میں چلتا کروں لیکن پھر اچانک مجھے لندن میں گزرنے والے اپنے روز و شب یاد آنے لگے، جہاں میں نے اپنے خطرناک دشمنوں کو کافی حد تک ایسی ہی طوائفوں کے ذریعے زیر کرنے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔ سعید رضا احتشام کے خلاف میرے دماغ میں جو منصوبہ بندی تھی اس میں ایک ایسی ہی کال گرل کا بھی رول شامل تھا چنانچہ میں نے دانستہ اپنے ہونٹوں پر ایک اشتیاق بھری مسکراہٹ نمودار کی اور پھر اس سے بولا۔

"خوب...... آپ کا فلیٹ...... میرا مطلب ہے، آپ مجھے اپنے فلیٹ کا پتا بتا دیں۔ میں آپ کے پیچھے چلا آتا ہوں۔" میری تاویل پر وہ محتاط انداز میں مسکرائی۔

"خوب...... خاصے محتاط ہو تم!" میرا اشتیاق دیکھ کر وہ فوراً آپ سے تم پر آ گئی۔ "اچھا ٹھیک ہے۔" یہ کہہ کر اس نے مجھے اپنے فلیٹ کا تفصیلاً پتا سمجھا دیا۔ میں نے اسے ذہن نشین کر لیا۔ اس کے بعد وہ پرس سے بل کے لیے پیسے نکالنے لگی تو میں نے اسے منع کر دیا۔ وہ شکریہ کہہ کر اٹھی اور بولی۔ "جلدی آ جانا میں بے چینی سے انتظار کروں گی...... بائی!"

"بائی!" وہ چلی گئی۔ میں چند ثانیے پرسوچ خاموشی میں مستغرق رہا اس کے بعد ویٹر کو اشارے سے مشترکہ بل لانے کا کہا۔ پھر ٹپ سمیت اسے بل دے کر میں اٹھا اور باہر اپنی کار میں آ بیٹھا۔ کار اسٹارٹ کر کے میں نے آگے بڑھا دی۔

فلیٹ زیادہ دور نہ تھا۔ ایک کہن سال عمارت میں پانچویں منزل پر اس موبائل کال گرل کا فلیٹ تھا۔ میں نے کار کھڑی کی اور بوسیدہ سی پان پیکوں سے بھری سیڑھیاں چڑھتا ہوا مطلوبہ فلیٹ کے فلور تک پہنچا۔ دروازے پر دستک دی۔ فوراً ہی دروازہ کھلا تھا۔ سامنے وہی کھڑی تھی۔ اس نے مسکرا کر مجھے اندر آنے کا راستہ دیا۔

فلیٹ بہت تنگ اور کابک نما تھا۔ خاصی بے ترتیبی بھی نظر آتی تھی۔ کمرے دو ہی تھے۔ محل وقوع گھٹا گھٹا سا تھا گویا کوئی ملنے آئے تو کھڑے کھڑے پانی کا ایک گلاس پلا کر رخصت کر دو۔

"بیٹھو۔ میں جب تک نہا دھو کر آتی ہوں۔" اس نے جلدی جلدی بیڈ کی چادر درست کرتے ہوئے کہا۔

"آں...... ایک منٹ...... ابھی میں ذرا جلدی میں ہوں۔ آؤ تھوڑی باتیں کر لیتے ہیں۔"

اس کے چہرے پر یک دم الجھن آمیز تاثرات پیدا ہوئے تاہم وہ میرے قریب بیٹھ گئی۔ پھر اس نے مجھے اپنا نام شاہدہ بتایا۔ اس کے ماں باپ مر چکے تھے۔ وہ

گوجرانوالہ کی رہنے والی تھی۔ ماں باپ اس کے غریب تھے۔ اس کی ایک خالہ یہاں کراچی میں رہتی تھی۔ اس کا ایک بیٹا بھی تھا۔ پرویز نام تھا اس کا۔ ماں باپ کے انتقال سے چند روز پہلے ہی شاہدہ کی شادی خالہ کے بیٹے پرویز سے کردی گئی تھی۔ بعد میں پتا چلا کہ پرویز اچھی فطرت کا انسان نہ تھا۔ وہ پرلے درجے کا نکھٹو شخص تھا اور اس کے جرائم پیشہ لوگوں سے بھی تعلقات تھے۔ شاہدہ نے سوچا تھا کہ شادی کے بعد اس کی عسرت الحالی سے جان چھوٹ جائے گی مگر یہاں بھی ہر سے پیٹ کے لالے پڑے رہتے تھے۔ پھر خالہ کا بھی انتقال ہوگیا تو پرویز کے اوباش دوستوں کا گھر میں آنا جانا شروع ہوگیا۔ وہ لوگ رات گئے بیٹھے تاش کی بازی سجاتے رہتے تھے۔

شاہدہ ان کے لیے چائے بنا بنا کر تھکتی جاتی۔ بالآخر رفتہ رفتہ شاہدہ کو اپنے شوہر پرویز کی بدطینتی کا اندازہ ہونے لگا مگر تب تک پانی سر سے اونچا ہوگیا تھا کیوں کہ پرویز نے شاہدہ کو بھی اپنے ساتھ رنگ لیا تھا۔ اس نے اسے راہ بد پر لگا دیا۔ پھر کچھ عرصے بعد اس کا بھی لڑائی جھگڑوں میں قتل ہوگیا اور یوں شاہدہ دنیا میں تنہا رہ گئی۔

"تم نے اس راہ بد کو پرویز کے انتقال کے بعد چھوڑا کیوں نہیں؟" ساری کتھا سننے کے بعد وہ ایک تلخ مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"میں اب اس دلدل میں بہت آگے تک جا چکی ہوں۔ ویسے میں نے ملازمت کرنے کی کوشش کی تھی مگر وہ نہ مل سکی جہاں ملی بھی تو وہاں بھی درون خانہ یہی دھندہ ہو رہا تھا پھر میں نے چھوڑ دی۔" میں چند ثانیے کچھ سوچتا رہا اس کے بعد بولا۔

"تم میرا ایک کام کرو گی؟"

"ہاں بولو۔"

"تمہیں ایک شخص کے ساتھ کچھ تصویریں اتارنا ہوں گی...... بالکل نیوڈ۔"

"کیا مطلب؟" وہ نہ سمجھ میں آنے والے انداز میں بولی۔

وہ شاید نیوڈ کا مطلب نہیں سمجھی تھی۔ میں نے اسے آسان لفظوں میں سمجھایا تو حسب توقع اس کے چہرے پر معنی خیز مسکراہٹ ابھری اور وہ فوراً ہی پیشہ وارانہ داؤ پیچ میں اتر آئی لہذا بولی۔

"مجھے اس کام میں کوئی اعتراض نہیں لیکن چوں کہ یہ ایک طرح کی بلیک میلنگ والا کام ہے اور خود میری بھی اس میں عریاں تصاویر ہوں گی اس لیے اس کام کی مناسبت سے پیسے بھی اتنے ہی ہونے چاہییں؟" میں اس کی بات کا مطلب سمجھ کر بولا۔

"ٹھیک ہے...... کیا لوگی؟"

"تیس ہزار۔" اس نے اپنا معاوضہ بتایا۔

"میں تمہیں چالیس ہزار دوں گا۔"

"چالیس ہزار؟" اس کی آنکھیں یک دم چمکنے لگیں۔

"ہاں، مگر یہ کام بہت محتاط ہو کر کرنا پڑے گا تمہیں۔"

"تم میرے ساتھ تو ہوگے ناں؟"

"ہاں۔ ظاہر ہے تصویریں پھر کون بنائے گا؟" میں نے کہا۔

"لیکن اس کام کو کر چکنے کے بعد تمہیں یہ شہر ہمیشہ کے لیے چھوڑنا ہوگا۔" میں نے آخر میں اسے شرط بیان کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ مجھے منظور ہے۔ میں ویسے بھی لاہور جانا چاہتی ہوں۔ یہاں میرا دھندہ کچھ خاص نہیں ہے، پھر وہاں میری سہیلیاں بھی ہیں۔" اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"تمہارے ہاں رابطے کے لیے کوئی نمبر وغیرہ؟"

"ہاں۔" وہ بولی پھر اس نے اپنا موبائل نمبر مجھے دے دیا۔ میں نے وہ نمبر اپنے موبائل کی ٹیلی فون ڈائری میں نوٹ کیا پھر اسے ایک بڑا نیلا نوٹ تھمایا تو اچانک میرے موبائل کی رنگ گنگنائی۔ میں نے اپنے

موبائل کی اسکرین پر نمبر دیکھا۔ جمعہ خان مجھ سے بات کرنا چاہتا تھا۔

"ہیلو۔ جمعہ خان! تم مجھے دس منٹ بعد فون کرنا۔" یہ کہہ کر میں نے موبائل آف کردیا۔ اس کے بعد میں نے شاہدہ سے مزید چند منٹ باتیں کیں اور پھر اس کے فلیٹ سے نکل آیا۔ کار میں بیٹھا اسے اسٹارٹ کیا پھر آگے بڑھا دی۔ میں آہستہ روی کے ساتھ چلا جا رہا تھا۔ مقصد جمعہ خان کی کال کا انتظار کرنا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس کی کال آگئی۔

"ہاں۔ ہیلو! اب بتاؤ کیا خبریں ہیں؟" میں نے موبائل آن کر کے کان سے لگاتے ہی پوچھا۔

"سائیں مٹھا! کام بڑے زبردست طریقے سے پورا کیا ہے۔ تفصیل بتاؤں؟" دوسری طرف سے اس کی جوش میں ڈوبی ہوئی آواز ابھری۔

"نہیں تم گھر پہنچو، وہیں تفصیل سے بات کرنا۔" میں نے یہ کہہ کر موبائل آف کردیا۔ کار سست رفتاری سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ ہاتھ میرے اسٹیئرنگ پر جمے ہوئے تھے۔ میں نے رسٹ واچ میں وقت دیکھا۔ دوپہر کے دو بجنے والے تھے۔ بالآخر میں نے کار یونی ورسٹی روڈ کی طرف موڑ کر اس کی رفتار بڑھا دی۔

☆

اگلے ایک گھنٹے میں گھر پہنچا تو روزی ڈیوٹی سے گھر آ چکی تھی۔ میرا آج کام نہیں تھا جو تھوڑا بہت تھا وہ میں نے روزی سے کرنے کا کہہ دیا تھا۔

"کن مصروفیات میں رہے آج آپ؟" روزی نے پوچھا۔

"کچھ خاص نہیں۔ بس سڑک گردی کرتا رہا۔" میں نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔

"خیر ایسی بات بھی نہیں تم بلاوجہ سڑک گردی نہیں کرتے۔ بائی دے وے اپنے یار غار جمعہ خان کو کہاں چھوڑ آئے؟" اس نے آخر میں مسکرا کر پوچھا۔

"آ رہا ہے۔ اسے میں نے ضروری کام سے بھیجا ہے۔ کھانا لگا دو، مجھے بھوک لگ رہی ہے۔"

وہ اٹھ کر کچن کی طرف بڑھ گئی۔ تھوری دیر بعد اس نے کھانا لگا دیا۔ ہم دونوں نے مل کر کھانا کھایا۔ اس کے بعد ہم ذرا قیلولہ کرنے کے لیے لیٹ گئے۔ روزی کا موڈ اٹھکیلیاں کرنے کا ہو رہا تھا۔ میں جان بوجھ کر سوتا بن گیا۔ وہ بھی سو گئی۔ میں اسے سوتا چھوڑ کر ڈرائنگ روم میں آ کر بیٹھ گیا۔ میں نے موبائل نکال کر جمعہ خان کے موبائل کا نمبر پنچ کیا۔ اس نے بتایا وہ آ رہا تھا۔ ایک گھنٹے بعد اس کی واپسی ہوئی۔ وہ چہرے سے ہی خاصا پرجوش نظر آ رہا تھا۔

"پہلے کھانا کھالو۔"

"نہیں سائیں! میں نے فاسٹ فوڈ کھالیا تھا۔"

"ارے تو یہاں آ کر ماڈرن ہوگیا ہے؟"

"ہاؤ سائیں مٹھا! یہ شہر ہی ایسا زبروست ہے۔"

"شہر زبروست ہے یا شہر والیاں؟"

"دونوں۔"

"چل فالتو باتیں نہ کر۔ کام کی باتیں بتا۔ کیا ہوا آج کی مہم کا؟"

"سائیں مٹھا! پورے سوفی صد مہم کامیاب رہی۔"

"گڈ!...... چل اب آگے بڑھ۔"

"میں نے سب سے پہلے آپ کی دی ہوئی بوتل سے اس کی کولڈ ڈرنک میں دوائی انڈیل دی۔" وہ بتانے لگا۔ "وہ سالا میاں صاحب الٹیاں کر کے بے حال ہوگیا۔ طبیعت ذرا سنبھلی تو میں نے آپ کی ہدایات کے مطابق ایک پبلک کال آفس سے اس کے موبائل کا نمبر کھڑکا کر اسے بتایا کہ زہر کی یہ تھوڑی سی مقدار کیسی لگی؟ وہ تو ایک لمحے کو سن ہو کر رہ گیا۔ میں نے فون بند کردیا۔"

"ابے وہ پی سی او والا تیری باتیں تو نہیں سن رہا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں سائیں! میں نے آپ والا خفیہ پولیس کا حربہ استعمال کیا تھا۔ اس نے الگ انتظام کردیا تھا۔"

"ٹھیک ہے۔ آگے بتاؤ۔ دوسرے ٹرپ کا کیا ہوا؟"

"دوسرے چکر میں جب وہ اپنی چھول داری میں بند ڈبے والی خوراک نکالے چرنے بیٹھا تو میں نے ایک پیش گار چھوکرے کے بہروپ میں اس کی چھولداری پہنچ کر اس کے منرل واٹر کی بوتل میں دوبارہ آپ کی دی ہوئی بوتل سے تھوڑی دوائی انڈیل دی اور باہر نکل آیا۔ پھر ذرا دور جا کر تماشا دیکھنے کھڑا ہوگیا۔ ایک بار پھر ادھم مچ گئی۔ اس پر دوبارہ الٹیوں کا دورہ پڑا۔ میں نے دوبارہ اس کا موبائل کھڑکا دیا۔"

"ایک منٹ۔" میں نے قطع کلامی کی۔ "تم نے پھر اس پی سی او سے فون کیا تھا میاں صاحب کو؟"

"نہیں سائیں! دوسرے پی سی او سے فون کیا تھا اور اسے یہی بتایا تھا کہ میں اپنی محبوبہ سے ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے بات کرنے کے لیے مجھے مستورات والے کمرے میں بھیج دیا مگر مجھے شک تھا کہ کہیں وہ دوسرے سیٹ سے میری باتیں نہ سن لے۔ اس لیے میں نے اسے اجرت خاص دے کر ذرا دیر کو باہر ہی کھڑا کردیا۔ اس بار جب میں نے میاں صاحب کو دوسری کال کر کے دھمکی دی تو اس کی بولتی بند ہوگئی۔ وہ پھر گھر کی طرف بھاگا مگر میں اس سے پہلے ہی اس کے گھر جا پہنچا۔ وہاں میں ٹوہ لینے کے لیے کھڑا ہوگیا پھر تھوڑی سی ہوشیاری کے ساتھ میں اس کے بنگلے میں کود گیا۔ اس کی بیوی اپنے دو بچوں اور ایک ملازمہ کے ساتھ موجود تھی۔ وہیں اس کی بیوی نے اپنے شوہر میاں صاحب کا فون ریسیو کیا۔ اس نے شاید اپنی بیوی کو اس کے گھر پہنچنے سے پہلے ہی کھانا لگا دینے کا کہا تھا کیوں کہ الٹیاں کر کر کے اس موٹے میاں صاحب کا معدہ خالی ہو چکا تھا مگر اس نے اپنی طبیعت کے بارے میں اسے کچھ نہیں بتایا تھا کہ کہیں وہ پریشان نہ ہو جائے۔ بہرطور یہ میرے لیے بہت اچھا موقع تھا۔ میں اب موقعے کی تاک میں تھا۔ بیوی اور ملازمہ کی باتوں سے میں نے فوراً اندازہ لگا لیا تھا کہ صاحب کی پسندیدہ ڈش کون سی تھی؟ پھر میں نے موقع تاک کر بڑی ہی ہوشیاری کے ساتھ صاحب کی پسندیدہ ڈش میں دوائی کی تھوڑی مقدار ڈال دی۔ تھوڑی دیر بعد میاں صاحب اندر داخل ہوئے۔ اس کا رنگ پیلا پڑا ہوا تھا۔ بیگم نے پریشان ہوکر وجہ پوچھی تو اس نے کام کی زیادتی کا بہانہ بنا دیا۔ تھوڑی دیر بعد یہ سب لوگ کھانے میں مصروف ہوگئے اور میں نے پردے کے عقب سے میاں صاحب کے چہرے پر ایکا ایکی زلزلے کے آثار نمودار ہوتے دیکھے تو میں سمجھ گیا دوائی نے اپنا کام دکھانا شروع کردیا۔ وہ پیٹ پکڑے دورے میں مبتلا ہوگیا۔ جیسے ہی بھگدڑ مچی میں وہاں سے نظریں بچا کر نکل آیا۔"

جمعہ خان نے اپنی آج کی کارگزاری کی رپورٹ دی جو بھرپور طور پر کامیاب ثابت ہوئی۔ میں نے فرط جوش سے اٹھ کر اسے گلے لگا لیا۔ میری شاباشی پر اس کا سینہ فخر سے پھول جایا کرتا تھا۔ میں نے واپس اپنی جگہ بیٹھ کر اس سے کہا۔

"ابھی میاں صاحب کے لیے اتنی ڈوز کافی ہے۔ اب ذرا الف خان کے ساتھ بھی تمہیں ہی ٹوپی ڈراما کرنا ہوگا۔ ٹھیک۔"

"حاضر سائیں! آپ بےفکر رہو۔" وہ سعادت مند مستعدی سے بولا۔

☆

اگلے روز میں نے یونی ورسٹی اٹینڈ کرنے کے بعد اپنی رہائش گاہ پر آیا۔ سب سے پہلے اپنا اڑتالیس بور والا ریوالور اٹھایا پھر ایک زوم لینس والا کیمرا اٹھا کر کار میں بیٹھا اور سیدھا شاہدہ کے فلیٹ کی طرف روانہ ہوگیا۔ جمعہ خان صبح ہی الف خان کے پیچھے ہاتھ دھو کر

پڑنے کے لیے نکل چکا تھا۔

میں نے دورانِ ڈرائیونگ شاہدہ سے موبائل پر بات کی۔ وہ اپنے فلیٹ پر ہی موجود تھی۔ میں نے اسے آج سارا دن اور رات تک الرٹ رہنے کو کہا۔ اس کے بعد موبائل آف کردیا اور کار خیابانِ سوسائٹی کی طرف موڑ دی۔ میں نے رسٹ واچ میں وقت دیکھا۔ سہ پہر کے تین بج رہے تھے۔ خیابان کے قریب پہنچ کر میں نے سب سے پہلے اریب قریب کا ایک معروف اور نسبتاً اچھا ریسٹورنٹ تلاش کیا۔ اس کے بعد اس کے پارکنگ شیڈ میں کار کھڑی کر کے نیچے اتر آیا۔

ویٹر کو میں نے کولڈ ڈرنک اور سینڈوچ لانے کو کہا۔ تھوڑی دیر بعد وہ یہ دونوں اشیائے خورونوش میری میز پر سرو کرنے کے بعد چلا گیا۔ میں کھانے میں مشغول ہوگیا۔ اس کے بعد میں نے موبائل پر جمعہ خان سے رابطہ کرنے کا ارادہ کیا مگر پھر یہ سوچ کر ارادہ ملتوی کردیا کہ جانے وہ کسی جگہ اور کسی موقع پر الف خان کی گھات لگائے بیٹھا ہو؟ موبائل کی رنگ ٹون معاملہ ہی نہ خراب کردے۔ یوں تو میں نے اسے ہدایت کر رکھی تھی کہ ایسے کسی حساس موقع پر اپنا موبائل آف ہی رکھے اور بعد میں خود ہی مجھ سے رابطہ کر کے صورت حال سے آگاہ کرتا رہے۔

اتنے میں ویٹر آیا تو میں نے اسے بل کے ساتھ بھاری ٹپ سے نوازا تو وہ چاروں شانے چت ہوگیا۔ میں نے اس سے کہا۔

"اگر میں چند گھنٹوں کے لیے اپنی کار ادھر ہی چھوڑ جاؤں تو......" میری بات پر ویٹر ذرا دیر کو کچھ سوچتا بن کر بولا۔

"کون سی کار ہے آپ کی؟"

میں نے کھڑکی کے شیشے سے پار اپنی نیلے رنگ کی کرولا کی طرف اشارہ کیا اور اسے کار کا نمبر بھی بتا دیا۔ تب وہ سر ہلا کر مودبانہ انداز میں بولا۔

"ٹھیک ہے جناب! آپ جائیں، ویسے کار نہ لے جانے کی کوئی خاص وجہ؟" اس نے اچانک آخر میں پوچھا تو میں کھسیانی سی مسکراہٹ سے بولا۔

"میں اپنے جس دوست سے ملنے جا رہا ہوں وہ ذرا لیچڑ قسم کا ہے۔ میری کار دیکھ کر سیر سپاٹے کی خواہش کا اظہار کر ڈالے گا۔"

"اچھا اچھا۔ سمجھ گیا جی۔ آپ بےفکر ہوکر جائیں۔ میں خیال رکھوں گا۔" ویٹر نے مودبانہ لہجے میں کہا اور میں مسکرا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے بعد پیدل ہی سعید رضا احتشام کی کوٹھی تک چل پڑا۔ میں نے نقلی داڑھی مونچھیں لگا کر کسی حد تک اپنا چہرہ بدل لیا تھا۔

مجھے رضا احتشام کے خلاف جو چال چلنا تھی اسے میں الیکشن سے پہلے پہلے انجام تک پہنچانے کا مصمم ارادہ کر رکھا تھا۔ یہ بہت ضروری تھا۔ میں اسے جسمانی موت سے پہلے سیاسی موت مارنا چاہتا تھا۔ میرے مرحوم بابا جانی کے ساتھ بھی اس خبیث نے ایسا ہی کیا تھا۔ میں جانتا تھا کہ رضا احتشام جیسے بےضمیر انسانوں کے لیے سیاسی موت کس قدر گھناؤنی ہوتی ہے، چنانچہ مجھے آج اپنے مشن کو ہر حال میں پایۂ تکمیل تک پہنچانا تھا۔

دشمنوں کے معاملے میں انہیں زیادہ ڈھیل دینے کا قائل نہ تھا، اس لیے میں نے بہ یک وقت ان کے خلاف خفیہ محاذ شروع کر رکھا تھا۔ ایک طرف میں رضا احتشام کی بیخ کنی کے لیے جتا ہوا تھا تو دوسری طرف جمعہ خان اس خبیث پروڈیوسر میاں صاحب اور الف خان کے خلاف معروف کار تھا۔ میرا ارادہ ان دونوں کو جہنم واصل کرنے کے بعد ستارہ اور تارا بیگم سے بھی نمٹنے کا تھا مگر میں سب سے پہلے اس ناگن کے ان دونوں مذکورہ زہر مہروں کو نابود کرنا چاہتا تھا۔

بہرطور میں بہ ظاہر سرگشت کے انداز میں ٹہلتا ہوا رضا احتشام کی عالی شان کوٹھی کے قریب سے گزرنے لگا۔

اپنے خاندان کے قاتل اور ازلی دشمن کی کمین گاہ کے قریب سے گزرتے ہوئے اچانک میری رگوں میں دوڑتا ہوا لہو مشل لاوے کی طرح اچھالیں مارنے لگا۔ میں نے اپنی ابلتی کھولتی کیفیات آتش فشانی پر بہ مشکل قابو پایا اور کوٹھی کے گردو پیش کا کن انکھیوں سے جائزہ لیتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔

کوٹھی کے آس پاس ویرانی کا راج تھا۔ مجھے مایوسی ہونے لگی۔ میں سوچنے لگا کہیں یہ مردود رضا احتشام گوشہ تو نہیں چلا گیا، مگر پھر دوسرے ہی لمحے میں نے اپنے اس خیال کو رد کردیا۔ وہ بہ یک وقت کئی حلقوں سے پارٹی کے لیے الیکشن لڑ رہا تھا۔ اخبارات اور دیگر تجزیہ نگاروں کی تازہ ترین رپورٹس کے مطابق رضا احتشام نے اپنے خاص الخاص آدمیوں کو پارٹی ٹکٹ دلوا کر اپنے چند مخصوص حلقوں پر کھڑا کردیا تھا۔ انتخابی مہم کے دوران وہ ان حلقوں میں جا کر جلسے جلوس منعقد کرتا رہتا تھا، مگر اس بار وہ خود کراچی ہی کے ایک بڑے حلقے سے کھڑا ہوا تھا۔ یہاں اس کی کامیابی یقینی تھی بلکہ اس کی کیا اس کی پارٹی کی کامیابی بھی سو فی صد تھی۔ رضا احتشام تو ابھی سے ہی خود کو مسندِ اقتدار دیکھنے لگا تھا۔ اس بار وہ سی ایم بننے کا خواب دیکھ رہا تھا جس کا اسے پورا یقین بھی تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اب مستقل طور پر کراچی میں ہی رہنے لگا تھا، لیکن اس وقت میں نے اس کی کوٹھی پر ویرانی کا راج دیکھا تو یہی سمجھا کہ ہوسکتا ہے وہ کہیں باہر اپنی سیاسی مہم پر نکلا ہو۔ میں وہیں سے پلٹنے کی بجائے ایک طویل چکر کاٹ کر دوبارہ اسی ریسٹورنٹ کے قریب آ گیا جدھر میری کار کھڑی تھی۔ میں اپنی کار میں بیٹھا اسے اسٹارٹ کیا اور باہر سڑک پر آ گیا۔ اسی اثنا میں جمعہ خان کا فون آ گیا۔

"ہاں، کہو کیا رپورٹ ہے؟" میں نے کار کی رفتار ہلکی کرتے ہی پوچھا۔

"سائیں مٹھا! میں تھانے میں ہوں۔" دوسری طرف سے جمعہ خان کی منمناتی ہوئی آواز ابھری۔

"وحت تیرے کی۔" میرے منہ سے جھنجلاہٹ آمیز انداز میں نکلا تھا۔

"کس تھانے میں ہو؟" میں نے پوچھا۔ اس نے مجھے تھانے کا پتا بتایا۔

"نوعیت کیا ہے؟ کیوں گرفتار کیا؟"

"سائیں مٹھا! بس ایک پولیس والے سے منہ ماری ہوگئی تھی۔" اس نے بتایا۔

"الف خان والا معاملہ تو نہیں؟"

"نہیں سائیں!" دوسرا معاملہ تھا۔ اس نے بتایا اور بے اختیار میں نے اطمینان کی سانس لی۔

"اچھا میں پہنچ رہا ہوں۔" یہ کہہ کر میں نے کار آگے بڑھا دی۔ متعلقہ تھانے پہنچا تو جمعہ خان کو تھانہ انچارج نے مرغا بنا رکھا تھا۔ جمعہ خان کی یہ مضحکہ خیز حالت دیکھ کر میں نے بڑی مشکلوں سے اپنی ہنسی ضبط کی تھی۔ تھانے دار بڑی بڑی مونچھوں والا بڑا خرانٹ آدمی نظر آ رہا تھا۔ میں نے اپنے چہرے پر سنجیدگی امنڈاتے ہوئے سب سے پہلے جمعہ خان کو سیدھے کھڑے ہونے کا کہا۔ وہاں دو سپاہی بھی الرٹ پوزیشن میں موجود تھے۔

"تم کون ہوتے ہو یہاں حکم دینے والے؟" تھانے دار نے میری وضع قطع سے مرعوب ہوئے بغیر غصیلے لہجے میں مجھ سے کہا۔

میں نے اپنا سروس کارڈ نکال کر اسے دکھایا اور اپنا تعارف بھی کروا دیا، تب کہیں جا کر اس کے کرخت چہرے کے تاثرات ذرا ماند پڑے تو اس نے مجھے کرسی پر بیٹھنے کا کہا۔

"کیا قصور کیا ہے اس نے؟" میں نے تھانے دار کے چہرے پر اپنی نظریں مرکوز کرتے ہوئے پرمتانت لہجے میں پوچھا۔

"اس نے ایک راہ چلتی عورت کو چھیڑنے کی کوشش

"الف خان مردود نے ستارہ سے تعلقات بنا رکھے ہیں۔ وہ اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔"

"تو نے اتنے کم وقت میں کیسے یہ اندازہ لگا لیا؟"

وہ اتراتے ہوئے فلسفیانہ لہجے میں بولا۔

"سائیں مٹھا! جس طرح ایک چاول سے پوری دیگ کا پتا چل جاتا ہے بالکل اسی طرح۔"

"ابے فلسفہ چھوڑ کام کی بات کر۔"

"جی، جی...... سائیں مٹھا! وہ دراصل میں جب الف خان کی سوہ لینے اس کی رہائش گاہ پہنچا تو میں نے دونوں کو سنگل ڈور جیپ سے اترتے دیکھا تھا پھر وہ اندر چلے گئے۔ الف خان دولت مند ضرور ہے مگر حیرت کی بات ہے اس نے صرف ایک پٹھان چوکیدار رکھا ہے جو بہ یک وقت گن مین بھی ہے۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آیا اور میں نے سوچا کہ پہلے آپ کو یہ تازہ صورت حال سے آگاہ کردوں۔ ابھی میں ذرا پرے کھڑا اس شش و پنج میں مبتلا تھا کہ اچانک ان دونوں کے بنگلے میں جاتے ہی ذرا ہی دیر بعد ایک فیشن ایبل مگر موٹی تازی عورت کو لیے مٹکاتی ہوئی باہر نکلی۔"

"اور تو اس کے تھل تھل کرتے کولہوں کو تاڑنے اس کے پیچھے ہو لیا اور تجھے پولیس نے گردن سے پکڑ لیا۔ ہیں ناں؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر طنزیہ لہجے میں کہا تو وہ کھسیانی ہنسی کے ساتھ بولا۔

"نہیں سائیں مٹھا! اب آپ مجھے کیا ایسا سمجھتے ہو۔ خیر میرا مقصد اس کی ٹوہ لینا تھا جو ظاہر ہے اس سے ملے بغیر ممکن نہ تھی چنانچہ جب میں نے اس سے ہم کلام ہونے کی کوشش کی تو قریب سے گزرتے ہوئے دو گشتی پولیس والوں کو اس حرام زادی نے مدد کے لیے بلا لیا۔" جمعہ خان نے آخر میں بڑبڑاتے ہوئے اسے دانت پیس کر کوسا۔

وہ اپنی بات مکمل کرکے خاموش ہوا تو میں کسی گہری سوچ میں مستغرق ہوگیا۔ تب پھر اچانک ایک سنسناتا ہوا خیال بجلی کی سی تیزی کے ساتھ میرے دماغ میں آن وارد ہوا اور میں نے اس سے پوچھا۔

"جمعہ خان! تیرے پاس میری دی ہوئی بوتل ہے؟"

"ہاں سائیں!" اس نے فوراً Emetics کے محلول والی بوتل اپنی جیب سے نکال کر مجھے دکھائی۔

"میں اس کی بات نہیں کر رہا...... وہ سائنائیڈ والی؟"

"ہاں سائیں! وہ تو میرے پاس موجود ہے، مگر وہ تو ویسے ہی سیل پیک ہے اس کی ابھی ضرورت ہی نہیں پڑی۔"

"اب اس کی ضرورت پڑے گی ہمیں۔" میں اسٹیئرنگ پر ہاتھ جماتے ہوئے اسرار بھرے لہجے میں بولا اور جمعہ خان ہونقوں کی طرح میرا چہرہ تکنے لگا۔ میں نے کار کی رفتار یک دم بڑھا دی۔

ٹھیک گھنٹے بھر بعد ہم الف خان کے بنگلے والے علاقے میں پہنچ گئے۔ یہ ایک پوش علاقہ تھا۔ جدھر زیادہ تر متمول لوگ رہائش پذیر تھے۔ میں نے جمعہ خان سے الف خان کے بنگلے کا محل وقوع پوچھا اور پھر کار اس کے بنگلے کے عقبی گوشے میں کھڑی کرکے نیچے اتر آیا۔ جمعہ خان نے بھی فوراً میری تقلید کی تھی۔ میں نے کار کو لاک کیا اور پھر جمعہ خان کو مختصراً اپنے لائحہ عمل کے بارے میں آگاہ کرتے ہوئے بتایا کہ میں اب کیا کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

بہر طور ہم دونوں چلتے ہوئے بالآخر الف خان کے بنگلے کے سامنے والے حصے کی طرف آ گئے۔ وہ بنگلہ خاصے وسیع قطعۂ اراضی پر محیط تھا اور مجھے حیرت تھی کہ اتنے وسیع و عریض بنگلے میں الف خان یوں تنہا کس طرح اپنی لعنتی زندگی بسر کیے ہوئے تھا؟ بنگلے کے گیٹ کے قریب سے گزرتے ہوئے میں نے کن انکھیوں سے گیٹ کی طرف دیکھا۔ خان ٹائپ کا چوکیدار ڈبل بیرل بندوق سنبھالے کھدر کے ملائیشیا کی شلوار قمیص

کی تھی۔'' تھانے دار نے بھیگی بلی بنے کھڑے جمعہ خان پر ایک غصیلی نگاہ ڈال کر مجھ سے کہا۔

''یہ ایسا ہے تو نہیں لیکن آپ کہہ رہے ہیں تو سچ ہی ہوگا۔'' میں نے گوں مگو سے لہجے میں اس سے کہا۔

''بہر حال میں اس کی طرف سے معافی چاہتا ہوں۔ آپ اسے چھوڑ دیں۔''

''او جی آپ کون ہوتے ہیں ہمیں حکم دینے والے؟'' میری بات پر موٹے تھانے دار کی خرانٹ مزاجی دوبارہ ناک کی پھنک پر آ دھری۔

''آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔'' میں نے ہولے سے کھنکھار کر کہا۔ ''میں تو آپ سے درخواست کر رہا تھا۔'' یہ کہہ کر میں نے اپنی جیب سے والٹ نکالا اور اندر موجود بڑے نیلے نوٹ گننے لگا پھر دزدیدہ نظروں سے تھانے دار کی طرف دیکھا۔ اس کی حریصانہ نظریں میرے والٹ پر جم سی گئی تھیں۔

''آپ اتنے مہربان ہیں تھانے دار صاحب کہ جی چاہتا ہے آپ کے ساتھ بھرپور لنچ کیا جائے۔ ویسے بھی یہ کھانے کا وقت ہے۔ ذرا اچھی سی مرغ بریانی، تکہ اور کولڈ ڈرنک منگوا لیجیے۔'' یہ کہتے ہوئے میں نے ایک ہزار کا نوٹ اس کی طرف بڑھایا۔ وہ نوٹ جھپٹتے ہوئے ندیدے پن سے کھیسیں نکالتے ہوئے بولا۔

''اجی اس کی کیا ضرورت ہے، آپ اپنا بندہ لے جائیں۔''

پھر وہ اپنی موٹی توند پر ہاتھ پھیرتے ہوئے میرے والٹ کو گھور کر بولا۔

''ویسے یہ ہزار کا نوٹ تو مجھے ہی کافی ہو جائے گا میرے ساتھ دو سپاہی بھی ہیں۔''

میں نے دانستہ شروع میں ہی ہاتھ ہلکا رکھا تھا کیوں کہ میں جانتا تھا کہ یہ اور کا بھی تقاضا کرے گا لہٰذا میں نے ایک دوسرا بڑا نیلا نوٹ بھی نکال کر اسے تھما دیا اور جمعہ خان کو لیے باہر آ گیا۔

''ابے تو یہاں آ کر لچر کب سے بن گیا ہے۔ بول!''

میں نے تھانے کے احاطے میں کھڑی اپنی کار کے قریب آ کر جمعہ خان کو دانت پیستے ہوئے گھرکا۔ وہ سخت شرمندہ نظر آ رہا تھا تاہم پھنسی پھنسی آواز میں بولا۔

''سس...... سائیں مٹھا! میں ایسا ہرگز نہیں ہوں۔ وہ تو...... وہ عورت ہی حرافہ تھی۔''

''وہ حرافہ تھی تو تو کیوں اس کے ساتھ زرافہ بن کر اپنی لمبی گردن کے ساتھ گلے کو آ گیا۔'' میں نے دانت بھینچ کر کہا۔ وہ سخت خفت محسوس کر رہا تھا۔

''بس سائیں! غلطی ہو گئی۔'' وہ کانوں کو ہاتھ لگا کر بولا۔ پھر ہم دونوں کار میں بیٹھ گئے۔

''جمعہ خان! اب کام کی بات کر...... کیا ہوا...... الف خان کا؟''

''سائیں مٹھا! الف خان تو رنڈوا ہے، اس کی کوئی اولاد بھی نہیں۔ وہ اپنے بنگلے میں تنہا رہتا ہے۔ بہت عیاش فطرت انسان ہے۔ فلم کے لیے سرمایہ دیتا ہے اور...... اور......'' وہ کچھ کہتے کہتے اچانک رک گیا۔ اس کی پھرکی کی طرح چلتی ہوئی زبان کو اچانک بریک لگ گئے تو میں نے اس سے کہا۔

''آگے بکو، رک کیوں گئے؟'' میں نے اسے گھرکا۔ میں کار تھانے کے احاطے سے باہر لے آیا تھا۔

''سائیں مٹھا!...... آگے بتانے کی ہمت نہیں ہو رہی۔'' میں اس کی بات کا مطلب سمجھ گیا اور زہریلے لہجے میں بولا۔

''دیکھو جمعہ خان! ستارہ جیسی ناگن سے نہ ہمارا پہلے کوئی تعلق تھا نہ اب ہے، پھر وہ اب ہماری دشمن ہے۔ بتاؤ کیا اس کے الف خان کے تعلقات......''

''جی سائیں! یہی بات ہے۔'' اس کی جیسے میں نے مشکل آسان کر دی۔

''تفصیل بتاؤ۔''

میں ملفوف بیٹھا اونگھ رہا تھا۔

''سائیں مٹھا! لگتا ہے اس پٹھان بھائی نے زیادہ ہی نسوار کی چٹکی بھر لی ہے۔''

جمعہ خان نے ہولے سے میرے کان میں سرگوشی کی۔ میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر اپنے چلنے کی رفتار دھیمی کرتے ہوئے گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ آس پاس کسی ذی نفس کو موجود نہ پا کر میں نے جمعہ خان سے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔

''جمعہ خان! تمہیں پورا یقین ہے ناں کہ اندر الف خان اور ستارہ ہی ہیں؟''

''ہاؤ سائیں! تھوڑی دیر پہلے کی یہ بات ہے۔ اب کا میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' وہ جواباً بولا۔

''اچھا ٹھیک ہے۔ اب ذرا احتیاط رہنا۔ ہم نے بنگلے کے اندر داخل ہونا ہے۔''

''برابر سائیں! میں تیار ہوں۔'' وہ مستعدی سے بولا۔

اس کے بعد ہم دونوں نے مطلوبہ گیٹ کے بنگلے کی طرف قدم بڑھا دیے۔ خان چوکیدار شاید کھلے کی نیند سویا تھا۔ آہٹ پاتے ہی اس نے فوراً ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔

''اوئے خوچہ کس سے ملنا ہے تم لوگوں کا؟''

''خان چاچا! تمہارے ہی خان صاحب (الف خان) سے ملنا ہے۔ کیا وہ اندر موجود ہیں۔'' میں نے کہا۔ وہ بڑی خرانٹ نظروں سے ہم دونوں کا سرتاپا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔

''تم کو صیب سے کس سلسلے میں ملنا ہے؟''

''ہم فلم بنانے والے ہیں خان صاحب اور ستارہ بی بی نے ہمیں مشترکہ طور پر اس بنگلے میں ملاقات کا وقت دے رکھا تھا۔ اگر وہ دونوں اندر دوسرے لوگوں کے ساتھ مصروف ہیں تو پھر ہم کسی اور وقت آ جائیں گے؟'' میں نے اندھیرے میں تیر چھوڑتے ہوئے کہا اور واپسی کے لیے پلٹنے لگا تو یک دم بولا۔

''خوچہ! ٹیرو ذرا...... اندر ویسے تو ستارہ بی بی اور خان صیب کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔ میں ابھی اندر بتا کر آتا ہوں۔ تم ادھر ہی......''

میں جو جاننا چاہتا تھا وہ جان چکا تھا اس لیے میں نے اس کا جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی اس کی رگ حساس مسل ڈالی۔ اسے ایک کونے کی گھنی جھاڑی میں لمبا ڈال کر ہم دونوں اندر داخل ہوئے۔

سامنے مرکزی دروازہ تھا جو حسب توقع اندر سے کھلا ہوا تھا۔ ہم دونوں آہستہ آہستگی سے کھول کر اندر داخل ہو گئے۔ سامنے ہی ایک ڈرائنگ روم کے طرز کا سجا سجایا کمرا تھا۔ میں نے اور جمعہ خان نے اپنی اپنی پستولیں نکال لی تھیں۔

دوسرے کمرے سے کھنکھناتی ہنسی کی آوازیں اور نیم غنودہ باتیں ابھر رہی تھیں۔ ان شناسا آوازوں پر میرا خون کھول اٹھا تھا۔ دونوں لعین و ملعون الف خان اور ستارہ اندر رنگ رلیوں میں مشغول تھے۔ میں اور جمعہ خان مذکورہ کمرے کے دروازے کی طرف بڑھے۔ میں نے بہ آہستگی دروازے کو اندر کی طرف دھکیلنا چاہا مگر وہ اندر سے بند تھا۔ میں نے جمعہ خان کو اپنی آنکھیں اچکا کر مخصوص اشارہ کیا اور پھر دروازے پر ہلکی سی دستک دے ڈالی۔

''کون ہے؟'' اندر سے نیم غنودہ سی آواز ابھری تھی۔

''صیب جی! میں ہوں...... باہر کوئی خاتون آپ سے ملنے آئی ہیں۔''

میں نے حتی المقدور خان چوکیدار کے لہجے جیسی آواز میں کہا اور الف خان جیسے عیاش طبع شخص کے لیے دانستہ خاتون کا لفظ استعمال کیا تھا۔

''کون ہے وہ عورت!''

''صیب جی! اگر آپ حکم کریں تو اسے اندر ہی بھیج دوں؟''

''بھیج دو۔'' میری آنکھیں چمک اٹھیں پھر لمحہ بیتنے لگا۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ اندر سے دروازے کی

چٹخنی کھلنے کی آواز ابھری۔ دروازہ ذرا ہی کھلا تھا کہ میں نے اسے زور سے دھکا دیا اور اندر داخل ہو گیا۔ سامنے الف خان ہی تھا جسے میں نے گردن سے دبوچ لیا۔ اس نے شراب پی رکھی تھی۔ وہ کچھ نہیں سمجھ پایا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا؟ حتیٰ کہ وہ مجھے پہچان بھی نہ پایا تھا، البتہ سامنے فیملی صوفے پر براجمان ستارہ کے حلق سے ضرور ایک تیز سی اضطراری چیخ خارج ہوئی تھی۔ وہ دہشت زدہ ہو کر اٹھی تو میں نے چلا کر جمعہ خان سے اسے دبوچنے کو کہا۔ جمعہ خان تو جیسے حکم کا منتظر تھا۔ اس نے کسی شکاری باز کی طرح ستارہ کو دبوچ لیا۔ الف خان بالکل ہی نشے میں ٹن ہو رہا تھا۔ اس کا نشہ اس وقت ہرن ہوا تھا جب میں نے اس کی کنپٹی پر گھونسا رسید کیا تھا۔ وہ بھینس کی طرح ڈکراتا ہوا صوفے پر جا گرا تھا۔ ستارہ کو جمعہ خان چھوڑ چکا تھا کیوں کہ وہ بے ہوش ہو چکی تھی

الف خان اب صوفے پر پڑا ہانپ رہا تھا اور وہ اب مجھے پہچاننے کے بعد خاصا خوف زدہ بھی نظر آ رہا تھا۔ رہی سہی کسر میرے اور جمعہ خان کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے خوف ناک پستولوں نے پوری کر دی تھی۔ میں نے اس کی پیشانی پر اپنے پستول کی سرد نال رکھ دی اور غیظ جنوں والے لہجے میں غرا کر بولا۔

”کتے! مجھے پہچان لے اچھی طرح میں اس بدنصیب باپ کا بیٹا ہوں جسے تو نے ستارہ کے ذریعے زہر دلوا کر مار ڈالا۔ اب دیکھ میں تجھ سے کیسا انوکھا انتقام لیتا ہوں۔“

اس اثنا میں ستارہ کو ہوش آ چکا تھا کیوں کہ وہ مکمل طور پر بے ہوش نہیں ہوئی تھی۔ وہ صرف نیم بے ہوشی کی حالت میں تھی۔ میں نے ستارہ کو خوں ناک نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔

”دودھ کا گلاس لاؤ...... جلدی!“ میری خونی نظروں اور غضب ناک لہجے نے اسے بری طرح سراسیمہ کر رکھا تھا۔ وہ جلدی سے اٹھی اور قریب دھرے ریفریجریٹر کی طرف بڑھنے لگی تو اچانک میں نے کسی خیال کے تحت اسے روک دیا۔ دودھ جیسی چیز میں زہر ملانا مجھے اچھا نہیں لگا تھا۔ سامنے ایک شیشے کی ٹاپ والی میز پر شراب کی ادھ بھری بوتل اور دو پیگ دھرے ہوئے تھے۔ میں نے ستارہ کو ایک پیگ بنانے کا حکم دیا۔ اس نے فوراً سوڈا واٹر اور آئس کیوب پیگ میں ڈال کر شراب کی بوتل انڈیل دی۔

اس کے بعد میں نے جمعہ خان کو اشارہ کیا اس نے اشارہ بھانپتے ہی فوراً اپنی جیب سے سائنائیڈ (زہر) کی چھوٹی شیشی نکال کر مجھے تھمائی۔ میں نے بہ احتیاط اس کی سیل کھولی اور چند قطرے پیگ میں انڈیل دیے۔ الف خان پھٹی پھٹی نظروں سے یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا۔ اس کے سیاہ بدہیئت ہونٹ کپکپا رہے تھے مگر اس میں کچھ بولنے کی ہمت نہیں ہو پا رہی تھی۔

پھر میں نے غیظ آلود لہجے میں ستارہ کو گھورتے ہوئے تحکمانہ کہا۔

”چل اے ناگن! جس طرح تو نے اس خبیث کتے کے کہنے پر میرے بابا جانی کو زہر دیا تھا۔ اب تو اسے بھی زہر دے...... چل......!“

میرے اس لرزہ خیز حکم پر ستارہ ایک لمحے کو سن ہو کر رہ گئی۔ الف خان چلا اٹھا۔

”ی...... ی...... ی...... یہ...... تت...... تم...... کک...... کیا...... کر رہے ہو؟“

میں نے اس کی بات پر توجہ دیے بغیر غصیلے لہجے میں گم صم کھڑی ستارہ سے کہا۔

”تو نے سنا نہیں میرا حکم ناگن! ورنہ یہ زہر تجھے پینا ہو گا۔ اب اگر تو نے ایک لمحے کی بھی تاخیر کی تو......“

میری قطعیت بھری تہدید پر ستارہ جیسے چابی بھرے کھلونے کی طرح حرکت میں آئی اور اس نے وہ شراب کا زہریلا پیگ اٹھا لیا اور الف خان کی طرف بڑھی۔ الف خان کے چہرے پر پیلاہٹ پھیل گئی اور

لکنت زدہ لہجے میں ستارہ کو گھورتے ہوئے بولا۔

”سس...... ستارہ!...... یہ...... یہ...... یہ تو کیا کر رہی ہے؟ تت...... تت...... تو تم...... مجھے زہر نہیں دے سکتی؟“

”کیوں رے ذلیل انسان! جب تو نے اسے میرے بابا جانی کو زہر دینے کی ترغیب دی تھی اس وقت تو نے یہ نہیں سوچا تھا کہ یہ ہاتھ تجھے بھی زہر پینے پر مجبور کر سکتے ہیں؟“ میں نے آتشِ غیظ میں جلتے ہوئے اس سے کہا اور پھر جمعہ خان کو مخصوص اشارہ کیا۔

وہ تو جیسے پہلے ہی میرے حکم کا منتظر تھا۔ فوراً حرکت میں آیا اور الف خان کے پل بھر میں کس بل ایک کر دیے۔ ستارہ کو میں نے پھر خوں ناک نظروں سے گھورا۔ وہ تو پہلے ہی مجھ سے بری طرح خائف رہتی تھی اور پھر اس زہریلی سازش کے بے نقاب ہوتے ہی اس کی حالت اور بھی غیر ہونے لگی تھی۔ وہ فوراً آگے بڑھی۔ جمعہ خان اپنے ایک ہاتھ کا آہنی پنجہ الف خان کے جبڑوں میں گاڑ کر اس کا منہ کھولے ہوئے تھا۔ ستارہ نے آگے بڑھ کر پیگ الف خان کے کھلے دہن سے لگا کر الٹ دیا۔ الف خان نے مچلنے کی کوشش کی مگر وہ جمعہ خان جیسے گوشت اور مضبوط پہاڑ کے زیر دبا تھا۔ ایک انچ بھی ہلنے جلنے سے قاصر......

الف خان کو غوطے بھی لگے اور ٹھسکے بھی۔ کچھ شراب باچھوں سے باہر بھی گری مگر میری بہ غور نظروں نے دیکھا اور مجھے طمانیت ہوئی کہ زہریلی شراب کی کافی مقدار اس کے معدے میں پہنچ چکی تھی۔

”اسے چھوڑ دو اور اب اس کے تڑپنے کا منظر دیکھو۔“ میں سرد اور سفاک لہجے میں بولا تو جمعہ خان نے اسے چھوڑ دیا۔ ستارہ نڈھال سی ہو کر صوفے پر گر گئی تھی۔ الف خان اپنا گلا پکڑے دہرا ہو گیا۔ سائنائیڈ زہر کا ایک قطرہ ہی انسان کو پل بھر میں کسی سانپ کی طرح ڈس کر لمحوں میں موت سے ہمکنار کر ڈالتا ہے۔

پھانسی

فرانس کے بادشاہ لوئی دہم نے اپنے وزیر مال کو اس کی موت کے بعد اس جرم میں پھانسی کی سزا دی تھی کہ اس نے سرکاری خزانے کی رقم خورد برد کی تھی موت کے چار روز بعد مجرم وزیر مال کی لاش قبر سے نکال کر اس کو پھانسی دی گئی تھی۔

الف خان کی آنکھیں حلقوں سے باہر ابل آئی تھیں۔ اس کے چہرے پر آن کی آن میں موت کی زردی کھنڈ آئی تھی۔ وہ اپنا گلا پکڑے اٹھ کھڑا ہوا اور لڑکھڑاتے قدموں سے دروازے کی طرف دوڑا مگر زہریلے اثرات نے اسے دروازے تک پہنچنے ہی نہ دیا۔ وہ قالین پر جا گرا۔ اس پر شدید جان کنی طاری تھی پھر ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے اس کا وجود بری طرح اینٹھنے لگا اور وہ ساکت ہو گیا۔

ستارہ پر بری طرح دہشت طاری تھی۔ الف خان جو میرے بابا جانی کے قتل کی سازش کا ماسٹر مائنڈ تھا بالآخر جہنم واصل ہو چکا تھا۔

”سائیں مٹھا! اب اس ناگن کا بھی کام تمام کر دیا جائے۔“ معاً جمعہ خان نے ڈری سہمی ستارہ کو گھورتے ہوئے مجھ سے کہا اور ستارہ ہراساں نگاہوں سے میرے چہرے کی طرف تکنے لگی۔

اچانک باہر دوڑتے قدموں کی آواز ابھری۔ میں بری طرح چونک گیا پھر ابھی میں سنبھل بھی نہیں پایا تھا کہ دروازہ دھڑ سے کھلا۔ اندر داخل ہونے والے شخص کو دیکھ کر میں ایک لمحے کو سناٹے میں آ گیا۔ وہ بھی مجھے وہاں پا کر اپنی پھٹی پھٹی اور غیر یقینی نظروں سے میرے چہرے کو تکے جا رہا تھا۔ گویا ہم دونوں کو ہی اس بات کی توقع نہ تھی کہ ہم دونوں کا اس طرح اور بالکل غیر متوقع طور پر بھی سامنا ہو سکتا ہے۔

(جاری ہے)